

WWW.PAKSOCIETY.COM

نوائے نیاں کے لیے صاف شکر افروغی اور

آنچل

www.aanchalnovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قیمت = 60 روپے

آنچل

قیمت = 60 روپے

مہاشا لامکا سرچ ۲۰۱۵

رجسٹرڈ پبلشر - ایس ایس

دلنشاہی

ابتداء

- 12 مدیا سرگوشیاں
13 راجا رشید محمود حمد
13 فاختو گل نعت
14 مدیا ورجو اسپاگل

داشکده

- 19 مشتاق احمد قریشی مالک یوم الدین

شمارا لکھو

- 24 طوبی صیدی / شازیہ اختر مایہ احمد
ماریجہ ہدی / اربوہ مبارک

بھنوں کی عداوت

- 27 ادارہ نازیہ کنول نازی

سلسلہ وار ناویں

- 55 راحت وفا موہکی محبت
145 سیر شریف غور ٹوٹا ہوا ٹارہ

کونست

- 93 سلمیٰ غزل آپا - پندرہ ام میں
197 سہان گل محبت دل کا سجد ہے

ناول

- 33 اقرأ صغیر احمد محبت ایسا نغمہ ہے
111 نایہ فاطمہ رضوی تمنائے دل
221 بیبا عالیہ خدا عشق عبادت

انسا

- 105 صبا جاوید شب گزیدہ کھر
183 تمثیلہ زاہد اپنا گھر
187 زینب اصغر مغل چمن خسرو کا
243 شمینہ بٹ ہیں گواکب کچھ
249 شمشاد اختر نقرئی پیالہ
255 کوثر ناز کنی گرھیں
263 سیدہ بزرگ بیگم موتیے کا پھول
269 سیدہ ضوبائیہ حرف زندگی
271 تحرش فاطمہ ہمدردی و بال جان

پیشہ مشفق امداد ریلوے سٹیشن سونہری سٹریٹ - پشاور
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیٹ ٹیچنگ 70 سٹیٹ روڈ، پشاور - 74400



سہرورق ایٹانورہ آراں اور بیونی پارلر عکاسی عکاسی رضا

مستقلے

293	بہا احمد	277	دوست کا پیچا آئے	حافظ شہیر احمد	کافی مسائل کا حل
300	نوریہ سالک	279	یادگار لمحے	میمونہ رومان	بیاض دل
305	شہلا عامر	281	آئینہ	طلعت آغاز	ڈش مقابلہ
313	شائلہ کاشف	285	نام سے پوچھے	روبین احمد	بیوٹی گائیڈ
317	ہومیوڈاکٹر پاشمہزبا	287	آپ کی صحت	ایمان وقار	نیرنگ خیال
	321	حنا احمد	کام کی باتیں		

دعا آتے ہیں کہ تمام کاموں میں کامیابی حاصل ہو۔ 75 ایچ 74200 فون نمبر 021-35620771/2
 فیس 021-35620773 کے ذریعے طلبہ کے لئے مفت کاپیوں کی پیشکش ہے۔ ای میل info@anchal.com.pk

حکایتِ مہربان

حویہ یاد رکھنا، تمہیں جو بچن کچھ کہیں سے ملا
 مہیث و مقسط و منان سے، معین سے ملا
 سرورِ حمہ خدا خوشبوؤں کے ساتھ ہمیں
 گلاب و لالہ و نسرین و یاسمین سے ملا
 بھرا جو روح کا دامن خدا نے رحمت سے
 تو موتی چشمِ فحالت کا آستین سے ملا
 انھی نظر جو نبی میزاب کی طرف میری
 سحابِ لطف خدا چشمِ سرگین سے ملا
 نبی ﷺ کی معرفت خلائق کائنات نے رہی
 خدا کی ذات کا عرفان شاہِ زمین ﷺ سے ملا
 میں حمد و نعت کو کہتا ہوں لازم و ملزوم
 یہ نعت نعت رہی و نعت آفریں سے ملا

راجا رشید محمود

نعتِ مہربان

سیرت ہو یا کردار محمد ﷺ پہ ختم ہیں
 معراج کے انوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں
 دنیا میں آئے سب تو نبی معتبر مگر
 نبیوں کے سب اسرار محمد ﷺ پہ ختم ہیں
 مانا کہ ہوں گے لوگ حسین اور حسین تر
 دنیا کے جمالات محمد ﷺ پہ ختم ہیں
 قرآن بھی دینا ہے کوہی اگر سنو
 اخلاق کے معیار محمد ﷺ پہ ختم ہیں
 فقراء ہوں یا امراء ہوں یا سائل ہوں یا متنی
 رحمت کے سب اطوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں

فاخرہ گل

در جواب مدیر

آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ اگر لکھنا چاہتی ہیں تو صفحہ مرقطاس پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار مختصر پیرائے میں افسانے کی صورت میں قلم بند کر کے ارسال کر دیں۔ کہانی ایک لائن چھوڑ کر کاغذ کی ایک سائڈ یعنی بیک پر مت لکھیں دیگر نکارشات پر اس سلسلے کا نام بمعہ اپنا نام لکھ کر ارسال کر دیں۔ اگر آپ کی تحریر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عائشہ الیاس..... دندلی بہاؤ الدین
پیاری بہن عائشہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”زندگی مشق“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ موضوع قدرے بہتر ہے لیکن ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور کوشش جاری رکھیں۔

کوثر ناز..... حیدر آباد
ڈیر کوثر! شادوآ بادور ہو سب سے پہلے تو خالہ جانی کو بھائے نجر کی آمد بے حد مبارک ہو۔ اب آغاز کرتے ہیں شکوہ جواب شکوہ کا۔ ہمیں آپ کے انتظار کی کلفت کا بخوبی اندازہ ہے اسی لیے مارچ کے شمارے میں پہلے سے آپ کی تحریر شامل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اور آپ کا شکوے سے بھرپور خط بعد میں موصول ہوا شاید دل کو دل سے راہ ایسے ہی ہوتی ہے۔ ”سلسلہ محبت“ کچھ خاص متاثر کرنے میں ناکام ٹھہری کسی منفرد موضوع پر طبع آزمائی کریں۔ آپ کی خواہش کے مطابق سب اس گل بھی آپ کے ہم قدم ہیں۔ امی بابا اور بھائی کو عمرے کی مبارک باد ہماری جانب سے بھی دیجیے گا۔

مریم ممتاز..... ای میل
پیاری عزیزیا مریم! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”انتہار نہ کرنا“ اور ”تصور کیا تھا“ موصول ہوئی پڑھ

بینا عالیہ..... لاہور
پیاری بہن! شادوآ بادور ہو آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر جان کر دل بے حد، نیچیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم ہستی بے حد مشفق اور پیار کرنے والی ماں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اس مشکل گھڑی میں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کا اور دیکھ رائل خانہ کو صبر و استقامت اور آپ کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے متمسک ہیں۔

سباس گل..... رحیم یار خان
ڈیر سباس! سدا سگھی رہو سب سے پہلے تو ناولٹ کی اشاعت پر مبارک باد قبول کیجیے ان شاء اللہ کوشش کریں گے کہ آپ کی موصول ہونے والی نئی تحریر ساگر نمبر میں جلد بنائے لئی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ماریہ کنول ماہری..... چک وردکان
بہن ماریہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”ٹوٹے موتی مالا سے اور بکھرے پھول چمن سے“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو حریص محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں ناکا آپ بہتر لکھ سکیں۔

عاصمہ رحمان..... بہاؤ والا
ڈیر عاصمہ! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو بزم

ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

موجیم شاہ..... ڈیوہ، اسماعیل خان
 پیاری گڑیا مریم! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "لوح
 و قلم تیرے ہیں" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول
 بنانے کے چکر میں تحریر کو بے باطلوات کے ساتھ الجھا
 دیا ہے۔ ابھی آپ محنت و مطالعہ کے ساتھ مختصر تحریر پر
 طبع آزمائی کریں۔

فصیحہ آصف خان..... ملتان

ڈیر فیصو! سدا سہاگن رہو ہمیں ہر ماہ ہی بے
 تماشہ ڈاک موصول ہوتی ہے اور اسی طرح بہت سی
 کہانیاں ابھی آنچل کے صفحات پر آنے کی منتظر ہیں۔
 کوشش ہے کہ آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر
 اپنی جگہ بنا لے گی۔

محسنہ عنبی..... بھکر

پیاری بہن محسنہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "رات
 کے راگ" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں
 لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن آپ کی تحریر ابھرنے کا
 شکار ہے اس لیے کسی اور موضوع کو اپنے قلم کی قید سے
 آزاد کریں لیکن ساتھ مطالعہ بھی کرتی رہیں۔

پری وش گوندال..... منڈی بہاؤ

لاہور

پیاری بہن پری وش! نیشہ خوش رہو آپ نے
 طویل عرصے کے بعد مختصر سا خط لکھا آپ اپنی تحریر جلد
 ارسال کر دیں۔ آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور
 حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

فیصلہ فائز..... اوکاڑہ

ڈیر فیصلہ! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "ایمان ہے
 بندگی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے
 عمیرہ احمد کے انداز تحریر سے متاثر ہو کر اپنی تحریر لکھی ہے
 بہت سی باتیں ان کے ناول سے مماثلت رکھتی ہیں

کر اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر پہلے بھی بہت لکھا
 جا چکا ہے اور ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے
 اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور اپنے مطالعہ میں
 نام و در انٹرنیٹ کو شامل کریں۔

شازیہ فاروقی احمد..... خان پبلہ

ڈیر شازیہ! چٹکی ربو سب سے پہلے تو ہماری
 جانب سے نکاح کے بندھن پر بندھنے میں ڈھیروں
 مبارک باد۔ گڑیا ہمارے پاس کثیر تعداد میں ڈاک
 موجود ہوتی ہے ہر کسی کی سوچ کا انداز اور خواہش کا
 معیار الگ ہوتا ہے۔ ایسے میں سب کو خوش رکھنے کی
 کوشش ہوتی ہے لیکن پھر بھی قارئین کی ناراضگی کا
 سامنا کرنا پڑ ہی جاتا ہے بہر حال ہم نے آپ کی تحریر کو
 کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اپریل میں "اپریل فون" سے
 متعلقہ کہانی شاید ہی لگ سکتے آپ سال گرو نمبر کے
 لیے اپنی مخصوص تحریر جلد ارسال کر دیں تاکہ پڑھ کر
 آپ کو آگاہ کیا جاسکے۔

قرۃ العین سکندر..... لاہور

ڈیر قرۃ العین! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "جنتی
 دھوپ میں چھاؤں جیسا" موضوع قدرے بہتر ہے
 لیکن ابھی آپ کو مزید مطالعہ کے ساتھ وسیع
 مشاہدے کی بھی ضرورت ہے جس سے آپ کے
 انداز تحریر میں بہتری آسکتی ہے۔ امید ہے کہ آپ دل
 برداشتہ ہونے کی بجائے محنت کریں گی۔

عوشیہ ہاشمی..... کوٹلی آزاد

کشمیر

ڈیر عوشیہ! جنتی رہو داوی کشمیر کے حسیں مرغزار
 سے ارسال کردہ آپ کا نثر موصول ہوا آئینہ میں تبصرہ
 شائع ہوتا ہے وہ آپ الگ سے تمام کہانیوں کے
 متعلق ارسال کر دیجیے گا۔ آپ کی پسند اور آنچل کو
 مراہنے کا بے حد شکر ہے آپ کی شاعری اگر معیاری

موضوع کی بدولت ہمیں یقین ہے کہ آپ مزید اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اس ناکامی کا میاں کا زینہ بنائیے اور کوشش جاری رکھیں۔

حیا بنگش..... کوہاٹ

ذخیر حیا! شاد و آباد رہو پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔ آپ لکھتی ہیں یہ بیان کراچھا لگا لیکن ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں آپ کا افسانہ موصول نہیں ہوا صرف آپ کا خط ہم تک پہنچا ہے جبکہ آپ کی کہانی اس میں موجود نہیں ہے۔

میمونہ نصر اللہ..... ذیروہ غازی خان

پیاری بہن میمونہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”شاید کے تیرے دل میں“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو اور بھی محنت کی ضرورت ہے آپ کا موضوع بہتر اور انداز تحریر کمزور ہے اس لیے آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور محنت جاری رکھیں۔

شہزاد بلوچ..... جھنگ صدر

شہزاد! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نثر لکھتے ہونے کے ساتھ کچھ بھی ہیں ورنہ کھنڈ تو کھنڈ ہی ہوتا۔ جاس کو دیتے وقت سامنے والے کو نہیں دیکھتے خیر یہ تو مذاق کارنگ ہے ہمیں آپ کی دعا میں چاہئے۔ ایم ایس کی فرسٹ ڈویژن سے پاس کرنے پر آپ چل کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ہر میدان میں ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے آمین۔

عظمیٰ شاہین..... نوشہرہ

ورکان

پیاری بہن عظمیٰ! شاد و آباد رہو آپ کا انداز تحریر کمزور ہے اب بیچ یا شروع کی تو بات ہی نہیں ہے۔ آپ موضوع پر ٹھیک سے گرفت نہیں کر پارہیں اس لیے اپنا مطالعہ و مشاہدہ دوڑیں وسیع کریں تاکہ آپ

آپ تمام نام در رائز کو پڑھیں لیکن لکھنے کے لیے اپنا انداز اپنائیں۔

حیا عباس کاظمی..... تلہ گنگ

بہن حیا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو آنچل سے کس قدر وابستگی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ساتھ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آپ کے گھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت تشریف لائی جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے صحت کے ساتھ ہی زندگی عطا فرمائے اور نصیب بلند فرمائے آمین۔

دیا احمد..... چکوال

پیاری دیا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”زندگی کی تہ ٹوٹے لڑی“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول لکھنے کے چکر میں کہانی کو بے جا طوالت کا شکار کر دیا ہے اور موضوع بھی اتنا خاص نہیں ہے اس لیے کسی اور موضوع اور مختصری تحریر پر طبع آزمائی کریں۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔

منشا یوسف..... 157 این بی

ذخیر منشا! جگ جگ جیو آپ کے خط کا جواب حاضر ہے بعض اوقات تاخیر سے موصول ہونے پر نگارشات شائع ہونے سے محروم ہو جاتی ہیں لیکن اب آپ کی تجویز پر انہیں ہم آئندہ ماہ لگا دیں گے اس لیے گڑیا آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عاشقہ اختر..... سیر گودھا

سوہیہ! عاشقہ! ہمیشہ ہستی مسترالی رہو آپ کی تحریر ”گھر“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مزید مطالعہ کے ساتھ محنت کرتی رہیں۔ امید رکھیں آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر جگمگائے گی آپ کے منفرد انداز و

بہتر لکھ سکیں۔

پیاری روٹی ہستی مسکراتی روٹی ایڈ کرنے پر بہت مبارک ہو آپ کی بھیجی گئی معلومات جلد ہی یادگار لکھوں میں اپنی جگہ منالے گی۔

شبیم کنول حافظ آباد

پیاری گڑیا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا آنچل کے تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے آپ الگ الگ صفحے پر سلسلہ کا اور اپنا نام اور شہر کا نام لکھ کر ایک ہی لفافہ میں ارسال کر سکتی ہیں۔ تحریر لکھنے کے لیے آپ کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہونا بہت ضروری ہے اس کے بغیر آپ اپنی تحریر و قلم کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتی اور تحریر لکھنے سے قبل اس سلسلے کے آخر میں لگا بکس ضرور پڑھ لیجیے گا۔

اہم ایس چنیوٹ
پیاری بہن! جتنی رو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ گڑیا اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی خط موصول ہی نہیں ہوا تو جو ب کیسے اور کیونکر ارسال کرتے غالباً آپ کی ڈاک ٹکٹ ڈاک کی نااہلی کا شکار ہو جاتی ہے۔ سب سے سبب آپ کا خط حاضر ہے تو ہماری جانب سے جواب بھی حاضر ہے اس لیے یہ خط بھی وور ہو جائے گی اگرچہ قصور وار ہم نہ تھے۔

سونیا قریشی ملتان

ڈیر سونیا! جگ جگ جیو! اگر آپ ہمارے جوابات سے متاثر ہوئی ہیں تو آپ کا حسن نظر ہے بے شک اچھے اخلاق اور نرم روٹی کی بدولت ہر کسی کو اپنا دوست بنا سکتی ہیں اسی لیے ہمارے مذہب نے بھی اخلاق حسنہ کی ترغیب دی ہے۔ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

ایمل سیمل کھڈیاں قصور
پیاری بہن! سیمل! سدا خوش رہو آپ کی تحریر پچھلے ماہ تا قابل اشاعت میں شامل تھی شاید آپ کی نظر سے نہیں گزری۔ ابھی آپ کو بہت محنت و وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔

عروج مغل اللہ ٹائون

ڈیر عروج! جتنی رو آپ کے اس راز کو جان کر اندازہ ہوا کہ آپ نہایت شوخ مزاج اور حاضر دماغ ہیں بہر حال ہم کیا کہہ سکتے ہیں سوائے اس کے مطالعہ ابھی عادت ہے اور اس میں شامل آپ کی شہرت ہے یونہی زندگی میں ہستی مسکراتی اور دوسروں کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھیرتی رہو آمین۔

کوثر خالہ خانپوال
ڈیر کوثر! سدا مسکراتی رہو آپ کا تفصیلی خط موصول ہوا پڑھ کر آپ کے دکھ و صبر دونوں کا اندازہ ہوا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے حبیب دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں اجاگر کر کے آپ کو خوش مزاج بنا دیا اور نہ جن حالات سے آپ دوچار ہیں ان میں زندگی اپنے لیے مشکل ہی لگتی ہے لیکن آپ نا صرف دوسروں کے لیے سوجتی ہیں بلکہ ان کے کام بھی آنا چاہتی ہیں اور یہ ہی ہر انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ آپ اپنی نگاشات ہمیں ارسال کرتی رہیں ہم گاہے بگاہے شریک کرتے رہیں گے جس ادبی صنف پر آپ نے قلم اٹھایا ہے بے شک وہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ کے لیے توشہ آخرت بن جائے گا ہمیں بھی اپنی

عضمی بٹ سمندری

ڈیر عظمیٰ! جگ جگ جیو! آپ کا خط موصول ہوا آنچل سے آپ کی وابستگی جان کر خوشی ہوئی آپ کی تجویز نوٹ کرنی ہے ان شاء اللہ جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

روبی علی سید والا



دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

علیشہ احمد..... بھاولنگر

ڈیر علیہ! سدا مسکراؤ! آج کل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید تبصرہ اگر آپ کا تاریخ تک مل جائے تو ضرور شامل کر لیں گے۔ کہانی آپ کی موصول ہوگی سے ان شاء اللہ! آج کل کے صفحات پر ہی آپ کو اس کے متعلق اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

فرودین مسکان سوور..... ڈسکہ

ڈیر مسکان! سدا مسکراؤ! آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی اور بے ساختہ انداز میں دل فریب مسکراہٹ عطا کر گیا آپ کی نگارشات سال گرہ نمبر کے لیے محفوظ کر لی ہیں اب دل تھام کر انتظار کریں اور ہاں آپ کا اسم گرامی اب بالکل ٹھیک لکھا ہے چیک کر لیجیے گا۔

شیوین گل..... ٹمن

ڈیر گل! گلوں کی طرح بہتی رہو اور اپنے لہجے کی شیرینی سے سب میں منحاس بنتی رہو۔ گڑیا ہمارے پاس کافی کثیر تعداد میں تعارف موجود ہیں کوشش کریں گے کہ آپ کا تعارف جلد شامل کر لیں، جہاں تک دیگر نگارشات کی بات ہے تو آپ کی ڈاکہ تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل نہ ہو سکی۔ بہر حال ہم نے آپ کو شرکت کا موقع فراہم کرتے جواب عنایت فرما دیا ہے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سامعہ جالت پرویز..... خانپور

ہزارہ

ڈیر سامعہ! خوش رہو! آج کل کے متعلق آپ کے والہانہ جذبات و داد تحسین کے یہ کلمات ہمارے لیے باعث فخر ہیں۔ ہماری بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ ہر بار آپ کا آج کل آپ کے لیے متعلق راہ بن جائے۔

متعلق اشاعت کو بخیلیں۔

پچھتاوا اعتبار نہ کرنا، قصور کیا تھا زندگی روٹھ گئی، محبت ہمسر میری دل دستک اپنے بھی پرانے نکلے رات کے راگ ایمان ہے زندگی یہ کیسی محبت تھی گمنام تیری، ہم نوا اصول ہوتی زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی پیمان و محبت اعتماد بلا عنوان، گھر نفیب کا لکھا ملتا اور تاجو کی کہانی، خوب صورت اتق، ہم جو تار یک راہوں میں مارے گئے، جنوری تیری اداسیاں، جھکی ہوئی چلیں، ہیرا سلجھی ہوئی آنکھوں میں، ابھی محبت صنف نازک کی فریاد تربیت اولاد اور آج کل کی مائیں محبت مفن میری، تجھ بن سونا آگن لے راہ حق کے شہیدوں، صبر کی جیت، نین تارے اڑان، چلتی دھوپ میں چھاؤں جیسا، سلسلہ محبت، سچی لگن، ٹوٹے موتی مالا سے زندگی مشق۔



مصنفین سے گزارش
 ☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کافی کرا اپنے پاس رکھیں۔
 ✎ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
 ✎ نئی لکھاری بہنیں و شش کریں پہلے انسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولت پر طبع آزمائی کریں۔
 ✎ فوٹو اسٹیٹ کہانی قائل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی وہ ایسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
 ☆ کوئی بھی تحریر نیلا یا سیاہ یا شگالی سے تحریر کریں۔
 ✎ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتہ اور پتہ تحریر کریں۔
 ✎ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر جسٹ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز، عبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ماہنامہ

مشفق احمد قریشی

سقر۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔ سقر کے معنی جھلس دینا ہے دوزخ کے اس طبقے کو سقر اس لئے کہا گیا ہے اس کی آگ جسم و روح کو تحلیل کر ڈالتی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس جو اہر القاموس میں لکھتے ہیں کہ آتش کا لفظ سقر رکھا گیا ہے اس لفظ کے اشتقاق کا پتہ نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے نہتی سے نقل کیا ہے کہ یہ سقر ہی ہے (الاتقان)

قرآن کریم میں چار مقامات پر ذکر ہوا ہے۔

ترجمہ:- بلکہ ان سے نمٹنے کے لئے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی سخت اور زیادہ سخت ساعت ہے۔ بے شک یہ مجرم و حقیقت غلطی میں مبتلا ہیں۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں جھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی نپت کا مزہ! (القدر- ۳۶-۳۸)

پہلی آیت کریمہ میں اللہ ذوالجلال ایسے تمام لوگوں کو تائید و خبر دے رہا ہے جو آخرت پر اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لاتے اور دنیا میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور احکام الہی تو انہیں الہی کی نہ پروا کرتے ہیں نہ فکر کرتے ہیں اور آخرت اور عذاب الہی کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے کہتے رہتے ہیں قیامت پر یقین ہی نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے جو عذاب کا وعدہ کیا ہے اس کا وقت قیامت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی سخت سے سخت بڑے سے بڑے عذاب جو انہوں نے بھی دیکھا ہوگا وہ قیامت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ بلکہ قیامت کا عذاب بڑا ہی سخت اور شدید ہوگا جس کا راند زہ بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ حقیقت میں عذاب الہی میں مبتلا ہیں ان کی عقل ماری گئی ہے (بہر گھر اتی اور آگ میں ہیں) جب روزِ محشر ان کا حساب ہو سکے گا اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو وہاں ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا پہاں اس آیت کریمہ میں اللہ جس شان اس کی منظر کشی فرما رہا ہے کہ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں جھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی اس آگ (نپت) کا مزہ! جہنم جو ہر اس نہ باہی سزا ہے وہاں جسم و جان کے ساتھ روح کو بھی سزا ملتی ہے انہیں نہایت حقارت سے منہ کے بل آگ میں گرا دیا جائے گا اس لئے کہ دنیا میں وہ غرور و تکبر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے انہیں جسمانی روحانی یا نفسیاتی عذابوں سے سزا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام فرما بردار نافرمانوں کو تنبیہ فرما رہا ہے بتا رہا ہے جتنا رہا نہ کہ اب بھی موقع ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو اپنالو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی راہ اپنا لو ورنہ تمہارا انجام تمہیں بتایا جا رہا ہے سچا دار لوگوں کے لئے اللہ کی قسم بہت سہی۔

ترجمہ:- میں غمگین ہوں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ (المدثر- ۲۶-۲۹)

ان آیات میں بھی اٹھدوہ الجلال نے دوزخ نصیب ہونے والوں کی منظر نشی کی ہے جو لوگ دنیا میں دین کو پس پشت ڈال کر من مانی زندگی گزارینگے ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اس سے آگاہی دینی جا رہی ہے۔ جہنم کی آگ ایسی شدید ایسی تیز ہوگی جو سب پہنچ نکل جائے گی آیات میں دوزخ کی شدید اور خوفناک خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ آخرت کے بعد کی زندگی دائمی زندگی ہوگی چاہے جنت میں رہے یا دوزخ میں جہنم کی آگ جلا کر خاک کر دے گی لیکن پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑے گا بار بار زندہ کیا جائے گا بار بار جلایا جائے گا اس بات کو سورہ اعلیٰ کی آیت ۱۳ میں بھی بیان کیا گیا ہے 'وہ اس میں نہ مرنے کا نہ جسے نکالے گا' (اعلیٰ ۱۳)

(۶) جحیم۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام جس کے معنی بھرتی ہوئی آگ حرم کے معنی آگ کے تخت بھرتے مشعل ہونے کے ہیں۔ ان جرتھکے مطابق یہ دوزخ کے سات طبقوں میں سے ایک طبقہ ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً پچیس مقامات پر ذکر آیا ہے۔ جہنم کا یہ طبقہ مشرکوں اور بت پرستوں کے لئے ہے جو کہ قرآن اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں کے لئے جہنم جاہر کر دی جائے گی۔ (الشعراء ۹۰-۹۱)

رونا آخرت جب میدان حشر میں حساب ہوگا میزان نصب ہو چکی ہوگی تب اٹھدوہ الجلال کے حکم سے اہل جنت کو جنت کا اور اہل جہنم کو جہنم کا نفاذ کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں منکرین نے غم میں اور اہل ایمان کی خوشی و سرور میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیں گے کہ جنت کی نعمتیں یہی ہیں جہاں وہ اٹھدوہ کے فضل سے جانے والے ہیں۔ دوسری طرف گمراہ لوگ میدان حشر میں ہی جہنم کو دیکھ کر لرز رہے ہوں گے ویسے ہی میدان حشر میں جو ان کا حشر ہو رہا ہوگا وہ بھی کسی جزا سے نہیں ہوگا۔

ترجمہ۔ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جہنم کیا کرتے تھے۔ (حکم ہوگا) گھیرناؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اٹھدوہ چھوڑ کر بنا دی گی کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ (الصافات ۲۳ تا ۲۴)

آیات کریمہ میں رب ذوالجلال نے میدان حشر کی وہ منظر نشی فرمائی ہے جسب مشرکین و کفار بدکاروں کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور ان کے اعمال نامہ کھول دیئے جائیں گے اور میدان حشر کی حتی سے وہ گھبرائے ہوئے خوف زدہ تو پہلے ہی سے ہوں گے خود اپنے پسینوں میں ڈوبے ہوں گے اس وقت انہیں بلاکت صاف نظر آ رہی ہوگی اس وقت انہیں یہ شدید احساس ہو رہا ہوگا وہ اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ندامت کا بھی اظہار کر رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت ہر قسم کے اعتراف کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ حساب کتاب شروع ہو چکا ہوگا۔ ندامت شرمندگی اور توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو صرف دنیا میں کئے گئے تمام اعمال کی جزا (سزا) کا ہی دن ہوگا ان کے اظہار ندامت اور اعتراف جرم کو ان کرائل ایمان اور میدان حشر میں موجود فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم دہرے میں مانتے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے تمام شریک ساتھیوں کو جو ان نے کفر میں ان کا ساتھ دے رہے تھے جن میں ان کی بیویاں بیٹیاں شیاطین اور ہر وہ ہستی جو ان کے کفر و شرک میں کسی بھی طرح ان کی مددگار اور معاون رہی ہوگی گھیر لاناؤ تاکہ ایک ایک قسم کی مجرمین الگ الگ جمع کر دیئے جائیں۔

اس حکم الہی میں ان معبودانِ باطل کو چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے سب کو ان کی تہلیل کے لئے جمع کیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ جن پر وہ دنیا میں بھروسہ کرتے تھے تکیہ کرتے تھے وہ تو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر کس بھی طرح قادر نہیں ہیں ان میں سے پہلی قسم کے معبود اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہ انہیں دیکھ کر ہر مندگی محسوس کریں گے اور اپنی جہالتوں پر ماتم کریں گے۔ ان جہنم کی طرف دھکیلے جانے والوں میں وہ نیک و کار لوگ فرشتے انبیاء اور اولیاء کرام شامل نہیں ہوں گے جنہیں یہ شریعت اپنے طور پر پوجتے پرستش کیا کرتے تھے۔

(۷) **ہاویہ**۔ دوزخ کا ایک طبقہ جو سب سے نیچے ہے یہ فرعونوں اور منافقین کا ٹھکانہ ہے جس کے معنی گہرا آتشیں ٹرٹھا بہت ہی گہرا کنواں۔ گرنے والی گہرائی اس میں دوزخی سر کے بل گریں گے۔
ترجمہ اور جس کے پلڑے ملے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔ (التاروت۔ ۸-۹)
آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جس کے اعمال حسنہ وزن میں ہلکے یعنی کم ہوں گے اس کی جلد دوزخ کا طبقہ ہاویہ ہوگا جو انتہائی گہرے کنویں کی طرح ہوگا۔

آیت مبارکہ میں لفظ ہاویہ استعمال ہوا ہے جو موزون کی جمع بھی ہو سکتا ہے اور میزان کی جمع بھی۔ اگر اسے موزون کی جمع قرار دیا جائے تو موازن سے مراد وہ اعمال ہوں گے جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی وزن ہو جو اس کے بان کسی قدر کے مستحق ہوں اور اگر میزان کی جمع قرار دیا جائے تو "موازن" سے مراد ترازو کی پلڑے ہوں گے۔ پہلی صورت میں موازن کے بھاری ہونے کا مطلب نیک اعمال کا برے اعمال کی مقابلے بھاری یا بڑا ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف نیکیاں ہی وزنی اور قابل قدر ہیں۔ دوسری صورت میں "موازن" کے بھاری ہونے کا مطلب اللہ جل شانہ کی میزانِ عدل میں نیکیوں کا پلڑا ابراہیموں کے پلڑے کی نسبت زیادہ بھاری ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلہ اعمال کی پونجی کی بنیاد پر ہوگا جو اعمال زیادہ ہوں گے نیک یا بد فیصلہ اسی مناسبت سے ہوگا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ "اور وزن اس روز حق ہوگا پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاں چاہیں گے اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔" (الاعراف۔ ۸-۹) اسی بات کو سورۃ کہف ۱۰۴-۱۰۵ میں سورۃ انبیاء ۱۱۷ میں کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق سے انکار اور کفر خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو جھکا دے گی اور کافروں کی کوئی نیکی ایسی نہیں ہوگی جو ان کی بھلائیوں کے پلڑے کو بھاری کر سکے اور نیکوں کے پلڑے کو جھکا سکے۔ جبکہ نیک اہل ایمان کے پلڑے میں ان کے ایمان کا وزن بھی ہوگا اور نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو اس نے دنیا میں کی ہوگی۔ اس کی جواہدہاں یعنی حساب کے وقت اس کے بدی کے اعمال کو دوسری طرف بدی کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور نچر دیکھا جائے گا کہ کونسا پلڑا بھاری ہے وہی ان کا فیصلہ ہوگا۔

دوسری آیت کے الفاظ میں "ام ہاویہ" یعنی اس کی ماں ہاویہ یعنی ہاویہ ہوئی ہے، ہے جس کے معنی اونچی جگہ سے گہرائی میں گرنے کے ہیں جہنم کے اس طبقہ کو ہاویہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ بہت ہی گہرا ٹرٹھا ہے جہاں آگ جگمگاتی ہوگی آگ سے بھرا ہوا ہے جب اہل جہنم کو اس میں پھینکا جائے گا آیت مبارکہ میں ارشاد

ابھی ہے کہ اس کی ماں جنہم ہوگی اس کا مطلب ہے کہ جس طرح ماں کی گود بچے کا ٹھکانا ہوتی ہے ایسے ہی آخرت میں جب اہل جنہم کو فیصلہ سنا دیا جائے گا تو ان کی سزا کے طور پر ان کا ٹھکانا جنہم کا وہ طبقہ ہاویہ ہوگا۔
دوزخ کی آگ کی شدت کا اندازہ انسان دنیا میں بھی کسی قدر کر سکتا ہے۔ آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں آتش فشاں آگ اگلتے رہتے ہیں آتش فشاں دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ایک فی صد بھی نہیں ہوتے جبکہ یہ بھی ایسے اندر موجود معدنیات اور دیگر اجزا کو پگھلا کر پانی کی طرح بنا دیتے ہیں۔

یہ تو تھی مختصر تفصیل دوزخ اور اس کے طبقات کی کیونکہ ہر مجرم کو سزا اس کے جرم کے مطابق ہی ملے گی جس کے لئے اللہ ذوالجلال نے مختلف سزائوں اور عذابوں کے لئے دوزخ کو سات مختلف درجات میں تخلیق فرمایا ہے کہ ہر مجرم اپنے جرم کے حساب سے ہی سزا پائے کسی کے ساتھ ذرا برابر زیادتی یا کمی نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی نیکو کار مسیٰ اہل ایمان کے ساتھ معاملہ ہوگا انہیں بھی ان کے نیک اعمال و اقوال کی جو جزا ملے گی اس کا حساب بھی ہوگا اور انہیں بھی جنت کے مختلف درجات میں عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔ اب یہ بھی سمجھ لیں کہ اہل جنت کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا جائے گا۔

جنت

جزا پانے والوں کا دائمی ٹھکانا

قرآنی آیات سے جنت کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ مثالی ہے۔ یعنی جنت نیکو کاروں کے اس دائمی گھر سے عبارت ہے جس سے انسان کی اعلیٰ تمناں اور آرزو پوری ہوں گی۔ جنت کی ایک صفت غلد ہے۔ یعنی وہاں پہنچ کر لوگ ایسی مسرتوں سے بہرہ مند ہوں گے جنہیں کبھی زوال ہی نہیں ہوگا۔ جو دائمی ہوں گی۔ وہاں ہر طرح کے رنج و غم ہر قسم کے دکھ و تکالیف سے انسان آزاد ہوگا ان کا تصور تک نہیں ہوگا ہر قسم کی فکر سے پاک ہوگا جنت ایسی پاکیزہ جگہ ہوگی جہاں کینہ، بغض، حسد، رشک، اور دیگر نفویات کا ہرگز گزرنے نہیں ہوگا۔ نہ شیطان ہوگا نہ ہی شیطانی وسوسا ہوں گے۔

جنت ایسے بارغ ہیں جن کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک اور نیکو کام کرنے والے اہل ایمان بندوں کو خوش خبری سنائی ہے یہ باغات ایسے تیسین اور خوبصورت ہیں کہ ان کی مثال نہ تو دنیا میں کہیں ملتی ہے اور نہ ہی انسانی ذہن ان کی خوبصورتی کے متعلق پوری طرح سوچ سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں جس طرح آسمان کا جوڑ زمین اور سورج کا چاند انسانوں میں دیگر مرقم مخلوقات میں زیادہ کا جوڑ بنایا ہے جیسے دوزخ اور جہنم کے بدترین ٹھکانا ہے ایسے ہی جنت نیکو کاروں کی اہل ایمان کا عیش و آرام کا ٹھکانا ہے جہاں رحمتِ الہی کا فضل اور انعامات ہی انعامات ملتے رہیں گے۔ قرآن حکیم میں جنت کے مختلف طبقات کا ذکر ملتا ہے جو اہل ایمان دان کی محنتوں اور ان کے تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کے لحاظ سے نصیب ہوں گے۔

دنیا میں ہم جنت ہر اس بارغ کو کہتے ہیں جس کی زمین بہ زخوں کے جھنڈ کی وجہ سے نظر نہیں آتی ہو بہشت کو دنیاوی باغات سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس کی خوش نمائی اس کی بھنڈک و راحت کو کسی حد تک ہی سمجھ سکتے کیونکہ جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے خفی رہی ہیں جو کچھ جنت نے بارے میں اظہار قرآن کریم میں ہوا ہے اسے انسانی ذہن کی قوت فہم و ادراک کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی نیا گیا ہے تاکہ انسانی عقل جو

زیادہ سے زیادہ سوچ سکتی ہے سمجھ سکتی ہے وہ اسے سمجھ لے محسوس کر لے اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو آخرت کے اور یوم حساب کے بعد کیسی انعام یافتہ مسرور اور پر کیف زندگی جو حقیقی زندگی ہوگی جس کو کبھی فنا نہیں ہوگی بخشے والا ہے کیونکہ جنت کی اصل اور حقیقی نعمتوں اور راحتوں کے بارے میں خود رب کریم درجہ قرآن کریم میں ارشاد فرما رہا ہے۔ سورۃ اسجدہ میں اس طرح آیا ہے۔

ترجمہ: کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔ (اسجدہ۔ ۱۷)

ارشاد باری تعالیٰ ایک اعلان عام کے بطور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان متقی پرہیزگاروں کے لئے چھپا رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ ذرہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی کسی کان نے نہیں سنی نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ (صحیح بخاری تفسیر اسجدہ)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے اعمال صالحہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

جنت کی جمع جنات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت کے سات طبقات ہیں۔

(۱) جنت الفردوس۔ (۲) جنت عدن (۳) جنت النعیم (۴) دارالخلد (۵) جنت الماوی (۶) دارالسلام (۷) علیین۔

کچھ اہل تحقیق نے بہشت کے آٹھ درجات قائم کئے ہیں۔ (۱) عدن (۲) جنت الماوی (۳) فردوس (۴) نعیم (۵) دارالقرار (۶) دارالخلد (۷) دارالسلام (۸) دارالجلال۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سات درجات تو انسانوں کے قیام کے لئے ہوں گے جبکہ آٹھواں درجہ دیدار حق تعالیٰ جنانہ کے لئے ہوگا۔ وہ کونسا درجہ ہوگا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ نزدیک وہ مقام دیدار الہی علیین کا مقام ہے جبکہ بعض کے نزدیک صدق ہے۔

(جاری ہے)



طربی صیبتی

ملی احمد

عذیر پسند ہیں۔ خوبیاں یہ ہیں کہ اساتذہ کا احترام کرتی ہوں دوسروں کا خیال رکھتی ہوں اپنی فیملی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ خامیاں منہ پھٹتے بد تمیز زبان دراز اور چیزیں رکھ کر بھول جانا۔ 2nd سسٹرز ٹاء آپنی کی بدولت ڈائجسٹ پڑھنے لگی میری زندگی کے سب سے اہم شخصیات میرے والدین جو بہت جلدی جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میرے والدین اور نوری بھائی کی اللہ پاک مغفرت فرمائے آمین۔ ہمارے بچے شاہ میر اور بیٹی قرأت میں ہم سب کی جان ہے اپنی لیورٹ نیچر مس طاہرہ یوسف جیسی بننا چاہتی ہوں۔ اپنی بہنوں کا ذکر نہ کروں ایسا ہونہیں سکتا سب سے بڑی صبا آپنی! بڑی پیاری بہن ہے میری (بس وزن کم کر لو پیٹیز) ٹاء آپنی کسی گریٹ ہو اللہ پاک ہر گھر میں ٹاء آپنی جیسی بہن عطا کرے آمین (بس وزن بڑھاؤ) یہ دونوں شادی شدہ ہیں اس کے بعد بہت ہی معصوم ستا آپنی پھر سب سے آخری گھر کی کھر چن قربانی ہے بڑی سویٹ ہے۔ سب سے بڑے بھائی کی شادی ہو گئی ہے بھائی شہانہ نیاز ہیں۔ اللہ پاک میرے بھائیوں کو ہمیشہ خوش رکھے اللہ حافظ۔

عائزہ محسن

سویٹ آنچل فریڈ ز اور قارئین کو میرا نہ خلوص سلام قبول ہو جی تو میرا نام شازیہ اختر ہے سب گھر والے اور دوست پیارے شازیہ کہتے ہیں لیکن بھائیوں نے میرے عجیب سے نام رکھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان سے لڑ پڑنی ہوں چھ جون کو اس دنیا میں انٹری دی اب آتے ہیں اپنی خامیوں اور خوبیوں کی طرف کچھ خاص تو نہیں لیکن جو ہیں وہ بتاتی ہوں مجھے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے نماز پابندی سے پڑھتی ہوں اور سب کو نماز پڑھنے کے لیے بھی کہتی ہوں کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی اگر کوئی ناراض ہو بھی جائے تو خود پہل کرتی ہوں اس کو منانے میں چاہے غلطی اسی کی کیوں نہ ہو اب آتے ہیں خامیوں کی طرف غصہ

تمام قارئین و آنچل اسٹاف کو اسلام علیکم! تمام لوگ خوش و خرم مزے میں زندگی گزار رہے ہوں گے اس امید کے ساتھ اپنا تعارف آپ تمام کے گوش گزار کروں گی۔ جی جناب میں ہوں طربی صیبتی 1st نومبر 1994ء کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئی۔ ماشاء اللہ 12 بہن بھائی میں 11 ویں نمبر پر ہوں میرے سات بھائی تھے اب چھ ہیں۔ کیونکہ میرے 2nd برادر اگست 2012ء میں ہمارا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے میں آئی کام پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن 2 نومبر 2009ء ہے جب ایف ایم آر جے ریحان حیدر سے بات ہوئی کیونکہ ہف ایم سٹنا مجھے بے انتہا پسند ہے۔ رضوان زیدی کی بہت بڑی فیمن ہوں ان سے ملنے کی خواہش بھی ہے میں کھانے کے لیے زندہ ہوں (ایسا میرے بہن بھائی کہتے ہیں) ایسے پس کی بات ہے غلط بھی نہیں کہتے کیونکہ بس ہر وقت میرا دل کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو چاہتا ہے جیسے چکن بریونی تمہاری بڑ گڑنا میں رول سمو سے لکسی اور پلاؤں کی دیوانی ہوں۔ ماشاء اللہ صحت مند ہی ہوں بقول فیملی کے وزن بہ دن کافی وزن بڑھ رہا ہے۔ دوست بہت بنائے ہوں اور دوستی بھی نبھاتی ہوں دل سے۔ زندگی انجوائے کرتی ہوں رنگوں میں بلیک اینڈ وائٹ کلر بہت پسند ہے۔ شاعری شوق سے پڑھتی ہوں۔ موسم سردیاں کا اور مہینہ دسمبر کا پسند ہے۔ بارش کی دیوانی ہوں، نایار الحق، عاطف اسلم اور منم ماری بہترین سنگرز ہیں۔ کرکٹ جنون کی حد تک پسند ہے محمد حفیظ کی تو بات ہی الگ ہے۔ لیورٹ رائٹر میرا شریف طور اور ان کی کہانی "محبت دھنک اوڑھ کر" بیسٹ ہے۔ ہیروز شاہ ز اور عباد

بہت جلدی آجاتا ہے لیکن جتنا جلدی آتا ہے اتنی جلدی اتر بھی جاتا ہے جو دل میں بات ہو وہ منہ پر کہہ دیتی ہوں میری تعلیم کچھ خاص نہیں ہے پڑھنے کا تو بہت شوق تھا لیکن پڑھ نہ سکی (ولہری قسمت) آج کل سے وابستگی کافی عرصے سے ہے پہلے مانگ کر گزارہ کرتے تھے لیکن اب اپنا منگوا لیتے ہیں اب کچھ تنگ گھر والوں کا ہو جائے ہم چھ بہن بھائی ہیں دو بیٹیاں اور چار بھائی۔ میں سب سے چھوٹی ہوں اور چھوٹی ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہوں میں جہاں جاتی ہوں ہر کسی کو دوست بنا لیتی ہوں دوستوں کی لسٹ بہت لمبی ہے لیکن کچھ کے نام لکھ دی ہوں نرگس شاہین جو کہ میری بیسٹ فرینڈ اور بہت اچھی رازداں ہے۔ مختصری اختیار خصصہ شائد جو یہ شائد جو بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ نند بھی ہے مجھے رکھوں میں واٹس اور پنک کلر بہت پسند ہے۔ پارٹ میں بھینکا بہت اچھا لگتا ہے میرا تعلق ضلع چکوال کے گاؤں نور پور سے ہے مجھے شاعری سے بے حد لگاؤ ہے پڑھتی بھی ہوں اور لکھتی بھی ہوں (بھول نرگس کے) تمہارا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے شاعروں میں نازیہ کنول اور وحی شاہ بہت پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول عین کوثر عظمیٰ انخار سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں کاش میں بھی رائٹرن سکتی۔ مجھے کھانا پکانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن پکانی کبھی ہوں کھانا جو بھی پکا ہو کھا لیتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بچہ امی ابو سے بھی بہت پیار کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین) خصوصاً اپنے کیوٹ سے بچے محلوہ لورنگی حسن احمد میں تو میری جان ہے جب وہ مجھے پھوپھو کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے ان پر بہت پیار آتا ہے میں چاہتی ہوں کہ دیرائیں کوئی ایسا کام کر کے جاؤں کہ زمانہ میری مثال دے۔ اللہ حافظ۔

میرے چہرے

اسلام علیکم! آج کل ایشاف اور میری پیاری بہنوں کو

مابہدولت کا پیار بھرا سلام قبول ہو ابدولت کو ماریہ چوہدری کہتے ہیں لیکن میری فرینڈز مجھے ماریہ مسکراہٹ کہہ کر بلائی ہیں۔ آج کل سے میرا ساتھ 9th کلاس سے شروع ہوا تھا اور اب تک میں نے اسے پیار سے تھا ہوا ہے۔ مابہدولت نے 4 جون 1996ء کو اس دنیا میں آ کر دنیا کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ سیکنڈ ایئر کی ملامہ ہوں ہم چھ بیٹیاں اور ماشاء اللہ سے چار بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے پہلے نمبر پر بھائی شوکت دوسرے نمبر پر باجی عذرا تیسرے نمبر پر باجی بلقیس چوتھے نمبر پر طاہر بھائی پانچویں نمبر پر باجی شاہدہ چھٹے نمبر پر بھائی صفیر ساتویں نمبر پر ارشد بھائی آٹھویں نمبر پر شازیہ نویں نمبر پر نازیہ اور آخری نمبر پر مابہدولت ماریہ چوہدری۔ ہماری کاسٹ راجپوت ہے اور ہماری زبان پنجابی ہے آج کل سے میری وابستگی جس طرح ہوئی ہے نا میں جب بھی یاد کرتی ہوں خود بخود مسکرانے لگتی ہوں۔ آپ بھی سنیے میرا حوالہ! میرے 9th کے ایگزیمٹز ہو رہے تھے ان دنوں پیپر واپس تیار کی جا رہی تھی ایک دن میں کمرے میں بیٹھی انگلش کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی کہ میرے پاس آج کل ڈائجسٹ بڑا ہوا تھا اس وقت مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت بالکل نہیں تھی تو میں نے موقع نصیحت سمجھ کر انگلش کی کتاب بند کر دی اور چوہدری چوہدری ڈائجسٹ پڑھنے لگی۔ میرا خیال ہے ان دنوں (جان جاں جو تو کہے) سیال اور ناول چل رہا تھا۔ یقیناً مجھے اس دن میں نے ڈائجسٹ کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جو میں نے چھوڑا ہوا گھروا لے سمجھتے تھے کہ ماریہ اندر بیٹھی پیپر کی تیاری کر رہی ہے اس لیے کوئی اس کمرے میں نہیں آتا تھا۔ میرے دماغ میں یہ ہوتا تھا کہ ماریہ جتنا پڑھتا ہے پڑھ لے لے پیروں کے بعد تمہیں موقع نہیں ملنے والا ویسے 9th میں میرے نمبر اچھے آئے تھے فرسٹ ڈویژن لی تھی میں نے (آتم)۔ اب آپ کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاؤں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر بات کو عام لگتی ہوں سرسری بات کی گہرائی میں نہیں جاتی اس لیے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جذباتی

جلد ہو جاتی ہوں اور خوبی یہ ہے کہ حسد نہیں کرتی کسی کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتی اور ماشاء اللہ سے دوستی کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہوئی ہوں سب دوست ہند کا شکر ہے ظلمت ملی ہیں۔ لباس میں شلواریں کھانے میں بیٹھا بہت پسند ہے اور ہنری جو بھی بنے شوق سے کھا لیتی ہوں۔ خوشبو میں رہو بہت پسند ہے نیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیورٹ رائٹر عمیرہ احمد ماہا ملک۔ ماہا ملک کا ناول ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ پڑھ کر تو میں بہت روتی تھی اس کا اینڈ تو رلا گیا تھا مجھے اور عمیرہ احمد کا ناول ہر کمال گیا اسی بات سے ویسے آپ دونوں رائٹرز سے بہت متاثر ہوں۔ سیڈ سونگز اچھے لگتے ہیں جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں اور ہاں میری کچھ بھی۔ ایکٹریس میں مجھے فضاء علی صبا قر اور ایکٹرا حسن خان پسند ہیں۔ آخر میں میرا پیغام آپ سب بہنوں کے لیے کبھی کسی پر اعتبار مت کیجیے گا اب دنیا پہلے جیسی نہیں رہی۔ لوگ اپنا مقصد نکالنے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دے جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہم جس کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہم پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ کبھی کسی کا اعتماد مت توڑیے گا پلیز جب دل ٹوٹتا ہے۔ بھولے شکستہ داز نہیں ہوتی پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے بہنوں مجھے اپنی رائے کے بارے میں ضرور آگاہ کیجیے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا اچھا کہ سوسہ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

راہِ صبر

اسلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب لوگ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی یہ کون آگئی غیر نہیں ہوں آج کل کی سویٹ سی قاری ہوں۔ مابدوات کورالو مبارک کہتے ہیں میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں ہم لوگ سات بہن بھائی ہیں۔ گھر میں جب بھی کوئی کام خراب ہوتا ہے سب کے لبوں پر میرا نام ہوتا ہے وہ کیا کہتے ہیں ”ابو سے بدنام برا“ گھر میں سب پیار

سے راہی کہتے ہیں۔ سب آتے ہیں پسندنا پسند کی طرف۔ مجھے کھانے کا بہت شوق ہے جو بستیو سب کچھ کھا لیتی ہوں (تھوڑا سا خرا کر کے) مگر بھٹی چاول، کڑھی اور ساگ بہت زیادہ پسند ہیں۔ رائٹرز میں سے ویسے تو سب ہی اچھا لگتی ہیں مگر تازہ کنول نازی، اقراء صغیر، سیرا شریف طور اور ام سریم پسند ہیں۔ ناول جو سب سے زیادہ پسند ہے وہ شازیہ چوہدری (مرحومہ) کا ”ہاں تم مجھے قبول ہو“ جو ایک بار شعاع ڈائجسٹ میں آیا تھا بہت زیادہ پسند ہے۔ شاعروں میں پروین شاکر، محسن نقوی، وحی شاہ اور احمد فراز کی شاعری اچھی لگتی ہے۔ نونہ کا سٹریٹ میں پی ٹی وی کے یا سر رحمان، حیرا، انا، رضوان، روتی اور وردہ شجاع اچھے لگتے ہیں۔ اداکاروں میں می خان، ازہا، اختر، سید، جبران، صبا قر، آغا علی، سائرہ خان، کنور، آفتاب پسند ہیں۔ میل، سنکرز میں سے توفیق، حیدر اور فی میل ہیں سے فرح سعید یہ پسند ہیں۔ ایف ایم سنٹی ہوں مگر زیادہ نہیں کبھی کبھی۔ سنکرز میں سجاد علی، علی عباس اور سائرہ رضا پسند ہیں لباس میں شلواریں، قمیص، ساڑھی، فرائڈ، شرابہ پسند ہے۔ اب آتے ہیں اچھائیوں اور برائیوں کی طرف برائی کی بات کی جائے تو ہر ایک برائی ہی کرتا ہے اچھائی تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ غصہ بہت زیادہ کرتی ہوں، جلد اعتبار کر لیتی ہوں کام کرتی ہوں مگر سلو۔ دوستیں بہت ہیں اسکول لائف میں یا سمین، اکبریا، سمین، سلیم، شاہ، سمین اور مادہ محمود اور نازن میں فرح اور فضیلہ۔ میری اپنی بڑی بہن عالیہ سے بہت زیادہ بنتی ہے دوسروں سے زیادہ تڑٹی ہوتی رہتی ہے۔ سہہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور اب ان کے مہاں ہے۔ جب یعنی بھائی رضوان تک ہم چاند وہ بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ موسموں میں گرمیوں کے علاوہ سب پسند ہیں اور آخر میں سب قاری بہنوں کے لیے بہت سی دعا میں مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا میرے لیے اچھے نمبروں کی ضرور دعا کیجیے گا۔ خدا حافظ۔



تالیف مولانا عیسیٰ

ادوارہ

کر گیا آنکھ سمندر جو کہا کرتا تھا
ایک آنسو بھی تمہارا نہیں دیکھا جاتا

عزیز دوستو!

ہنستی مسکراتی زندگی کی ہزاروں پر خلوص دعاؤں کے ساتھ
ہنوں کی عدالت میں اس بار خاکسار کی آخری پیشی ہے۔ پچھلے
کئی ماہ سے جاری اس خوب صورت سلسلے میں آپ بہنوں نے
میری تحریروں سے زیادہ میری ذات کے بارے میں سوالات
پوچھے اور پہلی بار آپ سب کی بے توجہ شائستگی نے میرے دل کو
جیسے جکڑ سالا ہے۔ میری پوری کوشش اور خواہش یہ تھی کہ میں ہر
بین کا سوال ضرور شامل کروں مگر شدید خواہش اور کوشش کے
باوجود بہت سی بہنوں کے سوالات مجھ تک نہ پہنچ سکے اور جن کے
پینے وہ کھو گئے۔ نہیں بیک ان باکس میں بھی جتنی بہنوں نے
سوال کیے ہیں، بہت زیادہ مصروفیت کی بنا پر وہ شامل کر سکا جس
کے لیے میں ان سب بہنوں سے بے حد معذرت خواہ ہوں۔

بہنوں کی عدالت کی اس آخری پیشی میں، میرا دنیا کی تمام
ماؤں کے لیے ایک ضروری پیغام ہے اور وہ یہ کہ خدا اپنے
بچوں کی اچھی دوست بنیں انہیں محبت کے ساتھ ساتھ وقت اور
اختیار بھی دیں ان پر اتنی سختی بھی نہ کریں کہ وہ آپ کے ڈر اور
جھجک میں اپنی کوئی بات آپ سے شکر نہ کریں اور چدر راستے
اختیار کر لیں بعد میں یہی چدر راستے انہیں جہاں کی منزل کی
طرف لے جائیں اور نہ ہی ان سے اتنی غافل ہوں کہ کہیں
بچوں اور شعلی بیٹیوں کی بربادی اور حرام موت ان کے نقصان کی
خبر ہی نہ ہو۔ اگر اپنی کسی نادانی کے سبب وہ برباد کیسے کسی
راستے پر قدم چھریں تو آپ اس راستے کا سراغ پا کر انہیں کسی
بھی اندھے کوٹھ میں گرنے سے بچائیں اب آپ کے خوب
صورت سوالات کے جوابات کی طرف۔

اڈھ پر مٹ خلع لو دھراں سے ایک بہت پیاری
محبت کرنے والی ماں فیضہ خدیجہ انسا لک آپ کی بے لوث محبت
اور دعا میں بیزی روح پر قرض ہیں۔ جتنا بھی شکر یہ ادا
کروں کم ہے خدا آپ کو محبت و تندرستی بھری لبی عمر نصیب
فرمائے، آمین۔

عارف والا سے رضیہ اقبال آپ کی محبت آپ کی مانتا کی
جتنی بھی تعریف کروں کم ہے اللہ آپ کو بھی دنیا کی ہر خوشی
نصیب فرمائے، آمین۔

رحیم یار خان سے بہت پیاری بہن شازیہ انصار
کہتی ہیں۔

☆ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا نہیں ہے بس اتنا کہتا ہے کہ
آپ کی کہانیوں میں جو اسلام سے محبت اور اس کی طرف رغبت
پائی جاتی ہے وہ بہت اچھی لگتی ہے میری تمام رائٹرز سے گزارش
ہے کہ وہ اپنی کہانیوں میں اسلام کے بارے میں مثبت طریقے
سے ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کریں۔

بہت شکر یہ شازیہ آپ کا پیغام تمام رائٹرز، بہنوں تک پہنچ گیا۔
☆ سرگودھا سے بہت پیاری، بہن فریڈا سیف کا سوال۔

☆ نازی آپ بحیثیت رائٹر بہت بہترین انسان ہیں مگر
بحیثیت دوست بھی بہت اچھی ہیں بہت سی رائٹرز بہت اچھا
لکھتی ہیں مگر آپ کی تحریریں آپ کا اخلاق اور آپ کی انسان
دوستی آپ کو باقی لوگوں سے جدا کرتی ہے آپ نے آپ کے دبیر
کے کتا چل میں اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں جو خوبیاں اور
خاصیاں بیان کی ہیں میری بھی ہانگنر، دیکھی ہی سوچ ہے میں نے
صرف آپ کی وجہ سے آج کل پڑھنا شروع کیا مگر اب سنا ہے کہ
آپ شعاع میں لکھ رہی ہیں ایسا کیوں؟

فریڈا میری جان آپ کی محبت کا بے حد شکر یہ میں نے طویل
عرصہ صرف آج کل میں ہی لکھا ہے اب چند بہنوں کے اصرار پر
طویل عرصے کے بعد شعاع کے لیے ایک تحریر "شہر خواب"
شروع کی ہے مگر مکمل نہیں کر پاری۔ پچھلے چند ماہ سے فرحانہ ناز
حک کی بات کے بعد کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا آپ دعا
کریں میرے اندر کی نازیہ کنول نازی پھر سے لکھم تمام لے
پلیز، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور آوارہ رکھے، آمین۔

☆ نامعلوم مقام سے بہن اذہ نور کی التجا۔

☆ آئی آپ رائٹر لوگوں کی کہانیوں میں ہیر و ہنر ہمیشہ خوب
صورت ہی کیوں ہوتی ہیں۔ میری آپ سے التجا ہے کہ پلیز آپ
عام شکل و صورت والی لڑکیوں کے بارے میں لکھا کریں۔ عام
شکل و صورت والی لڑکیوں کے بچپن دل ہوتے ہیں وہ اچھی ایک
بیاد کرنے والے جیون سامی کے خواب دیکھتی ہیں۔

عزیز از جان لائے میں آپ کی بات سے سو فیصد اتفاق
کرتی ہوں حقیقت میں خوب صورت لڑکیاں اتنے خواب نہیں
دیکھتیں جتنے کہ عام شکل و صورت والی لڑکیاں دیکھتی ہیں۔
کیونکہ خوب صورت لڑکیوں کو بہن خواب دیکھے ہی سب کچھ مل
جاتا ہے۔ مجھے نہیں پتا کہ میں نے اپنی کسی بھی کہانی میں اپنی
ہیر و ہن کی خوب صورتی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہو اور دوسری
بات ذرا لائے کہانیاں پڑھنے والی لڑکیاں ہی عام ہی شکل و
صورت کی مانگ نہیں ہوتیں بلکہ یہ خوب صورت خالوں والی
کہانیاں تحریر کرنے والے اکثر رائٹرز بھی عام ہی شکل و صورت

کی مالک ہوتی ہیں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔
 کراچی سے بہت پیاری بہن ہانیہ قریشی کا سوال۔
 ہلا ذری آلہ آپ کی تمام بہانیاں نہایت بہترین اور ہمیشہ
 یاد رہنے والی ہوتی ہیں۔ آپ کی شاعری بھی دل کو چھونے والی
 ہوتی ہے کچھ کچھ میں لکھتا تھا آپ اتنے اچھے گہرے شعر کیسے
 لکھ سکتی ہیں پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کا ناول کب
 نکلے گا۔

راحت ہی راحت نصیب ہوگی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن
 کے لیے اللہ رب العزت نے بہن نہ ختم ہونے والی اخروی زندگی
 کو پسند فرمایا ہے آپ زندگی کے مصائب پر رنج کی بجائے صبر
 کریں میری جان بے شک جو لوگ اس دنیا میں مشکلات
 برداشت کرنے والے ہیں ان کے لیے آخرت کے سفر میں
 ساری آسائشات ہیں۔

ہلا آپی برف کے آنسو کے بعد آپ کہیں گم تو نہیں
 ہو جائیں گی؟

دل تو چاہتا ہے یار کہیں کھ جاؤں مگر آج کل اور آپ لوگ
 کہاں گم ہونے دیں گے مجھے۔
 جھنگ سے بہن بشری ملک لکھتی ہیں۔

ہلا تازیا آپ کے ناول بہت اچھے ہوتے ہیں آپ کا
 انٹرویو بھی بہت اچھا ہوتا ہے میری سچا آپ سے بہت کئی بے
 پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کا ناول کب آ رہا ہے؟

بشری ڈیر آپ نے جو سوال کیا ہے وہی سوال چکوال سے
 بہن علیز سے کیا ہی ایمان علی، مخدوم پورہ سے بہن نبیلہ نور
 کھاریاں سے سول علی اور دیگر چند بہنوں نے بھی کیا ہے آپ
 سب میرے حق میں دعا کریں ان شاء اللہ میں جلد لکھنے کی
 کوشش کروں گی۔

خان گزہر ڈگریں سے بہن ساجدہ بھٹی کا سوال۔
 ہلا آپی کیا بھی کسی فین رل کی محبت نے مشکل سے
 دو چار کیا؟

اف کیا سوال پوچھ لیا یا رہا ہے چند ہی روز کی بات سے ایک
 فین صرف، میں دن بات نہ کرنے پر اسپتال چلی گئی جس پر
 میری ممانے مجھے ڈانٹا اور میں نے اس فین بہن کی دیوانگی کی
 قدر کرتے ہوئے ان سے سوا کچھ پر بات نہ کر لی۔ اس بہن نے
 مجھ سے کہا کہ وہ مجھے زندگی میں ایک بار ملنا چاہتی ہیں میں نے
 انہیں ان کے بے حد اصرار پر گھر انوائس کر لیا اور وہ بہن میری
 محبت میں سولہ سترہ گھنٹوں کا سفر طے کر کے میرے گھر پہنچیں
 میں نے بھی ان کی محبت اور خلوص کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں
 عزیز دوست کی طرح سمجھایا اور کسی دزیرا عظیم کی طرح ان کی آؤ
 بھگت کی پورا شکر گھمایا سب اپنی سب مصروفیات ترک کر کے
 انہیں گھر لانا تم دیا اس وقت بہت مشکل ہوئی جب انہوں نے
 ضد کر کے ساتھ سلا یا وہ بھی پوری تین راتوں تک۔ مجھے عشاؤں کی
 نماز کے فوری بعد سونے کی عادت ہے مگر ان تین راتوں میں دیر
 تک کبھی میں جاگی میرا دل جانتا ہے یا میرا خدا مگر وہ بہن پھر
 بھی خوش نہیں تھیں۔ میرا آئیٹل ورک، موہاٹل فون سب سائیڈ
 پر کر دیا انہوں نے تاہم سب سے بڑی جوازیت کی بات یہی وہ
 یہی کہ انہوں نے میری سب سے بڑی جوازیت کی بات یہی وہ
 یہی کہ انہوں نے میری سب سے بڑی جوازیت کی بات یہی وہ

ہانیہ میری جان آپ کی برخلوں محبت کے لیے بے حد
 شکر ہے۔ ابھی کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا آپ سمیت بہت
 سی بیسیں سبکی سوان کر رہی ہیں بہنوں کی عدالت کے لیے بھی
 بہت سی بہنوں نے یہی سوال ارسال کیا آپ سب بیسیں دعا
 کریں میرا سوڈن بن جائے پھر۔ سے لکھنے کا ان شاء اللہ آج کل کے
 سالگرہ نمبر میں ہو سکتا ہے شب بھر شروع کروں۔

ہلا آپ اپنے ناولز میں اتنے دل چسپ خوب صورت
 ہیروز کہاں سے لاتی ہیں؟
 اپنے خواہوں اور تخیلاتی دنیا سے آپ کی محبت کا بے
 حد شکر ہے۔

سرگودھا سے پیاری بہن شہزاد لکھتی ہیں۔
 ہلا السلام علیکم تازی ایسا ہے آپ کی بہت بڑی فین ہوں
 آپ کی لکھی ہوئی چند کہانیاں اور ناول جو میں نے پڑھے ہیں
 میرے دل پر نقش ہیں اللہ آپ کے علم اور کامیابی میں مزید
 اضافہ فرمائے آمین، میرا آپ سے سوال ہے کہ اگر انسان کو
 اپنے مستقبل کے بارے میں ڈپر سارے خدشات اور ڈر لاحق
 ہوں تو وہ کیا کرے؟ اگر دعا کے باوجود بھی دل مطمئن نہ ہو تو پھر
 کیا کرنا چاہیے؟

پیاری شہزاد مجھے آپ کا نام بہت پسند آیا ہے ان شاء اللہ
 اگلے کسی ناول میں یہ نام ضرور استعمال کروں گی آپ کی محبت
 اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔ اگر دعا کے باوجود کسی معاملے میں
 انسان کا دل مطمئن نہ ہو تو پھر سب کچھ اللہ رب العزت کے سپرد
 کر دینا چاہیے کیونکہ انسان خواہ کچھ بھی سوچ لے اور کر لے ہوتا
 وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے پس آپ بھی اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد
 کر کے بے فکر ہو جائیں ان شاء اللہ جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔

چونیاں شکر سے بہن اسی بہن کا سوال۔
 ہلا آپی یہ زندگی کے سارے دکھ اور مشکلات صرف
 غریبوں کے لیے ہی کیوں ہوتی ہیں؟

عزیز از جان اسی یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں ہمیشہ اللہ
 رب العزت کے پیارے اور محبوب لوگوں نے تکالیف ہی اٹھائی
 ہیں مصائب ہی برداشت کیے ہیں کیونکہ جو اس فانی دنیا میں
 جتنی گھٹن زندگی گزارے گا اسے آخرت کی دائمی زندگی میں

اسلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری ذات کی قسم کھا کر بھی میری اور میرے سارے گھر والوں کی ایک ایک لمحے کی وید یوز بنا لیں۔ جب مجھے اس بات کا پتا چلا تو میں نے ان سے ریکوریسٹ کی کہ میری پہلی مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتی آپ سب ڈیلیٹ کر دیں مگر میری التجا کے باوجود انہوں نے ایسا نہیں کیا جس پر میں ان کے سامنے ہی بے حد روئی اور میری امی، بھائی اور آئی نے مجھے خوب آڑے ہاتھوں نیا۔ امی کا غصہ دیکھ کر اس بین کو مجھ پر ترس آیا اور اس نے مجھے اپنا موبائل دے دیا تب میں نے وہ سب مواد ڈیلیٹ کیا اور اسی روز ان بین کو رخصت کیا مگر وہ دن اور آج کا دن اب میں کسی کی کال پک نہیں کرتی۔

● جرنل شی سے بہت پیارنی سی بہن تھیں یہ تھکتی ہیں۔
 ☆ نازیبا آپ مستقل کی عظیم رٹنر ہیں بہت خوب صورت لکھتی ہیں سب سے بڑھ کر آپ بہت اچھی بنی اور بہت اچھی بہن ہیں میرے پاس آپ کے لیے بہت سے سوال ہیں مگر آجکل میں آپ کے حلق بہت کچھ پتا چل چکا ہے پھر آپ کا بریالی سے بھی آپ کا پتا چل جاتا ہے خدا آپ کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب کرے تا مین میرا سوال ہے۔

☆ کیا آپ اپنی حقیقی زندگی میں بھی اتنی ہی شدت پسند ہیں جیسے کہ آپ اسٹوریز میں؟

کسی حد تک کہہ سکتی ہیں کیونکہ میری کہانیوں میں میرا ہی قصہ ہوتا ہے اور صرف میں ہی کہتا ہر گھاری کی تحریر میں اس کا اپنا عکس ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی کے ہر معاملے میں بہت شدت پسند ہوجاتی ہوں اچھی بھی مگر اب کچھ عرصے سے کافی ٹھہراؤ آ گیا ہے طبیعت میں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔

● بہاول پور سے بہن اتم شاہد ہتی ہیں۔ نازی آئی میں آپ کی بہت بڑی محبت ہوں آپ مجھے بہت پسند ہیں میرا آپ سے سوال ہے۔

☆ آپ اپنا ناول شب بھر کی پہلی بارش کب شروع کریں گی؟

اللہ نے چاہا تو بہت جلد شروع ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔
 پھر آئی آپ نے ہر موضوع پر لکھا ہے مگر اپنے مخصوص انداز میں بھی یونورٹی لائف برنیں لکھا کیوں؟
 کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ خصوصی طور پر اس ٹاپک پر لکھنا ہے۔ پھر بھی آج بھر کوشش کروں کہ لکھ سکوں۔

● مہکن ازبان علی اسلام آباد سے پوچھتی ہیں۔

☆ اگر آپ کو کسی بات پر غصہ آئے تو کیسے کنٹرول کرتی ہیں؟

پارٹین میں غصہ آتا تھا تو میں خود اپنے ہی ہاتھ پر زور سے کاٹ لیتی تھی اب اگر کسی بات پر غصہ آئے تو میں وہ بات ہی

چھوڑ دیتی ہوں اور خاموشی اختیار کر لیتی ہوں۔

● سائرہ خان اسلام آباد کا سوال۔

☆ آئی آپ شعاع میں کس لکھنا شروع کریں گی؟
 ایک ناول شروع کیا ہوا ہے مگر مکمل نہیں کر پائی ابھی تک ان شاء اللہ اگلے چند روز میں مکمل کرنے کے کچھ اداوں گی۔

● سرگودھا سے بہن نویدہ پوچھتی ہیں۔

☆ نازیبا آپ نے زندگی میں اتنی مشکلات کو برداشت کیا آپ بہت اہمیت والی ہیں پلیز بتائیے بتائیں جب زندگی میں کوئی اپنا نہ رہے تو کیسے زخمہ رہا جائے؟

نویدہ ڈیڑھ مشکلات اور پریشانیوں انہی لوگوں پر آتی ہیں جو اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں زندگی میں جب کوئی اپنا نہیں ہوتا تب ہی تو انسان خود سے ملتا ہے اللہ رب العزت پر سارے معاملات چھوڑ دینے سے ہر چیز بہتر ہو جاتی ہے۔

● زاہرہ حسین ملتان سے لکھتی ہیں۔

☆ آئی میں پہلی بار کسی رائٹر سے کچھ پوچھنے کی جنارت کر رہی ہوں پلیز مجھے جواب ضرور دینا میرا سوال ہے آپ کا نظر میں محبت کی انتہا کیا ہے اور کیا اپنا سزا کر دیتی ہے؟

زاہرہ ڈیڑھ آپ کے سوال کا بہترین جواب سہ یہ راجحوت کے ناول "مشتق آتش" میں موجود ہے۔ یہ ناول محبت کی انتہا بھی ہے اور محبت کی انتہا کے امر ہو جانے کی لازوال داستان بھی۔

● کمار باں سے مول علی کا سوال۔

☆ آئی میرے لیے کوئی خوب صورت جملہ؟
 کوشش کریں کہ آپ کو زندگی میں وہ انسان ہمیشہ ہنستا ہوا ملے جیسا کہ روزانہ سینے میں دھکتی ہیں۔

● مہجرات سے زار خان پوچھتی ہیں۔

☆ نازی آئی آپ ہر اسٹوری اتنے جاندار طریقے سے لکھتی ہیں کہ ہم اس میں ڈوب جاتے ہیں آپ اتنی پرورد شاعری کرتی ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟

کوئی خاص وجہ نہیں یاد رہی یہ دل دکھی انسانیت کے درد سے چر ہے شاید اسی لیے لہو میں ڈوب کر لفظ صلف قرطاس پر بکھرتے ہیں۔

● انا کوئین واہڈ اٹاؤن گوجرانوالہ سے پوچھتی ہیں۔

☆ آئی دعا کریں کہ میرا ڈاکٹر سینے کا خواب پورا ہو جائے میرا آپ سے سوال ہے کیا آپ کو کبھی نظر کی محبت پر یقین ہے؟ بالکل بھی نہیں۔

● پری خان سے مناعل شاہ کا سوال۔

☆ آپ اپنے ناول میں خوشاعری دیتی ہیں کیا وہ خود لکھتی ہیں؟

نہیں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کبھی میری شاعری ہوتی ہے کبھی
جوا بھی لگی وہی لکھ دیتی ہوں۔ تبیلہ قبیل لکھتی ہیں۔
مخدوم پرورد سے نبیلہ قبیل لکھتی ہیں۔

☆ آپ کی اورنا چل کی بہت بڑی فنن ہوں میرا
سوال ضرور شامل کیجئے گا میرا آپ سے سوال ہے کہ جس پر سب
سے زیادہ بھروسہ ہو وہی اعتبار کیوں توڑ دیتے ہیں؟
کبھی دنیا داری ہے یا راکھی لیے تو کہتے ہیں سلسل صرف اللہ
رب العزت کی پاک ذات سے ہونا چاہیے ہانی سب رشتے
بے بنتی ہیں۔

☆ ناسلوم مقام سے تزیلہ شہزادی کا سوال۔
☆ آپنی میں چھوٹی چھوٹی باتیں بہت سوچتی ہوں اور دل پر
لے لیتی ہوں بھر سوچتی ہوں مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسی
وجہ سے میری پڑھائی بھی ڈسٹرب ہو رہی ہے آپ پلیز مجھے
تائیں آپنی میں کیا کروں؟

فصل سوچنا چھوڑ دیں ڈیٹر ان شاء اللہ اللہ سب بہتر
کرے گا۔
☆ قبیلہ باد سے مریم جنت لکھتی ہیں۔

☆ نازیبا آپنی میں آپ کی دوپائی ہوں لیکن کبھی انچل میں
لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ آپ مجھے بہت پسند ہیں میں آپ
سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو کیا
آپ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا اگر ہاں تو تب کس نے آپ کا
حوصلہ بڑھایا؟

ماہنامہ انچل ڈائجسٹ کی مدیر محترمہ فرحتہ راضا صاحبہ نے
اور ایسا اس وقت ہوا جب جواب عرض میں لکھنے کے باعث
میری امی نے میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی۔ اس وقت
فرحتہ آپا کی محبت اور حوصلہ افزائی نے پھر سے میرے لکھنے کی
راہ ہموار کی 2007ء میں جب میری شاعری بک ان کتاب "پنجر
جانا ضروری تھا" منظر عام پر آئی تو میری مہربانی نے ایک مرتبہ
پھر میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی تب بھی انچل نے حوصلہ
بڑھایا تھا جہاں تک تنقید کی بات ہے تو یار میری بدقسمتی ہے کہ
مجھ پر تنقید برائے اصلاح بہت ہی کم ہوتی ہے۔ ہاں کچھ شر
پسند قسم کے لوگوں کی طرف سے ایک دو ہزار تنقید برائے تنقید
ضرور ہوتی ہے جیسے میں نے اپنے ایک ناول میں لکھا کہ ہیرو
نے ریسٹورنٹ میں ٹیبل پر مل پے کیا تو ایک معروف رائٹر نے
تنقید کی کہ نازیبا کیا تم بھی ریسٹورنٹ میں تھی ہو؟ وہاں ٹیبل
پر مل پے نہیں ہوتا کاؤنٹر پر جانر ہوتا ہے اب بتائیں مہلا بندہ
ایسی تنقید کا کیا کرے۔ انچل کے ساتھ قاری بہنوں نے بھی
ہمیشہ میرا بہت حوصلہ بڑھایا ہے۔

☆ مائندال جرات سے عائشہ کنول عاشری کا سوال۔

☆ آپنی خوبی رشتے تو اپنے ہوتے ہیں مگر احساس کے
رشتوں کی آپ کے نزدیک کہاں ہے؟

عاشی ڈیٹر میری نظر میں اگر خوبی رشتوں میں "احساس"
نہیں تو ایسے خوبی رشتوں کا کوئی فائدہ نہیں رشتے تو صرف
احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس نہیں تو کچھ نہیں۔
☆ ماسعود سے فضا ایمان علی پوچھتی ہیں۔

☆ نازیبا آپ ہمیشہ اپنی کامیابیوں کا گریڈ شاپلی ماں کو
اور خود سے وابستہ رشتوں کو دیتی ہیں مگر آپ نے بھی والد
صاحب کا ذکر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

کوئی وجہ نہیں ڈیٹر شاید میری کامیابیوں میں میرے والد
صاحب کا کوئی کردار نہیں۔

☆ آپنی کیا کوئی بھی انسان پیدا آئی رائٹر یا شاعر ہوتا ہے یا
اس کے حالات اسے لفظوں سے چیلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔
دونوں باتیں ہی ہوتی ہیں ڈیٹر کسی انسان میں پیدا آئی
ملا جھٹیں ہوتی ہیں اور کچھ لوگوں کو ان کے حالات مجبور
کر دیتے ہیں۔

☆ گواٹ سے انشال امیر کا سوال۔
☆ آپنی بھی اپنی زندگی اور شخصیت کے بارے میں بھی
تفصیلات بتائیں پلیز۔

ڈیٹر انشال
فرحت کبھی ملے تو پوچھنا مجھے ضرور
تاکام زندگی کی مکمل کتاب ہوں
☆ مٹلرگز سے مایہ شاد پوچھتی ہیں۔

☆ آپنی اگر برداشت کی مدد کر جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
میر۔
☆ لاہور سے اقرال کا سوال۔

☆ آپنی مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ آپ ایک رائٹر ہیں
آپ کے پاس بہت نانچ ہے پلیز مجھے بتائیں اگر کوئی شخص
آپ کو بہت چاہتا ہو آپ کی ہر بات مانتا ہو آپ کی عزت
کرتا ہو آپ کی خوشی میں خوش ہو مگر اچانک وہ آپ کو چھوڑ
دے اور بہت پوچھنے پر کہتا ہے کہ تمہاری خوشی کے لیے کیا ہے
تو کیا وہ شخص ناگم پاس کر رہا تھا یا واقعی آپ کے ساتھ ٹھکس تھا۔
میں آپ کی سوچ اور مشورے کا بہت پسند کرتی ہوں پلیز میری
ابھمن دور کر دیں۔

ڈیٹر اقرال
کچھ تو مجھوڑیاں رہی ہوں کی
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا
☆ کراچی سے ہسمہ خان۔
☆ آپ کی بہترین دوست کون ہے؟

وہی جو دل کی قلعہ ہو خیر خواہ ہو باوفا ہو۔

☆ آپی جب آپ بہت اداس اور دکھی ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں۔

ناول پڑھتی ہوں یا سوجاتی ہوں۔

☆ مکان سے اترنا ساجد پوجتے ہیں۔

☆ آپی آپ کی کہانوں میں بہت درد ہوتا ہے اس کی خاص وجہ؟

اقرآئیر مہری ذات کے صحرا میں اداسی کے چشمے بہت پھونچے ہیں شاید اس لیے آپ کو میرے لفظ بھیجے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یا پھر میں زندگی کی کیفیتوں کے سینے زیادہ چاک کرتی ہوں اس لیے لفظوں میں درد آتا ہے۔

☆ آپی کیا آپ سٹیڈیلزم پر یقین رکھتی ہیں۔

جی ڈیٹر یقین اور محنتی ہوں مگر سٹیڈیلزم بھی ملتا نہیں ہے۔

☆ کوئی ایسا کردار جتنا آپ کی کہانی کا بھی ہو اور آپ چاہتی ہوں کہ میری آگے کی زندگی شروع کیجی کرو اور ہو؟

اقرآئیر مجھے اپنی حقیقی زندگی میں ایسا ہم سفر پسند ہے جو میرے علاوہ اور کسی کا نہ ہو میرے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی نہ ہو دنیا کی حسین سے حسین لڑکی بھی اسے میرے سامنے بنے مٹی گئے مگر میری کہانوں کا کوئی بھی ہیرو ایسا نہیں ہے شاید اسی لیے میں اپنی کہانوں کے ہیرو کو زیادہ پسند نہیں کرتی پھر بھی "اے مرگان محبت" کے ارشاد کو میں ضرور اپنی حقیقی زندگی میں دیکھنا چاہوں گی بس اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

☆ نامعلوم مقام سے بہن میرب خان کا سوال۔

☆ نازیہ آپی کیسی ہیں آپ اللہ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب کرے آمین اور آپ کو ہمیشہ خوش رکھیں میرا آپ سے بس یہی ایک سوال ہے کہ آپ اپنے دن کا آغاز کیسے کرتی ہیں؟

دن کا آغاز میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کے نام سے ہی کرتی ہوں جیسے ہی آنکھ کھلتی ہے سب سے پہلے سبیل اللہ کر دیتی ہوں رات کے سچ چہرہ کر کے پھر نماز ادا کرتی ہوں تسبیح اور قرآن پاک سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر لیٹ جاتی ہوں پھر ناول پڑھنے بیٹھ جاتی ہوں اور پھر کی نماز تک بیٹھ جاتا ہے۔

☆ سرگودھا سے راسیہ آباد کا شکوہ۔

☆ پانچویں شب ہجرت کی منی ہارٹس کب آ رہا ہے نئے عمرے خوش خبری سنا کے اب انتظار کر رہی ہیں۔

بہت معذرت رہا ہے میرا میں جب ان ہا کس اس ایک شکایت سے بھر ہوا ہے مگر رات بھر فرحانہ ناز ملک کی وفات کے بعد میرا کچھ بھی کہنے کو دل نہیں چاہ رہا پھر بھی آپ دعا کریں میں کوشش کروں گی کہ آپ کے ساتھ رہتا ہوں یہ ناول

شامل کر سکیں۔

☆ لطیفہ بادِ طلع حیدرآباد سے تزیلہ شہزادی لکھتی ہیں۔

☆ السلام علیکم نازیہ آپی میں آپ سے پوچھتا چاہتی ہوں کہ جب ہم کسی سے کوئی تعلق بناتے ہیں اس کے بارے میں اچانک یہ محسوس ہو کہ وہ آپ سے، ہم باہم چھپا رہے تو آپ کو مایوسی اور دکھ ہوتا ہے آپ اس سے احتیاط کرتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ دانتے ہوئے بھی اس حقیقت کو نہیں مانتے اور اعتماد کرتے چلے جاتے ہیں ان لوگوں پر جو ان سے تعلق بھی نہیں ہوتے پھر بھی وہ ان کو اپنا ہمراز بنا لیتے ہیں حالانکہ وہ جوڑے ہوتے ہیں اور خود اپنی کوئی بات بھی سچ نہیں کرتے آپ پلیز بتائیں جب آپ کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ آپ کے ساتھ تعلق نہیں تو کیا کرنا چاہیے اس سچویشن میں؟ میں تو یہی کہوں گی ڈیٹر کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے کیونکہ ایسے تعلق جن کی بنیاد سچائی اور خلوص پر نہ ہو سوائے اللہ کے آپ کو اور کچھ نہیں دیتے۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے بے مقصد زندگی کو ضائع کرنا کبھی مفید درست نہیں۔

☆ مینا لوالی سے بہن عشرت ملک لکھتی ہیں۔

☆ ڈیٹر نازیہ یہ درد پاک کا قانون ہے کہ اس نے زندگی جیسی نعمت سب کو دی تو ہے مگر غیب کا علم صرف اپنے پاس رکھا ہے کسی کے حصے میں کتنی خوشیاں آتی ہیں اور کتنے غم کتنی آرزوئیں اور تکالیف یہ سب دینا جانتا ہے آپ اپنی اماں سے محبت کا بہت اظہار کرتی ہیں اس سے پتا چلتا ہے آپ اپنی اماں سے بہت محبت ہیں اور سب بہن بھائیوں سے زیادہ آپ ان کا درد محسوس کرتی ہیں آپ نے آمل ڈائجسٹ میں اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ آپ کا وہ درد بہت مشکل والا اور تھا جب آپ کی امی اسپتال میں داخل ہیں جب کچھ خراب حالت کی وجہ سے آپ نے جو لکھا اس کی تکلیف میں محسوس ہوئی تھی کہ آپ نے اتنی ہی عمر میں کیسے کیسے دکھ دیکھ لیے ہیں اور ابھی تک دیکھ رہی ہیں کسی نے سچ بتایا ہے کہ بیٹوں کی نسبت بیٹیاں اپنے والدین کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور ان کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور ہم آپ کو اور خود کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات بالکل حقیقت ہے اللہ اپنے حبیبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدمے آپ کی اور دنیا کی سب ماؤں کو بسی عمر اور صحت و ملی زندگی عطا کرے آمین۔

☆ ڈیٹر عشرت آپ کے مخفہ میں میرے لیے کوئی سوال نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کو اس مغل میں اس لیے شامل کر رہی ہوں کیونکہ آپ نے بہت خوب صورت لفظ تحریر کیے ہیں پوری دنیا میں ہر انسان خواہ وہ کسی بھی ملک اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو "ماں" اس کے لیے قدرت کا سب سے اہم اور قیمتی تحفہ



محکم دلائل سے
برآہنہ



بزم خیال میں تیرے حسن کی شمع جل گئی
 درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی
 جب تجھے یاد کر لیا، صبح مہک مہک اٹھی
 جب ترا غم جگا لیا، رات چل چل گئی

”ایک بات بالکل سچ بتاؤ گی؟“ وہ قریب آ کر
 بھاری لہجے میں بولا۔
 ”ہوں.....“ وہ اس کی آنکھ دیتی نگاہوں سے سراپہ
 ہو کر گویا ہوئی۔

”لڑکیاں واقعی ڈرپوک ہوتی ہیں یا ایکٹنگ کرتی
 ہیں؟“ اس کے قریب آنے پر وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے
 ہوئی تھی۔

”قاتلو کی بکواس مت کرو میں آئندہ تمہارے ساتھ
 نہیں آؤں گی تمہارے دماغ کی طرح اکثر تمہاری بائیک
 بھی خراب ہو جاتی ہے۔“

”بائیک خراب نہیں ہوتی صرف ٹائر پتھر ہوا ہے جو
 ابھی لگ جائے گا۔“ وہ سڑک کے اس پار پتھر لگانے والے
 کی دکان دیکھتا ہوا اطمینان بھرے لہجے میں بولا اور ماندہ کا
 خوف و فکر سے بے حال تھا۔ دوسرا اس کے اطمینان پر دل
 جل کر خاک ہوا جا رہا تھا وہ اس کے کما صرار پر امی اور تانی کی
 اجازت لے کر کھانے پانے لے۔

حماد پہنے اسے سی ویو لے گیا سمندر کی ٹھنڈی لہروں
 سے کھیلتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہ رہا پھر ڈر اور
 کافی کے بعد حماد بار بار اس کے کہنے پر وہاں سے اٹھا تھا
 اور ابھی آدھا راستہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ وہی سہمی کسر ٹائر پتھر
 نے پوری کر دی تھی۔

”اب کتنی اور دیر لگے گی یہاں؟“ وہ بائیک وہاں
 کھڑی کرتا تو وہ پوچھتی تھی۔
 ”زیادہ دیر نہیں لگے گی تم فکر مت کرو۔“ اس نے

”آؤ ڈاؤ! اب کیا ہوا..... تم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں
 اور تمہاری اس بائیک کو اسی وقت ہی خراب ہونا تھا؟“ ماندہ
 نے بائیک سے اترتے ہوئے رسٹ داچ پر نگاہ ڈالی اور
 گھبرا کر بولی۔

”زیلیکس یار! گیارہ ہی بجے ہیں ابھی کوئی رات نہیں
 گزر گئی ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہی ہو تم پھر میرے
 ساتھ ہو کسی غیر کے ساتھ نہیں۔“ حماد بائیک کے قریب
 بیٹھ کر ٹائر چیک کرتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

”بابا کے لیے گیارہ بجے آدھی رات ہوتی ہے تمہیں
 بجے وہ تھپہ پڑھنے کے لیے اٹھتے ہیں تو پھر دوپہر میں ہی
 قیلولہ کرتے ہیں۔“

”خیر مجھے کیا بتا رہی ہو میں ابھی اسی گھر میں رہتا ہوں
 اور چچا جان کی ڈیٹی روٹین کو جانتا ہوں۔“

”اور بابا کے مزاج کو جان کر بھی جانتا نہیں چاہتے ہو
 اگر ان کو پتا چل گیا ہم اس طرح آوارہ گرد کر رہے ہیں
 تو.....“ کہتے کہتے وہ مارے خوف کے جبر بھری لے کر
 بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

”تو..... تو کیا ہوگا جملہ مکمل کروا پتا۔“
 ”اس سے آگے میں سوچتا ہی نہیں چاہتی بابا کا
 غصہ بے حد خراب ہے۔“ حماد نے کھڑے ہوتے
 ہوئے اس کے سیاہ اسکارف میں لپٹے شفاف دودھیائی
 رنگتہ دالے رعنائی سے بھر پور چہرے کو دیکھا تو اس کی
 پراہت کی لے پر دھڑکتی دھڑکتوں میں خوش کن ارتعاش
 سا پھل چانے لگا تھا۔

نسل وی۔

اس دور میں کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔
"برائی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے جیسے ہم!
ایسا نہ ہو کسی کے گھر کی آگ ہمارے گھر تک پہنچ جائے اور
سب جل کر خاک ہو جائے۔"
"پھر کیا کریں گے آپ؟" شوہر کو مضطرب دیکھ کر وہ
بھی فکرمند ہو گئیں۔

"میں ابھی علاقے کے کچھ مہرزین سے مل کر ان کے
سامنے یہ مسئلہ پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کوئی بھی ایسی
بازاری عورتوں کو اپنے درمیان دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔
لیکن بد قماش عورتیں شرفاء میں نہیں رہ سکتی۔" وہ گلاسز
درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"آپ بھی ہر بات سر پر سوار کر لیتے ہیں" پہلے
چائے پی لیجیے ملائکہ نے کبک بنایا ہے وہ چائے کی
ترائی لار ہی ہے۔"

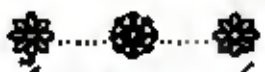
"ابھی تو میری پانی پینے کو بھی طبیعت نہیں چاہ رہی
واپس پر ہوں گا پہلے اس معاملے کو کلیئر کر دے دو۔" وہ کہہ
کر چلے گئے۔

"مما! پاپا کہاں گئے کچھ غصے میں بھی لگ رہے
تھے؟" ملائکہ نے باپ کو دور سے جاتے دیکھا تھا وہ ماں
سے آ کر پوچھنے لگی۔

"آپ کے پاپا کو کچھ کام تھا اچانک پاؤ آنے پر گئے
ہیں۔" وہ کھڑکیوں کے پرانے درست کرتی ہوئیں اسے
ٹالنے کی غرض سے بولیں۔

"میں نے جو سینڈویچ اور کیک تیار کیا ہے اس کا کیا
بچے کا اب؟"

"فکر کیوں کرتی ہو بیٹا! آپ کے پاپا کچھ دیر بعد
آ جائیں گے اور شاید جب تک عمر بھی آ جائے تو ساتھ مل
کر سب انجوائے کریں گے۔" انہوں نے مسکرا کر منہ
بسوتی بیٹی کو تسلی دی۔



وہ گشتاتی ہوئی سڑکیاں اتر رہی تھی معاہدہ کی نگاہ
مندرجوئے حماد پر گئی تو وارک گئی۔ نہاد کا چہرہ فیس ووش کے

مردانہ قہقہے کے ساتھ نسوانی بے باک قہقہہ فضاؤں
میں بکھرا اور قہقہوں میں تہلیل ہوتا چلا گیا ایونگ نیوز پیپر
پڑھتے ہوئے یوسف صاحب کی نگاہیں بے ساختہ ہی
برابر والے لان میں گئی تھیں۔

"لا حول ولا قوۃ! شریف لوگوں کے درمیان بھی اب
اس قماش کے لوگ بسنے لگے ہیں۔" لان میں ایک
نوجوان لڑکی جینز اور سیلو لیس ٹاپ میں دو مردوں کے
ساتھ کھڑی ہے۔ بے تحاشا ہنس رہی تھی اس کا ساتھ مرد بھی
دے رہے تھے جتنی تیزی سے ان کی نگاہیں اس طرف
اٹھی تھیں اس سے بھی پھرتی۔ یہ بچی تھیں وہ فوراً اٹھے اور
تیز تیز چلتے کمرے میں آ گئے۔

"ایک گلاس پانی دو بیگم!" وہ بیچ پر بیٹھتے ہوئے
گویا ہوئے۔

"ارے کیا ہوا آپ کو؟ چہرہ کتنا سرخ ہو رہا ہے۔ تنفس
بھی تیز ہے۔" مہرمانو روم ریفریکٹری سے پانی گلاس میں
اٹھیل کر انہیں دیتی ہوئی تشویش بھرے لہجے میں استفسار
کرتے لگیں۔

"کیا بے حیائی کا دور آ گیا ہے مہرمانو! ہم صدمہ ہے
میں ہیں۔" وہ ان کو ساری بات بتا کر حیران و اسرہ لہجے
میں گویا ہوئے۔

"کیوں اتنا رنجیدہ ہوتے ہیں آپ یہ بھی ہو سکتا ہے
ان کا آؤس میں ایسا کوئی تعلق نہ ہو۔" تنفس گھرانوں میں بہن
بھائیوں میں بھی ایسی۔ بے تعلق پائی جاتی ہے ایسی مذاق
چتا ہے۔"

"بہن بھائی!..... کسی بات میں کرتی ہو مہرمانو! ارے ان
پاکیزہ رشتوں کی خوشبودار سے ہی محسوس ہونے لگتی ہے اور
یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں ان بالوں کی
سفیدی میں عمر کے مشاہدے سے بھرے موجود ہیں۔"

"ارے چھوڑیں آپ یوسف! ہر کوئی اپنے اعمال کا
خود جواب دہ ہے وہ جو بھی کرتے ہیں انہیں کرنے دیں

جھاگ سے سفید ہو رہا تھا جس کو وہ دونوں ہاتھوں سے رگڑنے میں مصروف تھا۔

”کتنے بھی جتن کر لو تم گورے ہونے والے نہیں۔“ وہ اس کے قریب پہنچ کر جس کو گریا ہوئی ساتھ ہی تل بھی بند کر دیا تھا۔

”مامو! شرافت سے ٹال مکول دو میری آنکھیں جل رہی ہیں۔“ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے ٹال کھولنے کی کوشش کی تھی جس کی لائن وہ بیسن کے نیچے سے بند کر کے ہتھیرے ہوئے بھاگ گئی تھی۔

”ہااا..... ہمت ہے تو کھول دو خود ہی کھلو قصائی۔“

”مامو کی بچی..... میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں میرے ہاتھوں سے بچ کر دکھانا تم اب۔“ اس نے جیسے تیسے وال کھول لیا تھا ان چند لمحوں میں آنکھیں جلنے و تکلیف کے مارے جل کر نہیں رہے تھے۔ چند لمحوں بعد متواتر پانی سے منہ دھونے کے بعد آنکھیں کھلیں جو سرخ انگارے ہو رہیں تھیں اس نے قریب لگے پتھر سے ٹاول کھینچا منہ ہاتھ صاف کرنا وہ آئینے میں ایک نظر خود پر ڈالنا آگے بڑھ گیا۔

”کیا بات ہے کیوں بن بات اکیلی منے جا رہی ہو کتنی بار سمجھایا ہے تمہارا یہ بات بے بات ہنسنا مجھے طعنی پسند نہیں۔“ رضوانہ نے پراٹھا تو بے پروا لگتے ہوئے جینی کو سرزنش کی۔

”امی! بے بات کہاں نہیں رہی ہوں کوئی بات ہے تو نہیں رہی ہوں۔“ وہ تصور میں حماد کی جھنجھلائی ہوئی کیفیت دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

”جانتی ہوں میں کوئی ذمہ دار ہی بات ہوگی چلو جلدی سے ناشتا نہیں پر لگاؤ حماد کو ہسپتال جانے میں دیر نہ ہو جائے اور تمہیں کالج۔“ وہ ہاٹ پاٹ میں پراٹھے رکھ کر اسے واپس ہوتی گویا ہوئیں اور پھر نفی سے آلیٹ بنانے میں لگا گئیں چند لمحوں بعد وہ نقاست سے ٹیبل پر ناشتے کے ہنگام لوازمات رکھ چکی تھی۔

”ارے حماد..... بیٹا یہ آنکھیں اتنی سرخ کیوں

ہو رہی ہیں؟“ وہ تیار ہو کر آیا تو اس کے وجہہ چہرے پر آنکھوں کی سرخی کچھ زیادہ ہی نمایاں تھی۔ ناشتا سرد کرتیں رضوانہ نے چونک کر پوچھا تھا جبکہ ان کے برابر بیٹھی مائدہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر پھر ہنسنے لگی تھی۔ حماد نے لمحوں میں گھور کر دیکھا اور گویا ہوا۔

”خالہ جانی! شاید کسی کی بُری نظر لگ گئی ہے میری خوب صورت آنکھوں کو پلیز نظر ضرور اتار دیجیے گا۔“

”ارے کس بد بخت کی ایسا بُری نگاہ ہے مجھے تو کوئی اور ہی مخلوق ملتی ہے جس کی ایسی بھاری نظر ہے۔“ رضوانہ نے بھانجے کی محبت میں نہ اس کے شوخ طنز کو محسوس کیا اور نہ بیٹی کی دبی دبی ہنسی کو صرف اس کی آنکھوں کو دیکھ کر وہ فکر مند انداز میں سوچتے ہوئے گویا ہوئیں جبکہ حماد کے برابر میں بیٹھی رخسانہ نہ جانتے ہوئے بھی کچھ سمجھ گئی تھیں۔

”ہاں بالکل خالہ جان! ٹھیک پچانا آپ نے وہ کوئی چیز ہی ہے۔“

”دیکھ رہی ہیں آپ تائی جان! حماد مجھے چڑیل کہہ رہا ہے۔“ حسب عادت وہ خود پر تنقید برداشت نہ کرتے ہوئے کہہ اٹھیں حماد ہتھیرے لگا کر ہنس پڑا تھا۔ رخسانہ کے لمحوں پر بھی مسکرا ہوا، چمک اٹھی جبکہ رضوانہ نے بیٹی کو گھورتے ہوئے تنبیہی لہجہ میں کہا۔

”اچھا یہ تمہاری شرارت ہے پھر تم نے جھگ کیا حماد کو کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے بد تمیزی مت کیا کرو مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“

”اؤہوہو رضوانہ..... کیوں ڈانٹ رہی ہو مائدہ کی ان چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے تو روشن ہے زندگی میں۔“ اس کی نے فوراً حمایت کی۔

”شرارت اور بد تمیزی میں فرق ہوتا ہے ہاجی۔“

”مامو جینا! تم ناشتا کرو اور اپنی ماں کی باتوں پر دل نہ جلا یا کرو اس کو حماد کی شرارتیں دکھانی نہیں دیتی جو کسی طرح کم نہیں ہے۔“ ہمیشہ کی طرح انہوں نے مائدہ کی حمایت لیتے ہوئے بیٹے کو برا بھلا کہا تھا کیوں کہ مائدہ کو کالج اور حماد کو ہسپتال جانا تھا اس لیے بات آگے بڑھ نہ سکی اور وہ

چاہتا ہوں جو ہمارے خاندان کا دلیر رہا ہے۔ انہوں نے
 دونوں خواتین کو رنجیدہ رنجیدہ دیکھ کر رسائیت سے سمجھایا۔
 ”تمہاری باتیں درست ہیں عارف! مگر یہ بھی تو سوچو
 وقت کروٹ لے چکا ہے کچھ تو تمہیں وقت کی چال کے
 ساتھ چلنا چاہیے۔ تمہیں اپنے بہنوں پر اعتماد ہے بھروسہ
 ہے اپنی تربیت پر بچے اگر کچھ وقت ساتھ گزار لیں تو کوئی
 حرج نہیں پھر کل کو انہیں ایک ہوا ہی ہے۔“
 ”بھائی! آپ شاید میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتی
 ہیں یاد رکھیے آج کی عاقبت ناندیشی کل کا ناسور بن جاتی
 ہیں۔ غلط ٹیبلے غلط راہوں پر ہی لے جاتے ہیں۔ وہ کہہ کر
 رکتے نہیں تھے۔“



مہربانوں نے ممتاز بھری نغروں سے خوب و اسارت
 بیٹے کو دیکھا، جس کے سر پر سپید چہرے پر سنجیدگی و
 وقار جاڑ بیت بن کر چھائی ہوئی تھی۔ سوٹ میں لمبوس وہ
 لیپ ٹاپ میں مصروف تھا ان کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا
 اور لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کرنے کے بعد دھیمے انداز
 میں مسکرا کر بولا۔
 ”آئیے ماما! میں چند لمحوں بعد آپ کے پاس ہی آنے
 والا تھا۔“

”ملائکہ نے بتایا ہے مجھے آپ آج ڈنر گھر نہیں کریں
 گے۔“ وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے خوش
 مزاجی سے گویا ہوئیں۔
 ”جی ماما! بزنس ڈیلیکیشن کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے کچھ
 بزنس میٹرز ہیں وہ بھی حل کرنے ہیں۔ مجھے دلچسپی پر ناٹم لگ
 جائے گا۔“

”بھائی! آپ تو روز بروز مصروف ہوتے جا رہے
 ہیں ماما کی اپنی مصروفیت ہے پاپا نے کبھی ہمیں ناٹم دیا
 ہی نہیں ایک آپ سے نفوذی بہت گپ شب ہو جاتی
 تھی سو وہ بھی اب خواب بن گئی ہے۔ رینگی میں کالج سے
 آ کر بے حد بورد ہوتی ہوں۔“ ملائکہ وہاں آ کر شکایتی
 لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

ناشتے کے بعد اپنے اپنے راستوں پر گامزن ہو گئے تھے۔
 بن نٹانے کی وجہ سے ماندہ کالج حماد کے ساتھ بائیک پر
 گئی تھی جو گھر آتے ہوئے عارف صاحب کی نگاہوں
 سے محفوظ نہ رہ سکے تھے۔

”ماندہ حماد کے ساتھ کیوں گئی ہے؟“ وہ گھر میں آتے
 ہی گریجے تھے۔ رضوانہ جو صفائی کے لیے ماسی کا انتظار
 کر رہی تھی شوہر کو بے وقت گھر آتے دیکھ کر کچھ پریشان
 ہوئی تھی ”سزاوار اس سوال نے حواس باختہ کر دیا۔“

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں ماندہ دین میں جانے کی
 بجائے حماد کے ساتھ کالج کیوں گئی ہے اور تم خاموش کھڑی
 ہو۔“ وہ قریب آ کر بولا۔

”وہ..... دراصل آج دین نہیں آئی تھی اس لیے حماد
 کے ساتھ بھیج دیا۔“

”حماد کے ساتھ جینے سے بہتر تھا خود رکشہ ٹیکسی کر کے
 چھوڑ آتیں۔“

”عارف کیوں اس طرح سوچتے ہیں بھلا حماد کوئی غیر
 لڑکا نہیں ہے ماندہ کا منگیتر۔ بناپ کے بڑے بھائی کا بیٹا
 ہے اس گھر کا فرد ہے۔“ رخسانہ فوراً ہی بہن کی مدد کو آتے
 ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

”بھائی! میں مانتا ہوں اس بات کو لیکن شریعت کی رو
 سے منگنی کوئی شرعی تعلق نہیں یہ صرف بڑوں کے مابین
 ہونے والا ایک معاہدہ ہے کچھ کاغذ کی تحریر ہے جو حتمی نہیں
 ہے کہ یہ تعلق کل بھی قائم رہے گا۔“

”اللہ نہ کرے عارف! کبھی آپ زبان سخن کی
 طرح استعمال کرتے ہیں جس کا دار سید حاصل پر ہوتا ہے۔
 ہماری تو ولی خواہش ہے ماندہ اور حماد کا بندھن جو بچپن میں
 آصف بھائی کے سامنے زبانی کلامی باندھا گیا تھا وہ ہمیشہ
 ہمیشہ قائم رہے ہمارے بچے خوش و خرم زندگی گزاریں۔“
 ”یہ خواہش صرف میرے مرحوم بھائی کی نہیں تھی
 زندگان! تم سب کے ساتھ میری بھی یہی تمنا ہے لیکن میں
 دقت کی نزاکتوں سے باخبر ہوں وقت کے چلن کو سمجھ رہا
 ہوں۔ میں اس تعلق کو اسی عزت و وقار کے ساتھ جوڑنا

”سوری ڈیرا جیسے ہی فرنی ہوا تو تم کوڈر اور شاہنگ
کراؤں گا اور ڈانگ بھی کریں گے۔ لائیک ڈرائیو پر چلیں
گے آئی پر اس یو۔“ عمر نے لیپ ٹاپ رکھتے ہوئے اس
سے وعدہ کیا۔

”سوری بھائی! مجھے یہ سب ہرگز نہیں چاہیے۔“ وہ منہ
بنا کر کہا تھی۔

”پھر کیا چاہیے آپ کو؟“ وہ متحیر ہوا۔

”بھائی..... مجھے بھائی چاہیے گھر کی خاموشی خوشیوں
میں بدلنے کے لیے بھائی آئیں گے تو مجھے دوست بھی
ملے گی اور سسٹر بھی۔“ اس کی فرمائش پر مہربانو مسکرا رہی
تھیں جبکہ وہ ہکا بکا کھڑا تھا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، ہانگ! عمار اب ماشاء اللہ
سے آپ کا کاروبار بھی اٹھیلٹڈ ہو چکا ہے اب آپ کی
شادی ہو جانی چاہیے۔ آپ کے پاپا بھی کئی بار مجھے کہہ
چکے ہیں اگر آپ کسی کو پسند کرتے ہیں تو مجھے بتائیں۔“

”پسند..... ماما! پاپا نے جس طرح اپنی نگاہوں میں
بکڑ کر تازہ ریسٹ رکھا ہے ایسی گرفت میں کسی کو پسندنا پسند
نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میری کوئی پسند نہیں
ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”مجھے احساس ہے بیٹا! یوسف نے آپ دونوں سے
سخت رویہ رکھا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ
وہ آپ سے پیار نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی محبت ہی تو ہے جو
آپ آج کامیاب لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔“

”اوکے ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ رسٹ واپس دیکھتا
ان کی بات سنی ان سنی کیے اٹھ کھڑا ہوا۔

”جائیں بیٹا! فی امان اللہ۔“ انہوں نے خوشی خوشی
اسے رخصت کیا اس کے جانے کے بعد ان کے چہرے
پر تکلیف وہ خاموشا چھا گئی تھی۔

”ماما! بھائی اور پاپا کے درمیان ڈلسوں کی خلیج کب
ختم آئیگی؟“

”خدا جانے کب یہ فاصلے میں گئے یوسف کی شروع
دن سے یہی عادت رہی ہے وہ آپ سے اور عمر سے از حد

محبت و پیار کرتے ہیں۔ ہر معمولی سی معمولی ضرورت
انہوں نے بتا کہ پوری کی ہے دنیا کی ہر آسائش و سہولت
دی ہے ماسوائے اس کے کہ مہربان کی طرح ناز و نخرے
نہیں اٹھائے وہ سمجھتے تھے بچوں سے بے جالا ڈی پیران کا
مستقبل برباد کرنا ہے۔“

”ہمارے مستقبل کا تو پتا نہیں لیکن ہمارا حال پاپا برباد
کر چکے ہیں۔ اسپیشلی پاپا کے رف اینڈ روڈ برتاؤ نے عمر
بھائی کو فرسٹ کر دیا ہے وہ خود اکڑ کر جیلر اور بھائی کو کوئی
خطرناک قیدی سمجھتے رہے ہیں۔ مجھ سے تو ان کا رویہ پھر
بھی بہت بہتر ہے اور بھائی پاپا کے سامنے سانس بھی عمل
کر نہیں لیتے یہ کیسی محبت ہے ماما؟“

”میں نے تو بہت سعی کی اور کر رہی ہوں وہ اب عمر کو
اس کی مرضی سے فیصلے کرنے دیر نہ خود مختار ہے آ زاد ہے
اسے حق ہے اپنی مرضی سے جینے کا۔“

”ماما پلیز آپ پاپا کو سمجھائیں وہ اپنا برتاؤ سنبھال کر
بری خواہش ہے جب ہم چاروں ساتھ بیٹھیں تو گپ
شپ کریں ہنسے بولیں ہمارے درمیان احترام و چاہت
بھری بے تکلفی ہو ہم دونوں کی طرح اپنے اپنے کام انجام
دے رہے ہوں۔“ اس کی آواز نرم ہوئی۔ مہربانو نے اسے
چیز سے لگا لیا تھا آنکھیں ان کی بھی بھر ہوئیں تھیں۔

ان کے نظریات سے بے خبر یوسف صاحب اپنی
ہمسایہ میں موجود ان دنوں بیٹی سے چھٹکارا حاصل کرنے
کے لیے اپنے ہم عمر لوگوں سے رابطوں کے لیے سرگرم
تھے۔ پہلی ملاقات ان کی ماہتاب صاحب سے ہوئی تھی جو
اس علاقے میں خاصے اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ انہوں نے
ان کے آگے یہ مسئلہ پیش کیا تو وہ بھی ان کے ہم خیال لگے
اور کھلے کے کچھ اور صاحبان کو ساتھ لانے کا وعدہ کر کے
ایسے گئے کہ ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی وہ نہ گھر پر
دستیاب ہوئے نہ فون پر۔ ان کی ہر بے التفاتی کی وجہ
بھی وہ اس وقت سمجھے جب ان کے بیٹے کو رات کے
اندھیرے میں پڑوس میں آتے دیکھا۔ وہ بھی ہمت
ہارنے والے نہ تھے ان ماں بیٹی کو علاقے سے نکالنے کا

ہے جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو یہی
بھی عارف نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ اس نازک دور میں
پھونک پھونک کر چلنا ہی بہتر ہے پھر کون سا وہ پردے
میں بیٹھ جائے گی ایک گھر میں رہنے ہوئے ہزاروں موقع
طیس گے دیکھنے کے بہت کرنے۔۔۔ باہر کے سیر پاسٹے
ختم کرو بس۔"

"کون سا روز روز لے کر جانا ہوں امی! آپ چچا کو
سبھائی میں نا۔" وہ سخت مضطرب و بے کل ہو رہا تھا عجیب
محبت تھی اسے مائدہ سے ایک لمحے کی جدائی بھی اسے مرغ
بیل کی مانند تڑپانے لگتی تھی۔
"مائدہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا اسے بھی سبھایا ہے
میں نے اور سچ پوچھو تو وہ بچی پردہ رنے کو بھی راضی ہے۔
ایک تم ہو کہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئیں
کمرے سے نکل گئیں۔

رات واپسی پر دیر ہوئی تھی چاند گھر پہنچنے کے لیے اسے
کاررو ڈرائی پڑ رہی تھی۔ سردرات تھی موسم خاصا ایرا لوہو ہوا
تھاسرکوں پر پڑی تھک بھی برائے نام تھا وہ اپنی دامن میں کار
ڈرائیور کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کچھ فاصلے پر کار کھڑی تھی
جس کے دروازے دا۔۔۔ تھے قریب ہی دو لڑکے ایک لڑکی کو
پکڑے کار کی طرف لا رہے تھے۔ لڑکی بڑی طرح
مزاحمت کر رہی تھی ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے اس
نے فوراً کار روکی اور پھرتی۔۔۔ ان کو لنگارتا ہوا باہر نکلا اور
کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا (جو عموماً وہ اپنی سیٹھی
کے لیے رکھتا تھا) ان لڑکوں نے گھبرا کر لڑکی کو وہیں پٹھا اور
تیزی سے گاڑ میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں مس؟" وہ بھاگتا کر اس لڑکی کے
قریب آیا جو اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس کے سنہری بال کھمرے
ہوئے اور ہونٹوں پر شپ تھی اس نے فوراً شپ نوچ کر ہٹایا
اور کھڑی ہونے کی سعی میں کراہ کر گئی جس سے بدگلی سے
اسے پٹھا گیا تھا اس سے اس کی ٹانگ میں چوست آئی تھی وہ
کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔

تھوپ کر چکے تھے اب وہ سکون سے بیٹھنے والے نہ تھے۔
جانا نکدہ سمجھ گئے تھے اس علاقے میں کوئی بھی ان کا ساتھ
دینے والا نہیں ہے کسی کے بیٹے کا تعلق اس گھر سے جڑ گیا
تھا تو کسی کے بھائی کی آعورفت وہاں بڑھ چکی تھی اور کتنے
ہی ایسے تھے جو چھپ چھپ کر اس گھر کی طرف جاتے
و کھائی دیتے تھے۔



"تمہاری ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی میں تمہاری
ٹنادی کروں گی۔" رخسانہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"کوہ رسکی امی! کیا بات کہی ہے آپ نے دل خوش
ہو گیا۔" وہ اچھل کر مارے خوشی کے، ماں سے لپٹ گیا۔
"پہلے اچھی طرح سے میری بات سنو۔" وہ سنجیدگی
سے دور ہوتے ہوئے بولیں۔

"شادی ہونے تک تم مائدہ سے نہیں ملو گے اور۔۔۔"
"ای! آپ مجھے زندہ دیکھنا نہیں چاہتیں؟" وہ
کراہ اٹھا۔

"یہ کیا اول فول بک رہے ہو حماد! ماں سے اس طرح
بات کرتے ہیں؟" اس کی جذباتیت پر غصے سے بولیں۔
"گستاخی معاف ای جان! میں اپنی کیفیت بیان
کر رہا ہوں! نجانے کیوں میں مائدہ سے اتنی محبت کرتا
ہوں؟ ایسا لگتا ہے وہ دل ہے۔۔۔ میں دھڑکن ہوں! ہم ایک
دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔"

"اور ماں کچھ نہیں سے جو تمہیں دیکھ کر جیتی ہے۔
آصف جب ہمیں چھوڑ کر گئے تو تم چھ برس کے تھے تب
سے اب تک میری زندگی کا گور تمہاری ذات ہے۔"

"ای۔۔۔ میری سویرٹ ای۔۔۔" اس نے آگے بڑھ
کر انہیں محبت سے بازوؤں میں بھر لیا اور ان کے ہاتھ
چومتا عقیدت سے بولا۔

"ہو! آپ سے محبت ہے وہ بہت اسی سہیلی ہے اس محبت
کا کوئی بھی ثانی نہیں آپ کی محبتوں کا قرض میں کبھی ادا کر
ہی نہیں کر سکوں گا۔"

"بس بس زیادہ جذباتی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں

”جی..... کبھی آپ کو دیکھا نہیں ہے یہاں پر۔“
 ”میں بزنس ٹور پر تھا، پھر باوجود اس لوٹا ہوں۔“
 ”ہمیں یہاں آئے، پانچ ماہ ہوئے ہیں کیا آپ مجھے
 گھر تک سہارا نہیں دیں گے؟“ اس کے بھرے بھرے
 ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”میں آپ کے گھر میں اطلاع کرویتا ہوں، کوئی لے
 جائے آپ کو۔“ وہ کچھ خٹک سلجھے میں مخاطب ہوا۔
 ”گھر میں ماما کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور وہ بھی بیمار
 ہیں۔“ عمر نے گہرا سانس لے کر اسے سہارا دیا، گیٹ تیل
 بجانے پر درمیان عمر کی عورت نے دروازہ کھولا اور بیٹی کو
 دیکھ کر حیرانی سے استغناء کیا۔

”یہ کیا ہوا تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک مٹی تھیں؟“ لڑکی نے
 کچھ نہیں کہا، عمر کو لے کر وہ لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ
 گئی تھی۔ وہ عورت بھی پیچھے آ گئی تھی اور عمر کو جا چتی
 نگاہوں سے دیکھتی رہی، لڑکی نے مختصر اپنی آپ جیتی سنائی
 تھی اور ساتھ عمر کا تعارف بھی کر دیا، وہ سب سن کر عمر کے
 واری صداقتے ہوئے لگی۔

”آپ مجھے شرمندہ نہ کریں، یہ میرا فرض تھا اب مجھے
 اجازت دیں۔“
 ”آپ شہسیر تو کسی بیٹا، سہنی باز گھر آئے ہیں میں
 کافی لاتی ہوں۔“
 ”نہیں شکر یہ، پلیز ٹائم بہت ہو گیا ہے۔“ وہ
 جانے کو مڑا۔

”بہت مدد کی، سچ آپ نے میری انیس دہائی سے آپ
 کی عزت کرتی ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنا جیم نہیں بتائیں
 گے؟“ اس کا لہجہ از حد مترنم تھا۔
 ”عمر..... عمر اسف کہتے ہیں مجھے۔“ خلاف عادت
 وہ مسکرا کر بولا۔

”پریشی نیم، ننھے چاندنی کہتے ہیں، یہ میری ماما ہیں
 فردوس بیگم۔“
 ”یہ میرا کارڈ ہے، کبھی ضرورت پڑے تو بلا جھجک یاد
 کیجیے گا۔“ اس سادہ جیب سے وزیشننگ کارڈ نکال کر چاندنی

”پلیز مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ہے آپ سپورٹ ویں
 مجھے۔“ وہ از حد درد بھرے لہجے میں گویا ہوئی تو عمر نے
 تذبذب بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا وہ ہمیشہ
 لڑکیوں سے دور رہا تھا۔

”پلیز میری مدد کریں، مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔“ وہ
 لڑکی تقریباً دو پڑی تھی اس نے سہارا دینے کے لیے بازو
 بڑھایا اور ساتھ ہی گویا ہوا۔

”کون لوگ تھے وہ اور آپ کو اغواء کیوں کرنا
 چاہتے تھے؟“

”میں نہیں جانتی وہ کون تھے، گھر جا رہی تھی کہ اچانک
 ہی انہوں نے کار سے اگل کر ایک نے مجھ پر گرفت کی اور
 دوسرے نے ہونٹوں پر ٹیپ لگا دیا تھا اگر آپ ٹھیک وقت
 پر نہ آتے تو.....“

”اس وقت آپ کو تنہا گھر سے نہیں اٹھنا چاہیے
 تھا۔“ اس لڑکی نے ابھی بھی اس کے بازو کا سہارا لیا
 ہوا تھا، چوٹ کے باعث وہ اپنے سہارے سے کھڑکی
 نہیں ہو پارہی تھی۔

”میری ماما، ہمیں ان کی دولتی لینے کی خاطر گھر سے
 لٹکی تھی۔ دولتی لے کر آ رہی تھی کہ یہ سب ہو گیا۔“ اس نے
 وجہ بیان کی۔

”کہاں سے آئی ہیں..... میرا مطلب، کہاں جائیں
 گی آپ؟ اس واقعہ کے بعد آپ کو تنہا چھوڑنا مناسب
 نہیں۔“ وہ درست دماغ دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”مے بلاک میں راتوں راتوں بے حد شرمندہ ہوں، آپ
 پر بوجھ بن گئی ہوں۔“

”اے بلاک..... وہاں تو میں بھی رہائش پذیر ہوں
 آئیے، میں آپ کو ہارپ کر دوں۔“ وہ اس کا بازو تھامے
 آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ فاصلہ چونکہ
 زیادہ نہیں تھا وہ وہ منٹ بعد اس کے بتائے گئے گیٹ
 کے سامنے کار روک چکا تھا۔

”اسے آپ تو ہماری پڑوسن ہیں، یہ برابر والا بنگلہ ہمارا
 ہے۔“ وہ باہر دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں مقیم ہوں

پلنگے

ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ کہانیاں پیش کرتے

ایک ہمارے کے لیے 2 ماہ کا زر مالانہ
(شہولی رجسٹرڈ ڈاک فرج)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ماہہ منگوانے)

6000 روپے (ایک الگ منگوانے پر)

میدل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ماہہ منگوانے)

5500 روپے (ایک الگ منگوانے پر)

رقم ڈیمانڈ آرڈر منی آرڈر منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد وصول کر سکتے ہیں۔

اطلاعات براہ راست 0800-86424

سنے آف گروپ آف پبلسیشنز

کسٹمر سروس: 77112 3562-922
فون نمبر: 77112 3562-922

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

کو دیا، نامعلوم ان کو تہا دیکھ کر ہمدردی کا جذبہ اس کے اندر
سرائیت کر گیا تھا یا چاندنی کے چاند سے روشن و گلاب جیسے
مسکتے حسن نے اسے سحر زدہ کر ڈالا تھا۔

چاندنی اور اس کی ماں پر بھی اس کی ہینڈ سم ڈوشنگ
پر سٹی اثر کر گئی تھی۔ چاندنی ماں کا سہارا لیے مسخ کرنے
کے باوجود بھی اسے گیٹ تک چھوڑنے نہ آئی تھی، فردوس بیگم
نے پُر خلوص انداز میں دوبارہ آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ
گھر میں آیا تو اپنا آپ کچھ بدلا بدلا لگا تھا، ماما اس کے
انگھار میں جاگ رہی تھیں وہ ان سے مل کر اپنے بیڈروم
میں آ گیا۔



فردوس نے گہری نظروں سے بیٹی کو دیکھا جو ابھی بھی
خوش بو کے حصار میں مقید تھی۔ کیا خوش بو تھی سحر انگیز اپنے
حصار میں جکڑ لینے والی۔

”پاؤں تو تمہارا بالکل ٹھیک ہے اس لئے اسے کا سہارا لے
کر تم اسے چل رہی تھیں جیسے کوئی بڑی ٹوٹ گئی ہے پہلے تو
میں گھبرا گئی تھی لیکن جب تمہارے چہرے پر نگاہ پڑی تو
مجھ کو تمہاری نیت خراب ہو گئی ہے اس پر۔“ ان کے قہقہے
کا ساتھ اس نے بھی بھر پور انداز میں دیا تھا۔

”عجیب مرد تھا وہ ماما وہ تمہارے بچے مجھے کسی بوجھ کی مانند
سڑک پر پھینک کر بھاگا تھا فوراً تو مجھ سے اٹھا ہی نہیں گیا
تھا۔ میں بھی یہی سمجھی تھی کوئی بڑی ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے
گھبرا کر اس سے مدد کو کہا تھا اس نے شاید حادثاتی طور پر
میری جان بچائی تھی مگر مجھے چھو کر سہارا دینے کو تیار نہ تھا؟
بڑی منتوں کے بعد اس نے سہارا دیا تھا بازو سے اور اتنا
سستا سستا رہا گویا غلطی سے بھی مجھ سے بچ گیا تھا تو پھر کا
ہو جائے گا۔ ماما کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو عورت کو
نگاہوں سے بھی بچا دے؟“ چاندنی ابھی بھی عمر
کی خوشبو کے حصار میں تھی۔

”اسے میری جان! تم تو ایک ہی ملاقات میں عمر کی
گرہیدہ ہو گئی ہو اب کے تیرا ناچل گیا ہے۔“ وہ اس کے
قریب ہی بیٹھی تھیں۔

”میں قمر کو اس کے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتی مہما! میں چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل جاتی۔“



اس نے حما کو غصے سے دیکھا جس نے بائیک ساحل پر دوک دی تھی۔

”ارے بھی کب تک اس طرح ٹھور ٹھور کر دیکھتی رہو گی؟ مانا کہ بے حد چند سم و اسارت بندہ ہوں لیکن خوب صورت ہونے کا یہ مقصد ٹھوڑی ہے تم نظر لگا کر ہی چھوڑو۔“ وہ اس کی نگاہوں کی پیش گوئی کو اپنے شوخ لہجے کی ٹھنڈک میں سمو کر گویا ہوا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔

”ہاتھ چھوڑو میرا عماد! میرے بار بار منع کرنے کے باوجود تم یہاں آئے ہو۔“ ماندا نے غصے سے کہتے ہوئے اس سے ہاتھ چھڑایا اور وہیں کھڑی ہو گئی۔

”تم سیدھے طریقے سے میرے ساتھ آنے پر رضی کب ہوتی ہو ہر بار مجھے اسی طریقے سے تمہیں لانا پڑتا ہے اور تم بجائے میری احسان مند ہونے کے خفا ہوتی ہو یہ تمہارا برتاؤ ٹھیک نہیں ہے مانی ڈیئر! تم ناراض ہوتی ہو تو میں تمہیں مٹا لیتا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ایک دم ہی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”مگر یاد رکھنا جس دن میں ناراض ہو گیا تم مجھے مٹا نہیں پاؤ گی۔“ نامعلوم کیساتھ مزاحیہ انداز میں اس کے لہجے میں ہنستے مسکراتے ہنرے پر دیز سنجیدگی جھانکی تھی۔

یہ کیا کہہ دیا تھا اس نے ماندا کا دل ہل بھر کر کھم سا گیا تھا وہ جہاں بھی وہاں جم ہی گئی پھر وہ سرے لی اسے لگا سامنے سمندر کی موجوں کا تمام نمک اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہوا اور لہریں آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگی تھیں۔

”او گاؤ! یہ سمندر اور سمندر جیسی آنکھیں رکھنے والی لڑکی! محافف کرو مجھے میں جانتا ہوں عورت کے آنسو اور سمندر میں یکساںیت ہے۔ میں مذاق کر رہا تھا تم سے“

”بس مہما! وہ جس قدر چند سم ہے اس قدر ہی بے پروا اور روڈ بھی ہے۔ ایک نگاہ اس نے میری طرف بھر پور انداز میں ڈالنا گوارا بھی نہیں کی۔“

”میری جان! وہ دیکھتا بھی کیسے تم نے اس کے تعارف سے یہ نہیں جانتا کہ وہ اس جھپٹی بڑھے کا بیٹا ہے جس نے پورے علاقے میں ہمارے خلاف محاذ کھول رکھا ہے وہ اسی تک وہ دو میں لگا رہتا ہے کسی نہ کسی طرح ہمیں یہاں سے نکال باہر کرے۔ ماہتاب صاحب اور رضوی صاحب جیسے اثرورسوخ والے صاحبان کے بچے ہمارے گرد نہ ہوتے تو ہم کب کے یہاں سے شہر بدر کر دیئے گئے ہوتے اس بڑھے نے ابھی بھی ہار نہیں مانی ہے۔“

”او گریٹ آئیڈیا مہما! آپ دیکھئے گا وہ بڑھا اب کس طرح سے اپنی ہی داڑھی میں منہ چھپا کر بیٹھتا ہے اسی کے ہتھیار سے اس کو ایسی ٹھکست دوں گی کہ وہ جی نہیں پائے گا۔“

”ارے چھوڑ میں کہتی ہوں کیوں آگ سے کھیلنا چاہتی ہو۔“

”مہما! قمر دوبارہ ہاتھ آنے والا نہیں ہے اب لائف اسپنڈ کرنے کے لیے ہم کو کوئی ٹھوڑی آسامی تو چاہیے اور وہ عمر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔“ اس نے ماں کو عمر کا دیا ہوا وزینٹنگ کارڈ دکھاتے ہوئے کہا اور فردوس کی جہاندیدہ نگاہوں نے بیٹی کی نظروں میں لوہ پڑتا چاہتوں کی ضیاء محسوس کر لی تھی۔ آج انہونی ہوئی تھی کل تک اس شمع پر پروانے جل مرتے تھے آج وہ شمع خود عمر پر پروانہ وار شمار ہو گئی تھی۔

”مہما! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟“

”وہ قمر بد معاش تمہیں ڈنر کے بہانے سے لے کر گیا تھا انکار آدمی نے ذرا بھی احساس ہونے نہیں دیا کہ وہ تمہیں اغوا کر کے لے جانے کا پلان بنا کر آیا تھا اگر بروقت عمر نہیں آتا تو نامعلوم کہاں لے کر جاتا میری بیٹی کو اور نہ جانے کس طرح سے عیش آنا تم سے؟“ وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گئی تھی۔

”حماد! تم ڈاکٹر کیوں بن گئے ہو؟ تمہیں تو شاعر و
 دیب ہونا چاہیے تھا۔ ہر موسم کو جس اپنائیت و شدت سے
 تم محسوس کرتے ہو ایسا کرتے ہیں نے کسی کو نہیں دیکھا۔
 گرمی سردی خزاں و بہار اور بانٹیں ہر موسم آتا ہے اور چلا
 جاتا ہے لیکن تمہارے دل پر ہر موسم اپنا رنگ چھوڑ جاتا
 ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ حماد کے چہرے
 سے از حد سرت عیاں تھی وہ پیراڈائز کے ساحل پر موجود
 تھے جہاں دھوپ سمیٹنے لگی تھی۔

”ڈاکٹر اور رائٹر کی ایک قدر مشترک ہے ویسے ایک
 دوسرے کی ضد ہیں۔“

”اچھا وہ کیا قدر ہے جو مشترک ہے؟“ وہ چہرے پر
 آنے والی لٹوں کو پیچھے کرتی ہوئی گویا ہوئی جبکہ وہ نفا میں
 اڑتے پتھریوں کو دیکھ رہا تھا ہنسندہ کی لہروں کے مانند
 قطار در قطار جو پرواز تھے۔

”دیکھو ڈاکٹر جسم کا علاج کرتا ہے اور رائٹر روح کا ڈاکٹر
 ادویات کے ذریعے اور ایسے اشعار و تحریروں کے ذریعے
 ٹھانیت و خوشیاں فراہم کرتا ہے۔ عزم دونوں کا ایک ہی
 ہے یہی خلق خدا کی خدمت کرنا۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس بارے میں میں کوئی
 کسٹنس پاس نہیں کر سکتی کیونکہ میں نہ رائٹر ہوں نہ شاعرہ
 ہوں اور نہ ڈاکٹر ہوں۔“

”ایک ڈاکٹر کی لائف ارنڈ تو بننے والی ہو۔“
 ”حماد! اگر ایسی باتیں شروع کیں تو میں دوبارہ
 تمہارے ساتھ آنے والی نہیں۔“ حماد کو شوخی میں دیکھ کر وہ
 بخجندی سے بولی۔

”اے بابا! سوری تم تو مذاق میں بھی سیر نہیں ہو جاتی
 ہو تم سے اچھی میری کو لیکڑ ہیں جو میرے مذاق کا جواب
 مذاق میں ہی دیتی ہیں اب تم ان سے جیلسی لٹل کرو گی۔“
 وہ ہنستا ہوا بولا۔



وہ رانگ چیئر کی بیک سے سر نکالے آنکھیں
 موندے بیٹھا تھا اس کے بخجندہ چہرے پر کچھ دکھ و کبیدیگی

میری کیا مجال جو تم سے خفا ہوں اور اور انگریزی ہو گی جاؤں
 گا.....“ اسے بے تحاشہ روتے دیکھ کر وہ قدرے بوکھلا کر
 بے ربط بول رہا تھا وہ بھی کدوئے جاری تھی۔

”مائدہ پلیز..... کیوں میری برداشت کا امتحان لے
 رہی ہو تم؟“

”اور تم کیا کہہ رہے ہو حماد! ایسی بات کر کے تم نے
 مجھے زندگی سے دور کرنے کی سعی کی ہے کیا میں تم سے دور
 رہنے کا تصور کر سکتی ہوں؟“

”اب تم نے محسوس کیا کس طرح دل بند ہونے لگتا
 ہے جب کوئی اپنا ہم سے دور ہونے کی سعی کرتا ہے۔ تم
 نے محسوس کیا نہ اپنوں۔ سے جدائی کے خیال سے کس طرح
 زندگی سانسوں سے خالی ہونے لگتی ہے۔ مجھے امید ہے تم
 آئندہ کبھی مجھے دکھی کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔“ وہ
 سنجیدگی سے گویا ہوا۔ مائدہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے
 اثبات میں سر ہلادیا پھر دونوں مسکراتے ہوئے ایک پتھر پر
 بیٹھ گئے تھے یہ موسم سرما کی ڈھلتی ہوئی دوپہر تھی۔ سمندر
 شانیت تھا لہریں ہولے ہولے ساحل سے ٹکرا کر لوٹ رہی
 تھیں ہواؤں میں ٹھنڈک تھی جو سورج کی شعاعوں سے
 خوش گوار لگ رہی تھی۔

”ایسے سرد موسم میں بھی کوئی ساحل سمندر پر آتا ہے
 بھلا؟“ اس نے بھولی ہوئی مونگ پھلی کھاتے ہوئے کہا
 اس وقت وہاں ان کے علاوہ ایک کپل تھا جو مائدہ اور موجود
 تھا اور اتنے ہی فاصلے پر ایک فیملی تھی اور پتہ لوگ تھے اکا
 ڈکاونٹ والے تھے ساحل میں ٹھانیت بھری خاموشی پھیلی
 ہوئی تھی۔

”ایسے موسم میں ہی نہ سمندر پر آنے کا مزہ ہے نہ دیکھ
 رہی ہو کتنا سکون ہے۔ قدرت کس قدر نزدیک محسوس
 ہوتی ہے۔ ہر شے میں رب کی وحدت و نور چمک رہا ہے
 عام ذروں میں ایسا کہاں ممکن ہے یہ سب محسوس کرنے کے
 لیے سکون و تنہائی میسر ہونی چاہیے۔“ وہ قدرت کے ہر
 نظارے کا شیدائی تھا تاکہ کائنات کی ہر منائی اسے سرد و
 شاداب کر دیتی تھی۔ وہ ہر موسم کو خوب انجمائے کرتا تھا۔

بھرے تاثرات تھے۔

”اوہ لیس! ایم سواری میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”اب تو پہچان لیا نہ آپ نے؟“ اپنی گرم جوشی کے جواب میں اس کا سر سری انداز چاندنی کو مضطرب کر گیا جبکہ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جی پہچان گیا ہوں۔“ چہے کیسے کال کی آپ نے خیریت ہے؟“ چند لمحوں خاموشی کے بعد التجا یہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”جی بے حد ضروری کام ہے میں فون پر نہیں بتا سکتی اگر آپ گھر تشریف لے آئیں تو بہت مہربانی ہوگی آپ آئیں گے؟“

”ایسا کیا کام ہے جو آپ فون پر نہیں بتا سکتیں؟“ لہجہ سرد تھا۔

”کام ہی ایسا ہے اگر آپ نہ آنا چاہیں تو میں فورس نہیں کروں گی، ہم تنہا عورتوں کی مدد بھلا کوئی مرد کیوں کرنے لگا؟“ اس کا خوب سمورت لہجہ ایک دم ہی بھیگ سا گیا اور ساتھ ہی لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ عمر چند لمحوں ہاتھ میں ہو جو دو موبائل فون دو دیکھتا رہا پھر وہ ٹھٹھی ٹھٹھی روٹی روٹی سی آواز حواسوں پر غالب آنے لگی تھی وہ کتنی دیر یونہی گم سم بیٹھا رہا پھر اچھڑا کھڑا واقعہ۔

”ارے بیٹا چاندنی ونی بزدل و کمزور دل لڑکی ہے اس کی کال پر آپ اپنا کام چھوڑ کر آگئے میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہی ہیں۔“ فردوس معذرتی لہجے میں سامنے بیٹھے عمر سے گویا تھیں جو سیدہ ماہاں چلا آ یا تھا۔

”بزدلی کی کیا بات سے ممانعت میں نے خود محسوس کیا تھا کوئی گیٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا کسی نے خاہی محنت کی تھی وہ تو شاید قسمت اچھی تھی جو لاک کھل نہ سکے اور وہ کئی لوگ تھے میں جو ڈور سے لگی کھڑی تھی ان کے قدموں کی آواز صاف ہی تھی۔“ وہاں موجود چاندنی نے خاصے بھولپن و خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”آپ اسی ٹائم کال کرتیں مجھے میں دیکھتا کون لوگ تھے؟“

کئی دنوں سے ماما کا اصرار تھا کہ وہ شادی کرے

کیونکہ وہ اب اسیلٹڈ تھا خاندان کے کئی لوگ اسے

داماد بنانے میں اتر سٹڈ تھے اور اہم بات یہ تھی ماما پاپا

بھی دل سے خواہاں تھے اس کی خوشیاں دیکھنے کے لیے

اور وہ بھی ہائی بھر ہی لیتا اگر ماما کی پسند کی کوئی لڑکی اس کی

ہم سفر بننے کے لیے منتخب کی جاتی مگر یہاں بھی ہمیشہ کی

طرح پاپا کی مرضی و پسند مساط کیے جانے کا ارادہ پروان

چڑھ رہا تھا۔ ان کی ڈکٹیٹر شپ نے اس کی زندگی کے ہر

اس پل کو بے رنگ و بو کر ڈالا تھا جو نوجوان زندگی کے

بے فکر لائے ابالی دکھلائے۔ بے رنگ ہوتے ہیں اب مزید وہ

ان خوف زدہ بد اعتماد اور بے کیف رنگوں سے اپنی باقی

ماندہ زندگی بے نور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”عمر! یوسف کے دوست کی بیٹی ہے میں اس کا

نام بھول گئی ہوں وہ چاہتے ہیں آپ کی لائف پارٹنر

وہ لڑکی ہے۔“

”ماما! میں کب تک پاپا کی انگلی پکڑ کر چلوں گا؟“

کب تک ان کی آنکھوں سے دیکھوں گا؟ کب تک ان

کے ذہن سے سوچوں گا میرے خیال میں اب مجھے پاپا

کے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ شادی میرا پرسنل ایئر

ہے اور کس سے کرنی ہے یہ فیصلہ میں خود کروں گا پاپا

نہیں۔“ ایک دم ہی سبیل بج اٹھا تو وہ چونک کر سوچوں

سے باہر نکلا تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے اسکرین پر پکٹے نامانوس نمبر دیکھتے

ہوئے کہا۔

”ہیلو..... کیسے ہیں آپ؟ آپ نے پلٹ کر خیریت

ہی دریافت نہیں کی؟“ دوسری جانب سے خامی دکش و

مترنم آواز اُبھری تھی وہ دم بخور رہ گیا۔ کون تھی وہ جو اتنی

اپنائیت سے بات کر رہی تھی؟

”ہیلو..... ہیلو مسٹر عمر!“ آواز میں کچھ پریشانی اور

آئی۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید میں چاندنی ہوں

آپ نے میری.....“

”ارے اچھا ہوا بیٹا جو اس وقت چاندنی کو کال کرنے کا خیال نہیں آیا۔“

”کیوں کہہ رہی ہیں آپ اس طرح میں اسی لیے کارڈ دے کر گیا تھا کہ پریشانی میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ وہ خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ چور ڈیکٹ ہوں گے بیٹا اور ایسے لوگوں کے پاس اطمینان لازمی ہوتا ہے بلا جھجکاؤ کر دیتے ہیں وہ لوگ۔ میں نہیں چاہتی ہماری وجہ سے آپ پر کوئی آنچ بھی آئے اللہ آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھے بہت نیک و بے غرض بچے ہیں آپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مجھے۔“ وہ داری صدمتے جانے لگیں۔

”آپ بہت نائس ہیں آنٹی! میں گاؤں آؤں آپ کے گیٹ پر لگا دیتا ہوں۔“ وہ ان خوش اخلاقی و سادگی پر اپنے سر دوشک روپے پر نام ہونے لگا۔

”ارے نہیں بیٹا! یہاں کے لوگ تو پہلے ہی ہم پر انگلیاں اٹھاتے ہیں ہم ماں بیٹی کے بارے میں نامعلوم کیا کیا نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ دراصل مردوں کے معاشرے میں ہم جیسی بے سہارا عورتوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہمیں لوٹ کا مال سمجھتے ہیں اگر ان چاہ پوری کر دو تو ٹھیک ہے وگرنہ ہم جیسی بد نصیب عورتیں گالی بن کر رہ جاتی ہیں۔“ باوجود ضبط کے ان کی آواز بھرا آگئی تھی۔ چاندنی کے موی رخساروں سے سفید مریاں پھلنے لگنے کوئی جیسی خوش نما آنکھوں میں طغیانی سی دہرائی۔

”آنٹی! میں خود کو فرشتہ نہیں کہہ رہا لیکن آپ مجھے ان مردوں سے مختلف پائیں گی جو عورتوں کی مجبور یوں سے فائدہ اٹھانے کو مرنے لگتے ہیں۔“

”جگ۔ جگ۔ جیو میرے بچے! آپ نے مردانگی کی لاج رکھی ہے ہمارے لیے تو آپ فرشتہ ہی ہیں۔ ارے نماز کا نام ہونے والا ہے پہلے میں کانی لاتی ہوں پھر نماز ادا کروں گی آج انکار کی گنجائش بالکل نہیں ہے بیٹا۔“ وہ ایک دم ہی دال کلاک دہمستی ہوئی تھی میں ساتھ ہی اسے تنبیہ بھی کی تھی۔ چاندنی نے ناسوشک کر لے تھے مگر وہی

رہی کھڑی تھی۔

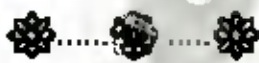
”ایم سوئی میں نے آپ کو کال کی نیکسٹ نام نہیں کروں گی۔“ عمر کو اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ ایک ادائے حکل سے گویا ہوئی۔

”کیوں..... آپ شاید بے حد خفا ہیں مجھ سے کیا ہوا؟“ اس کے پر وقار لہجے میں کچھ کچھ خجالت و تکلف سا تھا۔

”آپ کو احساس نہیں ہے کس قدر روز لہجے میں بات کی تھی آپ نے لڑکیوں سے اس طرح بات کرتے ہیں کیا؟“

”میرے سائی ٹیوڈ سے آپ ہرٹ ہوئیں میں گلٹی فیل کر رہا ہوں دراصل مجھے لڑنے سے بات کرنے کے میٹرز نہیں ہیں میرا مطلب ہے میں..... میری کسی سے فریڈ شپ نہیں ہے اس لیے میں حضرت خواہ ہوں۔“ اس کے وجہہ چہرے پر شرمندگی آمیز جیسی مسکراہٹ ابھرائی تھی وہ اس کے انداز پر ٹھٹھکا کر نہیں پڑی۔

”وعدہ کرتا ہوں اب کبھی آپ سے اس لہجے میں بات نہیں کروں گا۔“ اس کی مسکرائی نگاہوں میں محبت کی قد بلیں لودینے لگی تھیں پھر اس کی بے رنگ زندگی میں چاندنی کرنیں پھیلانے لگی اور وعدے و ملاقاتیں بڑھنے لگیں۔



رضوانہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کڑی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا تو جانوں پر باتیں کر رہی تھی ان کو آتے دیکھ کر جلدی سے ادوائی جملے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کھمرے کشتر سمیٹنے لگی تھی۔

”کب ختم ہوں گی تمہاری لالابابی حرکتیں شرم کرو کچھ۔“ حماد لڑکا سے وہ ان زناکتوں کو نہیں سمجھ سکتا جو تمہارا آسانی سمجھ سکتی ہو مگر تمہارے کچھ جھٹائی نہیں چاہتی۔ گھر میں وہ ساتھ ساتھ رہتا ہے اور گھر سے باہر ہوتے فون سے دور ہٹنا گوارا نہیں کرتی۔“

”مہی! کیوں آپ ہم پر اتنی نظر رکھتی ہیں؟ حماد کوئی

غیر نہیں ہے میرا کزن ہے اور ہم ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں یہ آپ لوگوں کا ہی فیصلہ ہے پھر اعتراض بھی آپ لوگ ہی کرتے ہیں ہمارے ملنے جلنے پر؟

”ہاں یہ ہمارا ہی فیصلہ ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دی جائے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تم خاندانی اقدار کی پامالی کرو۔“

”مہی! میں اور حماد ملنے ضرور ہیں مگر خدا گواہ ہے ہم نے کبھی بھی آپ کی محبت اور اعتماد کو معمولی سا بھی داغدار کرنے کی سعی نہیں کی کبھی بھی۔“ اس کی شفاف نگاہیں دماغی طور پر اس کی بات کی گواہی دے رہی تھیں۔

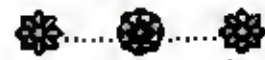
”نانھی ہوں میں تمہاری ہر بات مہی ہے حماد کے مطلق کردار سے بھی میں واقف ہوں مگر جی! ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے ہاں یہ سب مینور سبھا جاتا ہے۔ عارف بھی میرے سگے چھوٹی زاد تھے۔ بچپن میں ہی ہماری منگنی کر دی گئی تھی جب ہم ان رشتوں کے معنی سے بھی ناواقف تھے ہمارے درمیان تب سے ہی پردہ حائل کر دیا تھا پھر وہ پردہ شادی پر ہی ختم ہوا تھا۔“ رضوانہ نے مسکراتے ہوئے اس کو رسوائیت سے کھلیا۔

”مہی! وہ سب اس دور میں ممکن تھا جو نزر گیا آپ اس دور کی بات کریں جہاں کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود بھی رشتے قائم ہو جاتے ہیں۔“

”جو ناجائز رشتے کو بلا تے ہیں اور ان رشتوں کی گند پورے معاشرے کے ہنگاموں کا باعث بن رہی ہے شریف لوگوں کا جینا ہی مشکل ہو گیا ہے۔“

”افوہ مہی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں سب جگہ ایسا نہیں ہوتا۔“

”میرا صرف تمہاری بات کر رہی ہوں آج ایسی کوئی بات نہیں ہے جو کل تمہیں پچھتانے پر مجبور کر دے۔“ وہ اس کا منہ دھمتی رہ گئی۔



یوسف صاحب کی زیرک نگاہیں خاموشی سے بیٹے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں چائے کا گنگ جس کے

لیوں سے لگا ہوا تھا مگر نگاہیں بار بار رست داغ کو چھوری تھیں۔ لوازمات سے بھری بیٹلیں سے ماں دہن کے اصرار پر بھی کچھ نہیں لپا تھا نا معلوم ان کے خوف سے یا مردانہ کھانسی سے لے لی گئی۔

”برخوردار! کس سے ملنے کی ایسی بے قراری ہے جو کچھ نا تم اپنی فیملی ممبرز کے ہمراہ گزرتا بھی محال لگ رہا ہے آپ کو؟“ وہ جیسے لہجے میں سر سے مخاطب ہوئے تھے عمر نے ماں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کا ٹپ گئی چہرے کا رنگ سپر پڑنے لگا۔

”فرینڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔“ اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر آہستگی سے کہا۔

”فرینڈ سے..... یہ فرینڈ کون ہے جس کے کتا گھر والوں کی اہمیت منفر ہے۔“

”آپ کہاں جانتے ہیں عمر کے سارے فرینڈ زکو؟“

”جانتی تو تم بھی نہیں ہو صاحب زادے کے سارے فرینڈ زکو لیکن یہ کوئی نئی دوستی گئی ہے جس نے تمام ہوش و حواس سلب کر دیئے ہیں میں بھی ملنا چاہوں گا اس نئے فرینڈ سے میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ یوسف کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کی بے قراری سے کچھ اخذ کر لیا تھا یا شاید وہ اس میں بغاوت کی بوسوگھ چکے تھے۔ عمر کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا اس نے جھکے سے گنگ بیٹل پر رکھ تو وہاں موجود ملائکہ نے سراپمہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی بدحواس تھیں۔

”پاپا! اب مجھے آپ کی گائیڈنس کی ضرورت نہیں ہے پلیز میں اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتا ہوں مجھے گائیڈ کرنا چھوڑ دیں آپ پلیز۔“ سالوں کی دل میں بھری کدورت آج زبان پر دہرائی گئی ماحول یک دم مکدر ہو گیا۔ فضا گویا ایک دم ہی ساکت ہو گئی مہربانوں اور ملائکہ دہل کر رہ گئی تھیں جبکہ عمر آتش فشاں کی مانند کھڑا تھا۔

”گڈ نیوز ہے..... ماشاء اللہ میرا بیٹا جوان ہی نہیں عقل مند بھی ہو گیا۔“ اعلیٰ انہم و فراسات کا مالک بن گیا اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی۔“ عمر کے اس بدلے ہوئے انداز

”کوئی تو بات ہے جو موڑ اتنا آف ہے کیا شادی کی بات کی ہے؟“

”شادی کی بات..... تم میرے پاپا کی فطرت سے واقف نہیں ہووہ نیرو ماسٹڈو بیک ورڈ اور بے حد سیلفش ہیں وہ آسانی سے ہماری شادی نہیں ہونے دیں گے۔“ وہ گویا خود سے ہم کلام تھا شدید ذہن پریشانی کے باعث اس کی صاف پیشانی پر سلی رگ بھرا نا تھی۔



”ارے تم سے ابھی تک یہ پیاز نہیں کائی گئی حد ہوتی ہے نالائق اور پھو بزمین کی بچی سورج سر پر چڑھا یا ہے تمہارے پاپا اور حماد کے گھر وہی میں کیا نام رہ گیا ہے ان کو وقت پر کھانا نہ ملے تو گھر سر پر اٹھا لیتے ہیں اور تم ہو کے ڈرا سی پیاز کاٹ کر آ نکھیں بند کیے بیٹھی ہو۔“ رضوانہ نے کچن میں قدم رکھتے ہی پیاز کا ڈھیر جوں کا توں رکھا دیکھ کر غصے میں کہا۔ ”مائدہ ایک پیاز کاٹنے کے بعد نکھوں میں ہونے والی جلن کے باعث، بے حال تھی پھینچا تی رخسانہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ فگام کر کہا۔

”تو پتہ ہے رضوانہ! مگر نرمی سے بھی بات کر لیا کرو بچی سے تمہاری زبان جو ریل کی طرح چلتی ہے تو رکنے کا نام ہی نہیں لگتی۔“

”باجی! آپ اس کی اجازت طرف داری ہر وقت نہ کیا کریں! گیزا حیر سے فارر ہو گئی۔ یہ اب گھر واری سیکھ لگتی جاویے تاکہ ہم بھی گھر میں نہ ہوں تو یہ کھانا پکا سکے ابھی بھی دیکھیں تو رے کے لیے، پیاز کاٹنے کو دے کر گئی تھی کہ آتے ہی رکالوں گئی مگر یہ مہارانی ایک پیاز کاٹ کر آتے بہانے بیٹھ گئی سے ایسا بھی ہوتا ہے کیا؟“ وہ بڑبڑاتے ہوئے کام میں لگ گئی تھیں۔

”اپنا دل مت جلاؤ آہستہ آہستہ سب کام کرنا آ جائے گا اور تو رور چکن کا پکنا ہے جو منٹوں میں پک جاتا ہے۔“ مائدہ کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہہ کر وہ بھی پیاز کاٹنے لگی تھیں۔

”جان بچی سولا کھوں پائے کے مہدات پاؤں دبا کر

سے وہ ڈرا بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔

”یوسف! آپ بھی بے وجہ کی باتیں کرتے ہیں جانے دیں عمر کو یہ فرزند سے ملنے جا رہا ہے جلد واپس آ جائے گا۔“ مہر بانو نے حوصلہ کر کے ان کے درمیان بات کو طول پکڑنے سے روکا تھا۔

”جائے شوق سے جائے لیکن ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو باہر کی دوستیاں باہر ہی رہنی چاہئیں اس گھر میں تمام فیصلے کرنے کا اختیار مجھے ہے اور.....“ وہ عمر کو گھور کر گویا ہوئے۔ ”مجھے ہی رہے گا اپنے حق کے لیے میں کسی کی پروا کرنے والا نہیں ہوں۔“ ان کے لہجے میں عجیب قطعیت و جارحیت تھی وہ گھر سے چلا آیا تھا گھر سے کچھ دور چوک پر چاندنی اس کا انتظار کر رہی تھی وہ احتیاطی تدابیر کے تحت یہی طریقہ کار اپناتے ہوئے تھی۔ شروع میں عمر نے سخت ناپسند کیا تھا اسے اس طرح ایک اینڈ ڈراپ کرنے پر ان ماں بیٹی نے بدنامی رسوائی اور لوگوں کی باتوں و طعنوں کا خوف ظاہر کیا تو اس کی سمجھ میں بھی بات آگئی تھی کیونکہ وہ چاندنی کو دل و جان سے چاہنے لگا تھا اور جانتا تھا ماں اور بہن اس کی خوشی میں خوش ہوں گی اس کے برعکس باپ کو سنانا از حد مشکل اور صبر طلب مرحلہ ہوگا کیونکہ وہ خاندان سے باہر بیٹی دینے اور لینے کے بہت خلاف تھے اس دور میں بھی وہ اپنی روایات کے قائل تھے۔

چند ملاقا توں میں وہ چاندنی کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اب جدائی کا تصور تہی سوہان روح تھا۔ دوسری طرف چاندنی کی بھی یہی خواہش تھی وہ جلد از جلد اس کی بن جانا چاہتی تھی وہ اور اس کی مٹی مل کر اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہی تھیں آج بھی وہ ڈنر کرنے اپنے پسندیدہ ہوٹل میں آئے تو چاندنی نے اسے پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔

”بیبت اداس لگ رہے ہو، جھگڑا ہوا ہے کسی سے؟“ مینیج کار و نظر انداز کر کے اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”ہمیں کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔“ اس نے مخردی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بھاگ لوی یہاں سے تم۔" وہ اسے جاتے دیکھ کر طغوانا گویا
ہوئی تھیں مائدہ جھجک کر رک گئی۔

"لان میں کپڑے سوکھ چکے ہوں گے ان کو پرہس
کر کے چنگ کرو۔"

"جی اچھا بی بی!" وہ کہہ کر بہر نکل آئی اور باہر گئے جس
سے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش کر کے وہ لان کے اس
حصے کی طرف چلی آئی جہاں پر مارٹل کافرٹس لگھاس و پوندوں
سے خالی تھا۔ سرخ ٹائمز والی چھت اور جدید طرز سے بنایہ
کبھی گیراج کے طور پر استعمال ہوتا تھا آصف کی وفات
کے بعد عارف کا دوبارہ کرائسز میں ایسے پھنسے کے یکے
بعد دیگرے دونوں گاڑیاں فروخت کرنی پڑی تھیں چنگ
بیلنس صفر ہو کر رہ گیا تھا۔

حالات ان تھک محنت کے بعد پہلے ایسے تو نہ ہو سکے
تھے البتہ بہتر ضرورت تھے انہوں نے اپنے استعمال کے لیے
ایک پرانی شیراز خرید لی تھی۔ حماد نے ان کے لیڈر کے
بزئس میں دلچسپی نہ لی تھی وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اس کے شوق
کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے میڈیکل کالج میں
ایڈمیشن دلایا تھا اور ساتھ ہی بائیک بھی دلادی تھی۔

مائدہ کا مرس کا انگریز اسٹوے کر فارغ تھی وہ تمام کپڑے
سمیٹ کر اندر جاتا ہی چاہتی تھی جب اس کی نگاہ شہینہ کے
نیچے کھڑی حماد کی بائیک پر پڑی تو وہ چونک گئی۔

"ارے تم کس آئے؟" وہ کپڑے دم نہیں رکھ کر اس
کے درم میں چلی آئی جو خلاف عادت خاموش و سنجیدہ بیڈ پر
نیم دراز گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے آیا ہوں بیٹھو نا تم۔" وہ چونک
کر گویا ہوا۔

"کیا بات ہے حماد! تم خاموشی سے گھر آئے اور اب
پریشان اور اداس دکھائی دے رہے ہو اس طرح میرے لیے تو
تم کبھی نہیں ہوئے۔" وہ بھی خاصی پریشان ہو کر استفسار
کرنے لگی۔

"رات ایک کیس آیا ہسپتال میں وہ دونوں گرل بوائز
محبت کرتے تھے شادی کرنا چاہ رہے تھے لیکن وہ ہی

غریب

آنکھوں آنکھوں میں پھٹنے کا اشارہ کر کے
خود بھی رویا بہت وہ ہم سے کنارہ کر کے
سوچتا رہتا ہوں تنہائی میں بیٹھ کے انجام خلوص
پھر اسی جرم محبت کو دوبارہ کر کے
چمکادی ہیں تیرے شہر کی گھیاں میں نے
اپنے ہر اٹک کو پلوں پر ستارا کر کے
چلو دیکھ لیتے ہیں حوصلہ اپنے دل کا ہم
کچھ روز تیرے بغیر گزارہ کر کے
ایک ہی شہر میں رہنا ہے ملنا نہیں
چلو دیکھ لیتے ہیں یہ اوفیت بھی گوارا کر کے
اس بار محبت میں خسارہ نہ ہو شاید
چلو دیکھ لیتے ہیں اس دل کو پھر سے تمہارا کر کے
اعتبار ساجد
سیرا تعبیر..... مرگودھا

ہمارے معاشرے کے فرسودہ رسم و رواج ذات و پات امیر
می وغریبی کی بہانہ چھٹکاش ان کی راہ کی رکاوٹ بن گئی اور
ان کو انتہائی موڑ پر لے گئی۔

"اوہ..... ایسا کیا ہوا ان کے ساتھ؟" اس کی پریشانی
میں وہ بھی شریک ہو گئی تھی۔

"انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔" وہ اضطرابی
کیفیت میں جھلا تھا۔

"مائی گاڈ! حماد بی تو بہت بُرا طریقہ ہے گناہ
کی موت۔"

"اس کے ذمہ دار وہ والدین ہیں جو نہ ذہنی اقدار کو
مانتے ہیں اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے آگے بچوں کی
خواہشوں کو روک دیتے ہیں۔" کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور
بکھرے بال اور سرخ آنکھیں وہ بکھرا بکھرا لگ رہا تھا۔

"لڑکی کی ڈیڈ باڈی اس کے گھر والے لے گئے وہ
جانبر نہ ہو سکی تھی اور وہ لڑکا بیچ گیا بعد وہ دن بعد ہوش آیا ہے
اسے اور آنکھ کھولتے ہی اس نے اپنی محبوبہ کا پوچھا گھر
والوں نے جھوٹ کہہ دی وہ لڑکی گھر چلی گئی ہے اس کے

وہ مجھ سے عزت کرتا ہے۔“

”مردوں کے کئی روپ ہیر، میری جان! یہ سب تم کو عمر گزرنے کے ساتھ معصوم ہوگا میں کہتی ہوں بلاوجہ اس لڑکے کی خاطر ٹائم ضائع نہ کرو وہ ٹیڑھے مزانج کے باپ کی اولاد ہے اس کے مزانج میں سپید حارپن کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ صرف تمہیں الجھا رہا ہے کسی موقع کی تلاش میں ہے جب بھی موقع ملا وہ تمہیں دودھ میں کھسی کی طرح نکال پھینکے گا۔“

”نہر ایسا نہیں ہے یہ مجھے یقین ہے ماما! وہ بکھرے بالوں کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

”یہ معلوم تم کن خوش فہموں کی وادی میں گم رہنے لگی ہو چاندنی! عمر کی خاطر تم نے دوسرے فرزند زبردوار سے بند کر دینے ہیں اور محسوس ہوتا ہے تم اپنے ساتھ میرے نصیب پر بھی قفل لگا رہی ہو تمہاری اس بندگی سے یہاں آنے والے ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ ان لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں رہ رہے ہیں دیگر نہ سب سے بڑا ہمارا مخالف عمر کا باپ ہے اور اسے کسی روز معلوم ہو گیا عمر سے تمہاری دوستی کا تو نامعلوم وہ کیا کر گزرے گا۔“ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بٹھاتے ہوئے اندیشوں بھرے لہجے میں کہا۔

”میں شادی کے بعد لڑکوں کے گھر میں نہیں رہنے دوں گی! ہم تینوں لندن منتقل ہو جائیں گے۔ عمر اپنے والدین کو راضی کرنے کا تو ہم یہاں سے شفقت کر جائیں گے پھر عمر کا باپ بھی ہم کو پہچان نہ سکے گا۔“ چاندنی نے بھی سگریٹ سلگاتے ہوئے مستقبل کی باتیں کی تھیں۔

”وہاں ہی اپنی ممالا رہن سے بات کرے گا۔“

”اچھا جو بھی کرنا ہے جلدی کرو ویسے بھی عمر کے باپ سے ہی ہمیں زیادہ خطرہ ہے اور عمر ہی اس کے غرور کو چکنا چور کر سکتا ہے۔“

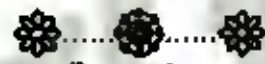


مہرانو بیٹے کی خواہش جان کر سکتے ہیں وہ کئی تھیں ذل پر پہاڑ جیسا بوجھان بن اتھا جبکہ وہ ان کی حالت سے بے

صحت مند ہوتے ہی ان کی شادی کر دی جائے گی۔ لڑکا خوش ہے اس کی خودکشی رنگ۔ لائی اب گھر والے پچھتا رہے ہیں ان کی شادی کر دیتے تو اچھا ہوتا اور میں سوچ رہا ہوں چند ہفتے بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر جائے تو گھر والے کب تک اسے بہلائیں گے؟ جب اس پر یہ انکشاف ہوگا کہ ساتھ جینے و مرنے کی قسمیں کھانے والے ہمیشہ کے لیے چھٹڑ گئے ہیں جدا ہو گئے ہیں تو وہ کس طرح نہیں کرے گا؟“ اس کی آنکھوں میں کی گئی وہ ایک تک ماندہ کو دیکھ رہا تھا۔

”سوئیڈ..... لیکن تم ایک ڈاکٹر ہو جاؤ اس طرح کی سیر کو خود پر حاوی کرو گے تو تم کسی کو انجکشن بھی نہیں لگا پاؤ گے ڈاکٹر تو بہت سخت دل ہوتے ہیں اور اس فیلڈ میں سنگ دل ہونا ہی بیسٹ ہے۔“ اس نے رسائیت سے اس کو سمجھانے کی سعی کی تھی۔

”میں اپنے پیسے کی ریکوارمنٹ پوری کرتا ہوں ماندہ! مگر اس حادثے نے میرے دل پر بے حد اثر ڈالا ہے میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا یہاں تک کہ کافی تک نہیں لی اس لڑکے کی نگاہوں میں جو من کی جوت جلتی میں دیکھ رہا ہوں وہ جوت بچھے گی تو اس کی زندگی ہی اٹھ حیر ہو جائے گی۔“



سگریٹ کے لیے لیے کش لگاتی فردوس ترچھنی نظروں سے ہٹتی کود کھ رہی تھیں جو سیل کان سے لگائے ہوئے تھیں اس کے چہرے کے پتے گزرتے زونڈیوں کے ساتھ ساتھ ان کی نگاہوں کا ارتکاب بھی بدل رہا تھا۔

”ہوں کیا کہہ رہا ہے عمر بات کی اس نے شادی کی یا محض ٹائم پاس کر رہا ہے دوسرے لوگوں کی طرح جھٹاتے ہیں دل بہلاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں؟“ اس کے چہرے پر چھائی غم و جھنجلاہٹ دیکھ کر وہ طنزاً گویا ہوئی تھیں۔

”ماما! وہ عام لوگوں جیسا بالکل بھی نہیں ہے اس نے کبھی کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی ہے نہ بہت محبت کرتا ہے

خبر کہہ رہا تھا۔

”مما! چاندنی نہایت نیک اور حسین لڑکی ہے اور اس کی مہی بھی تقیس و اعلیٰ کردار کی مالک ہیں شوہر کی وفات کے بعد چاندنی کی پرورش انہوں نے بہت مشکل حالات میں کی ہے۔ تنہا عورت ہو کر بھی بڑی بہادری کے ساتھ کٹھن وقت کا مقابلہ کر کے چاندنی کو تعلیم و تہذیب سکھائی ہے۔“

”بیٹا! آپ اپنی بڑوں میں رہنے والی ماں بیٹی کی بات کر رہے ہیں؟“ دل میں ایک موہوم سی آس ابھری شاید جینا کسی اور کے متعلق کہہ رہا ہو۔

”جی مہی..... فردوس آنٹی اور چاندنی کی بات کر رہا ہوں۔“ وہ بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولا اور ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، سنجیدہ و بڑھاپے نے پہلی بار کوئی لڑکی پسند کی بھی تو.....

”کیا آپ ٹھیک ہیں ماما! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے..... کیا ہوا آپ کو؟“ وہ ان کو پسینہ پسینہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ بیڈ پر ڈھے گئیں۔ موسم بے حد سرد و ہا ہر تیز دم ہواؤں کے جھکنے چل رہے تھے اس نے تیزی سے پردے ہٹا کر کھڑکیوں کھول دیا تھا، فین آن کر کے لابی میں رکھے ڈسپینسر سے گلاس میں پانی بھر لایا اور قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پلایا۔

”میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں، ابھی۔“ وہ گلاس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”نہیں! میں ٹھیک ہوں اب۔“ وہ شال سر پر ڈالتی ہوئیں اٹھ بیٹھیں۔

”ماما! میں یہ سوچ کر بے حد ا یکساٹ تھا کہ آپ میری بات سن کر بے حد خوش ہوں گی! یہ آپ کی ہی خواہش تھی تاکہ میں کوئی اچھی بیماری سی لڑکی پسند کر لوں مگر آپ کا برتاؤ بتا رہا ہے آپ کو میری بات سن کر صدمہ پہنچا ہے۔“

”وہ لوگ کون ہیں..... کیا کرتی ہیں؟ محلے میں ان کے بارے میں کیا باتیں پھیلی ہوئی ہیں لوگ ان کے

دعا
بھلائی کرو گے بھلائی مانگی
دعا میں جو دو گے دعا ہی ملے گی
سچ پوچھنے کا قصد جو کرو گے
جھوٹ سے تم کو رہائی ملے گی
خدمت کرو گے جو دوسروں کی
باطن کی تم کو صفائی ملے گی
ہر اک مل پکارو گے جو تم خدا کو
واللہ رب کی شائی ملے گی
صلی علی کا جو رو کر دو گے
صبا سے نہ پھینائی ملے گی
رضائے محمد ﷺ رضائے خدا ہے
کلمہ سے تم کو بقائی ملے گی
شمع ہدایت کی مانگو دعا میں
ثمرات کی ایک جائی ملے گی
کوثر خالد سر کو جھکاؤ
پھر ہی تجھے اونچائی ملے گی

کوثر خالد..... جزا نوالہ

بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہ سب آپ نہیں جانتے وہ گھر بسانے والی عورتیں نہیں ہیں۔“

”پلیز ماما! آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں میں نے کبھی بھی آپ کے منہ سے کسی کے لیے برائی نہیں سنی ہے اور آپ ان پر بہتان تراشی کر رہی ہیں جو ہمارے معاشرے کی ستائی ہوئی مظلوم اور بے سہارا عورتیں ہیں آپ کب سے دوسروں کی باتوں پر یقین کرنے لگیں لوگوں کا تو کام ہی دوسروں کی عزت نیلام کرنا ہوتا ہے۔“ اس کے سبب میں حیرانی و غم کی آمیزش تھی۔

”لوگوں کی بات نہیں کر رہی ہوں میں عمر ان عورتوں کو خود آپ کے پاپانے دیکھ ہے غیر مردوں کے ساتھ وہ ان کے سخت خلاف ہیں۔“

”اوہ پاپا! ان کو پوری دنیا خراب و بد معاشرہ دکھائی دیتی ہے سوائے اپنے نامعلوم سب خاندانیت کا زعم ان کے دل

سے زائل ہوگا۔“

”ہرگز نہیں۔“

”یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“

”ہوں..... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”ایک بار پھر سوچ لیں، نما، میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں

گا۔ ان کو سخت دے بے چنگ دیکھ کر اس نے دھمکی دی۔

”جائیں، چلے جائیں..... ایک لڑکی کی خاطر ہم کو

چھوڑنے کا طرف ہے آپ میں تو ہم بھی آپ کے بغیر

میں سیکھ لیں گے۔“ اس نے جلتی آنکھوں سے ایک نگاہ

ان پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔



”حمدا! تم نے کیوں اس لڑکے کی اسٹوری خود پر حاوی

کر لی ہے اب تو اسے ڈسپارچ ہوئے بھی کئی دن ہو چکے

ہیں، مصروف ہو گیا ہوگا وہ اپنی زندگی میں اس دنیا میں

مرنے والے کے پیچھے وئی مرنا نہیں ہے۔“ وہ ہسپتال

سے آیا تو وہ اس کے لیے کافی دیتے ہوئے بولی۔

”تم کس طرح سے کہہ سکتی ہو؟ وہ ہماری طرح ہی

ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، کیا تم میرے بغیر اور

میں تمہارے بنا رہ سکتا ہوں؟ تمناؤ مجھے؟ تمہارے دل سے

بھی میری طرح بھی صدا آ رہی ہے، نہیں کبھی نہیں۔“

”خفا کے واسطے تمناؤ! کیوں اس طرح کی باتیں

کر رہے ہو تم؟ ہمارے والدین نے ہمارا رشتہ طے کیا ہے

تعلق جوڑا ہے تم ان سے کمپیٹر کیوں کر رہے ہو اپنے

آپ کو۔ ہمارا معاملہ تو بالکل مختلف ہے۔“

”میں یہ سوچ کر شاکڈ ہونے لگتا ہوں جب اس

لڑکے کو معلوم ہوگا وہ لڑکی دنیا میں نہیں ہے اسے تنہا چھوڑ کر

جا چکی ہے تو.....“

”تو کچھ نہیں اس کو چند دن انسوئس ہوگا پھر وہ کسی

دوسری کو چاہئے لگے، اب یہ لیلیٰ مجنوں کا دور تو ہے نہیں جو

مجنوں لیلیٰ لیلیٰ چیتھا مہراؤں میں کم ہو جائے۔ اس دور میں

جتنا گہرا زخم لگتا ہے وہ اتنی تیزی سے بھرتا ہے، پلیر تم یہ کافی

پوششندی ہو جائے گی۔“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے

کان کا ٹک اس کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

”نہر! یہ کس لہجے میں اپنے باپ کے لیے بات

کر رہے ہو آپ؟ ایک تھری گلاس لڑکی کی خاطر باپ کی

عزت و ادب فراموش کر بیٹھے ہو؟“ وہ حیرت دکھ سے اس

کی برہمی و نفرت آمیز لہجہ دیکھ رہی تھیں، کچھ دلوں سے وہ

بدلا بدلا تھا خشک رویہ اور سب سے بے نیازی کا یہ سبب

ہوگا ان کو معلوم نہ ہو سکا تھا۔

”میں کوئی گستاخی نہیں کر رہا ہوں، باپا کی فطرت آپ

بھی بخوبی جانتی ہیں کسی کو کبھی ناپسند کرنے کے لیے ان کو

وجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، خواہوا لوگوں سے

دشمنیاں کرنے کا کریز ہے، ان کو۔“

”نہر..... عمر میرے بچے..... ایہ تم کیا کہہ رہے ہو کوئی

اپنے باپ کے لیے اس طرح بولتا ہے انہوں نے کیا کچھ

نہیں کیا تم لوگوں کے لیے؟“ وہ آنے والے وقت سے

خوف زدہ ہو کر رونے لگی تھیں۔

”نہر! آپ مجھے ایہ وٹنل بلیک میل کرنے کی سعی نہ

کریں، میں چاندنی کے علاوہ کسی اور لڑکی کو بیوی بنانے کا

سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”میرے بچے! آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے یوسفنا، پر

بھروسہ نہیں ہے تو جا کر کھنے کے لوگوں سے دریافت کرؤ

ساری حقیقت سامنے جائے گی، آپ بھلے میں کسی سے

کوئی تعلق نہیں رکھتے اگر رکھتے تو ان چال باز عورتوں کے

چال میں نہ پھنستے اس بُری طرح سے جنہوں نے آپ کو

ماں و باپ کا احترام ہی بھلا دیا ہے۔“ وہ آ بدیدہ تھیں۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ما، چاندنی، اس لڑکی ہے۔“

”میں بھی اپنی کی ماں ہوں اور بیٹیوں کی عزت و

حرمت، مجھے بھی بے حد عزیز ہے لیکن اس قسم کی لڑکیاں

گھر بنا تو کر سکتی ہیں، بسا نہیں سکتی آپ اس کو بھول ہی جاؤ

تو اچھا ہے۔“ بیٹی کی ہٹ دھرمی دیکھ کر ان کے اندر سوئی

عورت کو جگا گئی۔ بلیک میل متا کو نظر انداز کر کے وہ سخت لہجے

میں گویا ہوئیں۔

”آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی؟“

بجائے باہر چھپ کر ان کی باتیں سنتا رہا تھا جب عمر کمرے سے نکلا تو اس نے عمر کو خوب کھری کھری سنائی اور عاق کرنے کی دھمکی دی۔

”اُف یہ تو سراسر گھائے کا سودا ہوا اب عمر کو باپ کی برابری سے پھوٹی کوزی بھی ملنے والی نہیں ہے ہمیں اس گنجلے کا کیا کرنا ہے۔“ فردوس کے ارمانوں پر ایک دم اوں پڑ گئی تھی۔

”بائی گاڈ! مر رہا تھی بھی سوالا کھ کا ہوتا ہے ماما! عمر نے اپنی پر اپنی بھی ٹھیک ٹھاک بنائی ہے پھر اس کا اپنا بزنس ہے وہ باپ کے پیسے کا ذرا بھی محتاج نہیں ہے بہت دولت ہے اس کے پاس۔“

”واہ ماں صدقے کمال کر دیا چاندنی بڑھاپا سنور جائے گا میرا۔ کان کھول کر سن لو شروع شروع میں نیک بیوی جیسا چلیہ رکھنا ہوگا تا کہ عمر کو کسی بھی قسم کا شک نہ ہو بعد میں سب پینڈل کر لوں گی میں۔ بس ابتدائی دنوں میں کچھ تکلفات ہوں گے۔“ وہ دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہوئی بولی۔

”ہاں ہاں فکر نہ کرو کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گی! ابھا چلو سامان سیمیں اب یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔“ وہ بے حد خوش تھیں معاؤزور تیل بچی تو فردوس نے گیٹ کھولا اور خوف سے خچ پڑی تھی۔

(آخری قسط آئندہ)



”آج ڈنر باہر کرتے ہیں آؤ ننگ سے سوڈ پیچ ہوگا۔“ کئی دنوں بعد اس کے پہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔

”جی نہیں بابا اور می نے سختی سے پابندی لگادی ہے باہر جانے پر۔“

”نا ممکن! تمہیں لے جانے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“

”صرف چند دنوں کی بات ہے پھر ہمیں کوئی نہیں روکے گا۔“ وہ گردن جھکا کر شرمیلے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”میں ابھی بھی کسی پابندی کو نہیں مانتا۔“ اس کے معاملے میں وہ اسی طرح جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔

”میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی حواد! ہماری شادی میں زیادہ عرصہ نہیں ہے وہ ہی کروں گی جو ہمارے بڑوں کا حکم ہے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں مگر ٹوٹنے کی آواز دور تک آئی تھی۔



”واؤ ماما! چاندنی نیل فون اچھالتے ہوئے ماں سے لپٹ گئی۔“

”ارے بہت خوش لگ رہی ہو کیا عمر نے اپنے والدین کو سنا لیا؟“

”منا لیا ہونہ..... ماما! عمر نے اس بڑھے سے وہ سارے بدلے ایک ساتھ لے لیے ہیں جو وہ اپنی طور پر ہمیں ہارچہ کرتا رہا تھا۔ آج اسی اکڑو کا بیٹا اس کے شیلے پر لات مار کر مجھ سے کورٹ میرج کرنے والا ہے۔“

”ارے میں واری! میں قربان..... یہ تو بڑی انہونی خبر ہے لیکن یہ سب ہوا کیسے..... یہ خبر سچ تو ہے تم نے غلط تو نہیں سنا؟“ اس کے ساتھ خوشی میں جموتی وہ دوسرے کا شکار ہوئی۔

”ارے نہیں بھئی یہ سب میرے حسن کا کرشمہ ہے محبت کا جاو ہے۔ عمر نے بتایا اس کی ممانے ہم ماں بیٹی پر گھنیا الزامات لگائے جو وہ برداشت نہ کر سکا اور ان کے درمیان خوب تلخ کلامی ہوئی اس دوران اس کا باپ بھی وہاں آ گیا تھا مگر کمرے میں آنے کے



راحت و وفا

محبوب کی

www.bookpk.com



تری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں
تو ہی بتا کہ تری خامشی کو کیا سمجھوں
تری نگاہ سے کچھ آشکار بھی تو نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین بے انتہا حسن کی مالک ہے ہر شخص اس کے حسن کے قہیدے پڑھتا ہے۔ وہ ایک فرم میں جا ب کرتی ہے اور وہاں مرزا صاحب نے جہولی محبت کا راک لاپ کر اس کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چار سال پہلے شرمین کی زندگی میں صبح احمد آیا اور اتنا ہی عرصہ ان کی محبت برہان چڑھی۔ پھر صبح احمد تعظیم مکمل کر کے کراچی واپس چلا گیا اور وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبح احمد کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوئیں اور صبح کی شادی فریح سے کر دیتی ہیں۔

زینت پاشرین کی آرزو ہے ان کا بیٹا بونی بھی شرمین کے عشق میں گرفتار ہے اور آئے دن شرمین سے اظہار محبت کرتا رہتا ہے جبکہ شرمین ہنر کے فرقہ کے حساب سے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔

شرمین پریشان ہو کر صبح احمد کو خط لکھتی ہے اور اسے کراچی آنے کا بتاتی ہے لیکن صبح احمد خود پہلی فلائٹ سے شرمین کے پاس پہنچ جاتے ہیں شرمین سمجھتی ہے کہ شاید اب وہ اس سے شادی کر کے اسے یہاں سے لے جائیں گے لیکن جب صبح احمد شرمین کو اپنی شادی کا بتاتے ہیں تو وہ ششدر رہ جاتی۔ ہے شرمین کا محبت پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے اسے محبت نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔

مرزا صاحب پہلے سے شادی شدہ ہونے کے ساتھ بچوں کے باپ بھی ہیں۔ ان کے گھر میں ساس بہو کا روایتی جھگڑا ہر وقت رہتا ہے جس سے وہ کافی پریشان رہتے ہیں لیکن بیوی کو سمجھانے کے بہانے اس کے بچے جاتے ہیں اور آفس میں شرمین سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔

عارض ایک بزنس من ہے اس کی نظر میں لڑکیاں صرف وقت گزاری کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس لیے عارض نے ابھی تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ عارض کا بہترین دوست صندر ہے جو ایک فرم میں جا ب کر رہا ہے۔ عارض کی پہلی ملاقات شرمین سے سڑک کنارے ہوتی ہے اور وہ ان کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ ٹھوٹ سے انکار کر دیتی ہے۔

بونی نے اپنی فضول حرکتوں سے شرمین کو پریشان کر رکھا ہے۔ بلا آخر شرمین کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ بونی کے منہ پر پھنٹ مار دیتی ہے۔

عارض اپنی سچی محبت کا یقین دلا کر شرمین کو قائل کرنے کو کہتا ہے اور صندر دوستی کا بھرہ رکھتے ہوئے ہامی بھرتا ہے۔ صندر انتہائی شریف انسان ہے صندر کی ماں (جہاں آرا بیگم) صندر کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں

لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ایک لڑکی انہیں پسند آتی ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ صفدر بھی اس لڑکی کی تصویر دیکھ لے مگر وہ ماں کی خوشی میں خوش ہے۔

شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے مگنی کسیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس مگنی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

بولی بھی اگلی لے کر شرمین کے پاس مگنی کی عرض سے آتا ہے لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی مگنی کا بتاتی ہے تو بولی کو دکھ ہوتا ہے اور وہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بولی کی ماں (زینت) اسے بروقت ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہے اور پھر اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت میں مجبور ہو کر زینت یا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بولی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا کینیڈا جا کر بولی وہاں کی رنگینیدوں میں کھڑی رہتی ہے۔

صفدر کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے یہاں آرا کی پسند ہے صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے اربانوں پر اس پڑ جاتی ہے جب زینت اسے اپنی ناکام محبت کی کہانی سناتی ہے صفدر صرف اپنی ماں (جہاں آرا بیگم) کی وجہ سے زینت کا اپنے گھر رکھنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ دونوں ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اچھی ہیں۔ عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیمانے کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکا آتا ہے اور یہاں اس کا ایک سیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی ماں کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی ہے زینت آرا بھی بولی کو کینیڈا چھوڑ کر واپس آگئی ہیں مرزا صاحب نے بھی جھوٹی محبت کے نظارے سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔ صفدر کو زینت سے شدید نفرت ہو گئی ہے لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے زینت کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ ہی اپنی ماں کو زینت کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

جہاں آرا کو زینت کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث معلوم ہو رہی ہے وہ صفدر کو زینت کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ نال جاتا ہے اور خود ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جہاں آرا بیگم اس کے ہاتھ اور سر پر بندھی پٹی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی ماں خالق حقیقی سے جا ملتی ہیں وہ غم کی تصویر بن کر رہ گئی ہے۔ صفدر اور زینت آرا اس کی دلجوئی کر رہے ہیں۔ کینیڈا سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔

عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آتا چاہتا ہے۔ لیکن جب شرمین سے اپنی بے اچھا محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی ابلہ کی وجہ سے ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے عارض کو کافی مایوسی ہوتی ہے۔ چارہ وہ واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں کینیڈا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دو دن کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آفس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین اس حرکت کی بابت ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری کی وجہ بتا کر اسے اپنی پرسنل سیکرٹری کی پیشکش کرتے ہیں جس پر شرمین غصہ سے انہیں سناتی ہوئی وہاں سے چلی جاتی ہے۔

زینت آرا اپنے اندر ہونے والی تبدیلی خوش آندہ لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ صفدر زینت آرا شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ وہ بولی کو

بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں۔ لیکن اب زینت آپا ممتا کے ہاتھ مجھو ہو کر شرمین کو بوبی کا ساتھ قبول کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔

بوبی بھی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلد واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے وہ اب تک شرمین کو نہیں بھولا تھا شرمین بوبی کے گھر آ کر پریشان ہے جبکہ زینت آپا نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔
زیبا صفدر کی شرط مانتے ہوئے گھر چھوڑ دیتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی بہن منجھی سے ہوتی ہے جو ایک عرصہ سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔

صفدر عارض کو کچھ حد تک زیبا کی بے وفائی کا اتنا تا ہے تو وہ بھی ششدر رہ جاتا ہے اور صفدر کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ زیبا کو طلاق دے لے لیکن وہ اپنی ماں کی خراب طبیعت کا ہتھکڑا کر اپنی صفدری ظاہر کرتا ہے۔
منجھی صفدر سے فون پر رابطہ کے بعد اس سے ملتی ہے اور اپنی طرف سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ زیبا کو معاف کر کے اسے اپنا لے لے مگر صفدر اپنی خند پر اڑا رہتا ہے۔ جس پر منجھی کو مایوسی ہوتی ہے۔

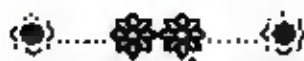
شرمین زینت آپا کی میڈیسن لے کر واپس گاڑی کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے جب اس کا سامنا ایک بار پھر مرزا صاحب سے ہوتا ہے۔ شرمین انہیں دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرتی ہے جس پر مرزا صاحب بتی بیوی کی موت اور ایک بچی کی پیدائش کا اتنا کرا سے پر پوز کرتے ہیں شرمین غصہ سے انہیں مزید سناتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے۔

صفدر زیبا کو لینے اس کے گھر آتا ہے لیکن زیبا اس کی شرط ماننے سے انکار کرتے ہوئے گھر جانے سے بھی انکار کر دیتی ہے جس پر صفدر غصہ سے اسے سناتا ہوا گھر سے نکل جاتا ہے اس سے زیبا کی پر ضد برداشت نہیں ہو رہی لیکن ساتھ ہی اسے یہ یاد بھی ہے کہ کہیں زیبا جہاں آرا کو خود کچھ اتنا دے بوبی بھی امریکہ سے واپس آ جاتا ہے شرمین اس کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے اس کے لیے بوبی کا انداز نیا نہیں ہے زینت آپا کی خوشی بھی دیدنی ہے وہ بوبی کو سمجھاتی ہے کہ جو بات شرمین کو پسند نہیں اس سے گریز کرے۔

عارض ڈاکٹر کو چیک کرانے کے بعد گھر واپسی پر ایک صاحب کو اپنی گاڑی میں لٹٹ دیتا ہے وہ صاحب گاڑی میں والٹ بھول جاتے ہیں گھر آنے پر نیچر معید الرحمان والٹ عارض کو دیتا ہے۔ عارض والٹ کو ایک نظر دیکھتا ہے تو چونک جاتا ہے اس میں شرمین کی تصویر موجود ہے عارض ناچاہتے ہوئے والٹ کی تلاش لیتا ہے ایک کارڈ ہاتھ لگتا ہے جس پر صحیح احمد کا نام لکھا ہے۔

جہاں آرا خود زیبا کو لینے اس کے گھر جاتی ہیں اور زیبا کی ماں (حاجرہ) انہیں زیبا کی خراب طبیعت کا بتا کر انہیں خوشخبری سناتی ہیں جہاں آرا بیگم خوش ہونے کے ساتھ صفدر پر حیران بھی ہوتی ہیں کہ اس نے اب تک انہیں کیوں نہیں بتایا گھر آ کر وہ صفدر سے سنائی منگوائی ہیں جس پر وہ حیران ہو جاتا ہے۔

لاب آگے پڑھیں



میڈیسن کھانے کے بعد اس نے عجیب سی نظروں سے منجھی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ رقصاں خوشی کے امرا و طلال کے سائے بھی لہزاں تھے۔ یہ نوید حیات جاوداں تھی کہ وہ مینے کی ماں بنے گی تو یہ احساس خزن بھی کچھ کے لگا رہا تھا کہ جس کو باپ اپنانے سے انکاری ہو اس کی کیا خوشی؟

”کیوں افسردہ ہو؟“ منجھی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔
”بہنیں، خوش ہوں۔“

”خوشی کے ساتھ دکھی نظر آ رہا ہے۔“

”وہ تو ہمیشہ رہے گا۔“

”منشی نہ سوچو، میں نے فون تو کیا ہے صفدر بھائی کو۔“

”کیا کہا؟“

”فی الحال تو یاد باغصہ ہی تھا فون کاٹ دیا۔“

”پھر..... پھر تمہیں کیا امید رکھنی چاہیے؟“ زویا نے دکھ سے ہنستے ہوئے کہا۔

”امید تو اچھی رکھنی چاہیے بیٹے کی خوش خبری پر ان کا دل بسجنا تو چاہیے۔“

”مگر میں صفدر کو جان گئی ہوں وہ دل کے اچھے ہیں مگر اپنی انا کی خاطر ایسا رد عمل ظاہر کر رہے ہیں۔“

”کچھ بھی کہو، کان کو ادھر سے پکڑ دیا ادھر سے۔“

”ہنہہ..... مجھے مشکل لگتا ہے۔“

”اچھا خیر، مت ٹینشن لو سب اچھا ہوگا۔“

”ہو گا یا نہیں، میرا تو بیٹا ہی ان شاء اللہ میرا سب کچھ ہوگا۔“ وہ ایک دم سرور سے ہو کر مسکرانے لگی۔

”ہنہہ، گڈ اور دیکھنا وہ ایک روز اپنے بیٹے کی محبت میں کھنچے چلتے آئیں گے۔“ منشی نے اٹھنا ہی بھونک اور یقینی انداز

میں کہا تو وہ کافی مطمئن سی ہو گئی۔

”سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر کیسا رد عمل اختیار کرتے ہیں یا تو آئیں گے یا نہیں، آئیں گے تو صلح

پسندی کا راستہ اختیار کریں گے یا اسی طرح خفا ہوں گے۔ مگر یاد رکھنا اب جو بھی بات کہنا سوچ سمجھ کر کرنا قطعاً کمزور

ہونے کی ضرورت نہیں۔“ منشی نے سمجھایا اس نے تاکید میں گردن ہلائی، لیکن اس میں بہت گہری سوچ موجود تھی۔ وہ

چپ رہی تو منشی نے ہی کہا۔

”دیکھو، اچھی طرح سوچ لو، تم انہیں یہ کہہ کر دیکھ لو کہ اپنے بیٹے کو ہی تسلیم کر لو، زمانے کا خیال کر لو، بیٹا تو

تمہارا ہی ہوگا۔“

”منشی، میرا دماغ خراب نہیں ہے میں ہرگز اس سے یہ بھیک نہیں مانگوں گی۔“ وہ بہت سخت لہجے میں بولی تو منشی

خاموشی ہو گئی۔

”تم خود سوچو کیا یہ اس کے لیے نئی بات ہوئی۔ اسے بیٹے بیٹی سے فرق نہیں پڑتا جب کہہ دیا کہ یہ اولاد وہ تسلیم نہیں

کرتا تو بس پھر کیا گنجائش رہ گئی؟ عورت اولاد کے احساس پر اپنا آپ ہار دیتی ہے۔ مرد نہیں، یہ مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے

میں صفدر سے کوئی خیرات نہیں مانگوں گی، مجھ سے خلع چاہیے، مجھے مزدوری بھی کرنی پڑی تو کروں گی۔“

”اللہ نہ کرے تم میرے ہونے کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ منشی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

”تمہارا بڑا احسان ہے بلکہ تم تو شاید میری مددگار بن کے آئی ہو۔“

”اللہ مددگار ہے میں کیا اور میری ہستی کیا؟ بس اتنی ہی فکر ہے کہ اماں اور باپ کے لیے میری وجہ سے پریشانیاں پیدا ہو گئی

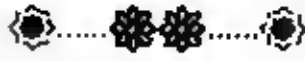
ہیں۔“ اس کا نگار بندھ گیا۔

”اللہ ان کے لیے بھی بہتری کا راستہ پیدا کرے گا۔ وہ تو تمہیں ہی قصور وار سمجھتی ہیں۔“

”ہاں، انہیں اور کچھ نہیں بتاؤ معصوم ہیں، نہیں جانتیں کہ ایک لڑکش سے کیسے قیامت پاتا ہوئی۔“

”اللہ غارت کرے اس مردار کو۔“ منشی کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

”اس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔“
 ”بے شک شاید مر کھپ بھی گیا ہو۔“
 ”اللہ مجھ سے بے غیرت کی صورت کبھی نہ دکھائے۔“
 ”چلو ٹینشن نہ لو، میں تمہارے لیے تجنی بناتی ہوں پھر تمہیں لگائیں گے۔“ ننھی نے اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لیے کہا اور اٹھ کر باورچہ خانے کی طرف چلی گئی۔



خوشگوار موسم کے پیش نظر آغا جی نے شرمین اور صفدر کے لیے چائے کا انتظام لان میں ہی کر دیا بہت سی چیزیں خانساہل نے کچھ ہی دیر میں تیار کر کے زرائی بچھوادی تھی۔
 ”لو بھئی، کھاؤ، سب کچھ کھاتا ہے۔“ بابا نے شرمین اور صفدر کو کہا تو شرمین نے مسکرا کر پلیٹ تمام ہی کباب، فٹ، ٹکٹس پلیٹ میں ڈالنے کے بعد کہا۔

”بابا مجھے تو بہت ہموک لگی ہے آفس سے سیدھے آپ کے پاس آئے ہیں۔ صفدر بھائی کو بھی کوئی مسئلہ درپیش ہے آپ سے شیئر کریں۔“

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں؟“ بابا نے الجھن میں گرفتار صفدر سے کہا۔ مگر وہ شاید ان سے شیئر کرنے کا ارادہ بدل چکا تھا اس لیے پکڑا کھاتے ہوئے بولا۔

”ارے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس عارض کی طرف سے ٹینشن سی ہے۔“

”وہ کیا؟“ وہ متلک سے بولے۔

”کوئی رابطہ نہیں، شرمین سے بھی بات نہیں کرتا۔“

”اچھا میں پوچھوں گا بلکہ میں نے کچھ دیر پہلے اسے ہیج کیا ہے کہ آج میری بہو کھرا رہی ہے۔“

”کوئی خاص مصروفیت ہوگی۔“ شرمین نے ٹالا۔

”ہاں شاید مگر پھر بھی۔“ آغا جی بھی فکر مند سے ہو گئے۔

”چھوڑیں میں خود اس سے پیٹ لول، گا۔“ وہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

”بابا، عارض کو کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“ اس کا دل ننھی میں لے کر عارض نے بند کر رکھا تھا ذرا سا موقع پا کر

دل کی بات کہہ دی۔

”بظاہر تو ایسا نہیں لگتا لیکن شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہو، عارض نے سب پر وائی ڈا اختیار کر رکھی۔ یہ فیئر نے بتایا ہے کہ

کھانے پینے سے سب نے جاننے میں بہت غیر معمولی رویا اختیار کر لیا ہے۔ میں خود بھی پریشان ہوں لیکن ان شاء اللہ سب

بہتر ہوگا۔“ بابا نے اس کی تسلی کی خاطر تفصیل بیان کی۔

”واہ، مزہ آ گیا بہت مزے کے کباب تھے اور چائے بھی میری پسند کی بنائی تھی۔“ شرمین نے بابا کی پریشانی دور

کرنے کے لیے گتھو کا موضوع بدلا۔

”عارض کی پیدائش کے وقت سے آج تک خانساہل کے رحم و کرم پر ہیں اب تم آ جاؤ گی تو کھانے کا اصل

لطف آیا کرے گا۔“

”بس اب آپ عارض کوختی سے آنے کا کہہ دیں۔“ صفدر نے ٹکڑا لگایا۔

”کہوں گا..... مگر جوان اولاد دکھا دی کیا کہہ سکتا ہے؟“

”بابا آپ عارض کو سختی سے کہہ بھی نہیں سکتے۔“ شرمین نے کہا وہ جانتی تھی کہ عارض سے وہ کتنی محبت کرتے ہیں۔
”ٹھیک بہتی ہو اس میں تو میری بہان ہے۔“

”بہر حال، شرمین کی وجہ سے تو اسکا ناچا ہے۔“ صفر نے کہا۔

”ہاں، بالکل مجھے گھر کا سناٹا کھانے کو دوڑتا ہے۔ بچوں کی فلکاریاں سننے کو بے تاب ہوں۔“ صفر ان کے اس جملے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کے کانوں میں امی کی آواز آنے لگی۔

وہ بھی تو اتنی ہی بے قرار ہیں اور پھر ان کی تو اللہ نے گویا سن بھی لی ہے۔ ایک میں ہی اس خوشی سے انہیں محروم رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر انہیں پتا چل جائے کہ زیا امید سے ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انٹراساؤنڈر پورن کے مطابق ان کا پوتا ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑیں گی اور ایک سیکنڈ بھی زیا کو نگاہوں سے دور نہ کریں۔ مگر میں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

”صفر کیا سوچنے لگے؟“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ اور سوچتا پاپا نے چونکا دیا۔

”جی وہ کچھ نہیں بس اب اجازت دیجیے۔“ صفر نے سختی سے اس کو کہا۔

”جی بابا بس اب اجازت دیں۔“ شرمین بھی بولی۔

”رات نہیں رہ جاؤ۔“ پاپا نے شرمین سے کہا۔

”نہیں بابا، زینتہ پائلر مندر دور مگی اور ان کی میڈیسن میں ہی دیتی ہوں۔“ اس نے صفر کی انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے، خوش رہو۔“

”لو کے اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے شرمین نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر صفر سے پوچھا۔

”آپ تو کچھ پاپا سے شیئر کرنے والے تھے۔“

”ہنہ، لیکن پریشانی اپنے تک ہی رکھنی چاہیے۔“ وہ بھی اپنی گاڑی نکال لیتے ہوئے با آواز بلند بولا۔

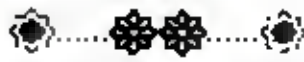
”اس کا مطلب آپ پریشان ہیں۔“

”ہنہ، شاید۔“

”مجھ سے شیئر کریں۔“

”کریں گے، لیکن اس وقت نہیں دیر ہو رہی ہے۔“ صفر نے کہا اور گاڑی نکال لے گیا۔ وہ ابھی کچھ سوچتے ہوئے

اپنے رستے پر چل دی۔



گیراج میں گاڑی کھڑی ہی کی تھی کہ بوبی پوری تیاری کے ساتھ اپنی گاڑی کی چابی تھماتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا

ہوا۔ وہ کچھ حیران پریشان کی اپنی گاڑی سے باہر لگی تو دہرایا۔

”یہ قطعاً نہیں کہنا کہ تھک گئی ہوں۔“

”مطلب؟“ وہ اس کی نقال پر مسکرائی۔

”مطلب یہ کہ ہم باہر جا رہے ہیں کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں اور پھر چائینرز۔“ اس نے اپنی ترنگ میں کہا اور اس کا

ہاتھ تھام لیا۔

”بونی، میں سچ سچ بہت تھکی ہوئی ہوں اور کچھ بھی کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔“ اس نے دھیرے سے ہاتھ

چھڑایا اور بولی۔

”ایسا کیا کھالیا کہاں گئی تھیں؟“ وہ پوچھ بیٹھا۔

”کسی سے ملنا تھا بس وہاں چائے کے ساتھ بہت کچھ کھالیا۔“

”کس سے ملنا تھا؟“ بوبی نے ناگواری سے پوچھا۔

”بوبی تھم ازدس کہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور آ رام کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی تو وہ

ہتھے سے اکٹڑ گیا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ساری شام میں نے انتظار کیا ہے تمہیں ساتھ چلنا ہے۔“

”بوبی پلیز۔“

”نہیں میں پروگرام نہیں بدل سکتا۔“ وہ اڑ گیا۔

”مجھے نہ سنتا پاؤدیکھنا ہے۔“

”وہ ٹھیک ہیں سو رہی ہیں۔“

”بوبی ہر ضد پوری نہیں کی جاسکتی۔“

”اور میں ہر ضد پوری کرنے کا عادی ہوں۔“

”بوبی، کیا بد تمیزی ہے۔“ اسے غصا آ گیا۔

”مجبوری ہے اسی بد تمیزی کے ساتھ عمر بھر رہنا ہے۔“ بوبی نے غیر دانستہ انداز میں کہا۔ دیا تو وہ چڑھ گئی۔

”بوبی میرے ساتھ جانا ہے تو بد تمیزی سے اجتناب کیا کرو۔“

”شرین بھی خود کو فرصت سے دیکھنا پھر میری بات، بد تمیزی نہیں لگے گی۔“ وہ اس کی ستارہ نما آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے عالم جذب میں بولا تو وہ لورن زیادہ جھنجھلا گئی۔

”بوبی نہ سنتا پاؤدیکھی ساتھ لے چلتے۔“

”وہ پرہیزی کھانا کھاتی ہیں۔ جتا رام ہوتیں اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔“ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے

اس نے بتایا۔

”مگر میں انہیں ملے بغیر نہیں جاتی۔ اس نے بھی اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”واپسی پر مل لیتے۔“

”باہر رہنے سے تم کافی بے پروا ہو گئے ہو۔“

”وہاں ماحول ہی ایسا ہے کہ آدمی کھو جاتا ہے۔“

”بس پلیز سٹش کراس نہیں کرنی۔“ اس نے ٹوکا۔

”شرین، میری خوشی تم ہو تم مجھے خوش دیکھنا کیوں نہیں چاہتیں۔“

”بوبی! تم کیسے یہ کہہ سکتے ہو؟ تم مجھے جس حیثیت اور مقام پر عزیز ہو، اس پر تم رہنا پسند نہیں کرتے، تمہیں یہ سمجھانا

مشکل ہے کہ میری زندگی کس قدر تلخ ہے۔ وہ کہتے ہیں تاکہ

تلخ آتی تھی کہ پینے سے زبان چلتی تھی

زندگی تاکھ کے پانی میں ملائی ہم نے

اس نے کچھ عجب سے انداز میں حال دل بیان کیا تو وہ خود پر کنٹرول نہ کر سکا۔ ٹھکے سے گاڑی روکی اور بولا۔

”شرمین میری زندگی تو تم ہو میرے اندر جھانک کر دیکھو میں کیا بنا سکتا ہوں تمہاری زندگی کو۔“ وہ ہنسنے لگا
سے مسکرائی اور بولی۔

”گازی چلاؤ ننھے سے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔“

”کبھی تو مجھے بڑا کھوں میں جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔“ وہ چلایا۔

”گازی چلاؤ ورنہ میں یہاں اتر رہی ہوں۔“ وہ سخت غصے میں آ گئی۔

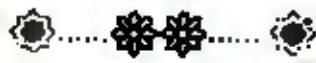
”میری بات کا جواب دو۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر کلائی تختی سے تھام کر کہا تو وہ لمبی سانس پھر کر بولی۔

”بوی مجھ میں ایسے نہیں ہوتے مجھے معلوم ہے محبت کرنے والوں کی حقیقت۔“

”غلط فلسفہ ہے تمہارا۔“

”ابھی چلو پھر بات کریں گے۔“ اس نے دھیرے سے کہا اور کلائی آزاد کرنا کر باہر دیکھنے لگی، اس نے

گازی اشارت کی۔



اپنی چابی سے باہر سے گیٹ کھول کر گازی اندر لایا۔

گیٹ لاک کیا برآمدے کا ازجی سیورجل رہا تھا۔ امی کے کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہ ٹھنکا مایا کبھی پہلے نہیں ہوا
تھا امی اس کی آمد تک اپنے کمرے کی لائٹ جلا کر اس کا انتظار کرتی تھیں۔ بیچ پڑھتے ہوئے اس کی آمد کی منتظر رہتی تھیں
پھر آج کیا بات ہوگئی؟ وہ فکر مند سا لڑک کر کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹ آن کی تو وہ بستر میں تھیں چہرہ سرخ تھا ہلکی سی
آنکھیں کھلیں اور پھر بوجھل ہو کر بند ہو گئیں۔

”امی..... امی.....“ اس نے لن کے قریب بیٹھے ہوئے کہا تو دوبارہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی اس نے
پیشانی چھوئی تو وہ گویا دھک رہی تھی۔

”امی آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔“

”ہنہہ؟“ وہ بڑبڑائیں۔

”اوه میرے خدایا امی آپ مجھے فون کر دیتیں۔“ وہ تڑپ اٹھا تھا انہوں نے کچھ نفرت سے دیکھا اور گردن دوسری
طرف موڑ لی۔

”امی ناراض ہیں؟“ وہ اور بے قرار ہو کر ان سے پلٹ گیا۔

”دور..... دور ہو جاؤ۔“ وہ کھشکل بولیں۔

”وجہ..... امی پلیز آپ کو مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔“

”جاؤ تا فرمان اولاد سے کچھ نہیں کہنا، جاؤ۔“ جہاں آرا بیگم سخت غصے میں تھیں صندریا سمجھ گیا کہ مٹھائی نہ لانے
پر ناراض نہیں۔

”ہی صبح مٹھائی لے آؤں گا۔“

”مٹھائی نہ لانا ماں کا کفن لانا، میں نے تا فرمانی کے لیے پالا پوسا تھا۔“ بخار کی شدت کے باوجود وہ
کرخت لہجے میں بولیں۔

”اللہ نہ کرے آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔“ وہ دیوانہ وار ان کا چہرہ چومنے لگا۔

”صندریا جاؤ یہاں سے بس۔“

میں نہیں تھا کہ آپ کو اتنی بڑی خوشی سے محروم رکھتا۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا ہے اس کی کوکھ میں ہے تو بھی میں مغموم ہوں بے حس ہوں لا تعلق ہوں۔ چاہتے ہوئے بھی اس خوشی کو قبول نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی نولاد کے لیے زیبا کی خطا معاف نہیں کی اور نہ ہی کر سکتا ہوں کیونکہ اس کا جرم بہت بڑا ہے آپ کی ضد اور فرمان میرے سر آنکھوں پر مگر میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟" وہ خود سے جنگ لڑ رہا تھا۔

"صغیر تم اپنی بوزھی ماں کی نافرمانی کیسے کر سکتے ہو ان کی کتنی زندگی بچی ہے؟ اگر ان میں کچھ ہو گیا تو کس سے معافی مانگو گے، ان کی خوشی کے لیے زیبا کو گھر لے آؤ۔ اسے ان کی خوشی میں پڑا رہنے دو ہم کوئی تعلق نہ رکھنا۔ تمہاری ماں تو خوش رہیں گی۔ ان کی بات ماننے بنا کوئی چارہ نہیں۔ ماں لو ان کی بات۔" اسے چاروں طرف سے یہی سنائی دیا۔ مگر وہ ہونٹ چباتا رہا سر کے بالوں پر ستم ڈھا تا رہا۔ طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ امی کی بات مان لینے کا مطلب تھا زیبا کو گھر میں لانا اور بچے کو قبول کرنا اگر بچہ قبول کر لیا تو زیبا کو بھی رکھنا پڑے گا۔ ہرگز نہیں اس نے خلع مانا ہے۔ بچے کے بعد سے خلع وی جاسکتی ہے اسے نکالنے سے کیا حاصل ہوگا؟ وہ بچہ ہی تو چھوڑنا نہیں چاہتی بچے کو دیکھ کر امی اسے نہیں چھوڑیں گی۔"

"اف میرے خدا میں پاگل ہو جاؤں گا۔" وہ چلا اٹھا اور بے دم سا اونٹ سے منہ بستر پر گر گیا۔ بنا کسی فیصلے کے بنا کسی نتیجے کے۔



دور سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

وہ گہری نیند میں تو گیا ہی نہیں تھا جلدی۔ ساتھ اٹھ اٹھیاں امی کی طرف گیا وہ جانے کیسی ہیں؟ یہ سوچ کر سیدھا ان کے کمرے میں گیا۔ وہ تخت پر جائے نماز سیدھی کر رہی تھیں۔

"امی۔" اس نے محبت سے پکار کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ گرم تھیں، سانس میں حدت آ میر تھی۔ اس کی محبت پر انہوں نے اس کی پیشانی چوی۔

"اتنی صبح کیوں اٹھ گئے۔"

"آپ کی طبیعت کی وجہ سے اور فجر کا وقت بھی تو ہو گیا ہے۔" اس نے اذین آرام سے تخت پر بٹھایا۔

"بس مجھے رات بھر تو غنودگی ہی تھی۔ مگر فجر کی اذان پر اللہ نے جگا دیا۔"

"آپ کو اس وقت بھی بخار ہے۔"

"اتر جائے گا جس مالک۔ نہ زلیما سے وی آ زماش سے ہا ہر نکالتا ہے۔"

"آپ نماز پڑھیں، میں بچی پڑھ کر آپ کے لیے ناشتا بناتا ہوں۔" وہ بولا مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"جی؟" وہ چونک نہ سکا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ میرا حکم مان رہے ہو کہ نہیں۔"

"کو... کون سا حکم؟" وہ ہکلا یا۔

"جاؤ... جو ماں سے روک کر سہو میرے نزدیک بنایا مان ہے۔" انہوں نے غصے سے کہا اور نماز کی نیت باندھ لی وہ شرمندہ سا کچھ دیر کھڑا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

ماں کی ناراضی اپنی جگہ تھی رب کو راضی کرنے کے لیے نماز کی تیاری کی پھر صبح بچا وہ اللہ کے حضور رو دیا گڑ بڑایا اور اللہ سے فیصلے کی رہنمائی مانگتا رہا۔ جب جائے نماز سے اٹھا تو دل کو کچھ سکون تھا۔ قرار تھا کہ ماں کی حکم عدولی نہیں کرنی اور

باتیں بعد کی ہیں اللہ کو منانا اور ماں کو ناراض رکھنا ممکن نہیں۔ اللہ تو ملتا ہی ماں کی دعا سے ہے اس وقت اس کے لیے اللہ اور ماں کو راضی رکھنا ضروری تھا۔ وہ فیصلہ کر کے بچن میں آیا چائے بنائی انڈے فراہمی کیے سلاٹس سینکے۔ برامی کے پاس آ گیا وہ اب تسلیج پڑھ رہی تھیں۔

”صفدر مجھے کس رشتے سے یہ بنا کر دے رہے ہو؟“ انہوں نے سختی سے پوچھا۔

”اپنی ماں کو ایک بیٹا بتائے گا کیا؟“ وہ مسکرایا۔

”میرا بیٹا اس وقت ہوگا جب میری بات مان لےگا۔“

”آپ کی بات تو میں جان فرما کر کے بھی پوری کروں مگر۔“

”یہ اگر مگر بتا ہے کیا ہوتا ہے دیوار کی چٹائی کرتے ہوئے رہ جانے والی درازیں، جو دیوار کو مضبوطی میں کمزوری پیدا

کرتی ہیں۔“

”آپ کو کیسے یقین ہے کہ رشتے مضبوط ہیں؟“ اس نے ناشتا بن کے سامنے دیکھتے ہوئے چل۔

”کمزور تم نے بنا رکھے۔ کبھی تمہیں بیوی اور اپنے بچے سے وابستگی نہیں۔“ وہ سختی سے بولیں تو وہ بڑی اہمیت کے ساتھ

ضبط کر گیا کروا کچ نہ تاسکا۔

”اچھا آپ ناشتہ کریں۔“

”کر لوں گی میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں۔“

”اللہ آپ کو سلامت رکھے۔“

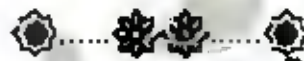
”جاؤ، جا کر ابھی زیا کو لے کر آؤ۔“

”جی دن تو چڑھنے دوں آپ ناشتہ کریں گوئی کھائیں۔“ وہ بولا۔

”نہیں پہلے ابھی جاؤ۔“ انہوں نے حکم سے کہا تو اسے ماننا پڑا۔

”ٹھیک ہے پھر جلدی سے یہ ناشتا کریں دو کھائیں تو مرنے جاتا ہوں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ

مطمئن ہوئیں خوشی سے چہرہ گل ہٹھا۔



اس کی غیر متوقع آمد ننھی کے لیے حیران کن تھی۔

اسے لیے اندھا کی تو دوسرا حیرت کا جھڑکا زیا کے لیے تھا جس کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ بیڈ کی سائڈ پر رکھ کر وہ

اٹھی اور حیرت زدہ سی اس کے سپاٹ چہرے پر پھیلی عم غصے کی لکیریں دیکھنے لگی۔ ہاتھوں کی ہبوں میں ہاتھ ڈالے وہ رخ

موڑ کر بولا۔

”کتی معصومہ کھتی، پھر کس قدر چالاک ہو؟“

”آپ کو بڑی ذہن میں ہوا چلا لو آپ اب بتائے آئے ہیں۔“ زیا کو بھی فصاحت مہیا۔

”صفدر بڑائی پلیز آپ انہیں میں ناشتہ بخاتی ہوں۔“ ننھی نے گرا گری کم کرنے کے لیے کہا۔

”میں ناشتہ کر کے آتا ہوں۔“ وہ روکھا سا بولا۔

”اچھا میں چائے لاتی ہوں۔“ ننھی چلی گئی تو وہ بولا۔

”چالاک نہ ہوئیں تو مجھ کو پھانسی کیا؟“ وہ زہر بھری مسکراہٹ سے بولا۔

”صفدر صاحب اگر انکار سے برسانے تھے تو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میں مجبور ہو کر بھیجا گیا ہوں۔“

”کیا مجبوری ہے۔“

”خیر..... میرے ساتھ چلو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا بچے کا فیصلہ بھی وقت کرے گا۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”مجھ اب یہ کہنا پڑے گا خدا را مجھے اپنے بچے کے ساتھ رہنے دیں۔“

”بند کرو یہ ڈرامہ، میری ماں کو بلیک میل کر کے اب یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ وہ رعونت سے بولا تو

زیبا بھڑک اٹھی۔

”میں نے آپ کی ای وی کو کچھ نہیں کہا وہ مجھے ملی تک نہیں۔“

”ہنہہ..... بہر کیف تمہارا منصوبہ فی الحال کامیاب ہو گیا۔“

”افسوس کوئی باپ اپنے بچے کو منصوبہ بھی کہہ سکتا ہے۔“

”افسوس تم جیسی عورت ایسا بھی کہہ سکتی ہے۔“ وہ پلٹ کر حملہ آور ہوا تو زیبا کی آنکھیں اڑ بڑبا گئیں۔

”اس سے بہتر تھا آپ مجھے قابل رحم ہی نہ سمجھتے۔“

”کیا تمہیں رحم نہیں ملا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ماورجی ہے میرے پاس۔“ وہ فخریہ انداز میں بولی۔

”ہنہہ یہ بھی میرا رحم ہے تم پر۔“

”رحم کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔“ اس نے گویا دولا لایا۔ تو کچھ براس نے چپ رہ کر کہا۔

”اب چلو سامان اٹھاؤ مجھے فیس بھی جانا ہے۔“

”جائے گر ماگرم.....“ ننھی نے آ کر کہا۔

”شکر یہ مجھے جلدی ہے۔“

”مصنفہ بھائی پلیز بیٹھیں تو اوو آپ کو بیٹے کی ایڈوائس مبارک بہا دیتی ہے۔“

”مچی سہلی کو دیں مجھے اجازت دیں بس۔“ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

”ننھی کیا کروں؟“ زینا نے پریشانی سے پوچھا۔

”فوراً جاؤ آگے بھی اتھے کی امید رکھو۔“

”یہ شخص مجھے پتھر مار مار کر ہولہولانہ کرتا رہے گا۔“

”کچھ بھی ہو تم اچھائی کی اسب اللہ سے رکھو، اب جاؤ سامان میں پہنچا دوں گی۔“ ننھی نے اسے گلے سے لگا کر

دھیرے سے کہا تو وہ رو دی۔

”ننھی میرا دل بندن مان رہا۔“

”پلیز اب بہاؤ مصنفہ بھائی خود لینے ہیں ناراض ہوں گے۔“

”وہ صرف اپنی ای کی وجہ سے ہیں۔“

”کچھ بھی سہی۔ وہ تمہارے لیے سہارا ثابت ہوں گی۔ اب تم اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ۔“ ننھی نے اسے ہنڈ

بیگ، میڈ پیسن وغیرہ دیتے ہوئے سمجھایا وہ دل کڑا کر کے کمرے سے نکلی وہ بے دردی سے سگریٹ پھونک رہا تھا

اسے دیکھ کر ننھی سے بولا۔

”اگر نخرے میں ہوتو بیٹھی رہو، سمجھا لوں گا میں ای کو۔“

”صنوبر بھائی زریبا کی میڈیسن نہیں مل رہی تھیں۔“ ننھی نے لقمہ دیا۔
 ”پہلے یہ بتاؤں کہ دھکے دے کر کب نکالیں گے؟“
 ”جلد بہت جلد۔“

”تو پھر پڑا رہے دیں مجھے سیکس۔“
 ”مرضی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر لہجہ بھی نہیں رکھا۔ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ ننھی پیچھے دوڑی۔ مگر وہ رکا نہیں۔
 ”اوہ زریبا نہیں کہنا تھا ایسا کچھ۔“

”ننھی جانے دو مجھے نہیں جانا بس۔“ زریبا غصے سے کہہ کر واپس کمرے میں گھس گئی۔
 وہ اس قدر رہنمائی ہوا تھا کہ جہاں آرا بیگم سمیت شرمین نے بھی حیرت سے اسے دیکھا وہ کچھ متاثر بھی ہوا لیکن پھر بھی
 چہرہ نماز تھا دلی کیفیت کا۔

”پھر اکیلے چلتے؟“ جہاں آرا بیگم پھٹ پڑیں۔
 ”اس کے پاؤں پڑ جاتا۔“ وہ پانی کا گلاس بھر کر غنا غٹ پی گیا۔
 ”تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ جہاں آرا بیگم کو صدمہ جو غصا گیا۔
 ”آئی پیلیز آپ کی طبیعت خراب ہے غصہ نہ کریں۔“ شرمین نے جلدی سے مداخلت کی۔

”سواری شرمین بہن۔“ صنوبر شرمین کی سے کہہ کر بیٹھ گیا۔
 ”صنوبر مجھے تمہاری نافرمانی کی توقع نہیں تھی۔“ جہاں آرا یہ کہہ کر رخ موڑ کر لیت گئیں۔
 ”امی وہ نہیں آئی آپ جا کر لے آئیے گا۔“ صنوبر نے نرمی سے کہا۔

”بھائی کیوں ناراض ہیں، مسئلہ کیا ہے؟“ شرمین نے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی اور میں رکھنا نہیں چاہتا۔“ وہ دتیرے سے بولا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔
 ”چھوڑیں بسی داستان سناپ شائیں کیسا ناہوا؟“
 ”صنوبر بھائی میں عارض کے لیے فکر مند ہوں۔“

”خیریت؟“
 ”رابطہ نہیں اور میرے حالات کچھ بدل رہے ہیں میں عارض سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ بولی۔
 ”تو انہی بات کر لیتے ہیں۔“ وہ بات کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ کیجیے میرا پیغام۔“ بدتیجیے گا۔“ وہ بولی۔
 ”میں بات کر کے آتا ہوں آپ بیٹھیں۔“ وہ علیحدگی میں بات کرنے کی غرض سے باہر چلا گیا تو جہاں
 آرا بیگم بڑھیں۔

”شرمین میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔“
 ”ارے نہیں..... نہیں میں آفس میں کچ کر سکتا کی ہوں۔“
 ”بھوکولا تا نہیں میں پیانا نہ بنے گی ہوں۔“ وہ بولیں۔

”آپ خود چل کر بات کریں۔“
 ”اب ایسا ہی کروں گی ویسے میں زریبا کی امی کو تاکید کرتی تھی کہ اسے لے آؤ۔“

”چلیں کوئی بات نہیں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، جا میں گی۔“ اس نے تسلی دی۔
 ”صفر کی مرضی نہیں۔ یہ میں جانتی ہوں۔“
 ”وہ بھلا کیوں ایسا چاہیں گے۔“

”پتا نہیں اب دیکھو یا امید سے جاسا اپنے گھر میں ہونا چاہیے مگر یہ سنا ہی نہیں۔“
 ”واہ..... ماشاء اللہ پھر تو بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔“ شرمین نے خوشی سے کہا کمرے میں داخل ہوتے صفر نے
 سن کر پوچھا۔

”کس بات کی مبارکباد۔“

”صفر بھائی، لہذا حضور بننے کی۔“ شرمین نے شرارت سے کہا۔

”اوہ..... اچھا امی سے صبر نہیں ہوا۔“ وہ پیچیدہ ہو گیا۔

”اس میں صبر کی کیا بات ہے؟“ امی چڑ گئیں۔

”خیر شرمین، بہن، وہ عارض نے فون تو اٹینڈ کیا ہے مگر وہ مصروف تھا۔ رات میں تفصیل سے بات ہوگی۔“ وہ کچھ بات
 نہ جانے کے سائراز میں بولا۔

”اسی بھی کیا مصروفیت؟“ اس نے گلہ کیا۔

”وہ خود بات کرے گا تم سے، میں نے سمجھایا ہے۔“

”عارض ایسا کیوں کر رہا ہے؟“

”صفر کے دوست سے اسکی توقع ہی رکھو۔“ امی نے لکڑا لگایا۔

”امی کوئی پرالیم ہوگی اسے آپ ٹیکسٹ کیوں سوچتے لگی ہیں؟“

”ٹھیک ہے مجھے اجازت دیں۔“ شرمین نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”وہ بات کرے تو سب پوچھ لیجیے گا۔“ صفر نے دھیرے سے کہا وہ کچھ نہ سمجھی۔

”اگر نہ کیا تو۔“

”تو آپ کر لیجیے گا بندہ ضرور کیجیے گا۔“

”کوئی مسئلہ رہا ہے۔“ وہ کچھ خدشات کے پیش نظر بولی۔

”کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں خود الجھ گیا ہوں۔“ صفر نے بہت آہستگی سے کہا۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اللہ کار ساز ہے کیونکہ اب اس ہوتی ہیں؟“ صفر نے اٹھ کر کہا۔

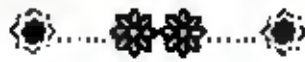
”خیر آپ آئی کی ڈراموں کا خیال کریں۔“

”میں امی شہیل کی وجہ سے اس کے پاس گیا تھا۔“

”آپ آئی کو لے جائیں۔“

”ٹھیک ہے آپ اپنا خیال رکھیے گا۔“ صفر نے باہر چلتے ہوئے کہا۔ شرمین نے نہاں آرائی کے ساتھ ہاتھ تھام کر چوہا خدا

حافظ کہا کہ باہر نکل آئی۔



مسلسل چار پارچے پبل جانے کے بعد عارض نے فون ریسیو کیا۔

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 70

”یار حد کرو تم نے مجھے کتنے بہانے بنا کر شرمین بہن کو بھیجنا پڑا کچھا احساس بھی ہے تم کو۔“ صفدر فون ریسو کرتے ہی اس پر برس پڑا۔
 ”سوری۔“

”سوری، مفارقات ایک معصوم لڑکی سے جھوٹ بولنے پر۔“ صفدر مزید تاؤ کھا گیا۔
 ”جھوٹ نہیں مجبوری اور مصلحت۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔
 ”کیسی مجبوری اور مصلحت؟ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ بات کیا ہے؟“ صفدر نے پوچھ۔
 ”بتایا تو ہے کہانی ختم ہو گئی بس۔“

”کہانی، مطلب ایک لڑکی سے عہد و پیمان باغیچہ کر ملک سے باہر جاؤ اور کہانی ختم کرو اتنا آسان دستور بنایا ہے تم نے۔“

”نہیں نے کچھ نہیں بنایا میں اس پر مسلط تھا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ کہانی ختم کروئی جائے۔“ عارض نے آہستہ آہستہ بات کی۔

”عارض یہ کیسا بہتان ہے..... اس پر یہ ظلم کیوں کر رہے ہو؟“
 ”کیسا بہتان، یہ سچ ہے اسے کسی اور سے محبت ہے۔“

”یہ غلط ہے تم اس سے بات کرو مجھ میں تو محبت ہی نہیں ہے۔“
 ”صفدر پلیز میں نے کہا ہے جتنا کہ اسے میرا پیغام دے دو۔“

”نہیں پلیز آج رات وہ فون کا انتظار کرے گی اس سے بات کرنا اور پلیز اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو اسے یہ صدمہ مندو تم نے محبت کی تھی فلٹ نہیں۔“ صفدر نے اسے سبوتاہ کرنے کی کوشش کی۔

”میں نے محبت کی ہے یہ محبت ہی ہے کہ اسے کسی اور سے محبت کے لیے آؤ کرو یا ہے۔“ عارض نے ایک طویل سانس بھرنے کے بعد بات مکمل کی۔

”تمہیں غلط نہیں ہوئی ہے۔“ صفدر نے کہا۔
 ”میں اس سے بات کر لوں گا، خود کہہ دوں گا۔“

”کیا؟“ صفدر نے دکھ سے پوچھا۔
 ”میں کہہ دوں گا جو کہنا ہوگا۔“ عارض نے کہا۔

”عارض تم ٹھیک نہیں کر رہے، ایسا کیا ہو گئے؟“
 ”ہرج نہ کرو بس، میں خود اسے سمجھا دوں گا وہ جس سے محبت کرے اس کے ساتھ خوش رہے۔“

”تمہاری محبت۔“ بی گئی کہ بیچ سفر میں دھوکہ دو تمہاری عادت نہیں گئی میں شرمندہ ہوں کہ شرمین سے تمہاری وکالت کی۔“ صفدر کو فضا گیا۔

”دیکھو وہ خود یہ تسلیم کرے گی کہ میرا فیصلہ درست ہے۔“
 ”مگر تمہاری محبت تو بھانڈ میں گئی جس کا نام لے..... لے کر مرتے تھے اس طرح دھوکہ دو یہ کہاں کی انسانیت ہے؟“

”صفدر نے ایک اور کوشش کی اس کا ضمیر جگانے کے لیے گروہ سانی سے بات ٹال گیا۔
 ”تمہارے مسئلے کا کیا ہوا؟“ عارض نے دکھتی رنگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”دو ہیں کا وہ ہیں، بے مذمتی جہنم بن گئی ہے مگر میرے اور تمہارے مسئلے میں فرق ہے تم اس پر غور کرو اس سے بات کرنے

سے پہلے سوچا اور پھر بات مروہ تم سے محبت کرتی ہے۔
 ”میں بات کر لوں گا تم اسی کی بات کرتے رہنا میرے دل کی کیفیت نہ سمجھنا۔“ عیاض نے زچ ہو کر کہا۔
 ”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا کہانی ایسے کیسے ختم ہو سکتی ہے۔“ صفدر نے بھی کچھ نئی سے کہا۔
 ”بس ہو گئی میں ہی ایسا تھا اور ایسا ہوں۔“ وہ از گیا۔
 ”افسوس، تمہیں ایسا کبس کرنا چاہیے۔“

”یار، میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا وہ کسی اور کی محبت ہے، میں کیسے یقین دلاؤں، میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا ہے لیکن پھر
 میرے جاندار سب کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔“ وہ کہناک سے لہجے میں کہہ گیا۔
 ”تو..... تم نے کہانی ختم کر دی۔“

”ایسا ہی ہے۔“

”او کے، اللہ حافظ۔“

”باراض۔ اس نے کہا۔“

”تمہیں باراض ہونے نہ ہونے سے کیا حاصل؟“ صفدر کا لہجہ شکایتی تھا۔

”میں آج رات بات کر لوں گا۔“

”مرخصی ہے۔“

”اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

اس نے مجھے دل کے ساتھ فون بند کیا اور اپنے سامنے رکھے کانی کے بیخ بستہ مگ کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے گرما گرم
 بھاپ اڑا رہا تھا مگر اب اس کے دل کے اندر دھواں اڑا رہا تھا اور باہر ایک بیخ بستی کی سی تھی صفدر کا ایک ایک نقطہ نشتر زنی کر رہا
 تھا وہ صفدر کو ایسے بتاتا کہ ٹرین سے دوری کی کتنی بڑی اور کڑی سزا بنتی رہا تھا۔ اس نے دور ہو کر کس حوصلے سے اسے جدا
 کیا ہے وہ اعتراف محبت نہ کر سکی۔ محض اس لیے کہ وہ کسی اور کی محبت ہے۔ بات وہ پہلے کہہ دیتی تو وہ محبت ہی نہ کرتا۔
 اس نے ٹھنڈا مگ وہیں چھوڑا اور تیل بن کر دروازہ کھولنا منجر صاحب بریف کس سمیٹا۔ اندھا گئے۔
 ”جی نیجر صاحب۔“

”سر آغا صاحب نے پراجیکٹ ٹائل کے بارے میں دریافت کیا ہے اور آپ کو فون کرنے کی تاکید کی ہے۔“

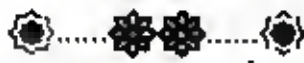
”ٹھیک ہے اور۔“ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”اور کچھ کاغذات، پر آپ کے دستخط چاہیے۔ آپ کے کھانے پینے کے بارے میں بہت فکر مند تھے سر۔“ نیجر

صاحب نے بات مکمل کی بریف کس سے کاغذات نکالے تو وہ بے زاری سے بولا۔

”یہ لیزر پینل پر رکھیں میں کر دوں گا۔“ نیجر صاحب نے نکت سے کاغذات رکھے اور بریف کس بند کر کے چلے

گئے اور وہ سونے کی پشت سے سر نکال کر آٹھکھیں ہونڈ کر بیٹھ گیا۔



منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر دواش روم سے باہر آئی، بالوں میں برش کیا اور نہ بنتا پا کے کمرے میں آئی وہ بستر پر دراز
 تھیں اس نے سلام کیا اسی اثنا میں یوبی کمرے میں داخل ہوا اور بولتا چلا گیا۔
 ”کہاں تھیں کب سے چائے کے لیے انتظار کر رہے ہیں؟“



”وہ دراصل میں کہیں چلی گئی تھی۔“ شرمین نے کچھ غیر معمولی سنجیدگی سے جواب دیا زینت آپا نے واضح طور پر محسوس کیا۔

”کہاں..... یا آپ کی کہاں کیا مصروفیت تھی؟“ بوبلی نے لالباہلی پن سے پوچھا۔
”بوبلی یہ کیا سوال ہے؟“ زینت نے شرمین کی خاموشی پر پریشانی محسوس کرتے ہوئے بوبلی کو تہیہ کی۔
”ہاں کیوں نہ کروں سوال، کب سے چائے دم پر رکھی ہے بلکہ اب تو دم بھی نکل گیا ہوگا۔“ بوبلی نے مزید تیزی سے زبان چلائی۔

”میں بابا سے کہتی ہوں اور بتائیں۔“ شرمین نے اٹھتے ہوئے کہا تو زینت نے اس کا ہاتھ دبا کر منع کر دیا۔
”بابا تو اپنے چک گئے ہیں اور چائے بوبلی ہی پلائے گا۔“ زینت نے کہا۔
”جک..... مطلب۔“

”بابا کی بہن فوت ہو گئی ہے اطلاع آئی تو میں نے فوراً بھیج دیا۔“ زینت آپا نے بتایا۔
”اوہ اور پھر کام آپ نے کیے ہوں گے۔“ شرمین نے پوچھا۔
”میں نہیں سمجھتی کھانا تو خانہ سال ہی بناتا ہے۔“
”آپ کو تو فرصت نہیں ملتی کہ اپنے ہاتھ کا کھانا کھلاؤ۔“ بوبلی نے شرمین کو کہا۔
”ارے بے چاری کو کام سے فرصت نہیں ملتی اب جاؤ چائے لے کر آؤ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔“ زینت نے بوبلی کو ذہن نشین ہونے پر کہا۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا تو زینت نے شرمین سے پوچھا۔
”شرمین کوئی خاص بات ہے۔“

”نہیں، سب روٹین کی باتیں ہیں۔“ وہ مسکرائی۔
”لیکن فکر مند اور پریشان لگ رہی ہو۔“
”کچھ خاص نہیں۔“

”بتاؤ۔“

”آپا عارض کی طرف سے کچھ فکر مند ہوں۔“
”کیسی فکر؟“ زینت بھی پریشان ہوئیں۔
”آج رات بات ہوگی۔“

”بات ہوگی..... مطلب.....؟“ انہیں حیرت ہی ہوئی۔

”جی جب رشتوں، برہنہ، تاؤٹا جانے تو ان کے لیے فکر مند ہی ہونا چاہیے۔ عارض کی بات نہ کرنا، مصروف رہنا اور یہ کہنا کتا جوجہ بات کرنے کا۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے کوئی خوش گو اور بات نہیں کرنی۔“
”تجسہیں کر، نے کہا میرا مطلب ہے کیا وہ تم سے بات ہی نہیں کرتا۔“ زینت نے بہت زیادہ تعجب سے پوچھا۔
”جی بہت دن سے یہ تو صند بھائی نے بتایا ہے۔“

”تو تم اس کے والد سے بات کرو، بلکہ میں کرنی ہوں کیا چکر ہے؟ کیا کوئی اور مصروفیت تو شروع نہیں کر لی۔“ زینت آپا کا جس طرف اشارہ تھا شرمین سمجھ گئی۔
”تو کر سکتا ہے میں کون سا رکاوٹ بنوں گی۔“
”میں نے کہا ہے اس کے بابا سے بات کرو۔“

”وہ اپنی مرضی کا مالک ہے، مجھے پروا نہیں۔“

”پروا کیوں نہیں پروا ہوتی جاوے۔“

”تھوڑی سی باتیں نے محبت کی بے حرمتی پر الفاظ ضائع نہیں کرنے۔“

”یہ نہیں جناب چائے حاضر ہے دو پکوزے۔“ بوبلی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو شرمین نے کہا۔

”گھاڑا پائے کے لیے تو پکھا اور بنوائیے، یہ سبکی ہوئی چیزیں نہیں کھاتیں۔“

”او..... نہیں میں نے کھانا لیا ہے، بس چائے پیوں گی۔“ زینت نے انکار کر دیا۔

”بابا کی واپسی کب ہوگی؟“ بوبلی نے پوچھا۔

”نہیں معلوم ہے، بس تم فین کے بعد ہی انہیں ہی دیکھنا ہوگا۔“ زینت نے جواب دیا۔

”چلیں جاویں گے۔“ شرمین نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”ویسے بھی رات ہم باہر نہ کر سکیں گے، ماما بھی چلیں گی۔“ بوبلی نے نئی رخ لگائی۔ تو شرمین نے فوراً سنجیدگی

سے معذرت کر لی۔

”میں معذرت چاہتی ہوں روز روز باہر کے کھانے میں پسند نہیں کرتی۔“

”میں تو کرتا ہوں۔“

”تو کروا پنے فریڈز کے ساتھ۔“ شرمین نے کہا۔

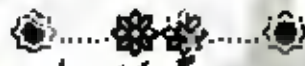
”میرے کون سے فریڈز ہیں میرا سب کچھ تم ہو۔“ وہ مسکرایا۔

”بوبلی شرمین ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ویسے بھی وہ چسکی ہوئی ہے۔ خانا مال سے کہہ کر جو چاہو، خانا۔“

”باہر صرف کھانا نہیں ہوتا۔“

”ماہوکی میرے مزاج میں گنجائش نہیں سوری۔“ شرمین خالی کپ رکھ کے وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ آواز میں

دیتا رہا مگر وہ ٹپٹی نہیں۔



حاجرہ بیگم پانی لے کر آئیں تو اسے اپنے ہی خیالوں میں گم دیکھ کر بولیں۔

”وال جادل شخصدے ہوں ہے ہیں کھائی کیوں نہیں ہوں؟“

”اماں دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل چاہے یا نہ چاہے تمہیں کسانے کی ضرورت ہے۔“ حاجرہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”تو کیسے کھاؤں؟“ وہ بے زاری۔

”تمہیں دلی سکون حاصل نہیں ہے کتنی ناشکری ہو اچھا گھر مل گیا ساس بے قرا، شوہر لینے آیا اور تمہارے مزاج

ٹھکانے پر نہیں۔“

”اماں مجھے سکون سے یہاں گزرنے دو۔“ وہ برامان گئی۔

”زیادہ تمہارا دماغ گھس چنے چلا گیا ہے سخی کو تمہیں سمجھانا چاہیے کیوں نہیں بیجا تمہیں صغیر کے ساتھ۔“

”اماں کیوں سخی کو لڑا رہتی ہو؟ اس نے تو بہت کہا تھا مگر میں نہیں مانی۔“

”صد ہوگئی جہاں آ رہا بیگم سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں چھوڑاؤں گی۔“

”مجھے نہیں جانا۔“ وہ برائے نام چادلوں سے بھوک مٹانے لگی۔

”ان کا بچہ ہے، وقت آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، اچھی خودکام تمہیں چاہیے آ رام چاہیے، اپنے گھر جا کر رہو پھر دیکھا وہ کس قدر تمہارا خیال رکھتے ہیں۔“ حاجرہ بیگم نے سمجھایا۔

”نہیں خیال آپ کو کچھ نہیں اندازہ۔“ وہ طنز یہ نہی۔
 ”کوئی شکایت ہے تو میں بات کرتی ہوں۔“

”اماں ابھی وہاں نہیں جا سنی وقت آ یا تو ضرور سوچوں گی۔“

”دیکھو بیٹا تمہارے ابا مستقل بستر کے ہو گئے ہیں میں بوزھی اور بیمار کمرے کے کرائے پر گزارہ مشکل سے چل رہا ہے اور تمہیں اندازہ ہی نہیں آگے کے اخراجات کا۔“

”آپ ہم نہ کریں میں زیور بیچ دوں گی۔ بعد میں لو کری کر لوں گی۔“

”یہ عمل نہیں ہے ان میں ایسے کون سے کیزے نکل آئے؟“
 ”بس ننھے نہیں جانا۔“ وہ جھلائی۔

”محلے والے باتیں کرتے ہیں باپ دادا کا نام اچھا لانا ہے تم نے مگر میں تمہیں چھوڑ کرتا ہوں گی میں صفر سے معافی مانگوں گی۔“ حاجرہ نے کافی سختی سے کہا۔

”اس سے کیا ہوگا؟“

”میری بچی بوہی تمہارا اصل گھر ہے اصل ٹھکانہ ہے۔“

”اماں خدا کے لیے۔“ وہ چڑھی۔

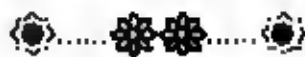
”تم نے کتنا اچھا موقع گنوا دیا۔ میں تو دعائیں مانگ رہی تھی کہ وہ لوگ تمہیں لے جائیں اب خلق کا لفظ منہ سے نہ نکالنا۔“ وہ سمجھا کر برتن اٹھا لے گئیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ آنے والے حالات کے بارے میں تو وہ سوچ سکتا

ہے جو گزرے حالات کی پرچھائیوں سے نکل سکے اس کا تو خلق بخنی اسے رات دن کند چھڑا ہاں سے ذبح کرتا رہتا تھا اس کی سزا ہی تو اتنی طویل ہو گئی تھی اسی کی اذیت میں جھلا گئی۔ وہ اماں کو کیسے بتائے کہ خلق اس کی زبان پر کیوں مٹا دینا؟

صفر کو جو حقیقت معلوم ہے اس کی وجہ سے وہ تو مجھے دینا۔ سے نکالنے پر آمادہ ہے۔ میرا لگناہ قابل معافی نہیں لگتا۔ یہ صرف میری اولاد ہے صفر کی نہیں صفر جیسا ستر زاپی اولاد کے لیے مجھ جیسی ہاں قبول نہیں کر سکتا یہاں سے تم بھیجنا

چاہتی ہو، وہاں سے صفر کی امی بلانا چاہتی ہیں مگر میرا میرے بچے کا جس سے رشتہ ہے وہاں ہمارا۔ برو جود سے بھی انکاری ہے۔ وہ تو ہمیں دیکھ کر راضی نہیں میں وہاں کس کے لیے جاؤں، چلی بھی جاؤں تو بے عزتی کی سانس لے کر کتنے عرصہ

وہاں رہ پاؤں گی بچے کی پیدائش تک یا پھر اس سے بھی پہلے۔“ اس نے بے دم ہی ہو کر نیکے پر سر رکھا اور بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔



رائٹنگ نیلے رنگ کی لکیروں پر چہرہ نکائے وہ منتظر تھی۔

حالانکہ دل کم لہجہ سے اشارہ دے دیا تھا کہ اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ پلنے ہاں دل کی مگر خام خیال کا یہ عالم کہ یہ نہیں جانتی۔

کون ہے معتبر زمانے میں

کس کے وعدے سے پراعتماد کریں

بھول جانے کی عمر بیت گئی

"پلیز صفر بھائی! آپ میرے حوالے سب کبھی بھی کوئی بھی بات نہیں کریں گے۔"

"صفر بھائی! 'Once it's Crumpled it can't be perfect again! Trust is like a paper!'"

"آپ نے ٹھیک کہا۔ صفر تو خود ہی قسم کی اذیت بھری زندگی کا سامنا کر رہا تھا اسے کہہ لیتا۔"

"آپ قطعاً کچھ نہ سوچیں مجھے حالات سے لڑنا آتا ہے، محبت کی سوداگری لوگ ایسے ہی کرتے ہیں۔ دیا میں یا اگر کوئی

لفظ سب سے زیادہ بے عزت ہو رہا ہے تو وہ محبت ہے جس میں اس لفظ پر غور نہیں کرتی۔"

"تاہم پھر بھی اس کی ضرورت اور طلب تو رہتی ہے شرمین! بہن!"

"طلب بھی بدل جائے گی اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ وہ دھیرے سے بولی۔"

"بہر کیف! آپ رنجیدہ نہ ہوں میں حالات ٹھیک کرنے کے لیے کوشش کروں گا۔"

"نہر! آپ عارض سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، مگر میں اپنے رفرنس تو بات کر سکتا ہوں۔"

"جی۔"

"اب اجازت دیں آپ کا فون بن کر سیدھا یہاں آ گیا آفس جانا بھی ضروری ہے۔"

"جی شکریہ صفر بھائی! بس آپ کوئی پکارنا اچھا لگا۔"

"ہمیشہ پکار سکتی ہیں میں بہت شرمسار ہوں۔"

"کس لیے؟ آپ ایسا بالکل نہیں کہیں۔"

"اجازت....."

"جی ضرور۔"

"ڈپنا خیال رکھیے گا۔"

"وہ تو رکھنا ہی ہے۔"

صفر اٹھ کر چلا گیا تو ضبط کے سمندر میں طغیانی کا عمل شروع ہو گیا۔ وہ مونے مونے آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر پھیل گئے۔

ہاں تھا ایک فرض سا شخص
وہ بھی مجھ سے قضا ہو گیا

بنا کسی جرم کے، بن کسی خطا کے، کتنی آسانی سے زندگی میں آیا اور کتنی آسانی سے رخصت ہو گیا۔ یہ بھی اس کی طوفانی محبت، نفرت ہی ہونے لگا۔ ہے اس کم بخت محبت سے کیسے قطرہ قطرہ ہوندوں کی صورت نگاہوں سے پھرتی ہے اور تڑپنے کو چھوڑ دیتی ہے۔

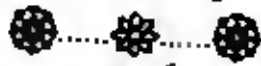
"شرمین! اب تو اس کو چھوڑ دے، فریب دینا سیکھ جا۔ محبت کو دوسروں کا خسارہ، مادے ملی جا یہ درد بھر سے آنسو۔ اس نارسانی کی آگ میں جھلنے سے کیا حاصل؟ وہ بھنورا تھا اس کی فطرت ہر جائی سے۔ اسے بھول جا، نکال دے دل سے۔ کچھ وقت دے اسے دل مضطرب! کہ میں اسے فراموش کر دوں۔" وہ ہنڈا آنکھوں میں مضبوط منصوبے محفوظ کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور بوٹی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کی آنکھوں کی کہانی شاید اس نے پڑھ لی، جھک کر بولا۔

"خوب صورت آنکھوں پر سارے جہاں کو اردوں کیوں نم ہیں یہ۔"

"پلیز بولی مجھے ڈسٹرب مت کرو۔" وہ جلدی سے فائلیں کھولنے لگی۔
"ڈسٹرب تو آپ ہیں۔"

"نہیں، بیٹھو کافی منگواؤں۔" وہ نال گئی۔
"نہیں، جوں پیتے ہیں مگر باہر جا کر۔"

"سوری، ضروری اسائنمنٹ ہیں آج ہی انہیں کیلئے کرنا ہے۔"
"بھائو میں گئیں آپ کی اسائنمنٹ زندگی کی خوشیاں ضروری ہیں چلیں انہیں۔" بولی نے فائلیں ہاتھ سے پرے
دھکیل کر کہا تو وہ چند منٹ اسے دیکھنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔



بولی نے دو تین گھنٹے سڑکوں پر گاڑی دوڑانے کے بعد گھر کا رخ کیا تو وہ بولی۔

"بولی! ابھی سے گھر آفس میں ضروری کام کرنے والے ہیں۔"
"کام تو زندگی بھر چلنے رہیں گے، کف میں کچھ اور بھی کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔" میٹ سے اندر گاڑی لاک
کر کے وہ بولا تو شرمین نے خاموشی سے اندر جانے میں عافیت بھی۔

"شرمین! مسئلہ کیا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا ہوا آیا وہ بٹھی چند لمحے اسے دیکھا اور پھر دھیرے سے کہا۔

"بولی! کبھی کبھی کچھ کہنا اور سننے کو دل نہیں چاہتا میں اس فیر سے نکل کر تلوں کی۔"

"پتھو تو ہے مجھے بتاؤ۔" وہ بغیر ہونٹیاں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ یہ کہہ کر آگے بڑھی تو وہ پھر سامنے آ گیا۔

"شرمین! میری طرف دیکھو میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اپ سیٹ ہو۔"

"قارگا ڈسک! میں ٹھیک ہوں۔" وہ جھنجھلا آئی مگر وہ مشتعل ہو کر آگے بڑھا اس کی کلانی تمام کر کھینچتا ہوا صوفے کے

قریب لایا اور جھٹکے سے اسے بٹھا کر بولا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ تم اپ سیٹ ہو تو ہو۔"

"بولی! اگر ایسا ہے کبھی تو تمہاری اس بحث سے مزید اپ سیٹ ہوتی ہوں۔" اس نے زری اختیار کی۔

"بتاؤ گی نہیں۔"

"نہیں، بس مجھے ریٹ کرنا ہے۔"

"اوکے، لیکن کھانا ہم نے ساتھ کھانا ہے۔"

"کوہ! اچھا یا دولا یا بابا تو ہیں نہیں کھانا میں دیکھتی ہوں۔"

"کچھ نہیں، دیکھنا کھانا تقریباً تیار ہے۔ خانساں فٹ فرائی کر رہا ہے۔" زینت اسی طرف آ گئیں۔

"واہ فرائی فٹ۔" بولی خوش ہو کر چلا یا۔

"دو دنوں ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔"

"زینت! آپ کیوں کام میں لگ جاتی ہیں؟" شرمین نے کہا۔

"کہاں سارا کام تو خانساں نے کیا۔"

"یہ بابا کچھ لمبی چھٹی پر نہیں چلے گئے۔" بولی بولا۔

"آ جا میں گئے ہوگی کوئی وجہ درندہ غفلت جس برت سکتے۔" زینت نے کہا۔

”میں چیخ کر کے آتی ہوں۔“ شرمین نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ یوہانے زینت سے اس کے متعلق کہا۔

”ماما! شرمین کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“

”کیسا مسئلہ؟“

”وہ اپ سیٹ ہے اس کی آنکھیں تر تھیں۔“

”ہو سکتا ہے اس بے چاری کی زندگی میں ہے ہی کیا؟“ زینت افسردہ ہی ہو گئیں۔

”ماما! اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ شرمین کو سارے جہاں کی خوشیاں دے دوں۔“

”خوشیاں مقدر سے ملتی ہیں اور تم اس سانس کی کوئی بات نہ کرنا جس سے وہ مزید پریشان ہو جائے۔“

”ماما! شرمین کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں پوچھوں گی کیا بات ہے؟“

”آپ آنکھیں تو میں نے اس کی جان چھوڑ دی اور نہ پوچھ کر رہتا۔“ یوہانی نے بڑے وثوق سے کہا تو زینت نے سمجھایا۔

”یوہانی! اسے سزج نہ کرنا اور نہ وہ یہاں سے چلی جائے گی بڑی مشکل سے میں نے اسے سنبھالا ہے وہ جس طرح میرا خیال رکھتی ہے شاید ہی تم بھی رکھ سکو۔ مجھے اس کی موجودگی سب سے زیادہ پیاری ہے۔“ زینت نے دھیرے دھیرے بڑے دسمان سے کہا تو یوہانی کو بہت اچھا لگا۔

”بس تم اسے تنگ نہ کیا کرو۔“

”ماما! میں اس سے محبت کرتا ہوں، عشق ہے وہ میرا۔“ وہ بھوم کر بولا تو زینت نے تنبیہ کی۔

”بس چپ کھانا لگواری ہوں آ جاؤ۔“ زینت یہ کہہ کر چلی گئیں تو یوہانی نے ان کی بات کا جواب بڑبڑاہٹ کے ذریعے دیا۔

”ماما! آپ کیا جانو شرمین کی محبت میری روح میں کیسے سمائی ہے؟ وہ میرے خون میں گردش کرتی ہے میری ہڈیوں میں اتر کر میرے ساتھ سوتی ہے۔ میری کھلی آنکھوں سے نکل کر مجھے صبح بخیر کہتی ہے۔ بس اسے یہ سب خود نہیں معلوم کردہ

میری ذات کا حصہ ہے وہ اب تک عمر دار ہے۔ کتنا صلہوں میں میری محبت کو محصور کیے ہوئے ہے۔ شرمین! کاش..... کاش

شرمین..... تم کبھی یقین کر سکو۔“



جبکہ شرمین کی منسا کہ لگاؤں کے سامنے وہ انگوٹھی تھی جو عارض کے اور اس کے رشتہ کی دلیل تھی وہ اتار کے اس نے

عارض کے فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔ دل کڑا کر کے خود کو پھر سے محبت کے فریب سے الگ کر لیا تھا۔

”شرمین! کتنی احمق بیوتم اس رشتے پر بھروسہ کرتی ہو جو لوگوں کے کاروبار سے زیادہ اہم نہیں جسے زمانے میں لوگوں

نے سہ سے کتر اور غیر یقینی رشتہ بنا دیا ہے۔ صبح احمد کتنی دور تمہیں محبت کے سہارے اپنے ساتھ ٹھہرتے رہے تم انتظار کی

سوئی پر چڑھ کر ان کے ساتھ وابستہ رہیں پھر اپنے مافیہ نفع کی خاطر انہوں نے تمہیں انتظار کی سوئی سے اتار دیا تب بھی

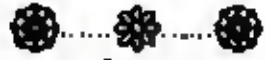
انگوٹھی ایسی ہی کسی اندھی انداز میں قید کر دی۔ صبح احمد کی نام نہاد محبت دولت کے ترازو میں تل گئی پھر تم نے عارض پر کیوں کر

انتہار کر لیا کیوں اپنی تقدیر میں ایک اور محبت کی گردش لکھی؟ کیا کافی نہیں تھا صبح احمد کی نارسائی کا دکھ اب کس طرح

عارض کی بے وفائی کا صدمہ برداشت کرو گی ایسا صدمہ جس میں نہ تمہیں اپنا گناہ ہوتا ہے اور خطا کا علم ہے کس قدر مختصر ہے

تمہاری تحقیر کی کہانی دوسطروں میں اس نے تمہیں نکال باہر کیا۔ تمہاری ذات کے چند لوگوں کو بے یمن پور کر دیا۔ کچھ نہیں بچا تمہارے پاس کچھ نہیں۔ ایک بار پھر تم نے دھوکہ کھالیا..... مگر بھول جانے کی عادت اپنا سیرا گے ہم بھول جائیں گے عارض بالکل اپنی پہلی چاہت ذبح احمد کی طرح۔“

ایک بار پھر دروازے کی تاریکی میں انگلی اتر گئی وہ اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ کچھ حوصلہ اکٹھا کیا بال بال بڑھنے کیے اور پوری ہمت کے ساتھ قدم اٹھائے اسے بوٹی کی نظروں کا سرمنا کرنا تھا۔ اس کے سوالوں کی رد سے خود کو محفوظ رکھنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رویتانے سے نہیں سپہ جانے سے کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پوری طرح خود کو محفوظ بنا چکی تھی۔ بوٹی سے نظریں ملانے کا حوصلہ اکٹھا کر چکی تھی اندر بے شک طوفان تھا زلزلہ تھا بھونچال تھا مگر باہر سکون مسکراتا چہرہ تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی لکیر تھی اور لبوں پر چمکیلا گلابی رنگ بہار دکھلا رہا تھا۔



دو تین دستک دینے کے بعد دروازہ کھلا۔ زبیا جہاں آ رہا کو دیکھ کر تعجب رہ گئی سلام کیا اور دروازے سے ایک طرف ہو کر اندر آئے کا راستہ دیا انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”آ میں بیٹھیں۔“ اس نے جھن میں بچھے پنک کی طرف اشارہ کیا۔

”ماں کہاں ہے تمہاری؟“

”جی ابا کے ساتھ ہسپتال میں ہیں۔“

”خیریت؟“ جہاں آ رافر مند ہو گئیں۔

”ابا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔“

”تو..... تم نے ہمیں بتایا تک نہیں نور کیا تمہارا شوہر اس قابل بھی نہیں۔“ جہاں آ راکو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کہ انہیں اطلاع تک نہیں دی گئی۔

”انہیں ہم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔“ زبیا کے لبوں سے نکلوا۔

”انہیں یا تمہیں؟ وہ لینے یا اور تم نے انکار کر دیا۔“ وہ ہلکی سی سختی سے بولیں۔

”بس آپ اسی پر اعتبار کریں جو صفر کہتے ہیں۔“

”دیکھو بیٹا! اللہ نے ہمیں خوشی دی۔ چاہے تیرے بچشوں میں ضائع نہیں کرتے اب سب شکوے شکایت بھول کر میرے ساتھ چلو۔“ جہاں آ مانے بڑی محبت سے اسے سمجھایا۔

”ابا ہسپتال میں ہیں نہیں کیسے جا سکتی ہوں؟“

”تو صفر بھی اس گھر کا بیٹا ہے وہ دیکھ بھال کرے گا تم گھر چلو یہاں تمہارہ کر کیا کر سکتی ہو؟ میری بیٹی اس بھول جاؤ صفر کی میں خوب کھنچائی کر چکی ہوں۔“

”آپ سے کہ لیے چائے بنا لی ہوں۔“ زبیا بولی۔

”خیر اس کی ضرورت نہیں بس تیاری کرو اپنی حالت دیکھو۔ کیسے ہلدی جیسی رنگت ہو گئی ہے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”کہاں ٹھیک ہو؟ ان دنوں صحت کا اچھا ہونا ضروری ہوتا ہے۔“

”بس یہ میرا مقدر ہے۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔

”اللہ خیر کیا ہوا مقدر کو۔“ جہاں آ راکو دیکھنے نے ایک دم ہی اسے بڑھ کر بیٹے سے لگایا۔

”ای! فی الحال تو میری جان بامیں پھنسی ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے کار میں اس موضوع پر ان سے بات کرے کیونکہ کوئی فائدہ نہیں تھا صفر کا ذہن بدلنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ بہتر تو یہی تھا کہ اس کا نام بھی نہ لیا جائے۔

”زیبا! تو ن بلاؤ صفر سے میری بات کراؤ۔“ انہوں نے کہا۔
 ”وہ ای..... بیلنس نہیں ہے۔“ اس نے نظریں جمائیں۔
 ”کوہ پھر.....“

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ آرام سے بیٹھیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
 ”حاضر آئے گی گھر۔“

”جانتیں! بابا کی طبیعت کی وجہ سے ان کو تنہا نہیں چھوڑیں گی۔“ اس نے بتایا۔
 ”میری بات مانو میرے ساتھ چلو صفر کو ہسپتال بھیج دیں گے۔“ جہاں آمانے خیال ظاہر کیا۔
 ”اور گھر میں کون رہے گا؟“

”ہاں یہ بات بھی ہے پھر میں تمہارے پاس ہی ہوں۔“

”جی ٹھیک ہے میں چائے لانی ہوں اور کھانا بھی بنانی ہوں۔“ زبیر نے دھیرے سے کہا ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ دروازہ پوری قوت سے بڑبڑا اٹھا اس کا دل اچھل کر طوق میں آ گیا۔

”اللہ خیر.....“ بے اختیار کہہ کر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بھاگی دروازہ بنا پوچھنے کھول دیا تو ہونق رہ گئی۔ وہ دروازے کے عین وسط میں سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ ایک دم ایک طرف ہو کے گھڑی ہو گئی وہ جھٹکے سے اندر آتے ہوئے بولا۔

”ای! یہاں آئی ہیں نا۔“

”جی! اندر ہیں گمن نہیں۔“ اس نے مدہم لہجے میں بتایا۔

”اوہ اچھا ویسے ایک بات بناؤ میری امی پر کون سا ہنڈو کر رہی ہو؟“ وہ خامی نظریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ سلگ اٹھی۔

”جواب نہیں کیا۔“

”وہ تو مجھ پر چل بھی نہیں سکتا۔“ وہ مضربہ سکرایا۔

”مجھے چلانا بھی نہیں بس میرا چہچہا چھوڑ دیں۔“ وہ یہ کہہ کر آگے کے چل دی وہ دنگ اٹھا۔ اس کا لہرانا بازو پکڑ کر سخت سے بولا۔

”تم میرے ساتھ بیٹھے میں نہیں ہو ہی نہیں۔“

”پلیز چھوڑیں میری کھالی۔“ وہ بھی سختی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ لہو لہو رکنا اور پھر گمن کی طرف آ گیا جہاں آمان سے دیکھ کر کھنکھنایا۔

”ارے صفر! اچھا کیا تم آگے میں دھکا کر رہی تھی۔“

”آپ کو یہاں آنے کی اتنی جلدی تھی؟“

”اور کئی دیر کرنی تھی؟“ انہوں نے الٹا سوال کیا۔

”ای! مجھے بتا کر آ جاتیں ضروری کاغذات لینے گھر گیا تو وہ لاک تھا۔“ وہ بدبے غصے کے ساتھ بولا۔

”تمہیں بتانے کا مطلب تھا کہ مجھے نہیں آتا تھا۔“ جہاں آرانے زیبا کو اشارہ سے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کو بس ضد تھی۔“

”صفر! زیبا ہمارے گھر کی بہو ہے، میں لینے آئی ہوں۔“

”آپ کا جو دل چاہے کریں، ان کا سبکی پلان تھا۔“ اس نے براہ راست زیبا کو گھورا۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ زیبا نے کہا۔

”یہ کہانی انہیں سناؤ۔“ وہ جھنڈا اور ہوا۔

”صفر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اصل جھڑا کیا ہے؟“ جہاں آرا چلا انہیں۔

”یہ ان سے پوچھیں، میں جلدی میں ہوں آفس پہنچنا ہے، بس آپ کی فکر تھی اسی لیے یہاں آیا۔“

”صفر! زیبا کے والد ہسپتال میں ہیں، تم ہمیں گھر لے چلو اور خود ہسپتال جاؤ پتا کرو۔“ انہوں نے حکم سے کہا تو وہ

بھٹا اٹھا۔

”امی! مجھے آفس پہنچنا ہے۔“

”رہنے دین امی!“

”نہیں، صفر! جو کہا ہے وہی کرو۔“

”امی! کیا کروں؟“

”ہمیں گھر چھوڑو اور ہسپتال جاؤ۔ زندگی کے سب کام چلتے رہتے ہیں۔“

”یہ آپ کا فیصلہ ہے، یہ آپ کی بہو بیگم کا؟“ وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

”ہم دونوں کا اسے اپنے گھر میں ہونا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے چلتے۔“ اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

”چلو، زیبا! ضروری سامان اٹھا لو۔“

”تھوڑا سا وقت دیں۔“ وہ حالت مجبوری میں اٹھ کر کمرے میں گئی تو وہ پیچھے ہی آگے۔

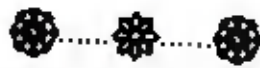
”دادو بیٹا ہوں تمہاری ہوشیاری کی۔“

”صفر! آپ مجھے شط بکھڑ رہے ہیں۔“

”میں ٹھیک سمجھا ہوں، آپ لو گریا اور کھنا کائٹوں پر ٹھہریں، گا تمہیں۔“

”میں جانتی ہوں۔“ وہ کپڑے سمیٹتے ہوئے بولی۔

”ہونہہ!.....“ وہ پھٹکار کر چلا گیا۔



دروازے پر ہلکی سی دسک ہوئی اس نے تکتی نکھیں موندے موندے کہہ دیا۔

”آ جاؤ۔“ دروازہ کھلا اور زینت آ پائندہ آگئیں وہ ایک دم پیر سمیٹ کر اٹھ بیٹھی۔

”آپ..... مجھے بالالیا ہوتا۔“

”ایک ہی بات ہے، بس گھٹنے میں درد بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تھوڑا بہت تو چلنا چاہیے۔“ وہ بائیں گھٹنے کو ہاتھ سے دباتے

ہوئے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

”تو ڈاکٹر سے ٹائم لے لیتے ہیں۔“
”ارے نہیں ڈاکٹر صاحب نے بتایا تو تھا کہ شوگر کی وجہ سے درد ہے۔“

”تو آپ شوگر پر کنٹرول کیا کریں۔“
”کرتی تو ہوں پھر بھی بڑھتی کھتی رہتی ہے۔“
”بس خیال رکھا کریں۔“

”چھوڑو یہ تادم ٹھیک ہو۔“ انہوں نے محبت سے اس کی ویران آنکھوں میں دور تک جھانکا۔
”میں..... میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“ وہ اس اچانک کے سوال پر گڑبڑ اٹھی۔

”نہیں..... ٹھیک نہیں ہو، ہمیں غیر سمجھتی ہو۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔
”ارے پاپا! ہرگز نہیں میر تو آپ کے سوا کوئی نہیں۔“

”تو پھر اپنا ٹیم پریشانی شیئر کیوں نہیں کرتیں؟“
”آپا! ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”ایسا ہے پہلے بوبلی کے کہنے پر مجھے یقین نہیں تھا مگر اب تمہیں غور سے دیکھنے کے بعد یقین آ گیا ہے۔“ انہوں نے دُشوک سے کہا۔

”بوبلی تو نکلا ہے۔“

”نہیں اب ایسا بھی نہیں کہہ رہے ہیں۔“
”ٹھیک کہتی ہیں آپ۔“

”بات کیا ہے؟“

”کچھ خاص نہیں آپا! بس زندگی میں تغیر تو آتا رہتا ہے خاص کر میری زندگی تو ہے ہی حاطم خیز۔“
”یہ تو زندگی کا حسن ہے ایک جگہ تو کھڑے رہنا کمال سمجھو۔“ زینت نے اس کی بات کو حوصلہ دیا۔

”اس لیے میری زندگی پر زوال کے بادل چھا۔“ برہتہ ہیں۔“

”شرمین! بھروسہ کھو تاؤ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں عارض نے مجھ سے معذرت کر لی ہے۔“ اس نے دھماکہ خیز مواد کو بڑی نرمی سے اس کے سامنے اٹھرایا۔
”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”مطلب یہ کہ اس نے مجھے آزاد کروایا ہے اپنی قسموں سے اپنے وعدوں سے اور اپنے دعوؤں سے۔“ وہ کرب سے مسکرائی تو شدید چونکنے لگی باری اب ان کی گئی۔

”عارض..... عارض نے کیا کہا؟“

”آپا! اپنی انڈھی واہیں لے لی ہے؟“

”کیوں..... کیوں گئی..... کیا مسئلہ ہو گیا جا سے اب؟“ وہ ایک دم مشتعل ہو گئیں۔
”نہیں معلوم۔“

”مگر یہ کوئی کھیل تھا تھا ہے ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ۔“

”کر سکتا تھا تو ایسا کر بھی لیا خیر آپ ٹینشن نہ لیں۔“

”شرمین! صرف ٹینشن..... مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے خود اس سے بارے میں جاننے کی کوشش

کیوں نہیں کی؟“

”اس سے کیا ہو جاتا؟ چہرے تو انسان دیکھ لیتا ہے، روح کی اصلیت کیسے جانی جاسکتی ہے۔“

”لیکن شرمین ایہ معمولی بات تو نہیں ہے۔“

”آپا! پلیز غم نہ کریں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”غم تو نہیں مگر غسوس بہت ہے اس نے اچھا نہیں کیا۔“

”اب چھوڑیں اس کو ہمیں آپ کے لیے چائے بنا کر لانی ہوں۔“ وہ ٹالتے ہوئے اٹھی مگر زینت آپا نے منع کر دیا۔

”چائے تو میں رہی ہے، بابا آگئے ہیں۔“

”اچھا، بابا آگئے۔“

”ہاں آگئے ہیں مگر اپنے ساتھ اپنی بھانجی بھولی کو بھی لائے۔“

”بھولی..... یہ کون ہے؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔

”بابا کی بھانجی، بے چاری، اکیلی رہ گئی تھی۔“

”اوہ تو آپ نے اجازت دے دی۔“

”دعویٰ ہی تھی، بابا پرانے خدمت کار ہیں، لڑکی بہت اداس اور سہمی ہوئی ہے۔“

”ظاہر ہے، لیکن بابا کے ساتھ رہے گی۔“

”ہاں لیکن زیادہ وہ تمہارے کام کاج دیکھے گی، ایک تو لڑکی ہے دوسرا تمہارے ساتھ اس کا دل بہلا رہے گا۔“

”تھیک سے میں ابھی ملتی ہوں اس سے۔“

”فی الحال تو کواٹر میں ہے، تھکی ہوئی ہے میں نے ہی بھیج دیا۔“

”اچھا کیا۔“ وہ بولی۔

”بس بولی تاکہ منہ چڑھا رہا تھا۔“

”ہیں وہ کیوں.....؟“

”کہہ کیوں رکھا ہے اس کا رکھ رکھاؤ بہت اچھا ہے۔“

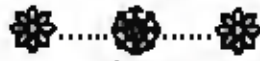
”یہ تو اس کے ماحول کی وجہ سے، خیر میرا بولی کو سمجھا دوں گی۔“

”اچھا اب کوئی سوچ نہیں ہوئی چاہیے آؤ باہر، سو بونو میرے ساتھ۔“

”آپا! میں نے پہلی بار ریاضیت برداشت نہیں کی۔“

”جانتی ہوں اصل تو اس قسم ذلت صبح احمد نے اذیت دی تھی۔“ زینت آپا کا منہ کڑواہٹ سے بھر گیا اس نے کہنا کہ

مسکراہٹ سے انہیں دیکھا اور طویل سانس بھر کے رہ گئی۔



وہ ہانڈار سے گوشت سبزی اور امی کے آرزو پر بطور خاص پھل اور مختلف جوسز لایا۔ کچن میں سب کچھ رکھ کے بے

دھیانی سے اپنے کمرے میں آ گیا مگر گلے ہی لمحے اسے بیڈ پر سویا دیکھ کر ٹھٹکا اور ساتھ میں تھلا کر بیڈ کے قریب پہنچ کر

وہ بے لہجے اور مدہما آواز میں بیٹھا۔

”مہارانی! یہ تھا تمہارا منصوبہ میرے کمرے میں میرے بستر پر کس رشتے سے آرام فرما رہی ہو۔“ وہ

بزیڈا کے اٹھ بیٹھی۔

”وہ آپ نے سونا ہے تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔“
 ”اور پھر..... پھر آ جاؤ گی، ہوگی تو میرے سر پر مسلط۔“
 ”تو مجھے نکال دیں پھر۔“ وہ کچھ سنبھل کر کھڑی ہوئی۔
 ”ہنسیہ! تم نے چال ہی بڑی چلی ہے۔“ وہ گھور کر بولا۔
 ”کوئی چال نہیں چلی میں تو کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔“ اس نے بھی تڑخ کر کہا تو وہ غصے سے پھٹ پڑا۔
 ”تو پھر کیوں آئیں؟ اور آتا تھا تو میری شرط کیوں نہیں مانی۔“

”آپ کی شرط تو بھی نہیں مانی جاسکتی مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں۔“ وہ بولی۔
 ”اچھا..... اچھا اب جاؤ یہاں سے۔“ وہ چپ سا گیا۔

”آپ سو جائیں میں چھوڑ دیتی ہوں۔“
 ”اور اکی کورور کر تانا کمرے نے کمرے سے نکال دیا ہے۔“ اس نے بستر پر دراز ہوئے ہوئے کہا تو وہ ہلکی اور بولی۔
 ”میں اب نہیں روتی صدف صاحب۔“

”کیوں اب تم۔ نہ تاراج کون لیا ہے؟“ وہ طنز یہ بولا۔
 ”یہی سمجھا ہے میں نے میرے پاس ایسا ہی عمل ہے کہ میں اب روتی نہیں۔“ اس نے صدف کی آنکھوں میں جھانکا تو
 وہ آپ سے باہر ہو گیا۔

”اس لعل سمیت ہی بے عزت ہو کر باہر جاؤ گی۔“
 ”اگر اس کے اور میرے مقدر میں ایسا ہی لکھا ہے تو کیا ہو سکتا ہے؟“
 ”اس کا مقدر تمہاری وجہ سے خراب ہوا ہے۔“
 ”آپ کون ہوتے ہیں اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے والے اللہ کا خوف نہیں ہے کیا؟“ وہ بہت بے بس ہو کر بولی تو وہ
 اعتراف کر بیٹھا۔

”مجھے انسان سے حیوان بنا دیا محبت کا ایسا چہرہ دکھایا کہ نفرت کے شعلوں میں مسلسل جل رہا ہوں۔“
 ”آپ کو وہ قول بھول گیا تھا آپ نے کہا تھا۔“ وہ دیکھی ہوئی۔
 ”سب بھول گیا ہوں جب سامنے آئی ہو تو پاگل ہو جاتا ہوں۔“ وہ رخ موڑ کر بولا کمرے میں جہاں آرا داخل
 ہوئیں تو کچھ عجیب سا حوالہ دیکھ کر بولیں۔

”کیا ہوا..... تم کھڑی کیوں ہو؟“
 ”وہ بس لیٹے لیٹے تھک گئی تھی۔“ زینہ نے جلدی سے وضاحت کی۔
 ”اور صدف! انہیں تو ہسپتال جانا تھا جاؤ۔ شہد کیوں نہیں لائے؟“ انہوں نے کئی باتیں ایک ساتھ کہہ
 ڈالیں تو وہ جل گیا۔

”امی پلیز بہوئے عشق میں دیوانی نہ ہو جائیں میں تمہکا ہوا ہوں۔“
 ”خیال کرو ہسپتال میں حاجرہ بہن اکیلی ہیں کھانا لے جاؤ۔“
 ”امی بھی جان کے پاس۔“ زینہ نے کہا تو وہ بولیں۔
 ”پنہمیں بے چاری کوئی طرف نہیں ہے اسے جاؤ چاہیے۔“
 ”چلا جاتا ہوں آپ کو میرا احساس نہیں۔“ وہ سبل میٹنگ کراٹھا اور جوتے پہنے لگا۔

”ہی! میں بھی چلی جاؤں۔“ زبائے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
 ”ارے نہیں بیٹا! اس حال میں ہسپتال نہیں جانا آرام کرو۔“ جہاں آ رہا یہ کہہ کر باہر چلا گئیں جبکہ صفدر نے یہ موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔
 ”ہنہہ! تم آرام کرو میں ہوں ہاتھ مارا تو کہ۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔



ریسٹورنٹ کے گرم اور خواب آگیز ماحول میں آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی موسیقی میں سب خوش و خرم کھانے پینے میں مصروف تھے۔ ایک وہی کانے چھری سے کھیل رہا تھا کئی روز سے بڑی شیوے پر تزیینت بال سیاہ کوٹ، الجھا الجھا میز کی سطح کو گھونٹا کچھ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں کے دلوں کو پوری قوت سے سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ اپنی نیبل سے اٹھی اور اس کے پاس آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔
 ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ اس نے سرخ انگارے آنکھوں سے اسے دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔
 ”شکر یہ میرا نام سبنا رانہور ہے۔“ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں مسلمان ہوں۔“

”کوہ..... کہاں کے رہنے والے ہیں؟“

”پاکستان۔“

”پھر تو ہم بہت اچھے دوست بن سکتے ہیں۔“ وہ گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی۔ سنانو نے لہجے جیسے نقوش کے ساتھ شارٹ کٹ میسر اسٹائل میں وہ خاص پرنٹیشن کمی لیکن اس نے سرسری سی نگاہ ڈال کر اپنی سر دکافی کے ٹک پر نظریں مرکوز کر لیں۔

”آپ نے بتایا نہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”کیا.....؟“

”آپ کا نام؟“

”عارض۔“

”واڈ بیوٹی فل نیم۔“

”میکسکیوزی!“ وہ یہ کہہ کر اٹھنڈا تو وہ جلدی سے بولی۔

”یہ تو بڑی بات۔۔۔ آپ مجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔“

”سوری! بیٹریز کیوں سے دوستی نہیں کرتا۔“

”نہ کیسے بیٹری! احوال ایک کپ چائے تو ساتھ بی سکتے ہیں۔“ اس نے بہت دلنشین انداز میں کہا کہ وہ واپس ٹک گیا اور

ویٹر کو تھریپ بلا کر چائے کا آئڈرو سے دیا۔

”شکر یہ آپ یہاں رونائے ہیں؟“

”چندوں سے۔“

”میں بھی اکثر اسی ریسٹورنٹ میں آتی ہوں۔“

”آپ یہاں..... میرا مطلب ہے یہاں رہتی ہیں؟“

”نہیں نہیں میری بڑی بہن اور بہنوئی یہاں رہتے ہیں۔ میں دوسری بار یہاں آئی ہوں، ہم کلکتہ کے رہنے والے ہیں۔“

”اوکے۔“ وہ مختصر سا کہہ کر خاموش ہو گیا چائے آگئی۔
”کتنی شوگر۔“

”ون نی اسپون۔“

”آپ کافی ڈسٹرب دیکھتے ہیں آکھیں بھی سرخ ہیں۔“ وہ کپ اس کی طرف بڑھا۔ نے ہوسے بولی۔
”یہ میرا پرسنل معاملہ ہے، سوری۔“

”سوری آپ یہاں۔۔۔“

”برنس کرتا ہوں۔“

”پلیز مجھے غلط نہ سمجھئے، آپ کو ڈسٹرب سادیکھ کر میں رہ نہ سکی۔“ وہ وضاحت کرنے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

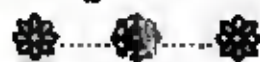
”آپ سے مل کر اچھو لگا۔“ وہ پھر چائے اپنے اندر اٹھیل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں؟“

”ممکن نہیں ہی۔“

”میں یہاں تنہا ہوں ہو جاتی ہوں۔“ اس نے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بتایا۔

”مس سنجنا بائے۔“ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بولا آگے بڑھ گیا۔



چھٹی کا دن تھا وہ کافی دیر سے سوکراٹھا تو بھوک کا شدید احساس ہوا ہاتھ منہ دھو کر فوراً بچن کی طرف آیا۔ شرمین اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ بھولی سنگ میں جمع ناشتے کے برتن دھوری تھی، بولی اندر آ کے فوراً بکالی لینا چنگلی سے ٹاک دبا کر باہر نکلا۔ شرمین کچھ نہ سمجھ کر باہر نکلے تو وہ برس پڑا۔

”تم پاگل ہو یا تمہارا ناک بند ہے کس قدر گندے تیل کی بو آ رہی ہے اور تم اس نے ساتھ کچن میں ہو۔“

”کون سی بو کس کے ساتھ؟“

”وہی جو باپا اتھلائے ہیں مس بھولی!“

”ہمش..... ایسی کیا بات ہے تیل اس نے لگایا ہوا ہے تمہیں کیا؟“ شرمین نے نہیں کر ڈالنا۔

”اور سارا گھر سڑ رہا ہے جہاں سے نزلتی ہے گندے تیل کی بو آ رہی ہے اور کپڑے بچھنے کتنے گندے ہیں؟“

”مجھالا چھا تم جاؤ کیا کرتے آئے تھے؟“ شرمین نے دھیرے سے اس سے بریک ڈائی کہہ کر بھولی سن نہ لے۔

”ناشتا کرنا ہے پابلان میں۔ آف میرا سر چکر رہا ہے۔“ وہ کہتا ہوا باہر سے ہی لان کی طرف چلا گیا وہ اندر آئی تو بھولی ڈبڑھائی آنکھوں سے اس سے دیکھ رہی تھی۔

”ہوں تو برتن دھل گئے۔“

”جی ہاجی!“

”بھولی! تم پریشان نہ ہونا بس یہ چھوٹے صاحب ڈرائیازک مزاج ہیں۔“

”جی ہاجی!“ وہ نازک مزاج کا مطلب تک نہیں جانتی تھی بس ویسے ہی کہ دیا۔

"اچھا دیکھو کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنا اب بڑی نیکم صاحبہ کے پاس جاؤ ان کو کوئی کام ہے تو کرو۔" شرمین نے بہت نرمی سے کہا۔

"میں کوشش کروں گی کہ آپ کی باتیں سمجھ جاؤں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی تو شرمین کو اس کی معصومیت پر ہنسی آگئی۔

"ہاں! بالکل سب سمجھ میں آ جائے گا فکر نہ کرو خوش رہو۔"

"مجھے ماں یاد آتی ہے اپنا گھراؤ رہا ہے۔" وہ ایک دم ہی رونے لگی۔

"ارے ایسے تھوڑا کرتے ہیں کیا یہ گھر نہیں ہے؟ تمہارے ماموں ہیں ہم سب ہیں اپنا دل لگاؤ۔ مرنے والوں کے ساتھ مرو نہیں سکتے۔" شرمین نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"میں یہاں رہنے کے قابل نہیں۔"

"کیوں؟ میں تمہیں طریقہ بتاؤں گی ابھی تم جاؤ میں چھوٹے صاحب کا ناشتا بنا لوں پھر بات کریں گے۔"

"جی جی جی! آپ بھی جائیں بابا کے لیے ناشتا میں بنا کر لاتا ہوں۔" اسی وقت خانسا ماں آگیا۔ شرمین نے ان کے کہنے پر اپنا چائے کا کپ لیا اور باہر لان میں بوبلی کے پاس آگئی وہ اخبار پڑھ رہا تھا۔

"خانسا ماں ناشتا لارہا ہے۔"

"لو کے۔" بوبلی نے دلچسپ نظروں سے اس کے کمرے کمرے سادہ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اپنے خیالوں میں محو چائے کی چسکی سے عدنی کی عارض کا چہرہ نظروں میں تھا۔ بوبلی کے لیے ناشتا آگیا تو وہ بولا۔

"میرا ساتھ نہیں دو گی؟"

"لوں ہونہ۔۔۔۔۔ نہیں بس ایک مرتبہ ناشتا کر چکی ہوں۔"

"تو کیا ہوا؟"

"تو یہ کہ مزید کی گنجائش نہیں۔"

"چلیز تھوڑا سا۔"

"بوبلی! ہر بات کی ضد نہیں کرتے۔"

"تو پھر مان کیوں نہیں جاتیں۔" وہ ناشتا چھوڑ کر بیٹھ گیا اور وہ مزید غصے میں آگئی۔

"ہر بات ماننے کی نہیں ہوتی۔"

"مجھے تمہاری ہر بات ماننا اچھا لگتا ہے۔"

"تمہاری اپنی مرضی ہے اور میری اپنی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شرمین! اگر تم کہیں تو میں ہر اسے برتن توڑ دوں گا۔" اس نے دم مکی دی۔

"توڑو اس طرح تم مجھے بھوکے کرتے ہو۔" وہ بھی ضد پر اڑ گئی۔

"تو پھر یہ لو۔" بوبلی نے ٹرے ساٹھا کر فرش پر دے ماری اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"بوبلی! مجھ سے اب بات مت کرنا۔" وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی تو اسے اور زیادہ غصا آگیا پیچھے سے چلا یا۔

"کچھ نہیں کھاؤں گا بھوکا مر جاؤں گا سن لو۔" مگر وہ رکی نہیں۔



بوبلی نے جیسا کہا ویسا ہی کرنا تھا شرمین کو اندازہ تھا مگر پھر بھی وہ ذہن جھٹک کر بھولی کے لیے اپنے پرانے ذرا چھوٹے سا تڑوالے کپڑے تلاش کر کے نکالتی رہی۔ بھولی آنکھیں پھاڑے اس کے کمرے کو دیکھ رہی تھی اس نے ایسا

کرہ صرف فی دی ڈراموں میں دیکھا تھا۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ شرمین نے پوچھا۔

”ہاں! آپ کا کمرہ آپ کی طرح خوب صورت ہے۔“

”ارے تم تو بڑی اچھی باتیں کرتی ہو۔“

”ہاں! مجھے باتیں نہیں آتیں۔“

”آجائیں گی۔“

”آپ سے سیکھ جاؤں گی۔“

”اچھا یہ لوگوں کے تہارے لیے ہیں اور بھی بازار سے لادوں گی۔“

”یہ بہت اچھے ہیں۔“

”ہاں لیکن میری بات توجہ سے سنو اچھی طرح نہانا بالوں کو شیپو کرنا اور یہ تیل اب نہیں لگانا بڑی گندی سی بو ہے۔“

”اچھا جی۔“

”گوریہ اتنا سرمہ بھی نہیں لگا۔“

”یہ کھیل ہے (کاجل ہے)۔ اس نے تمہیں دکھائیں۔“

”کچھ بھی ہے یا اتنا نہیں لگانے۔“ اس نے سمجھایا۔

”میری آنکھیں اچھی نہیں ہیں؟“

”اچھی ہیں تم بہت اچھی ہو بس اب کچھ تھری لادو۔“ اس نے اپنے دو پلیپر بھی اسے دکھال کر دیئے۔

”تم جاؤں؟“

”ہاں پہلے نہاؤ صاف ستھری ہو جی بن کر آنا۔“

”جی اچھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے گئی تو شرمین نے کہا۔

”اپنے ماسوں کو میرے پاس بھیجو۔“

”ماسوں تو باہر گئے ہیں۔“

”جب آجائیں تب۔“

”ٹھیک ہے تم کمرہ صاف کرنے کہو۔“

”نہا کر صاف ستھری ہو کر آنا۔“ وہ چلی گئی تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ یونی اے بھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا

اس کے لیوں پر۔ بے ساختہ مسکان کھیل گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
 جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی
 اسے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا
 صید سے بھی مراسم ترے، صیاد سے بھی

”نزاکت بیٹا کہاں ہو؟“ بھائی آ گیا کھانا لگا دو۔“
 نی وی پر اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے نزاکت کے
 کانوں میں اٹی کی آواز آئی تو وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ
 کھڑی ہوئی۔
 ”چلو خیر ہے میں رہیت ٹیلی کاسٹ میں دیکھ لوں
 گی۔“ اس نے سوچتے ہوئے بچن کی راہ لی۔
 کھلے برآمدوں اور صحن پر مشتمل یہ چار کمروں کا گھر
 کینوں کے لیے کافی تھا اگرچہ PECHS میں لوگوں
 نے پرانے گھر توڑ کرنے اسٹالٹس گھر تعمیر کر لیے تھے مگر
 نزاکت کی امی عالیہ بیگم کو یہ گھر بے حد عزیز تھا جس کی
 مالیت ہی کروڑوں روپے کی۔ مرنے سے پہلے ان کے
 سسر نے وہ کام کیا تھا جو آج تک کوئی نہ کر سکا اور اپنا گھر
 اپنی بہو کے نام کر دیا بیٹے کو بٹھا کر انہوں نے باقاعدہ
 اجازت لی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

میں نے اپنے دوست فرحان کو بہت سمجھایا تھا کہ گھر بھالی کے نام سے بھاؤ۔

”اگر تم خوشی سے اجازت دو تو..... علم الدین بھی انہیں کے بیٹے تھے بے حد فلسفہ، خوش اخلاق اور ایشیا قرمانی کا پیکران کا گھر جنت کا نمونہ تھا جب تک اماں زندہ رہیں ساس اور بہو میں رضائی رشتہ نہ تھا بلکہ اکثر لوگ ماں بیٹی ہی سمجھتے تھے پھر سسر کی بھی ساس کے مرنے کے بعد انہوں نے بیٹی کی طرح خدمت کی کسی بھی قسم کی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ عظیم الدین کو بھلا کیا اعتراض ہوتا مگر عالیہ بیگم شوہر کے آگے شرمندہ شرمندہ سی رہیں کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے انہوں نے گھر کا حق دار بہو کو ٹھہرایا پھر سسر کے انتقال کے بعد ہی عظیم الدین نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا کہ وہ باپ کے فیصلے سے خوش ہیں۔

..... ☆ ☆ ☆

اچانک ایک حادثے میں عالیہ کے بہن بہنوئی دس سال کا بیٹا چھوڑ کر گزر گئے اور بغیر عالیہ کے کہے عظیم الدین ان کے بھانجے احتشام کو گھر لے آئے جو اس حادثے سے کافی سہم گیا تھا لیکن دونوں میاں بیوی کی توجہ اور محبت نے اس کو نارمل بچہ بنانے میں دیر نہیں لگائی۔ نزاکت اور وہ ایک ہی اسکول میں ساتھ آتے جاتے تھے لیکن جب اے لیول کرنے احتشام دوسرے اسکول چلا گیا تو نزاکت نے روز لڑکھریاں پھاٹھ لیا۔ حالانکہ دونوں میں کانٹے اور ایٹھ کا پیر تھا مگر بقول عالیہ ”کانا مجھے بھائے نہیں اور کانے کے بنا چین بھی نہیں بڑی مشکلوں سے عالیہ نے اسے سمجھا بچھا کر اسکول جانے کے لیے راضی کیا یوں تو عظیم الدین کو دونوں ہی سچے بے حد عزیز تھے لیکن احتشام سے انہیں خصوصی لگاؤ اور محبت تھی شاید نرینہ اولاد کی کمی وہ اس سے پوری کر رہے تھے۔ وہ خود بھی خالہ کے مقابلے میں مالو سے زیادہ قریب تھا۔ نزاکت بچپن ہی سے بے حد سرخ و سفید اور گول منول بیٹی تھی ماں باپ کی چاہت کا محور ماں کا تو بس نہیں تھا کہ اس کو دنیا کی ہر نعمت کھلا دیں نتیجتاً وہ بلاے ہو کر بھی موٹی ہی رہی اس

”دیکھو جیٹا! ہمارے بعد شرعی طور پر اس گھر پر تمہارا حق ہے مگر تم تمہاری اجازت سے یہ گھر اپنی اکلوتی بہو کے نام کے چاہ رہے ہیں ہماری پوتی کے علاوہ تمہاری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہم ڈرتے ہیں کہ خدا نہ کرے تمہیں کچھ ہو گیا اور تمہیں داماد بھی اچھا نہ ملا تو ہماری بہو تو رل جائے گی جو ہم نہیں چاہتے اور اس کی وجہ ہمارے ایک دوست تھے جن کا انتقال تمہارے بچپن میں ہو گیا تھا ان کی بھی صرف ایک ہی بیٹی تھی جسے وہ پانگلوں اور دیوانوں کی طرح چاہتے تھے انہوں نے گھر اپنی بیٹی ہی کے نام پر تعمیر کیا تھا اور اپنی زندگی میں ہی پراؤڈنٹ فنڈ وغیرہ کا بھی لومنی بیٹی کو ہی ٹھہرایا تھا پھر اچانک ان کی وفات ہو گئی اور یہ پیسہ گھر سب کچھ بیٹی کو مل گیا بیٹی کی منگنی وہ اپنی زندگی میں ہی کر چکے تھے شادی کے بعد بھالی نے بیٹی داماد کو اپنے دو منزلہ گھر میں نیچے رکھ لیا خود وہ اوپر رہتی تھیں کبھی کبھار میری ان سے بینک میں ملاقات ہو جاتی تھی جہاں وہ اپنے شوہر کی پینشن لینے آتی تھیں پھر اچانک ان کی آمدورفت کم ہو گئی پھر ایک دن وہ مجھے شادی میں لائیں تو میرے پوچھنے پر رونے لگیں۔ ”بھائی صاحب آپ کے مرحوم دوست نے میرے ساتھ پتہ نہیں کیا دہشتی نکالی کہ مکان بیٹی کے نام کر گئے داماد کو کاروبار میں خسارہ ہوا تو بیٹی نے شوہر کے دباؤ میں آ کر یا مجبوراً میں نہیں جانتی اس نے گھر بیچ دیا اور بیٹی داہنے مجھ سے مشورہ لیا یہاں بھی گوارہ نہیں کیا اور میں بے گھر ہو گئی۔ بیٹی داماد کے ساتھ گلستان جوہر کے ایک فلیٹ میں رہتی ہوں جو تیسری منزل پر ہے بیٹی کے تین بچے حج چڑھا شوہر سا زادن گھر میں ہنگامہ رہتا ہے جوڑوں کے ورد کی وجہ سے میں نہ کہیں آنے کی رہی نہ جانے کی داماد سید سے منہ بات نہیں کرتا بیٹی بھی شوہر کے ساتھ رہنے لے دیے رہتی ہے یوں لگتا ہے ان پر بوجھ ہوں آپ کے بھائی کی پینشن سے چھوٹی موٹی ضروریات تو پوری کر لیتی ہوں مگر پیاری دوکھ تکلیف کے لیے بیٹی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں یہ مجھے گوارہ نہیں کم از کم میرے لیے سانبان تو چھوڑ جاتے۔“ مجھے بے حد آنسوؤں ہوا کیونکہ

کی گوری رنگت لے لے گئے پالی اور بڑی بڑی آنکھیں اس کے مناپے میں چھپ سی گئی تھیں۔ اس کا منہ سارا دن چلتا رہتا تھا اور برگر اور جنک فوڈ اس کی کمزوری اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ لوگ کس طرح اس کے مناپے کا مذاق اڑاتے ہیں مگر جب احتشام اسے ”سوئی“ کہہ کر بلاتا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ آج بھی جب اس نے کھانے کی ٹرے احتشام کے سامنے رکھی تو وہ کراہ کر بولا۔

”نزاکت خدا کے لیے تم آلو کم پکایا اور کھایا کرو ورنہ کھا کھا کر کسی دن پھٹ جاؤ گی خدا جانے خالہ نے تمہارا نام ”نزاکت“ کیوں رکھا تمہارا نام تو میرے حساب سے ”برکتھم کی آخری توپ“ ہونا چاہیے تمہا بھلا بتاؤ“ گوشت کے پہاڑ کا نام نزاکت۔“ اس نے عرصے سے بریانی کھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”احتشام بھائی!“ نزاکت زور سے دھاڑی ”آپ کون ہوتے ہیں مجھے ٹوکنے والے خود کو دیکھا ہے کبھی آئینے میں اونٹ رسے اونٹ، تیری کون سی گل سیدھی شروع کرو تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔“ نزاکت نے برا سامنے بیٹایا تو احتشام کا لنگ شکاف قہقہہ بلند ہوا کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ اپنے ۶ فٹ ۳ انچ قد اور کسرتی جسم کے ساتھ وہ بے حد اسارٹ اور نمایاں لگتا تھا لیکن رنگ اس کا کافی دیتا ہوا تھا جس پر اکثر نزاکت چوٹ کستی رہتی تھی۔

”تم جلتی ہو میری اسارٹس سے۔“ اس نے پھر چیخا۔

”میری جلتی ہے جو تیری۔“ نزاکت بھنا کر بولی۔
 ”بھلا کالے کو سے۔ سے میں کیوں جلوں گی۔“ وہ بھی اس کی رنگت پر جھوٹ کرنے سے باز نہیں آئی۔

”خیر تجھے گندی رنگ بے حد پسند ہے بلکہ لڑکیاں تو مرتی ہیں میرے رنگ پر تمہاری طرح تھوڑی ”پھیکا شہناج“ یا ”مٹاش کی وھلی وال۔۔۔۔۔“ اس نے جملہ چست کیا جو نزاکت کی برداشت سے باہر تھا وہ چیخ لے کر اس کے پیچھے دوڑی تو وہ کمرے میں داخل ہوئی خالہ کے پیچھے

چھپ گیا۔
 ”خالہ مجھے اس بلڈ ڈز سے بچائیے۔“ وہ گھگھیا کر مسکین ہی شکل بنا کر بولا۔

”نزاکت پاگل ہوئی ہو احتشام تم سے بڑا ہے کیوں ہاتھ پائی پر اتر آئی ہو!“

”امی سمجھالیں اس کالے دیو کو میرے منہ نہ لگے ہر وقت میرے کھانے کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔“
 نزاکت چچہ پھینک کر رونے لگی اور عالیہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

انہوں نے بڑھ کر نزاکت کو گلے سے لگایا اور احتشام کو کمر پر ایک دو تھڑ رسید کرتے ہوئے غظلی سے بولیں۔
 ”بہت تنگ کرتے ہو میری بیٹی کو آنے دو تمہارے خالو کو میں شکایت کروں گی میری نازک پدمنی کو تم سوئی کہتے ہو۔“ عالیہ کی شرارت محسوس کر کے احتشام نے ان کے گلے میں بانٹیں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”میں کہاں تنگ کرتا ہوں اس بارہ من کی دھوبن کو۔“
 نزاکت نے گھور کر دونوں کی طرف دیکھا اور غصے سے واگ آؤت کر گئی۔

”کہا بد تمیزی ہے احتشام۔“ خالہ نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورا تم جانتے ہو، تمہارے ساتھ کھانے کے لیے بھوکی بیٹھی تھی اور تم نے ناراض کر دیا۔ جانتے ہو وہ بھوک کی لگتی کچی ہے۔“ نزاکت کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ احتشام جو اس کے من میں مدتوں سے بسا تھا جس کی ہر بات اس کے سینے میں محبت کے سونے جذبات میں آگ لگا دیتی تھی وہ جب اس کو مذاق کا نشانہ بنا تا تو وہ اللہ سے شکوہ کرنے لگتی کہ اللہ تو نے مجھے مونا کیوں بنایا اور ای نے زیادہ کھانے کی عادت کیوں ڈالی؟“ وہ جب بھی ڈانٹک کرنے لگتی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور پینٹ میں آنکھن سی ہونے لگتی آج بھی وہ روتے روتے سو گئی اور خواب میں اپنے شہزادے کے ساتھ محبت کی وادیوں میں گھومنے لگی۔

”کھٹ کھٹ!“ اس کا سینہ سپنا ٹوٹ گیا۔

”آ جاؤ بھی کون ہے؟“ وہ بیزاریت سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی تب احتشام اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کھانے کی نرے تھی اس نے گھبرا کر دوپٹا اپنے شانوں پر پھیلا لیا۔

”آپ کیوں آئے ہیں میرے کمرے میں؟“ وہ تلخی سے بولی۔ ”تمہیں کھانا کھلانے پتہ ہے جب تم بغیر کھائے اٹھ گئیں تو مجھ سے بھی کھایا نہیں گیا۔“ احتشام پیار سے بولا۔

”مجھے نہیں کھانا آپ کھالیں۔“ وہ روٹھ کر کرسی پر آ بیٹھی۔

”ناراض ہو.....؟“ اس نے پیار سے پوچھا۔

”میں بھلا حسن کے دیوتا سے کیوں ناراض ہونے لگی موٹی بھدی گوشت کا بھاڑ۔ آپ پر تو لڑکیاں مرنے ہیں تو انہیں کے پاس جائیں۔“ آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور احتشام کو ہنسی آ گئی وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے جذب کے عالم میں بولا۔

”میں تو تم سے مذاق کرتا ہوں نزاکت تم جیسی بھی ہو خدا کی قسم میری جان ہو میں تو تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بس تمہارا روٹھنا اور منہ پھلانا اچھا لگتا ہے اس لیے چھیڑتا ہوں۔“ نزاکت نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں اس کی نگاہوں میں محبت کا ایک ٹھاسھے مارنا سمندر تھا اور الفاظ میں چٹائی اور گہرائی اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

”خدا کے لیے نزاکت اب مان بھی جاؤ کتنی بد ذوق اور کوڑھ مغز ہو جس مزاج بالکل کس مٹاپے میں پھسپ گئی۔“ وہ بھر چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

”بھر مذاق۔“ نزاکت بھنا گئی۔

”حد ہو گئی۔“ احتشام کراہ کر بولا۔ ”یہاں چوہوں نے چیٹ میں قیامت مچا رکھی ہے باقاعدہ ریس ہو رہی ہے اور تمہیں احساس ہی نہیں۔ روٹھنے سے فرصت نہیں۔“

”بلی چھوڑ دیجیے!“ وہ شرارت سے بولی پھر ٹرے کی

طرف ہاتھ بڑھا دیا اور دونوں ہاتھوں میں کھانا کھانے لگے۔ ”اب تو ناراض نہیں ہونا موٹی بھینس۔“ نزاکت نے تڑپ کر نگاہیں اٹھائیں وہ مسکرا رہا تھا اور ایک خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اجالا سا بھیر دیا تھا اس کی روشن آنکھیں نہیں رہی تھیں نزاکت نے پہلے غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی پھر اس کے سحر سے متاثر ہو کر نظریں جھکا لیں پھر اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی ٹرے ساٹھا کر باہر نکل آئی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور من میں مدھن نعروں کی گونج تھی۔



دن یونہی گزر رہے تھے نزاکت اور احتشام کی نوک جھونک اور لڑائی جھگڑا جاری تھے سارا دن عدالت لگی رہتی اور عالیہ بیگم دونوں کو سمجھا سمجھا کر عاجز آ جاتیں اسی دوران عظیم الدین کے آہے بچھڑے بھائی جو انہیں سکے بھائیوں کی طرح عزیز تھے معہ فیکس کے پتھریاں گزارنے لاہور سے آ گئے۔ ان لی اکلوتی بیٹی بے حد گھڑی اور اسماٹ تھی نزاکت کو نواخواہ اپنے مٹاپے کی وجہ سے احساس کستری ہونے لگی۔ وہ تھوڑی سی خود سزا اور خیر ملی بھی تھی۔ ”خدا جب حسن بچا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔“ اس کو اپنی خوب صورتی پر غرور تھی بہت تھا اس لیے جانے کیا کیا چہرے پر لگائی اور کھائی رہتی تھی۔ قیمتی قیمتی لوہنڑ پر فومز اور ڈائمنٹ چارمنٹ ہر وقت وہ انہی کی فیکس رہتی تھی اس کے لیے کھانا بھی ایک مسئلہ تھا اس کے باوجود جو تازگی نزاکت کے چہرے پر تھی ابھر وہ مفقود تھی۔ نہ اس کی رنگت میں گلابوں جیسی مہک تھی نہ شبنم جیسی تازگی۔ ڈائمنٹ کر کے اس نے اپنا رنگ روپ اور چہرے کی تازگی دکھا کر شتم کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے اس کا بھائی عالیان بے حد خوش مزاج اور خوش اخلاق تھا اور جلد ہی اس کی احتشام سے دوستی ہو گئی تھی اگرچہ عظیم الدین کے یہ کزن ٹھیک ٹھاک متول تھے لاہور ڈیپارٹمنٹس میں ان کا ہزار گز کا گھر ان کی مادرت کا منہ بولتا ثبوت تھا لیکن غرور و تکبر ان میں نام کو نہیں تھا۔ شروع شروع تو نزاکت کے امی ابو

اپنا گھرانہ کے شایان شان نہ ہونے کی وجہ سے کچھ شرمندگی کا شکار رہے لیکن ان کے کزن کے رویے نے جلد ہی یہ احساس زائل کر دیا۔ خاص طور پر عالیان بالکل اپنے والدین کا پرتو تھا سنجیدہ پرکشش اور عاجزی کا یکگز جبکہ اس کی بہن شہرینہ بالکل الٹ تھی۔ عالیان کو حیرت ہوتی تھی جب سارا دن احتشام کو نزاکت کا مذاق اڑاتے دیکھتا کیونکہ اس کی گلابی رنگت، تھکے نقوش، بھرا بھرا گداز بدن اور گھٹاؤں جیسی زلفیں اس کے دل پر اثر کرنے لگی تھیں اور آنکھوں میں بس گئی تھیں۔ اس کو یقین تھا کہ سچی جان نزاکت کے لیے احتشام کو ہی زندگی کا ہم سفر جنس کی نگراحتشام اور نزاکت کی سارا۔ بدن کی ٹوک جھونک نے اس کو قدرے اطمینان دلا دیا کہ نزاکت کو اپنانے میں کوئی رکاوٹ حاصل نہیں۔ اسی دوران احتشام دوستوں کے ساتھ نارڈن امریاز گھومنے چلا گیا تو نزاکت کو لگا اس کا دل ہی نہیں پورا گھرویراں ہو گیا۔ ایک دن موقع دیکھ کر عالیان ماں سے لپٹ گیا۔

”اماں مجھے نزاکت چاہیے۔“

”باؤلا ہوا ہے نزاکت نہ ہونی کوئی کھلونا ہو گیا۔“ وہ بگڑ کر بولیں پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔ ”میرا خیال ہے بھابی نزاکت کی شادی احتشام سے کریں گی گھر کا اور دیکھا بھالا بچہ ہے۔“

”پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن آپ نے خود بھی دیکھا ہے دونوں سارا وقت لڑتے رہتے ہیں ایک منٹ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے اور پھر شادی تو ساری زندگی کا فیصلہ ہے۔“ عالیان جاری سے بولا۔

”کہہ تو تم ٹھیکہ، غور ہے ہو نزاکت مجھے بھی پسند ہے مگر.....“ وہ ہنرات سے بولیں۔

”ذرا سہیلی ہے مگر خیر شہر اور بکری جب ایک گھاٹ پر پانی نہیں کے تو وہ خود خود خودی ہو جائے گی۔“

”مگر اماں یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔“ عالیان نے احتجاج کیا۔ ”آپ تو پہلے ہی بہت دہلی پٹی ہیں۔“ عالیان کے جوانی حملے پر چچی کی ہنسی چھوٹ گئی۔



آج کل نزاکت سخت پریشان تھی۔ عالیان کا التفات اس پر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ جس طرح شہسوم لمبوں سے اس کی طرف دیکھتا اس کا دوس چاہتا اس کی آنکھیں نوج لے پازمین پھنے اور وہ اس میں سا جائے شہرینہ کو ڈاکٹر بنا دیکھ کر اب اس کو اپنے سابقہ فیصلے پر افسوس ہوا تھا۔ عظیم الدین ڈاکٹر تھے اور ان کی شروع سے خواہش نزاکت کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنے کی تھی مگر وہ بے حد ڈر پوک اور بزدلی تھی مینڈک کی چیر بھاڑ اور اترتھ وارم دیکھ کر اس کا جی متلانے لگتا۔ اس کے باوجود اچھے نمبروں سے پاس ہونے کے اس نے میڈیکل لائن اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور بی کام میں داخلہ لے لیا لیکن اپنے خالو کی اس خواہش کا احترام احتشام نے کیا اور اب وہ ہاؤس جاب کے بجائے USMILE کی تیاری کر رہا تھا ساتھ ہی خالو کے پرائیویٹ کلینک میں بھی بیٹھتا تھا جو وہ صبح سرکاری ملازمت کے بعد شام کو چلاتے تھے جب احتشام اور شہرینہ اس پیشے سے متعلق گفتگوں باتیں کرتے تو نزاکت کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے اسی دوران جب عالیان بیگم سے جھٹائی نے نزاکت کے لیے عالیان کے دستے کی بات کی تو انہوں نے شوہر کو بتانا ضروری سمجھا اور وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”بیگم میرا تو خیال احتشام اور نزاکت کے رشتے کے لیے تھا ہمارے سامنے کا بچہ ہے پھر اس طرح نزاکت بھی ہماری نظروں کے سامنے رہے گی یعنی کہ ”ہلدی لگی نہ پھکری رنگ بھی جو کھا آئے.....“ وہ ڈرہنسی سنجیدہ تھے اس رشتے پر۔

”سوچا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن دونوں جس طرح ایک دوسرے سے لڑتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ساری زندگی ایک دوسرے کو برداشت کریں گے۔“

”خیر لڑنے جھگڑنے کی تو بات ہی مت کریں ہم تم نہیں لڑتے کیا؟“

”عظیم الدین صاحب ہم میاں بیوی ہیں ایک

احتشام کی باہر کی تعلیم کا پورا خرچہ خود اٹھائیں گی بلکہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کریں گی عالیہ بیگم خوش ہو گئیں مرنوم بہن بہنوئی کے آگے سرخرو ہو جائیں گی جب احتشام کو ایک اونچا مقام مل جائے گا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر سے رشتے کی بات کی تو خرچے کی بات گول کر گئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں احتشام کو وہ بے حد چاہتے ہیں انا پست اور خود دار بھی بہت ہیں خرچے کی بات سن کر اچھے سے ساکھڑ جائیں گے۔



نزاکت رات کا کھانا تیار کر رہی تھی کہ عالیان دبے پاؤں اعدا گیا وہ گھبرا گئی۔

”آپ باہر چلیں کیا چیز کی ضرورت ہے تو کہہ دیں میں دے دوں گی۔“

”آخر تم مجھ سے اتنی کتراتی کیوں ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ چچی جان نے تمہارے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے بلکہ احتشام بھی میرا بہنوئی بن جائے گا۔“ اس کا لہجہ ثناتا نو ہو گیا۔

”بس چندوں کی وبری ہے پھر تم ہمیشہ کے لیے میری بناوی جاؤ گی اور شہرینہ کو بھی اس کی خوابوں کی تعبیر مل جائے گی وہ بھی احتشام کو بہت پسند کرتی ہے۔“ وہ باہر جا چکا تھا سینے میں ایک گنگا کرنزاکت کو لگا اس کا وجود شعلوں کی زد میں ہے اس کے کانوں نے یہ کیا سنا تھا کیا محبت کی عمر اتنی مختصر تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ خواب دریا برد ہو گئے۔

”جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔“

وہ بری طرح رونے لگی تب عالیہ بیگم نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے خوشی خوشی اس کے کانوں میں زہرا نڈیلا۔

”نزاکت میں نے تمہاری بات عالیان سے اور احتشام کی شہرینہ سے طے کر دی ہے اب میری بیٹی راج کرے گی۔“ انہوں نے ہاتھ پیرا سے گلے سے لگانا۔

دوسرے کا لباس ایک دوسرے کی عزت ایک دوسرے کی ضرورت..... ہمیں تا عمر ساتھ رہنا ہے کیونکہ نکاح کا بندھن اگر فریقین چاہیں تو سب سے مضبوط..... ورنہ دھاگے سے بھی زیادہ ٹانگ بندھن ہوتا ہے اور اس رشتے کو مضبوطی صبر ایثار اور قربانی، تحمل و برداشت دیتا ہے۔

ہزاروں اختلافات کے باوجود ہم اسے دل میں نہیں رکھتے۔ کیونکہ محبت تو اس پانی کی طرح ہوتی ہے جو کھڑا رہے تو بد بو دیتا ہے سڑھتا ہے اور ناپاک ہوتا ہے اور بہتا رہے تو پاک اور صاف دیتا ہے اور جس رشتے میں پہلے ہی اتنی دراڑیں ہوں وہ نکاح کے بعد کیا بھر جائیں گی؟

”بات تمہاری ٹھیک ہے مگر میں چاہتا ہوں تم ایک مرتبہ نزاکت اور احتشام سے پوچھو ضرور لوور نہا سنا ہو بعد میں پچھتا پڑے۔“ عالیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں اور نزاکت کی ماں بن کر تھوڑی سی خود غرض بھی۔ مانی طور پر احتشام کا عالیان سے کوئی مقابلہ نہیں تھا احتشام کو مستقبل بنانے میں ٹائم لگنا تھا، عالیان دلیل ایشیا تھا۔ سی اس کے بعد وہ ایک ملٹی ٹیکسٹل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا، تین لاکھ کی پرسنل تنخواہ کے ساتھ گاڑی بولس علیحدہ پھر اپنی باپ کی جائیداد کا تبا وارث۔

ان کے میاں بھی ڈاکٹر تھے ساری زندگی وہ تبا ڈاکٹر کا شکار رہیں۔ ان کے پاس گھر کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تھا وہ تو اتوار کو بھی اپنے پرائیویٹ کلینک جانے تھے تب جا کر عزت سے گزر رہے ہوتی تھی۔ ہر تقریب میں عام طور پر وہ تبا ہی شریک ہوتی تھیں اور انیس اکٹر عظیم الدین سے اس کی شکایت بھی رہتی تھی۔ اور بھانجا بھی ڈاکٹر بن رہا تھا وہ کیسے اپنی بیٹی کو اس غیر محسوس آگ میں جھونک دیتیں جس کا شکار وہ ساری زندگی رہیں وہ تو اکثر مذاق مذاق میں کہتی بھی تھیں کہ خدا نہ کرے کہ کسی کی شادی ڈاکٹر سے ہو۔“ ان کو احتشام سے بے حد محبت تھی مگر بیٹی کی مانتا اس پر غالب آگئی اور انہوں نے نزاکت سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تب جٹھانی نے جھکتے ہوئے شہرینہ کے لیے احتشام کا رشتہ مانگ لیا ساتھ ہی انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ

”امی.....!“ نزاکت زور سے چیخ پڑی۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ مگر انہوں نے اس کے تاثرات جانے بغیر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”مجھے یقین ہے کہ تم بے حد خوش رہو گی، ٹھیک ٹھاک دیکھے بھالے جانے پہچانے اور پیسے والے لوگ ہیں پہلے میرا ارادہ احتشام کے لیے تھا لیکن تم دونوں کو توڑنے ہی سے فرصت نہیں میں نے سوچا اپنی مرضی تم دونوں پر مسلط کرنا ٹھیک نہیں احتشام بھی سوچ سکتا تھا خالد نے اس سے احساسوں کا بدلہ لے لیا پھر ہم اس کو کیا دے سکتے تھے جو شہرینہ سے شادی کر کے اس کو ملنے والا ہے۔“

”امی مجھ سے پوچھو لیتیں یہ آپ نے کیا کر دیا آپ اور اب تو گھر کی ایک معمولی چیز تھی مجھ سے پوچھے بغیر نہیں خریدتے اور میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی طے کر دیا آپ نے کب بچی کو دولت کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا؟ کب زندگی میں باوقی چیزوں کو میں نے اہمیت دی میری دنیا تو بڑی محدود اور میرے خواب تو بڑے سادہ تھے آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ دولت میری ترجیحات میں شامل ہے آپ نے دولت کے ترازو میں میری خوشیاں تول لیں امی آپ نے یہ کیا کیا؟“ وہ بغیر ماں سے کچھ کہے دل ہی دل میں سوچتی ہوئی کمرے میں آگئی اور کمرہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی آج اسے احتشام شدت سے یاد آ رہا تھا نور شاید یہ اس کی محبت کی شدت ہی تھی کہ احتشام اپنا دورہ مختصر کر کے آ گیا اور حیران رہ گیا۔

”نزاکت یہ تم ہوں؟“ اس نے ہیرت سے اس کے سر پر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا بڑے تزلزلہ کر اور کوڑھ کوڑھ کتا دھا بھی نہیں رہا تھا اس نے کے سانسے نزاکت کی شکل میں ایک نازک دھان پازرہی دو شیر ذکری تھی جس کی آنکھوں میں دکھ کے سائے لگورے لہ رہے تھے اور چہرہ حسرت واپس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

”موتی تم نے میری بات کو سیریس لے لیا۔ یار مجھے تو اپنی وہی گول مٹول ہستی کھٹکھٹالی نزاکت ہی پسند ہے“

غزل

بھلا دوں گی تجھے میں ذرہ دل پر اختیار ہونے دے
سب کی دوا کروں گی زخموں کو بے شمار ہونے دے
رنجشوں کے سوا تو نے دیا بھی کیا اے زندگی!
اب اجل کو ہی میرا طلب گار ہونے دے
قبل اس کے کہ ہر سانس اٹھوں میں ڈوبے
مت باندھ بندھ دل پر آنکھیں اٹھکار ہونے دے
اب کرنے کو اس ہر جائی پر بچا ہی کیا تھا
بے وفائی پر اپنی اس کو شرمسار ہونے دے
تیری آغوش میں ہی بکھروں گی یہ ارمان زندہ رکھ
بس میرے درد کی حدوں کو پار ہونے دے
تیرا فریشتہ..... لاہور

لڑنی جھگڑنی غصہ کرنی اور برے برے منہ بنانی۔۔۔
نزاکت کا دل چاہ رہا تھا جھاڑے مار مار کر روئے۔
”کیا بات ہے وزن کے ساتھ ساتھ قوت گویائی بھی
رخصت ہوئی لگتا ہے میری جدائی کا زیادہ ہی اثر ہو گیا۔“
وہ خوشی سے بولا اور نزاکت جواب دے بغیر پلٹ گئی۔



رات اس نے خالد کو جالیا۔

”خالد امی کوئی خاص بات ہے کیا مہمان بھی اب
تک یہیں ہیں کہیں ان کا دل آپ کے خور و بیئے پر تو
نہیں آ گیا۔“ اس نے شرارت سے کالر جھاڑے اور
وہ ہنس پڑیں۔

”شریر کہیں کا اثری چڑیا کے پر گن لیتا ہے اور اصل
تیری تانی نے نزاکت کو عایان کے لیے مانگا ہے اور
شہرینہ کے لیے تجھے پسند کیا ہے اور میں نے ہاں کر دی۔“
یہ دیکھے بغیر کہ احتشام کے ہاتھ پر انگنت لٹکنوں کا جال تن
گیا ہے اور شرمی آنکھوں میں نکالے ہوئے لگے ہیں۔

”بیٹا عالیان بہت بڑی پوسٹ پر کام کر رہا ہے پھر تانا
تانی بھی کافی متمول ہیں گاڑی بنگلہ لوگر چاکر روپے پیسے
کی ریل ہیل میری بیٹی عیش لے گی پھر شہرینہ سے رشتہ

ہے اب تو بھائی کہنا چھوڑ دو اور سنو آئندہ میرے سامنے مرنے کی باتیں مت کرنا میں کیا تمہارے بغیر زندہ رہ سکوں گا ہم دونوں ہی ان شاء اللہ ایک ساتھ زندہ رہیں گے کس کی مجال جو میری موٹی بھینس کو مجھ سے جدا کرے۔ "نزاکت کو چسانے کے لیے اس نے چھیڑا مگر اس کے آنسو نہ تھے۔

"بے شک آپ ٹہرینہ سے شادی کر لیں وہ خوب صورت بھی ہے اور دولت مند بھی لیکن اگر میری شادی عالیان سے کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"خبردار" وہ خفا ہو گیا۔ "اب اگر تم نے مرنے مارنے کی باتیں کیں تو بیٹ جاؤ گی اور رہا شہرینہ سے شادی کا سوال تو بھی موطہ دل کا ہے دل گدھی پر آئے تو پری بیبا۔ ہمیں تو اپنی یہ بھینس ہی پسند ہے جو جل جل کر اب سب سلائی ہو گئی ہے اور بالکل اچھی نہیں لگ رہی بس تم خوش رہو اللہ کے بعد مجھ پر بھروسہ رکھو میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں۔"



خالو کا کینک عموماً احتشام ہی کھولتا تھا آج اس نے خاص طور سے انٹرنٹ لونا کید کی تھی کہ جیسے ہی خالو ابو آئیں انہیں اندر بھیج کر کسی مریض کو اندر نہ آنے دینا۔ جب تک کہ وہ مریض کو خود نہ بلائے۔ آج کل سب ہی بہت مسرور تھے شہرینہ کی انسی رو کے نہیں رک رہی تھی عالیان کی آنکھیں اندرونی مسرت کے احساس سے دمک رہی تھیں ایک احتشام ہی تھا ہویا کھویا لہ لہا اور خالو ابو کی جہاندیدہ نظریں اس کا بخود مطالعہ کر رہی تھیں ادھر ان کی بیٹی کو جانے کیا ہوا تھا جب سے اس کی بات طے ہوئی تھی وہ دن بدن گھٹتی جا رہی تھی چہرے کی شادابیاں اور گلابیاں زردیوں میں ڈھل گئی تھیں جس کو سب "گول مٹول" کہتے تھے خطرناک حد تک سوختی جا رہی تھی جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا ہو۔ ذری ذری سبھی سبھی ایک خوف زدہ ہرنی کی طرح یہ ان کی وہ بیٹی تو تھی جو سارا دن چھپھاتی بیل کی

ہونے پر تمہارے خوابوں کی بھی تکمیل ہو جائے گی تمہاری اپنی تعظیم کا خرچہ ہی لوگ اٹھائیں گے۔"

"خالہ امی اپنی بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا آپ کو پورا حق ہے لیکن آپ نے میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے طے کر لیا؟" وہ غصے سے دھاڑا۔

"بیبا مجھے تم پر اعتماد تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے بے شک تم میرے بھانجے ہو لیکن ماں بن کر پالا ہے تمہیں۔ کیا مارا ہونے کی حیثیت سے میرا اتنا بھی حق نہیں۔" آخر میں ان کی آواز گلو گیر ہو گئی اور احتشام نے جھپٹ کر انہیں گلے لگا لیا۔

"خالہ امی میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا آپ کو سارے حقوق حاصل ہیں آپ کسی فقیرنی باچارن سے بھی میرا رشتہ طے کر دیں گی تو مجھے انکار نہ ہوگا میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا لیکن ایک بات میں واضح کروں گا امی کو بتادیں میں کوئی بکا و مال نہیں میری بولی نہ لگا میں ابھی میرے بازوؤں میں اتادم ہے کہ میں اپنا خرچہ خود اٹھا سکوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور عالیہ بیگم کو لگا کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔



رات کے کھانے پر سب موجود تھے سوائے احتشام کے پھر نزاکت سے بھی کھانا نہیں کھایا گیا سب سو رہے تھے اور نزاکت احتشام کے انتظار میں جاگ رہی تھی اس نے آتے ہی پہلا سوال کیا۔

"تم نے کھانا کھایا؟"

"آپ نے کھایا؟" نزاکت نے سوال کے جواب میں سوال کیا احتشام کا دل گداز ہو گیا۔

"آؤ دونوں مل کر ساتھ کھاتے ہیں۔" نزاکت کھانا کھاتے کھاتے رو پڑی۔

"احتشام بھائی میں مر جاؤں گی اگر میری شادی عالیان سے ہوئی تو۔"

"اف پاگل لڑکی یہ سارا فساد احتشام بھائی کہنے کا

طرح ان کے تگن میں چبکتی رہتی تھی۔



ہفتے کی شام منقش کے لیے مقرر ہوئی۔ نزاکت کی امی نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا تھا نزاکت اور احتشام نے ایسے ہی اپنے دوستوں کو بلائے سے انکار کر دیا تھا رسم شروع کرنے سے پہلے احتشام کا انتظار تھا جس کو امی نے صبح سے گھرے لینے بھیجا تھا اور اب شام ہو رہی تھی، عظیم لدیرا بھی بے چینی سے اہل رستہ تھے اس کا موبائل بھی بند تھا نزاکت تو ویسے ہی برسوں کی بیمار لگ رہی تھی قیمتی کپڑوں میں ایک اپ اور زیورات نے بھی اس کا حزن و ملال ختم نہیں کیا تھا اچانک عظیم الدین کا موبائل بج اٹھا وہ اسے لے کر کونے میں چلے گئے ان کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، کچھ بولے بغیر وہ تیزی سے سب کو حق دق چھوڑ کر جا چکے تھے اور عالیہ بیگم کے دل نو پتھ لگ گئے تھے نزاکت کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا مہمان آنا شروع ہو گئے تھے اور ان دونوں کی کوئی خبر نہ تھی اچانک ایسویٹس کے شور سے محلہ گونج اٹھا۔

”اللہ رحم کرے۔“ عالیہ بیگم کے منہ سے نکلا تب ہی کئی لوگ احتشام کو اسٹریچر پر ڈالے اندر داخل ہوئے جو سر سے پیر تک پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اس کا ایک جگری دوست اور کلاس فیلو ڈاکٹر بھی اس کے ہمراہ تھا جس نے ڈرب پکڑی ہوئی تھی۔ نزاکت نے اور عالیہ بیگم ایک ساتھ چیخنے لگیں نزاکت جو کمزوری سے پہلے ہی بے حال تھی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر ماں کی بانہوں میں آ رہی جس کو فوراً ہی ڈاکٹر صاحب نے سکون کا انجکشن لگایا نزاکت کی بے ہوشی پر سب سے زیادہ تشویش عالیان کو تھی۔

”کیا ہوا میرے بچے کو۔“ خالہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”پھول خرید کر دو کراں کر رہا تھا کہ گاڑی نے ٹکرا دیا کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے ڈاکٹر تو چھوڑ نہیں رہے

ردا فاطمہ

میربی طرف سے آجیل اسٹاف۔ اور آجیل کی پیارمی کی تاریخین کو خلوص دل سے استنواہہ بیگم! میرا نام ردا فاطمہ ہے۔ میرا تعلق نکال کے چھوٹے سے گاؤں ڈھوکہ لس سے ہے۔ ہم تین بہن بھائی ہیں، سب سے بڑی میں اس سے چھوٹا اسم اور سب سے چھوٹا فیضان ہے۔ میں 10 جولائی 1996ء کو پیدا ہوئی، فرسٹ انیری کی طالب علم ہوں۔ آنکھیں ہمتا میں تھی سب میرے ہوا میں دنیا سے چل بسے۔ نیچر اور راسٹر بننے کا شوق ہے۔ آکٹا کی تمام کہانیاں میری فیورٹ ہیں، فیورٹ ٹائل ٹکار سیرا شریف طوں زہیہ کنول، مازی ہیں۔ آجیل سے میرا تعارف نازنہ سے ہوا تھا آجیل کے علاوہ کون اور ڈاکٹر سب انہیں نہیں لگتا صرف میں آجیل ہی پڑھتی ہوں۔ آجیل کی سب جتنی بھی تعریف کروں تم ہے۔ میری فیورٹ فرینڈ عائشہ سدرہ زہریہ صاحبہ فائزہ اور ساروہ ہے۔ میری چار چھوٹے ہیں جو دنیا کی میسٹ چھوٹے ہیں۔ نورت نیچر، مس سمانہ، مس رومانہ، مس فائزہ، مس شامین (جیسا کہ میری چھوٹے بھی نیچر ہیں)۔ فیورٹ اسٹی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فیورٹ کلاس ٹیوٹور کائنات اور کثوم ہیں۔ میری تریزہ، عمران، زہرا، مویا، اور مہمانی سارے فیورٹ ہیں۔ اللہ میرے مانا کو لمبی زندگی دے اور میرے یوٹیٹی، دادا، دادی اور ماما کو جنت میں جہد عطا فرمائے آمین۔ اب آپ کو زیادہ پور نہیں آ رہی کی اللہ آجیل کو ترقی دے آمین۔

تھے ڈاکٹر سدیم اپنی ذمہ داری پڑھا چارج کرا کر لائے ہیں ویسے کوئی سیریس چوٹ نہیں صرف دماغ پراثر ہوا ہے اور یادداشت صحیح طور پر کام نہیں کر رہی ساتھ ہی ڈر ہے کہ کہیں پیرنکا ٹنا پڑے؟

”پھر ہوسپتال میں رکھنا تو مانا گھر کیوں لے آئے؟“ خالہ بے قراری سے بولیں۔

”کیسے رکھتا آج اس کی منقش جو ہے“ ڈاکٹر عظیم الدین دکھ سے بولے۔

”ارے بھائو میں جائے منقش بیٹے کی زندگی سے

زیادہ تھوڑی ہے۔“ وہ بے قراری سے رونے لگیں۔ اسی دوران احتشام کو ہوش آ گیا اور وہ اجنبی نظروں سے خالہ کو گھورنے لگا۔

”میرے چاند یہ کیا ہو گیا اس گھر کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی۔“ وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

”آپ کون ہیں؟“ بڑی دقت سے اس نے سوال کیا۔

”بیٹا خالہ ہوں تمہاری۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

”خالہ! کیسی خالہ کون تو خالہ میں نہیں جانتا کسی خالہ والا کو بس مجھے اپنے ابو امی کے پاس جانا ہے ابھی بھیج دیں۔“ وہ جانے کی ضد کرنے لگا اور سب پریشان ہو گئے جو کئی نزاکت کو ہوشیاری سے زیادہ تیر کی طرح اس کے پاس پہنچی۔

”احتشام بھائی! میں نزاکت پہچانا آپ نے آپ جس کو سارا دن موٹی بھیلس کہتے تھے۔“

”موٹی بھیلس! وہ ذریعہ بڑ بڑایا۔“ جاؤ یہاں سے نہیں جانتا میں تمہیں دفع ہو جاؤ سب کے سب اور مجھے اپنے ماں باپ کے پاس بھیج دو ورنہ میں کیس کروں گا۔“ وہ بری طرح چیخا پھر کراہنے لگا۔

”پلیز آپ لوگ اسے تنگ نہ کریں میں اپنے رسک پر ڈسچارج کرا کر لایا ہوں۔ مجھے لگتا ہے اسے Alzheimer کی بیماری ہو گئی ہے۔“ ڈاکٹر سدیم نے سنجیدگی سے کہا تو سب ہنستے ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

”اس بیماری میں انسان اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے جو کبھی بحال ہو جاتی ہے۔“ کئی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔“ اس نے وضاحت کی اور شہرینہ کا منہ بن گیا نزاکت کے آنسو ٹپک رہے تھے اور سسکیاں حلق میں پھنس رہی تھیں ساتھ کھڑے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

”بچائے اس کے کہ آپ لوگ شکر کریں کہ احتشام کی جان بچ گئی سب لوگ رورہے ہیں مجھے یقین ہے آج نہیں تو کل یادداشت بھی بحال ہو جائے گی۔ لیکن ناگہ

ٹھیک بھی ہو گئی تو لنگ باقی رہے گا۔“ سدیم کی آواز بھرا گئی اور اس نے آنکھوں پر دو مال رکھ لیا۔ شہرینہ اس کے امی ابو اور عالین ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے اور خوب صورت فیروزنی جدید تراش خراش کے لباس میں نزاکت کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ عالیہ بیگم بدحواس ہو کر دکھ سے بولیں۔

”جانے کس کی نظر لگ گئی میرے چاند کو۔“ نزاکت نے احتشام کے سارے کام اپنے ذمے لے لیے تھے کھانا کھانا پانی پلانے سے لے کر دو کھلانے تک ہر کام وہ بڑی محنت اور چابک دستی سے کر رہی تھی ملان کا کوئی رنگ اور تھکن کا کوئی احساس اس کے چہرے پر نہیں تھا جبکہ شہرینہ کھڑے کھڑے آتی اور طبیعت پوچھ کر چلی جاتی تھی۔ ڈاکٹر سدیم کمرہ بند کرنے کے جب اس کی مینڈیج کرتے تو اس کی کراہوں سے ماں کا دل بھی بری طرح کٹنے لگتا۔ ایک دن شہرینہ سرے ہی میں تھی جب احتشام نے ایک دم پوچھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“

”تمہاری منگیتیر ہے بیٹا شہرینہ اسی سے تو اس دن تمہاری منگنی ہو رہی تھی جب تم زخمی ہوئے تھے۔“ عالیہ بیگم دکھ سے بولیں۔

”تو اب کر دینا کون سی دیر ہو گئی ہے لڑکی تو مجھے بہت پسند ہے بس آپ آج ہی اسے منگنی پہنادیں۔“ احتشام ضد کرتے ہوئے بولا۔ عالیہ نے بے بسی سے شہرینہ کی طرف دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”اوپہ! لنگڑا کہیں کا یادداشت سے فارغ کیا میرے لیے یہی رہ گیا۔“ وہ دوسرے کمرے میں آ کر بازا بلند بڑبڑائی۔

”بری بات ہے شہرینہ ایسے نہیں کہتے وہ آج نہیں تو کل ٹھیک ہو جائے گا۔“ عالیان نے تہیہ کی۔

”بس بس آپ تو رہنے ہی دیں آپ کو اپنی فکر پڑ گئی مگر میں بتا دیتی ہوں آپ کی شادی نزاکت سے ہو یا نہ ہو میں اس دماغی فارغ سے شادی ہرگز نہیں کروں گی“

”کیا بات ہے بیٹا کیوں تجھ رہی ہو۔“ تائی نے اندر داخل ہو کر حضرت سے کہا۔
 ”بس امی کل ہی واپس چلیں مجھے نہیں رہنا کیا پتہ آپ بیٹے کی خاطر بیٹی کو بھی لنگڑے لو لے کے پلے باندھوں۔“ وہ بگڑ کر بولی۔
 ”پانگل ہوئی ہوا آنکھوں دیکھی کبھی کون لگتا ہے ذرا صبر کر لو عالیان کی منگنی ہو جانے دو پھر میں کوئی مناسب وقت دیکھ کر نکال کر دوں گی۔“



عالیان حیران تھا کہ کتنی عجیب لڑکی ہے نزاکت میرے تو سائے سے بھی گھبراتی ہے اور سارا دن احتشام کی خدمت میں لگی رہتی ہے جو اس سے کتنا چڑتا ہے واقعی بڑی خوبیوں کی مالک ہے نزاکت نیک خدمت گزار اور سادہ۔ اس کی نظر میں نزاکت کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ صبح ناشتے کے بعد جب احتشام کے سوا سب میز پر تھے تائی نے جھکتے ہوئے کہا۔

”عالیہ میں اب واپس جانے کا سوچ رہی ہوں بہت دن رہ لیے تم آج اجازت دو تو عالیان نزاکت کو انگوٹھی پہناوے؟“ نزاکت کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس سے بیخفا نہیں گیا۔

”میرا خیال ہے دونوں کام ایک ساتھ ہی ہو جائیں تو اچھا ہے احتشام سے بھی کہتے ہیں شہرینہ کو انگوٹھی پہناوے جو کام کل ہوا تھا وہ آج ہو جائے تو اچھا ہے۔“ علیم الدین نے ممانت سے کہا تو تائی ایک دم بول پڑیں۔

”دیکھو بھی شہرینہ کی تو میں ابھی دو تین سال تک شادی کروں گی نہیں پھر منگنی کا قاعدہ؟ ہاں عالیان کے لیے میں تیار ہوں۔“

”لیکن بھائی پہلے تو آپ نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا؟“ عالیہ کی آواز بھرائی۔

”کیونکہ پہلے ہمارا بیٹا تندرست و توانا اور لنگڑا نہ تھا اب ایک لنگڑے سے بھائی اپنی بیٹی کی شادی کیوں کریں

پہلی ساڑھی

پہلی ساڑھی کے من میں
 کوئی نہ جانے
 کیا سائی
 بتائیں کمال مہارت سے
 حسین و خوبرو
 ماہ رخ و ماہ و ش
 پھلیاں
 جن میں زندگی کی رمت

نقطہ
 پہلی ساڑھی ڈوریوں کی چھینٹ سے ہے
 چونہ جانے
 کب کہاں کہیں وقت
 تھم جائے
 تماشا گاہِ زیست میں
 تماشا دکھائی
 حسین پھلیاں
 تکی ساڑھی کے اسٹور روم میں
 ابدی نیر سو جاتی ہیں
 وہ پھر نئی پھلیاں بنا کر
 منظر عام پر لاتا ہے
 اور بلا خرہ.....

انہیں بھی اپنے اسٹور روم کی زینت بنا لیتا ہے
 سیرا اتول مغل..... شاہ کوٹ

کی؟“ علیم الدین نے صاف صاف بات کی۔
 ”ایسا نہیں ہے۔“ علیم الدین۔ ”تایا شرمندگی سے بولے۔“ ہم تم سے شرمندہ ہیں شہرینہ راضی نہیں لیکن نزاکت کے لیے ہم تیار ہیں۔“
 ”کوئی بات نہیں بھائی صاحب جس طرح نزاکت میری بیٹی ہے اسی طرح احتشام بھی میرا بیٹا ہے بہتر یہی ہے کہ اس بات کو ہمیں ختم کر دیں ہمیں بھی نزاکت بیٹی کی شادی کی کوئی جلدی نہیں۔“ علیم الدین نے بڑی

سہولت اور وقار سے انکار کر دیا پھر احتشام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولے۔

”بیٹے تمہیں ہر چیز دفت پر تو مل رہی ہے نزاکت تیار داری میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑ رہی۔“

”نہیں جی نرس تو ضرورت سے زیادہ ہی خیال رکھ رہی ہے۔“ وہ زندہ دلی سے مسکرایا تو نزاکت خاموشی سے اٹھ کر چٹن میں آگئی اور رونے لگی احتشام کی بے بسی کا احساس کر کے آہٹ پر وہ مڑی تو عالیان رخصت ہونے کے لیے کھڑے تھے۔

”کیوں رو رہی ہو بے وقوف احتشام بالکل ٹھیک ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ جو محبت کرتے ہیں وہ چھینتے نہیں بلکہ دان کرتے ہیں اور پھر میری محبت کا پورا تو ابھی جڑ بھی نہیں پکڑ سکا تھا اس نے تو محبت کی نرم و نازک کیاری میں ابھی صرف زندہ رہنے کی کوشش ہی کی تھی لیکن احتشام کی محبت تمہارے لیے ایک تھوڑی رخت کی سنا ہے جس کی جڑیں دور دور تک پھیل چکی ہیں ایسے درخت کو اکھاڑیں تو پھر وہ زندہ نہیں رہتا مر جاتا ہے خدا تم دونوں کی محبت کو سلامت رکھے اس کو کہنا کہ زندگی کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں کہ چوٹ لگنے سے یادداشت چلی جائے اور چوٹ لگنے ہی سے واپس آ جائے۔ ویسے بھی وہ اٹنا اچھا لیکر نہیں تمہیں دیکھ کر جو اس کی آنکھوں میں چمک اور دلہانہ پن نمایاں ہوتا ہے وہ مجھ سے بھی نہ تھا میں ڈاکٹر نہ صحیح لیکن جانتا ہوں Alzheimer کی بیماری چوٹ لگنے سے نہیں ہوتی اور اس عمر میں تو بالکل بھی نہیں۔“ نزاکت سمجھ ہی نہیں سکی کہ عالیان کا کیا مقصد ہے وہ ہڑے لگا کر کمرے میں کھانا لائی۔

”احتشام بھائی کھانا کھا لیں۔“

”آج میں امی ابو کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔“ اس نے غرور لگایا اور انہیں سے سدیم بھی نکل کر آ گیا۔

”اٹھ بے سارے بہت ڈرامہ ہو گیا میں تو زبردستی ہی پٹی کر کے تھک گیا تھا۔“ دوسرے ہی لمحے احتشام اپنے

چہروں پر کھڑا تھا نزاکت کی چیخ نکل گئی اور عالیہ دوڑی دوڑی آئیں اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ احتشام نے ایک دم ان کو گویا میں اٹھا لیا۔

”ہاں میری خال آپ کے اور نزاکت کے لیے ہٹا کٹا ہوں اور باقی سب کے لیے لنگڑا قادرغ الدماغ۔“ پھر کھانے کی میز پر علیم الدین صاحب نے ڈرامے کا پس منظر بتایا جو انہوں نے اس کے دوست ڈاکٹر سدیم کے ساتھ لکھ لکھ کر لکھا تھا انہیں آج بھی وہ دن یاد تھا جب ان کے کلینک میں احتشام ن کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور ان کو لگا تھا اگر وہ چپ نہیں ہوا تو ان کا دل بند ہو جائے گا انہیں احتشام سے اپنی اولاد کی طرح محبت تھی ان کے اصرار پر جب اس نے جھپکتے ہوئے اپنا مسئلہ بتایا تو ان کے چہرے پر ٹکرات کا جال بن گیا پہلے تو انہوں نے اسے خوب ڈانٹا پھر سینے سے لگا کر پیار سے بولے۔

”اپنے خالو ابا پر غموسہ ہے نا اس لیے بے فکر ہو جاؤ اور سب کچھ انا پر چھوڑ دو وہ بہتر کرنے والا ہے۔“ بس پھر احتشام کے دوست سدیم کی مدد سے ڈرامہ پایا پچھیل تک پہنچا۔

رات بھینتی جا رہی تھی اور احتشام اس کے بالوں سے اٹھتی ہوئی بھینتی بھینتی خوشبو کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میری موٹی بھینس۔“ احتشام نے سرگوشی کی دھیرے دھیرے نزاکت کی ٹانگیں اٹھیں اس کی ٹکاہوں سے ٹکرائیں اور پھر شرم سے جھک گئیں منزل سامنے تھی اب ڈرکیسا۔





دقت کا پہل بہا لے گیا سب کچھ ورنہ
 پیار کے ڈھیر لگے تھے مرے کھلیانوں میں
 شاخ سے کٹنے کا غم ان کو بہت تھا لیکن
 پھول مجبور تھے بننے رہے گل دانوں میں

”آپ یہاں آ کر کچھ زیادہ ہی بڑی ہو گئے
 ہیں۔ حذیفہ کو بھی نام نہیں دیتے ہمیشہ مجھ سے
 شکایت کرتا ہے۔“ حذیفہ کا نام لے کر درحقیقت وہ
 اپنی شکایت کر رہی تھی اور اسوہ کا یہ ڈھکا چھپا انداز
 ارتضیٰ کو تو خوب ہی بہا پاتھا تب ہی نشو سے ہاتھ
 صاف کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا کرسی کی پشت
 سے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے پکڑے جو
 ڈاننگ چیئر پر بیٹھی تھی۔

”حذیفہ کو تو میں بعد میں دیکھ لوں گا ہاں اگر اس
 کی می ناراض ہے تو یہ خفیٰ میں ابھی دور کر سکتا
 ہوں۔“ شرارت سے اس کی ساعتوں میں سرگرمی
 انڈیل کر وہ اس کے تپے ہوئے چہرے سے مظلوظ
 ہونے لگا۔ اسوہ کو اس سے اس قدر دلیری کی امید
 نہ تھی لہذا بری طرح شیشائی اس میں اتنی ہمت بھی
 نہ تھی کہ اس کا حصار توڑ پاتی۔

جلدی جلدی بھاپ اڑاتا گرم آئیٹ اس نے
 پلیٹ میں نکالا۔

”اسوہ..... ناشہ لے آؤ پار میں لیٹ ہو رہا
 ہوں۔“ ارتضیٰ کی ڈاننگ ٹیبل سے آتی آواز نے
 اسوہ کے ہاتھوں میں مزید توانائی بھروی۔ چائے
 کپ میں انڈیل کر آئیٹ پرائٹا اور کس سبزی کا
 سالن نرے میں سجا کر بڑے کور سے تمام لوازمات
 ڈھانپ کر اس کی دوسری پکار سے تیل ہی وہ
 ڈاننگ ٹیبل تک پہنچ چکی تھی۔

”اف کتنی ہز بونگہ، چانتے ہیں آپ۔“ نرے اس
 کے سامنے رکھ کر اس نے دیوار گیر گھڑی پر نظر دوڑائی تو
 ساڑھے بیسے کو چھوتے ہند سے کو دیکھ کر اس کا موڈ
 سخت آف ہو گیا اس کے پھولنے ہوئے چہرے پر ایک
 نظر ڈال کر وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے رعبت
 سے ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔



”چھوڑیں مجھے، حذیفہ کا پیہر ہے آج مجھے اسے اٹھا کر پیہر ریوارز بھی کرانا ہے پھر اس کو اسکول کے لیے ریڈی کرنا ہے۔“ متمنی رنگت اور لچا پانچ گھبرایا انداز نظرس جھکائے وہ جلدی سے بونی، ارتضیٰ نے رحم کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

”اسوہ۔“ اس کی آواز پر اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

”حذیفہ اور تم میری زندگی کی اولین ترجیحات میں سے ہو بہت اہم براہیٹ پر کام کر رہا ہوں اس لیے جناب تمھوڑی حق تلفی ہو رہی ہے آپ کی اس کے لیے آئی ایم رٹلی ویری سوری۔“ اس کے ہاتھ تھام کر وہ محبت سے گداز لہجے میں بولا۔

”پلیز ایسا مت کہیں میں، آپ کی مصروفیت سمجھتی ہوں۔“ وہ لہجوں میں نادم ہوئی تو ارتضیٰ نے بغور اس کی گلابی پزنی رنگت کا جائزہ لیا اور ایک عجیب، سے سرشاری و طمانیت سے اس کے رخسار کو ہلے سے چھوتا وہ اندر کی سمت بڑھ گیا۔ اسوہ چند لمبے دروی میں سجا اس کا کسرتی وجود مشاق نکا ہوں سے بکتی رہی اور پھر مسکراتی ہوئی حذیفہ کے کمرے کی طرف چل اڑی۔

ارتضیٰ آری آفیسر تھا۔ آری میں سرڈس کے سبب اس کا ٹرانسفر مختلف شہروں میں ہوتا رہتا تھا تین ماہ قبل اس کا تبادلہ پشاور میں ہوا اور وہ پشاور کے کینٹ میں کینٹنر کی رہائش کے لیے مخصوص بنگلے میں رہائش پزیر تھے۔ اس کے ہمراہ اس کا پانچ سالہ بیٹا حذیفہ اور خوب صورت سڑا بیوی اسوہ بھی تھے۔ اسوہ میں حسن و جمال۔ کہ ساتھ ساتھ وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی کوئی بھی مرد خواہش کر سکتا ہے۔ دس سال قبل اس کی زندگی میں بطور شریک حیات شامل ہونے والی لڑکی اسوہ زیاد نے اس کی زندگی کو جنت بنا دیا۔ ذہنی و قلبی اطمینان حد سے سوا تھا۔ ہاں کی تھی تو بس

اولاد جیسی نعمت کی۔ پانچ سال کے جاں گسل انتظار کے بعد خدا نے انہیں اولاد نرینہ سے نوازا۔ تب ہی شاید حذیفہ ماں کی غیر معمولی توجہ اور چاہت کا حق دار ٹھہرا مگر اسوہ کی متنا کی پیاس تھی کہ بڑھتی ہی جاتی وہ کبھی اس احساس سے میر نہ ہوتی۔

حذیفہ اس کا پانچ سالہ بیٹا فرسٹ اسٹینڈرڈ کا طالب علم بلا کا حاضر جواب اور ذہین و فطین جس نے اس کی گو گو مامتا کی گرمی سے گرنا دیا اور درو دیوار کو اپنی معصوم تلقاریوں کی سہک سے مہکا دیا اس کی کل کائنات اس کے گرد گھومتی تھی وہ اس کی سب سے قیمتی متاع تھا۔ انہی سوچوں میں گھری وہ نہایت دلکش رنگوں سے مزین حذیفہ کے کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ سامنے ہی بیڈ پر دراز سفید اور چامنی امتزاج کے کبل میں محو استراحت حذیفہ پر کسی سلطنت کے شہزادے کا گماں ہوتا تھا یا شاید برماں کے لیے اس کا بیٹا شہزادہ ہی ہوتا ہے۔

اس کی سیاہ آنکھوں کے غلاف قدرے ابھرے اور عالم خواب میں بھی بے حد نمایاں تھے کمرے میں بیٹران ہونے کے سبب پر حدت سانس چہرے پر گلابی بیت کا گہرا عنصر بکھیر رہا تھا اور اس کے بے حد گلابی ہونٹ باہم پیوست۔ بے تماشہ خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ عالم خواب میں اس قدر وجہ و کھیل لگ رہا تھا کہ اسوہ اس کی نیند میں خلل برپا ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے محبت پائز نگاہوں سے وہ تک رہی تھی جب دامن گیر ہو۔ تہنہ کی کے احساس نے اسے حیران کر ڈالا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ رخساروں تک۔ گئے اور گیلی سطح پر پھیلے تو خود ساختہ اور لا یعنی سوچیں نے اس کے شعور کو جکڑ لیا اس کا دل بری طرح گہرا اٹھا۔ دامن میں سر پختی مننی

سوچوں سے سر جھٹکتے ہوئے حذیفہ کے بیڈ کے قریب
دوڑا نو ہو کر بیٹھ گئی۔ بہت محبت سے اس کے بالوں
میں انگلیاں پھیریں اور اپنے ہونٹ اس کی پیشانی پر
ثبت کیے۔

”حذیفہ میری جان۔“ محبت سے لبریز ماما کے
بے اختیار کرتے جذبول۔ سے گندھے الفاظ اس کے
لبوں کی قید سے آزاد ہونے تو وہ بھی ماما کہتا ہوا اس
سے لپٹ گیا۔ شاید ماما کی لمس کی تمازت محسوس
کر کے وہ بھی بے ہدار ہو چکا تھا۔

”حذیفہ کیا آج اٹھنے کا موڈ نہیں آپ نے پیپر کا
بھی ریواؤز نہیں کیا۔ ٹائم دیکھا ہے سات بج رہے
ہیں۔“ اسے یوں ہی خود سے لپٹائے وہ بولی۔
”ماما میرا آج اسکول جانے کا بالکل موڈ نہیں۔“
اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ منہ بسور کر چھٹی کرنے
کی خواہش دل میں لیے چل اٹھا۔

”آج آپ کا پیپر ہے اینڈ چھٹی ناٹ الاؤڈ،
اسکول نہیں جائے گا میرا بیٹا تو پڑھے گا کیسے اور پڑھے
گا نہیں تو پاپا کی طرح ملک و قوم کی خدمت کیسے کرے
گا۔“ اسوہ نے اس کے گلابی اور نازک چہروں میں
سلپہ پہنائے۔

”اوکے میں اسکول جاؤں گا مگر ایک شرط پر۔“
”کون سی شرط۔“ اس نے شرط جانبد کی تو اسوہ کی
استفہامیہ نگاہیں اس کے چہرے پر شہر گئیں۔

”آج پک اینڈ ڈرنپ کی ذیوٹی پاپا کی ہوگی میں
ڈرائیور کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“ اسوہ نئی مشکل میں
پھنس گئی اور تڑپا تو خود جلدی نکلنے والا تھا وہ اسے کیسے
روکتی۔ اتنے میں ارتضیٰ بھی وہاں آ گیا۔ وہ کبھی حذیفہ
بہ نے بغیر باہر نہیں جاتا تھا۔

”انھہ گیا میرا پرنس۔۔۔۔۔“ ارتضیٰ نے کہا تو وہ دوڑ کر
اس سے لپٹ گیا۔

سانحہ پشاور سے شہداء کے نام

میرے خون سے کھیلنے تجھ کو مٹائے گا میرا خون
ایک دن بولے گا اور رگت لائے گا میرا خون
میری بہادری تو دیکھ تیرے سامنے میں ڈٹ گیا
اک سپاہی کی اولاد ہوں۔ پاپا جیسے گا میرا خون
میری شہادت کی قسم روز قیامت نہ معاف کروں گا تمہیں
میرے والدین کے بے بس آنسوؤں اور استہلا خدا کو سنائے گا میرا خون
میرے ملک میں امن پیار مثبت ہوگا ایک دن دشمنوں
تجھے تیرے انجام تک پہنچائے گا میرا خون
میں پھول کھلا تھا اک حسیں باغ میں تو کیوں مجھے نوح لیا
خدا کی قدرت سے اور پھول اس باغ میں کھلائے گا میرا خون
بدلے ضرور لیں گے خدا کی مدد سے تیرا میرے زین
رائیگاں نہیں جانے دے گی یہ قوم تیرا خون
صبا ہالیاس..... ماہندر

”پاپا۔“

”جی پاپا کی جان۔“ ارتضیٰ نے بیڈ پر بیٹھ کر اسے
گو میں بیٹھا لیا جب وہ لاڈ سے بولا۔

”پاپا آج آپ مجھے اسکول چھوڑنے جائیں نا۔“
”حذیفہ پاپا لیٹ ہو رہے ہیں وہ آج نہیں جاسکتے
کل نکالو والا پرائس، میں خود اپنے بیٹے کو ڈراپ کر دوں
گا۔“ ارتضیٰ نے محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

”کل کس نے دیکھی ہے مجھے آج آپ کے ساتھ
جانا ہے تو مطلب آج ہی جانا ہے۔“ حذیفہ کی بات
سن کر اسوہ کا دل کسی نے ٹھی میں جکڑ لیا اور اس کے
سکراتے لب لبوں میں سکڑ گئے۔

”کیا ہو گیا ہے ارتضیٰ آپ میرے بیٹے کی اتنی
سی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔“ وہ تڑپ کر آگے
بڑھی اور قدرے ٹھی سے گویا ہوئی ساتھ ہی آنکھوں
سے نمی چھٹکتے کو بے تاب تھی۔ اسوہ کے جذباتی
انداز اور بچے کے سامنے اس قدر تلخ آواز پر ارتضیٰ

شیت پر اس کی شب خوابی کے سبب پڑی سلوٹوں کو بھر پور محبت سے درست کرنے کی نیت سے آگے بڑھی جب لینڈ فون کی چنگھاڑتی بیل نے اس کی توجہ کے ارتکاز کو توڑ ڈالا۔ وہ کام ابھورا چھوڑ کر فون کی سمت متوجہ ہوئی اور جو خبر اس کی سماعتوں سے گزری وہ قیامت سے پہلے قیامت برپا کرنے کو کافی تھی۔ دل پر ہاتھ رکھتی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیوار کو کھتی رہی۔ دل دو ماغ بس سائیں سائیں سر رہا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہوئیں اس کی بند ہوئی آنکھوں میں حذیفہ کا چہرہ ابھرا اور پھر ہر شے عین تاریکی میں محو ہو گئی۔



ظلم و بربریت کی ہولناک داستان جس نے خون ریزی کا جان نسل کھیل کھیلایا۔ معصوم کلیوں کو کھلنے سے نبل ہی خاک میں ملا دیا۔ سفاکیت اور بے حسی کی ایسی الم ناک تحریر جس نے تاریخ کو دہلا دیا۔ ماؤں کے کیچے چیر کر دل نکال لیا ایسا تاریخ ساز واقعہ جس نے عالم اسلام کے سینے میں خنجر گھونپ کر آہوں کا طوفان برپا کر دیا۔ خاک، زراتے ان چاند چہروں میں ایک چہرہ اسوہ کے دل کا چین پانچ سالہ حذیفہ کا بھی تھا۔ وہ حذیفہ جس نے اسے ماں کے درجے پر فائز کر کے اسے دلکش اور کیف آگئیں جذبے کے حصار میں قید کیا۔ تب اس کی زندگی کو اپنی معصوم مسکراہٹوں سے مزین کیا جب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی۔ وہ اس کی خوشیوں کا محور تھا جس نے اسے ہمہ وقت کی معروفت سے دوچار کیا۔ اسے مقصد حیات عطا کیا وہ اس کا نور نظر تھا اور اس کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی تھی کہ حذیفہ کی پیدائش کے بعد وہ مزید بچوں کو جنم دینے کی صلاحیت کھو چکی تھی تب ہی اس کا تمام پیار اور توجہ صرف حذیفہ میں ہی سمٹ آئی تھی کبھی کبھی حذیفہ کے

اچھا خاصا شاکی ہوا جو اپنے بیٹے کے لاڈ پیار میں اکثر ہی غیر معمولی جذباتیت کا شکار ہو جاتی تھی جبکہ ارتضیٰ کی گھورتی الزامیہ نگاہوں کا مفہوم پڑھ کر اسوہ اچھا خاصی خاکف ہوئی۔

”نومیشنگ کینسل..... آج ارتضیٰ حیدر صرف اپنے بیٹے کی ذیولٹی پر مامور ہے۔ چلو اب جندی سے تیار ہو جاؤ۔“ اس کے نرم رخسار کو ہولے سے چھو کر اس نے کہا۔

”آپ درلڈ کے بیسٹ پاپا ہیں۔“ اس کے گلے میں بانہیں ڈالے وہ لاڈ سے بولا اور ہرن کی طرح قلائچیں بھرتا کمرے سے باہر وائش روم میں مس گیا۔ جبکہ ارتضیٰ موبائل کان سے لگا کر میٹنگ کا شیڈول چنچ کرنے کی ہدایت جاری کرتا کمرے سے نکل گیا۔

”گند بائے ماما۔“ اسکول کے لیے بالکل تیار کمرے حذیفہ نے اس کے رخسار کو چومتے ہوئے کہا اور کب سے گاڑی میں محو نظار ہارن پر ہارن بجاتے ارتضیٰ کی سمت پکار لہوں میں گاڑی کا انجن غرایا اور دائیں بانیں پھیلے بزمے کے سمندر کو چیرتے بھورے چمک وارسنگ مرمے سے مزین روش پر پھسلتی گاڑی، داخلی گیت عبور کر گئی تو ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کرتی وہ واپس لاؤنچ میں آگئی۔ عروسہ (ملازمہ) کو کام سمجھا کر اس نے عمر (بیٹ مین) کو بلایا اور سامان کی لسٹ تھمائی۔ آج حذیفہ نے چکن منچورین اور چائیز رائس کی فرمائش کی تھی۔

”بی بی جان! کیا حذیفہ بابا کے کمرے کی صفائی کر دوں۔“ اور بیٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے عروسہ نے اسٹنڈ مار کیا تو وہ نفی میں سر ہلانی اٹھ گئی۔

”نہیں عروسہ تمہیں پتا ہے کہ حذیفہ کے کمرے کی دیکھ بھال میں خود کرتی ہوں۔“ حذیفہ کے کمرے میں پہنچ کر اس نے بٹھری چیزیں سینٹا شروع کیں۔ بیڈ

سمیرا راجہ

اسلام علیکم تو آل آج کل فیملی کیسے ہیں آپ سب؟ میرا نام سمیرا ہے تک نیم بلوائنڈ ٹومی ہے۔ میں نے ۶۶ ستمبر کی پیاری صبح اس دنیا میں رنج و قدم فرمایا میرا ایک بھائی ہے ہم سات بہنیں تھیں پر اب صرف چھ ہیں۔ میری بڑی بہن اب اس دنیا میں نہیں رہیں دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب کریں۔ میں آزاد کشمیر کے کیوٹ سے گاؤں نعمانپورہ میں رہتی ہوں میں اور میری کزن انم آج کل باقاعدگی سے پڑھتی ہیں میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ”جنت کے پتے“ میرا فٹورٹ ناول ہے اور یہ ناول مدتوں میرے ذہن پر نقش رہے گا نمرہ احمد از مانی موسٹ فٹورٹ رائٹر۔ مدیحہ اور صنم میری فرینڈ ہیں مدیحہ کی شادی ہو چکی ہے۔ میری فٹورٹ ڈش بریانی ہے سکویت میں چائیس پسند ہیں۔ رنگ مجھے بھی اچھے لگتے ہیں رنگوں سے کھیلنا میرا مشغلہ ہے۔ ڈریسز میں لانگ شرٹ چھوڑی دار پارہا جامہ اور ساتھ لہبا سا دوپٹہ اور فرانس تو سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ جیلری میں کانچ کی چوڑیاں اور گلن پسند ہیں موسم بہار کا اچھا لگتا ہے پھول سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ بارش کی تو میں دیوانی ہوں۔ خواہشیں یوں تو بہت ساری ہیں پر سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہو جائے۔ مجھے خود خاموش رہنا اور دوسروں کو سننا اچھا لگتا ہے اپنی سسٹر حمیرا کے ساتھ بہت اٹیچ ہوں۔ میری خامیاں یہ ہیں کہ اعتبار کرنے میں بالکل دیر نہیں لگاتی خوبیاں یہ ہیں کہ جنورٹ نہیں بول سکتی چاہوں بھی تو نہیں۔ مجھے ایسے لوگ قطعاً پسند نہیں جو ہوتے کچھ ہیں اور نظر کھاتے ہیں۔ تمام ریڈرز کو یہی کہوں گی خوش رہیں خود بھی اور اپنے ذہن سے وابستہ تمام لوگوں کو بھی خوش رکھیں۔ اللہ پاک آپ سب کا اور میرا حامی و ناصر ہو اللہ حافظ۔

بارے میں اس کی حد درجہ حساسیت اور جذباتیت پر ارتضیٰ اچھا خاصا چڑھ جاتا مگر وہ بے بس تھی اس جذبے کے سامنے جس عرف عام میں ”مامتا“ کہتے ہیں۔ وہ بے اختیار اور لاچار تھی اس رشتے کے سبب جسے ”ناں بیٹے کا رشتہ“ کہا جاتا ہے۔

اس کا دل کسی نے ہنسی میں بھیج لیا۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا وہ بھاگتی ہوئی بے تابی سے لان میں آئی سامنے ہی چھوٹے سے تابوت میں اس کا لخت جگر موت کی گود میں سر رکھے ابری نیند سو رہا تھا موت کا سفاک منظر اس کی مانتا سے جیت گیا۔ دائیں بائیں خاکی وردی میں ملبوس کینڈے ہی سپاہی سر بھکائے مؤدب سے کھڑے تھے۔ اس کی ناگوں سے جان ختم ہو گئی اور وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

”مما آج چکن منچورین اور چائینیز رائس بنا لیجیے گا۔“ حذیفہ کی نٹ کھٹ اور نرم آواز اس کے شعور میں گونجی۔ اذیت کا کرب ناکہ کھیل اس کی سانسوں پر چلنے لگا۔

آرمی پبلک اسکول آف پشاور پر دہشت گردی کے عفریت اور خون میں لہتی خونچکاں حکایت کا سن کر وہ ہوش کھو بیٹھی تھی اور آنکھ کھولتے ہی اسے ارتضیٰ نظر آیا تھا جو اس پر جھکا کچھ کہ رہا تھا۔

”حذیفہ۔“ اس کی آواز سرگوشی سے بلند تھی۔

”حذیفہ کو الوداع کہو تاکہ وہ اپنی آخری پناہ گاہ میں جا سکے۔“ سرخ ڈوروں سے بھر پور نگاہیں ٹھٹھے کی رائیڈ سفید پڑی رنگت اسوہ پر جما کر ضبط کے کڑے مراحل طے کرتا ارتضیٰ اسے کونکوں کی بھٹی میں دھکیل گیا۔ جو اب وہ ٹھی میں سر ہلاتی اٹھ بیٹھی دو آنسو خاموشی

درست نہیں تھا۔ میرے جی بیٹے میری خواہش تھی میرے جنازے کو تم کندھا دیتے تمہیں بڑھتے دیکھنا میری اولین آرزو تھی۔ مگر قسمت ہم دونوں کے لیے بے رحم نکلی۔ تمہارا جنازہ میرے کندھے پر ہے اور تمہیں لحد میں میں خود اتار دوں گا۔ میرے بہادر بیٹے مجھے تازے تم پر تم نے کس قدر بے باکی سے موت کا مقابلہ کیا مگر یہ سچ ہے تمہارے جانے کے بعد جسم میں تمکاوٹ اتر آئی ہے تمام توانیاں دم توڑ گئیں ہیں تمہارے باہا کا خوشیوں سے ناطہ ٹوٹ گیا الوداع میرے بیٹے خدا تمہارا دائمی سفر آسان کرے۔“

تابوت کا ایک کنارہ پکڑے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کیپٹن ارتضیٰ حیدر رضو کھو بیٹھا۔ گرم گرم پانی کے قطرے لہجہ بہ لہجہ اس کی آنکھوں سے پھلکنے لگے کلمہ شہادت کی صدا آئیں ہر سو فضاؤں میں بلند ہونے لگیں اور ان صداؤں سے اس کا سینہ شق ہونے لگا۔

سرسام اترتی دھند، گھروں کو لوٹتے پرندے، شام میں ملتی شہب فضاؤں میں اترتی شمشک، افق کے کناروں پر پھیلتی سندھوی رنگت، آسمان کے سینے پر پھیلی تاریکی، ہواؤں سے سرسراتے پتوں، درود یوار میں اترتی ویرانی، آنسو سے تر چہرے، انسانیت کو لٹکارنے وحشت ناک سنا۔ نے، سفاکیت کی تحریر کا اقرار کرتی ویران گودیں اور شہب گزیدہ سحر ہراک کے لبوں پر ایک ہی بین کر لارہا تھا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

الوداع ننھے شہیدوں الوداع



”کل کس نے دیکھا ہے۔“ ایک اور سرگوشی بے بسی کا شدید اور بے کل کرنا احساس اس کا سینہ چھلنی کرنے لگا۔

”حذیفہ.....“ درد آواز کی صورت اختیار کرتا آسمان کا سینہ شق کرتا فضاؤں میں اتر گیا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

”حذیفہ انھو میری جان۔ میری گود کو سونا مت کرو، یہ آنگن تو تمہارے دم سے آباد تھا۔“ گرتی پڑتی وہ اس کے تابوت تک پہنچی اور سر رکھ کر بے ساختہ چلائی۔

”اسوہ سنبھالو خود کو..... حذیفہ کا سفر مشکل صحت کرو۔“ ارتضیٰ نے پیچھے سے آ کر اسے تھاما جو اس مضموم موت پر خود بھی ٹوٹ گیا تھا۔

”حذیفہ کا سفر..... ارتضیٰ میرا پچھا اس قابل ہے کہ منوں مٹی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ کیا اس کی عمر اتنی ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اس سفر پر گامزن ہو۔“ اس کے لہجے میں عجیب سے گرلا نہیں تھیں۔ ارتضیٰ نے بے بسی سے دیوانوں کی طرح چلائی اسوہ کو دیکھا اور آرمی کے سولجرز کو تابوت اٹھانے کا اشارہ کیا۔

”نہیں..... میرے حذیفہ کو مت لے جاؤ، ارتضیٰ اسے میرے پاس رہنے دو، وہ اندھیرے میں ڈر جائے گا ارتضیٰ یہ چلا گیا تو مجھے ماما کون کہے گا میرے آنگن کی رونقیں کون آباد کرے گا۔ میں دعا کس کے نیچے مانوں گی۔“ وہ روٹی ہوئی اس کے قدموں میں گر گئی۔ عروس نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا وہ بے تاب ہو کر دوڑا با آغوش لہجہ بہ لہجہ اس سے حذیفہ کو دور لے جا رہے تھے وہ دھاڑیں مارتی ہوئی بزرگھاس سے پیچھے فریض پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی حسرت سے اپنی سوتی گود کو دیکھا۔

”حذیفہ زندگی اور موت کے سوئے کا یہ وقت



www.bookstube.net/
http://www

تمنا دل

نادیہ فاطمہ رضوی



بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو
بس اب ایسا کرو تم سایہ دیوار ہو جاؤ
ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حال دل اپنا
مگر لکھنا تبھی جب لائق اظہار ہو جاؤ

رہا پھر سامنے دھری کرسی پر بیٹھ کر آہستگی سے گویا ہوا۔
”لگتا ہے آج بہت تھک گئی ہو۔“ ذیشان کی آواز
کمرے میں گونجی تو ناچار اس نے اپنی آنکھیں کھول کر
اسے دیکھا پھر سر ہلا کر نرمی سے کہا۔

”ہاں شاید بہت تھک گئی ہوں اب دل چاہتا ہے کہ
ڈھیر سا آرام کروں گہری نیند ہو جاؤں تاکہ میرے روم
روم میں رہتی یہ ممکن اتر جائے۔“

”رامیہ تم کیوں خود کو دوسروں سے الگ تھلک رکھتی ہو
عائشہ نامہ اور نازش کی طرح کیوں سب سے کھل کر
نہیں رہتی؟ بسا بولا کرو۔ اس گھر کی سرگرمیوں میں حصہ لیا
کرو آخر تم اور ریموں سے الگ تھوڑی ہو۔“ وہ ہمیشہ کی
طرح اسے پھر آجمانے بیٹھ گیا تھا۔

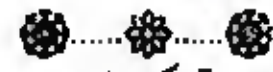
”بس الگ ہوں ذیشان! یہ گھر میرا نہیں ہے
یہاں رہنے والے لوگ میرے اپنے نہیں ہیں اور نہ ہی
اس گھر کے کینوں کے دلوں میں میری حیثیت نامہ
نازش اور عائشہ جیسی ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح
جاننے ہو پھر مجھ سے جھوٹ کیوں بولتے ہو۔“ رامیہ
اسے بغور دیکھتے ہوئے کھیلے لہجے میں بولی پھر سخت
سے سر جھٹک کر گویا ہوئی۔

”مجھے بھی اس گھر اور یہاں کے رہنے والوں کو اپنا
کہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ رامیہ کی بات پر وہ محض اسے
خاموشی سے دیکھتا رہ گیا وہ کچھ نہ بولتا بھی نہیں کہہ رہی تھی یہ
حقیقت تھی کہ اس گھر کے لوگوں کے لیے وہ ناپسندیدہ ہستی
تھی وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ اچانک دستک

سورج کی کرنیں چہار سو پھلیں آسمان کو حسین ترین
رہی تھیں دن بھر کا تھکا ماندہ سورج اپنی گود سے تمام
روشنیوں کے جگنو آسمان کو سونپ کر غروب ہونے کی
تیار یوں میں محو تھا۔ چہچہاتے سر الاپتے پرندے اب
اپنے اپنے آشیانوں کی جانب سر درو شاواں بولتے رہے
تھے شام کی شہزادیاں خراماں خراماں رخصت ہوتی رات کی
پریوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں وہ روز اپنے کمرے کی
واحد کھڑکی سے ڈھلتی شام اور آتی سیاہ رات کا منظر بہت
توجہ اور گہرائی سے دیکھتی تھی اور ہمیشہ ان اڑتے پرندوں کو
اپنے اپنے ٹھکانوں کی جانب بولتے ہوئے دیکھ کر سوچا
کرتی کہ کتنی خوش نصیب مخلوق ہے جو اپنے بے سکون
گھونسلوں میں جا کر چین کی نیند سوتی ہے ہر طرح کی فکر و
اضطراب سے بے نیاز اپنوں کے سنگ سوچ کے ساغر
میں ڈبکیاں لگاتے لگاتے ہمیشہ کی طرح رات کے آنکھ
نے دیکھتے ہی دیکھتے فلک کو اپنی سیاہی سے ڈھانپ لیا تھا
اور اب آسمان میں ستارے نیا جہاں آباد کیے چاند کی آمد
کے منتظر تھے جو بادلوں کی اوٹ میں چھپا اپنا جلوہ دکھانے
کے لیے کسی شوخ محبوب کی طرح آنکھیں میاں کر رہا تھا
رامیہ نے ایک تھکی تھکی سانس فضا میں خارج کی اور کھڑکی
سے ہٹ کر اپنے بستر پر بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر
آنکھیں موبد لیں جب ہی ہلکی سی دستک دے کر کوئی
ناموشی سے اندر چلا آیا۔

رامیہ بخوبی جانتی تھی کہ اس وقت اس کمرے میں کون
آیا ہے وہ چند لمبے سے ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا دیکھتا

وے کر غراب سے نامنما اندر داخل ہو کر دکھائی سے بولی۔
 "اگر یہاں سے فرصت مل جائے تو نیچے ذرا ننگ روم
 میں تشریف لے آئیے پھوپھو اور ارمان بھائی آئے ہوئے
 ہیں۔" رامیہ ایسے طنزیہ جملوں کی عادی تھی لہذا نامنمہ کی
 بات پر اسے کوئی فرق نہیں پڑا البتہ ذیشان تیزی سے اٹھ کر
 کمرے سے باہر چلا گیا۔



"یا اللہ یہ اچھی صورتیں کس کے نصیب میں ہوتی ہیں
 ایک آدھ ہیں پلیز مجھے بھی دے دیجیے نا! آف کیا
 غضب کی شخصیت تھی کاش یہ شخص میرا مقدر بن جائے۔"
 عقیفہ حسب معمول اپنا راگ الاپ رہی تھی جب کہ نوٹ
 بک پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے رامیہ کے ہونٹوں پر
 مسکراہٹ بھی بکھر رہی تھی جبکہ ایسا شاد و نادر ہی ہوتا تھا
 طوبی رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دی اسے اپنی یہ
 انوکھی اور دنیا سے ناراض سبکی دل و جان سے عزیز تھی۔

"رامیہ یہ اپنی حقیقتی دل پھینک رہیں مزاج اور ظہری
 لڑکی ہے کہ ہر نیا بندہ دیکھ کر اس کی آنکھیں ماتھے تک حل
 جاتی ہیں اور پورے تیس دانت فوراً باہر آ جاتے ہیں۔ خدا
 کے واسطے لڑکی کچھ تو حیا کا دامن پکڑ لے آخر اس سمجھو ری
 لڑکی سے ہم نے کیوں دوستی کر لی رامیہ! " آخر میں طوبی
 مصنوعی پشیمانی سے بولی تو رامیہ کھل کر مسکرا دی، پھر ملن
 انداز میں گویا ہوئی۔

"تم فکر مت کرو یہ ایسا بادل ہے جو گر جتا ہے برستا
 نہیں! بس یہ صرف دور سے بیٹھ کر آہیں بھرنے اور دہائیاں
 دینے کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی۔"

"تو کیا کروں رامیہ! مجھے کوئی لفت ہی نہیں دیتا۔"
 عقیفہ روٹی صورت بنا کر بولی اس وقت وہ اپنے کمپس
 کے لائن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہیں کس سے لفت لینے کی چاہت ہو رہی ہے؟
 وہ پتھرس ڈی پارٹمنٹ کا اظفر نقیل یا پھر انکس ڈی پارٹمنٹ
 کے عمر کا تھی کی توجہ چاہیے۔" طوبی اسے چھیڑنے کے
 انداز میں بولی تو عقیفہ براسا منہ بنا کر بولی۔

"افویار! یہ دونوں تو پرانے ہو گئے تم نے شاید اس کو
 دیکھا نہیں آج میں نے اسے کمپس کی پارکنگ پر دیکھا
 تھا! آف کیا جتاؤں طوبی میں تو اسے دیکھتے ہی دل ہار
 بیٹھی۔" بولتے بولتے عقیفہ آخر میں اپنے دل پر ہاتھ
 رکھ کر ہلک کر بولی۔

"دیکھا رامیہ! تم نے کتنی کمینٹی لڑکی ہے یہاں سے اپنے
 فخرت پن میں اس نے لڑکوں کو بھی مات دے دی ہے۔"
 طوبی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے رامیہ
 سے مخاطب ہو کر بولی جو ہنوز نوٹ بک پر جھگی ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں خود کے پیروں میں تو مگنی کی زنجیر پڑی
 ہوئی ہے نا تب ہی میری آ زاوی سے جلتی ہو۔" عقیفہ اس
 پر چڑھ دوزی اور پھر حسب معمول دونوں میں تکرار شروع
 ہو چکی تھی۔ رامیہ نے اطمینان سے نوٹ بک بند کی اس کا
 کام مکمل ہو چکا تھا۔

"تم دونوں پلیز بعد میں لڑ لینا پہلے کینٹین چلو مجھے
 بہت بھوک لگ رہی ہے آرزو ناشتا بھی گول ہو گیا تھا۔"
 "کیا..... تم نے ناشتا نہیں کیا ارے پاگل پہلے کچھ کھا
 لیتی اب تو ایک بجنے والا ہے تم اتنی دیر سے بھوکی ہو۔"
 طوبی حیران ہوتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولی تھی
 عقیفہ بھی رامیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اٹس اوکے یار مجھے عوت ہے اکثر میں کھانا بھی
 گول کر جاتی ہوں اب پلیز کینٹین چلو مجھ سے مزید بھوک
 برداشت نہیں ہو رہی نکل مارتی تھی ایسے ہی ہو گئی تھی۔"

"رامیہ میری جان! تم اپنا خیال کیوں نہیں
 رکھتیں۔" رامیہ کی بات سن کر طوبی اور عقیفہ انتہائی مغموم
 سی ہو گئیں وہ دونوں رامیہ کے گھر کے ماحول اور ان
 کے کینوں کے سلوک سے۔ بخوبی واقف تھیں جب ہی
 عقیفہ دل گرگی سے بولی۔

"ارے تم دونوں فکر کیوں کرتی ہو بہت سخت جان
 ہوں میں اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی۔" رامیہ طنزاً بولی تو
 عقیفہ اس سے تیزی سے لپٹ گئی۔

"اگر ایسی بات آئندہ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا



لہذا آرام سے ٹیبل پر آ کر بیٹھ جاؤ۔ مسز ابراہیم اپنے بیٹے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اس نے سرے منہ بنا تا ہوا کرسی پر ٹپک گیا۔

”مما یہاں میرے کوئی دوست نہیں ہیں اور کیسپس میں پہلے ہی دن سب ایک دوسرے سے دوستیاں کر لیتے ہیں پھر وہ کسی کو اپنے گروپ میں شامل نہیں کرتے۔“ اس نے جلدی جانے کا جواز بتانے ہوئے بولا۔

”ہائی بیک سن! بن جائیں گے تمہارے دوست تم اس بات کی فکر مت کرو۔“ ابراہیم صاحب اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے تو: چار اس نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھام لیا۔

آج پورے کیسپس میں بڑی گہما گہمی رہی نیا سیشن شروع ہو چکا تھا لہذا ہر جگہ نئے چہرے بے فکر انداز میں قہقہے بکھیرتے اور ایک دوسرے پر شوخ جملے اچھالتے نظر آ رہے تھے عقیفہ صاحبہ ہر پہرے پر نگاہ ڈالتی کہ شاید وہ پارکنگ والا ڈرائیونگ ہندہ اسے دکھائی دے جائے مگر ہر بار وہ ناکام ہو جاتی۔

”ہوسکتا ہے وہ یہاں کا اسٹوڈنٹ نہ ہو ایسے ہی کسی کام سے آیا ہو۔“ طوبی اس کی سب سے بڑی دیکھ کر بولی۔

”ہوسکتا ہے مگر کاش وہ... وہ دیکھو... وہ کھڑا ہے۔“ مایوسی سے بولتے بولتے اپنا ننگا عقیفہ فرط جنابت و خوشی سے مغلوب ہو کر ٹپک کر بولی۔ بے ساختہ رامیہ اور طوبی نے بھی عقیفہ کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا جو جینوز پر رف سی اسٹین رنگ کی ٹی شرٹ آنکھوں میں بلیک گلاسز لگائے واقعی وہ شخص بہت سی نگاہوں کا مرکز بننے کا اہل تھا جب کہ بوکن ویلا کی کنج، قریب کھڑے عاقین علی شاہ کی تیز نگاہوں نے ان تینوں کو خود پر نگاہ مرکوز کیے بخوبی دیکھ لیا تھا۔

”اچھا اب دیکھ لیا تاں نے اپنا لوگو کیا خیال ہے اب گھر چلیں۔“ طوبی عقیفہ سے بول کر اپنے موبائل سے ذرا ریور کالون کرنے لگی۔

”بھئی۔“ وہ گلو کیمرے میں بولی ڈیوٹی کی آنکھوں میں بھی نئی ٹیبل گئی رامیہ بھی جیسے چپ سی ہو گئی پھر مسکرا کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”اچھا بابا!... اب پلیز کینٹین چلو۔“

”ہاں بھئی چلو ورنہ یہ بھوکی کہیں ہمیں ہی نہ کھا جائے۔“ طوبی ہنستے ہوئے اٹھ کر بولی تو رامیہ اور عقیفہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ابراہیم صاحب تیار ہو کر نشے کی میز پر آئے تو ہمیشہ کی طرح مسز ابراہیم کو انتہائی فریش موڈ میں ملازم کے ہمراہ ناشتے کی میز سجاتے ہوئے دیکھا انہیں دیکھ کر ابراہیم صاحب اندر تک تروتازہ ہو گئے۔

”کھج بھئی مسز ابراہیم!“ وہ ہمیشہ اپنی بیوی کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے مسز ابراہیم نے بھی مسکرا کر انہیں ”بھئی“ کہا کہ اتنی دم اس نے بھی غفلت میں ڈائٹنگ ہال میں داخل ہوا اور دونوں کو گڈ مارنگ کہہ کر ہائے بول کر جانے لگا۔

”ارے ارے بر خوردار! ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو یونیورسٹی کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے چلو پہلے ناشتا کرو۔“ ابراہیم صاحب اسے ٹوکتے ہوئے بولے تو وہ رک گیا۔

”پاپا پلیز مجھے جانے دو بیچتا ج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے مجھے کئی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ اس نے ہوا کر بولا۔

”شاباش بیٹا یوں لڑکیوں کی طرح گھبرا شرمنا کر تم اپنے باپ دادا کا نام خوب روشن کرو گے غالباً آج عاقین کا بھی پہلا دن ہے وہ موصوف کہاں ہیں۔“ ابراہیم صاحب بگڑیا ہوئے۔

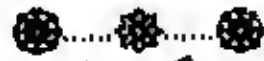
”پاپا! عاقین بھائی تو اس دنیا میں بہت اٹو کھا نہیں ہیں وہ تو پورا آسٹریلیا کرسور ہے ہیں مگر مجھے وقت پر جانا ہے۔“ وہ بار بار اپنی کلانی پر بندھی رسٹ واچ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”بیٹا ہم تمہیں خالی پیٹ ہرگز نہیں جانے دیں گے“

"اس بندے کو دیکھ کر دل تو نہیں چاہ رہا مگر گھر تو چلنا ہے۔" عقیقہ لا جارہی سے بولی۔

"لو کے طوبی عقیقہ میں بھی نکلتی ہوں ورنہ پوائنٹ مس ہو جائے گی۔" رامیہ عکالت میں بولی۔

"یار میں تمہیں ہر بار کہتی ہوں کہ میرے ساتھ گاڑی میں چلو مگر تم ہر بار منع کر دیتی ہو۔" یہ کہہ کر وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر نکل گئی تو عقیقہ اور طوبی دونوں ایک دوسرے کو محض دیکھتے رہ گئیں۔



وہ منتشر سوچوں میں گہری پراگندہ ذہن اور تھکے وجود سمیت مہنگ و لا میں داخل ہوئی تو نازش اور عائشہ کو ہادام کے درخت کے نیچے رکھے ٹکڑی کے جموں لے کر بیٹھے پایا جو انتہائی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسے یاد دیکھ کر نازش نے عائشہ کے کان میں کچھ کہا تو دونوں ہلکے مالا کر ہنس پڑیں۔ ہمیشہ کی طرح رامیہ نے ان کے رویوں کو نظر انداز کرنا چاہا مگر اس بار وہ ایسا نہیں سکی اشتعال و ناگواری کی تندہر اس کے اندر سے اٹھی تھی جس نے پوری طرح سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ تنگانی ہوئی ان کے سروں پر جا پئی۔

"کیوں میرے چہرے پر کوئی لطیفہ لکھا ہوا ہے جسے پڑھ کر تم لوگ یوں قہقہہ لگا رہی ہو یا پھر تم دونوں کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہے۔"

"شٹ اپ رامیہ! وماغی توازن ہمارا نہیں تمہارا خراب ہو گیا ہے ہم بھلا تمہیں دیکھ کر کیوں ہنسیں گے۔" عائشہ بدتمیزی سے صاف بکر کر بولی۔

"شیر اچھی طرح جانتی ہوں تم دونوں کو دوسروں کی ذات پر کچھ اچھا لسنے اور غیبتوں کے علاوہ اتنی کیا ہے؟" رامیہ بہت کم کسی سے الجھتی تھی اور جب وہ الجھتی تھی تو پھر مقابل کو اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جاتی تھی۔

"جب کسی کی ذات عیب دار ہو تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے اس پر کچھ اچھا لسنے کی۔" عائشہ نے اسے مزید تیلیا اور پھران کے درمیان شدید تمیز پر شردن ہو گئی۔

"تمہیں کس نے حق دیا ہے یہ تم یوں کسی کے کردار کی دجیاں اڑاؤ کسی کی ٹیک نامی پر انگلی اٹھانا گناہ کبیرہ ہے سمجھیں۔" رامیہ طیش کے عالم میں تقریباً چلا کر بولی۔

"اونہہ پارسائی کا دعویٰ کرنے والے اکثر منہ کے تل گرتے ہیں رامیہ بی بی؟" عائشہ بدبو بولی تو رامیہ گویا جلتے نور میں جا گری۔

"بہت خوب دوسروں کے دامن میں کچھڑ کے چھیننے ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ تم سنے گریبان میں جھاٹو۔" رامیہ تنگ کر بولی۔

"عائشہ تم اس کے منہ کیوں لگ رہی ہو زلمے بھری بدتمیز اور تیز زبان کی لڑکی ہے یہ۔" نامہ اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تو ان لوگوں کا شور سن کر صالحہ چچی اور اسماء تائی اندر سے برآمد ہوئیں جنہیں دیکھ کر عائشہ اور نازش اور بھی شیر ہوئیں۔

"تائی ای! آپ اس رامیہ کو سمجھا لیں کہ یہ ہم سب سے بات مت کیا کر سکتی ہاں انسان رہتے ہیں اس جیسے جنگلی ڈیس اگر یہاں رہنا ہے تو انسانوں کی طرح رہے ورنہ جھگڑ میں چلی جائے۔" اسماء تائی ہر خند لہجے میں بولی۔

"ہاں ہاں چلی جاؤں گی مجھے بھی تم جیسے انسانوں کے درمیان رہنے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولی تو اسماء تائی انتہائی غضب ناک ہو گئیں۔

"کیوں اپنی ماں کی طرح چاند چڑھانے کا ارادہ ہے کیا خبر دار جو اس گھر سے جانے کا سوچا بھی ورنہ تمہارے تایا سے کہہ کر تمہاری فیس تڑوا دوں گی سمجھیں۔" وہ تھملا کر بولیں جب کہ رامیہ تائی کے منہ سے لفظ ماں سن کر یوں خاموش ہوئی جیسے کسی نے چلتی مشین کا ٹرن اجا تک بند کر دیا ہو وہ پھر وہاں رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر چلی گئی جب کہ چاروں خواتین اونہہ کر کے رہ گئیں۔

"بھائی مجھے تو زیٹان کے مستقبل پر خوف آتا ہے نجانے بھائی صاحب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس دو گز کی لمبی زبان کی لڑکی کو اپنی بہو بنانے پر بھند ہیں۔" سب سے پہلے صالحہ چچی نے زہرا گلا تھا۔

آئی مگر وہ ان سنی کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی کہ اچانک ایک لڑکی جو کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی خوراپٹھی اور بے ساختہ رامیہ سے ٹکرائی۔ رامیہ کے ہاتھوں میں موجود کتابیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔

”اوہ آئی ایم سوری.....“

”اندھی ہو کیا یا پھر نظر کم آتا ہے محترم آپ کو۔“ رامیہ چیخ کر بولی تو وہ لڑکی اسے شہنشاہ کہنے لگی۔

”نجانے کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں۔“ رامیہ زمین پر بیٹھ کر کتابیں سمیٹتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھی بیک جنمز پر بیک کرتے ہیں اسی رنگ کا اسٹیکر لپے اپنے تھکے نعوش اور گورے رنگت کی بنا پر رامیہ بہت خاص لگ رہی تھی۔

”مس میں آپ کو سوری تو کہہ رہی ہوں۔“ وہ لڑکی نرا ماننے ہوئے بولی۔

”اس لفظ سے مجھے نفرت ہے ہندو بڑی سے بڑی خطا کر دے اور پھر یوں دے سوری۔“ نجانے وہ کس کا غصہ کس پر نکال رہی تھی اٹوٹی اور عقیقہ اپنی جگہ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ عاقبت علی شاہ کو مزید اس لڑکی کی بدتمیزی برداشت نہیں ہوئی تو وہ اس معاملے میں کودی پڑا۔

”آپ تو کافی ہنس لڑکی ہیں میری فریڈ آپ کو سوری کہہ رہی ہے اور اٹا آپ مسلسل ان کی بے عزتی کر رہی ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی مگر تھکے لہجے میں بولا تو رامیہ نے عاقبت کی جانب بگور دیکھا۔

”اوہ تو آپ ان کے نہایتی ہیں یا پھر بہت بڑے ہم ہر۔“ رامیہ اتنی بدتمیزی سے بولی کہ وہ بے عیبی کے عاقبت کی کینیاں جھنجھٹا لگی۔

”نجانے آپ کو کبھی نے میز نہیں سکھائے تھے یقین نہیں کہ اس یونیورسٹی میں آپ جیسے لوگ بھی پڑھتے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا مسٹر! آپ جیسے لوگ.....“ عاقبت کے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے بالکل ہی آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی آہستہ آہستہ ادھر ادھر کھڑے اسٹوڈنٹس

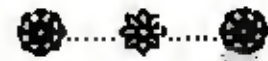
”ارے میں کیا کروں صالحہ! تم تو ان کی ضد سے واقف ہو اپنے مرتے بھائی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس آفت کی پرکالہ کو اپنے سر پر بٹھالیں گے اونہہ کم بخت اپنے ماں کے پوارڈے لے کر یہ جباہے گی کی کہاں۔“ اسماہ تائی چلے دل کے پھولے پھوڑتے ہوئے بولیں۔

”مگر بھائی یہ ذیشان کے ساتھ نا انصافی ہوگی یہ تو آنکھوں دیکھی تھی نکلنے والی بات ہوئی ناں۔“ صالحہ چنگ تاسف سے بولیں۔

”ایک لڑکی کے دل میں اپنی بھائی کو لے کر کتنے ارمان ہوتے ہیں امی اور یہ فقنا بھڑکی رامیہ..... رامیہ کیا ہماری بھائی بننے کے لائق ہے۔“ نازش نے بھی زہرا لگھا تھا۔

”اب میں کیا کر سکتی ہوں وہ ذیشان بھی تو دل و جان سے راضی ہے۔“ اسماہ تائی چڑ کر بولیں۔

”اونہہ..... اپنے پیچھے بولنا کہ جو بنا رکھا ہے اس رامیہ نے ذیشان جیسے سیدھے سادھے لڑکے کو۔“ عائشہ نخوت سے بولی۔



رامیہ کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے کا سستا پن بتا رہا تھا کہ یقیناً وہ بہت ڈسٹرب ہے طوٹی اور عقیقہ اسے صبح سے ہی نوٹ کر رہی تھیں کہ بیٹھے بیٹھے وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورے چلی جاتی ہے۔ سر عامر کی کلاس۔ لہ کر وہ تینوں باہر نکلیں کہ اچانک عقیقہ جوش سے بولی۔

”ہوئی وہ سامنے دیکھو بھل والا ایرو..... او مائی گاڈ آج تو بالکل نام کر دے لگد باند۔“

”رامیہ کیا خیال ہے یہ کینیاں نہ چلیں مجھے لگد ہا ہے کہ آج بھی تم نہار منہ ہی کیس آگئی ہو۔“ طوٹی عقیقہ کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

”نہیں میرا موڈ نہیں ہے میں لا پھر رہی جا رہی ہوں تم لوگ کینیاں چلی جاؤ۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولتی آگے بڑھ گئی تو دونوں تقریباً اس کے پیچھے بھاگیں جو تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔

”ارے رامیہ! سنو تو کسی۔“ طوٹی کی عقب سے آواز

گلے لگ کر اتنا بلک بلک کر رونا کہ عقیقہ اور طوبی کو سنبھالنا
ہی مشکل ہو گیا۔



رات کے کھانے کی میز پر ابراہیم صاحب نے عافین
کو ندر پا کر اس سے استفسار کیا۔

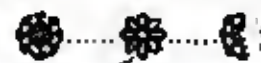
”بیٹا عافین کہاں ہے کھانے پر کیوں نہیں آیا؟“
”میں ان کے کمرے میں گیا تھا پاپا! وہ کہہ رہے
تھے کہ انہیں بھوک نہیں ہے۔“ اس کھانے میں
مصروف ہو کر بولا۔

”ارے ایسے کیسے بھوک نہیں ہے اس کی طبیعت
تو ٹھیک ہے۔“ مسز ابراہیم فکر مندی سے گویا ہوئیں۔
”رینیکس ماما! بھائی اکبہ ہے تھے کہ شام کو انہوں نے
اپنے دوست کے ساتھ کافی ہوئی اسٹیکس لے لیے تھے
لہذا بالکل بھوک نہیں ہے۔“ اس ہنوز لہجے میں بولا تو
ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم کچھ مطمئن ہو گئے۔

عافین اپنے کمرے میں بڑی بے چینی سے چکر لگا رہا
تھا بار بار نگاہوں کی اسکرین پر اس کی لڑکی کا چہرہ سامنے
آ رہا تھا عافین کو اس لڑکی کے رویے سے اپنی بے پناہ بے
عزتی محسوس ہو رہی تھی جب اس کی گھلی اسے وہاں سے
لے گئی تھی تو کتنے عو چہروں نے آنکھوں میں سعی خیز
مسکراہٹ لیے اس تجربے کی وجہ پوچھی تھی وہ اور اس کی
دوست دناش کتنے شرمندہ رہے تھے۔

”آخر کیا سمجھ کر اس جنگلی لڑکی نے مجھ سے اتنی بد تمیزی
کی میری توجہ حاصل کرنے کے لیے پاپا کوئی اور وجہ
ہے؟“ عافین تھک کر صوفے پر بیٹھ کر خود سے بولا پھر
انتہائی سلگ کر خود سے گویا ہوا۔

”وجہ جو بھی ہو نہیں، مجھ سے اپنے سلوک کی معافی
منگی ہوگی تم ابھی رافین علی شاہ سے واقف نہیں ہو۔“ پھر
اتھ کر ہاتھ نیسنے کی طرف سے دوش رو بہ میں چلا گیا۔



رامیہ جائے طلب میں بچن میں آئی تو وہاں بیٹھانی
کے نوکروں کو دوپہرا ایک پل کو لگی پھر سر جھٹک کر چوہے

بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

”رامیہ پلیز کول ڈاؤن چلو یہاں سے پلیز۔“ طوبی
اس کا بازو تھام کر لپچاچت سے بولی مگر رامیہ نے تو جیسے طوبی
کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

”تم ہونے کون ہو مجھ پر اتنی اٹھانے والے کیا سمجھتے
ہوہاں بولا آخر تمہیں اہمیت کیسے ہوتی میرے کردار.....“

”رامیہ خدا کے واسطے یہاں سے چلو۔“ طوبی
تیزی سے اس کی بات کاٹ کر رامیہ سے بھی اونچی
آواز میں بولی۔

”مس! اپنی فریڈ کو یہاں سے لے جائیے اور کسی
اجھے سائیکسٹرسٹ کو دکھائیے۔“ عافین علی شاہ استہزائیہ
آ میز بچے میں بولا تو طوبی تقریباً اسے ٹھٹھٹی ہوئی وہاں
سے لاجریری کے عقب کے نسبتاً دو میاں گوشے میں لے
آئی وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی تو طوبی نے اسے تشویش
بھری نگاہوں سے دیکھا۔

”تم ٹھیک تو ہونا رامیہ؟“
”مجھے کیا ہونا ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”رامیہ! تمہیں ہو کیا گیا تھا کیوں خواستہ اس
لڑکے سے الجھ گئی تھیں۔“ عقیقہ نے استفسار کیا تو وہ
جیسے پھٹ پڑی۔

”وہ لڑکا میری ذات کی دھمیاں اڑا رہا تھا اور تم کہہ رہی
ہو کہ میں اس گھٹیا انسان سے الجھ رہی تھی۔“

”رامیہ اس نے تمہاری ذرا پر اتنی نہیں اٹھانی تھی وہ تو
یہ کہہ رہا تھا کہ.....“

”بس طوبی اس کہنے کی طرف داری کرنے کی
ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ نے تلملا کر طوبی کی بات کاٹی۔

”جس کا جنبول چاہتا ہے میری ذات کو دو کوڑی کا
کر کے چلا جاتا ہے کیوں آخر کیوں میں ہی سب کی

پہلوئیاں سمون طفر طعنے برداشت کروں کیا میں عزت
دار لڑکی نہیں ہوں..... بدو طوبی کیا میں اچھی لڑکی نہیں

ہوں میری سستی درخ دار ہے؟ کیا میرا دامن میلا ہے.....
یہ طوبی بولا.....“ وہ اس کا بازو تھموز کر بولی پھر اس کے

پر چائے کا پانی رکھا اور وہیں رکھی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ جب ہی انتہائی عجلت میں نامہ اندرائی انتہائی تک سک سے تیار وہ اسے بھر پور انداز میں نظر انداز کر کے فریج میں سے کچھ نکالنے لگی پھر جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھ کر اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

"تم پلیز اس حلیے میں ڈرائنگ روم میں مت آ جاؤ! نارش کے سسرال والے بہت مہذب اور سلیقے کے لوگ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ جھپٹاک سے باہر نکل گئی جبکہ رامیہ کے اندر آگے ہی رہ گئی۔

"اؤنہہ..... میں کون سا شوق میں مری جاری ہوں۔" وہ جل کر خود سے بولی پھر چائے کا کپ تیار کر کے خاموشی سے چست پر آگئی۔ شفاف نیلگوں آسمان پر اجلا چاند اور افشاں کی مانند کمرے ستارے ماحول کو سحر انگیز بنا رہے تھے۔ نیکی و شہدنی ہوا اس پہل بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی یہاں آ کر رامیہ کے اعصاب کو یک گونہ سکون محسوس ہوا وہ گہری گہری سانس لے کر تازہ ہوا اپنے اندر اتارنے لگی جب ہی ذیشان دبے پاؤں اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو نیچے نارش کی سسرال والے اس کا منہ میٹھا کرنے آئے ہیں اور کھانا بھی آگیا۔" یہ سچو نیچے آؤ۔" ذیشان نرمی سے بولا تو رامیہ ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"وہاں کسی کو میری ضرورت نہیں ہے لور نہ مجھے ان سب کے پاس بیٹھنے کا عادت ہے۔" وہ آہستگی سے جذبات سے عاری لہجے میں بولی تو ذیشان اسے چند ثانیے دیکھا رہ گیا۔

"ذیشان! کیا تم میری ایک بات مانو گے؟" رامیہ کسی سوچ میں غلطاں ہو کر بولی تو ذیشان نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ "یہ منہ تو زردیہ منگنی ختم کرو ذیشان۔"

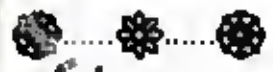
"کیا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو رامیہ! تم جانتی ہو کہ یہ منگنی چچا کی خواہش ہے۔ ہوئی تھی اور یہ بات تم کیسے سوچ سکتی ہو اپنے مرحوم باپ کا جو ارشہ توڑنے پر کیوں آمادہ

ہو۔" ذیشان پریشانی سے بولا۔
"ابو تو خود زندگی سے ناٹھ توڑ گئے مگر مجھے اس بربخ میں جلنے کے لیے چھوڑ دیا۔ انہوں نے کبھی میرے بارے میں نہیں سوچا ہمیشہ میرے ساتھ نا انصافی کی اور آخری وقت میں بھی مجھے وہ اس خاندان سے منتھی کر گئے۔" رامیہ زخمی لہجے میں بولی تو ذیشان نے اسے پریشان کن نگاہوں سے دیکھا۔

"رامیہ تم اس وقت بہت ڈسٹرب ہو ہم کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔" ذیشان ہلکے پھلکے انداز میں ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی غرض سے بولا۔

"تم نیچے جاؤ ذیشان! اس وقت وہاں سب کو تمہاری ضرورت ہوگی مگر میں یہ بات اپنے پورے ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں۔" رامیہ انتہائی سنجیدگی سے بولی تو ذیشان نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔
"رامیہ اب تم مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو۔"

"ہم پھر بات کریں گے ذیشان! اس وقت پلیز نیچے جاؤ ورنہ یہاں کوئی آ جائے گا تو مجھے ہی محتوب ٹھہرائے گا۔" رامیہ اس وقت درست کہہ رہی تھی ناچا ذیشان رامیہ پر ایک نگاہ ڈال کر تھکے تھکے قدموں سے مڑ گیا تو چپکے سے اس کی آنکھوں میں نمی دا آئی۔
"مجھے معلوم ہے ذیشان! تمہیں میری بات سے بہت دکھ پہنچا ہے مگر یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔" وہ خود سے بولی تھی۔



کیسپس میں آج فوب رونق لگی ہوئی تھی فائل اتر والے نئے آنے والے سٹوڈنٹس کو ویکم پارٹی دے رہے تھے۔ رنگ و نور کا جیسے سیلاب لٹ رہا تھا بے فکرے مسکراتے چہرے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کیسپس کر اسے یاد آیا کتنا آج پارٹی ہے لہذا کلاسز نہیں ہوں گی۔ طوبی اور عقیقہ اسے مخصوص حلیے میں دیکھ کر چلائی پڑیں۔

"خدا کو مانو رامیہ! یہ کیا تم سر جھما منہ پھاڑ کیسپس

سوچوں میں گم چلی جا رہی تھی جب اچانک ہی وہ سامنے آ گیا اگر رامیہ بروقت اپنے سروں پر بریک نہ لگاتی تو زور سے اس کے کشادہ سینے سے ٹکرا جاتی۔ بلو جنرل پر قیمتی وائٹ شرٹ پہنے وہ اسے سخت رُ لگا۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔" وہ چلا کر بولی۔

"محترمہ یہ کیا آپ ہر وقت بد تمیزی بد تمیزی کی رٹ لگائے رکھتی ہیں ابھی تو میں نے آپ سے کوئی بد تمیزی کی تھی نہیں۔ بہت مہذب طریقہ سے بات کر رہا ہوں اور آپ کے لیے بھی بہتر ہے کہ آپ بھی میری بات مان جائیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کون سی بات مان جاؤں؟" رامیہ نے حیرت سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اتنا تسار کیا۔ عافین علی شاہ پہلے تو ایک پل کوشٹکا پھر اپنے ساتھ اتنا انداز میں بولا۔

"اس دن کیپس میں آپ نے جو جاکٹ کے سب کو تماشہ دکھایا تھا اس کے لیے آپ مجھے سوری بولیے۔"

"کیا..... میں کیوں سوری بولوں آپ کو؟" رامیہ انتہائی ناگواری سے بولی۔

"دیکھیے میں اس وقت بہت شرافت سے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھے سوری بولیے ورنہ....."

"ورنہ....." وہ شدید لیش میں آ کر بولی۔ "ورنہ کیا..... مجھے قتل کر دیں۔" آپ ارے آپ کہاں کے خدائی فوج دار ہیں بٹھے میرے راتے سے۔"

"رامیہ ماں خان! آپ شاید مجھے جانتی نہیں میں اپنی ضد کا بہت پکا ہوں۔"

"اور شاید آپ مجھے نہیں جانتے کہ میں کیا ہوں۔" وہ عافین کی بات پر تیزی سے بولی تو عافین انتہائی بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا۔

"مجھے آپ کے بارے میں جاننے کی کوئی چاہت نہیں ہے بلکہ آپ جیسے معمولی لڑکی کو تو میں دو منٹ بھی نہیں دیتا۔"

"اور میں آپ جیسے لڑکیوں کو ایک منٹ بھی نہیں دیتی۔"

وہ اس کے تھوڑا قریب آ کر انتہائی دلیری سے اس کی

آنکھیں ارے آج کے دن تو ڈھنگ سے کپڑے پہن لیتیں۔" طوبی بے حد امان کر بولی۔

"اگر مجھے یاد آ جاتا کہ آج کلاسز نہیں ہوں گی تو میں آتی ہی نہیں۔" وہ خود بھی بہت بے زار دکھائی دے رہی تھی۔

"اچھا تمہارے کپڑے اب اتنے بُرے بھی نہیں لگ رہے میرے پاس میک اپ کتنا اور لپ اسٹک ہے بس تم اپنا چہرہ درست کر لو۔" حقیقہ جلدی سے بولی کہ مہاوارامیہ واپس ہی نہ چلتی۔

"مجھے ان چیزوں سے قلعی دلچسپی نہیں ہے میں لاہریری جا رہی ہوں۔" گھر کا مکدر ماحول اسے گلن میں مبتلا رکھتا تھا کیپس آ کر اسے کچھتا کیپس میسر آتی تھی وہ واپس گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔

"پلیز رامیہ یہ فنکشن اینڈ کر لو نا دیکھو نا سب آڈیٹوریم میں جا رہے ہیں۔" طوبی اس کا بازو تھام کر لچا جت سے بولی جو کاہنی اور آف وائٹ رنگ کے احتیاج کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی جب کہ حقیقہ نیلے اور اورنج رنگ کے سوٹ میں بہت پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

"تم دونوں اینڈ کر لو: میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔"

رامیہ ہنوز لہجے میں بولی تو دونوں باقاعدہ منتوں پر اتر آئیں تو ناچار وہ جانے کو رضامند ہوئی جون ہی رامیہ نے آڈیٹوریم میں قدم رکھا تماشہ سے ہاتوں میں مصروف عافین نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر انتہائی ناگواری سے دوسری طرف موز لیا۔

فنکشن شروع ہو چکا تھا عیفا اور طوبی بہت اکیسا اینڈ ہو رہی تھیں فنکشن کافی دلچسپ تھا مگر رامیہ کافی پوریت محسوس کر رہی تھی وہ سیٹ سے اٹھی تو دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"واش روم جا رہی ہوں یارا" رامیہ جھنجھلا کر بولی پھر بیگ اٹھا کر آڈیٹوریم سے باہر نکل آئی۔ کیپس میں اس پل بالکل سانا تھا سب فنکشن اینڈ کر رہے تھے وہ اپنی

”ڈونٹ ویری میم! میں چلانوں گا آپ کا بہت بہت شکر“ اُنس نرمی سے بولا تو رامیہ مسکرائی۔
 ”اُنس اوکے مگر اب دھیان سے چلانا کوکے۔“
 ”آپ کا حکم سہرا نکھوں پر۔“ اُنس شوخی سے بولا تو رامیہ بھی ہنس دی پھر اُس سے خدا حافظ کہہ کر بائیک لے گیا تو رامیہ نے بے ساختہ اس کے خیریت سے پتلی جانے کی دعا کر ڈالی۔



”اب تم بالکل بھی بائیک کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے سمجھئے میں تو پہلے ہی خلاف تھی۔“ مسز ابراہیم اُنس کو دودھ کا گلاس ٹھماتے محبت پاش نکالوں سے دیکھتے ہوئے بولیں جو یونیورسٹی سے سیدھا کینک جا کر خود ہی بیڈ تاج کروا آیا تھا۔

”مما میری غلطی نہیں تھی وہ سڑک پر آکل پڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے بائیک سنب ہو گئی۔“ وہ دودھ کا گلاس منہ تک لے جاتے ہوئے بولا تو مسز ابراہیم مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”میں جانتی ہوں بیٹا سب یہی کہتے ہیں مگر یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ اب تم بائیک بالکل استعمال نہیں کرو گے۔“

”مما.....“ اُنس نرمی سے پن سے بولا مگر مسز ابراہیم پیار سے اس کے بال بال بگاڑ کر اس کے بیڈ سے اٹھ گئیں وہ جو تکی بستر پر سیدھا سو کر لیٹا پریشان سا عافیانہ کرے میں داخل ہوا۔

”اُنس حد ہوتی ہے بے پروائی کی تم مجھے کال نہیں کر سکتے تھے کہ آخر میں وہیں تو موجود تھا۔“ وہ اس کی پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا جس پر بیڈ تاج کی گئی تھی۔
 ”رینیکس بھان میں ٹھیک ہوں اور ویسے بھائی پونیورسٹی میں ایک بہت پیاری سی میم نے میری مدد کی پہلے تو انہوں نے انا پھر اپنے خلوص سے آ کر مجھے اٹھایا۔“ اُنس جیسے تصویر میں رامیہ جو کچھتے ہوئے چھوٹے ہوئے لہجے میں لگا تو عافیانہ سے چونک کر اسے بخور دیکھا اور اس کے

آنکھوں میں آنکھیں اُل کر بولی تو عافیانہ اس کے اس انداز پر حیران رہ گیا جو اب اطمینان سے پلٹ کر کیپس کے باہر والے لمبے کی جانب انتہائی خود اعتمادی سے قدم بڑھا رہی تھی۔

”دیکھ لوں گا میں تمہیں رامیہ امان خان! وہ جیسے پھنکارا تھا۔“

رامیہ کیپس سے باہر نکلی ہی تھی کہ پاس سے گزرتی بائیک کے چل کر بڑے زور سے پھسلی تھی اور اس پر سوار لڑکا لڑھکتا ہوا بالکل رامیہ کے سامنے گرا تھا شوخی قسمت اس وقت سڑک پر اکاڈ کا ہی لوگ تھے جو اس جگہ سے کافی دور تھے رامیہ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس لڑکے کے پاس پہنچی پھر اسے کراہتے دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔

”یہ تم بائیک کو کیا ہوائی جہاز کہہ کر اڑانا چاہ رہے تھے اب گھر گئے تاکہیں مر آ یا؟“ وہ چڑ کر بولی تو ہیلمٹ کے اندر سے ٹخف سی آواز برآمد ہوئی۔

”میم آپ پلیز مجھے بعد میں ڈانٹ لیجئے گا پہلے یہ تربوز میرا مطلب ہے یہ ہیلمٹ اتار دیجئے میری کہنی میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ یہ سن کر رامیہ جلدی سے سڑک پر گھنٹوں کے ٹس ٹسھی اور سہولت سے ہیلمٹ اتار لیا اکیس بائیس سال کا لوعمر لڑکا اس پل کافی تکلیف کا شکار تھا۔

”زیادہ درد ہو رہا ہے تمہیں یا دکھاؤ کہاں لگی؟“ رامیہ اب باقاعدہ اس کے زخموں کا معائنہ کر رہی تھی اسی اثناء میں کچھ اور اسنوڈٹس بھی وہاں آ گئے تھے۔ بازو اور کہنی سے خون نکل رہا تھا جب کہ گھٹنے کی طرف سے اس کی چینر بھی اچھڑ گئی تھی پھر دو ٹروٹوں کی مدد سے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہسپتال کے دوبارہ بائیک سنبھال لی اسنوڈٹس اس کے اطمینان دلانے پر چلے گئے تھے جب کہ رامیہ اب بھی ایسٹنڈنٹ تھی۔

”تم ایس حالت میں بائیک کیسے چلاؤ گے؟“ رامیہ نے نرمی سے پوچھی تو اُنس مسکرائی۔

بلکل سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

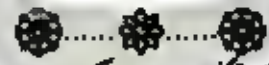
”ہوں تو تم کافی متاثر ہوں میم سے۔“

”واقعی بھائی وہ مجھے بہت اچھی لگیں بہت خاص اور سب سے منفرد۔“ وہ ہنوز لہجے میں بولا تو عافین نے سینے پر بازو باندھ کر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”اچھا آپ کی اس منفرد خاص اور بہت اچھی میم کا نام کیا ہے؟“

”اوہ..... میں نے تو ان سے نام ہی نہیں پوچھا۔“ وہ چونک کر خود کو سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

”چلو چھوٹے بھائی وہ بارہ ملے تو پوچھ لینا اب تم آرام کرو سمجھے۔“ عافین نرمی سے بولا تو انس نے اثبات میں سر ہلادیا۔



وہ کلاس لے کر نکلی تو سامنے کیمپس کے لڈان میں تنگلی بیچ پر بیٹھے ڈیٹان کو اپنا منظر پایا وہ اس کو یہاں دیکھ کر کچھ حیران ہوئی پھر طوطی اور عقیقہ سے ایک سکو زکر کے وہ اس کی جانب آگئی اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

”تم یہاں..... سب خیریت تو ہے نا۔“

”ہوں سب ٹھیک ہے اور اصل گھر میں تم سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور اصل رامیہ میں اس دن سے تمہاری بات سے بہت الجھا ہوا ہوں۔“ ڈیٹان واقعی اس پہلی بہت پریشان لگ رہا تھا رامیہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی جب کہ کیمپس میں راتیں ہوتے ہی عافین کی نگاہیں سب سے پہلے رامیہ اور ڈیٹان کی جانب اٹکی تھیں۔ رامیہ ڈیٹان کو لے کر کیمپس کے گراؤنڈ کے ایک کونے میں آگئی اور پھر زمین پر ہی اتنی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ ڈیٹان اسی اس کے سامنے دھپ سے بیٹھ گیا تو رامیہ نے اسے سوچ نظروں سے دیکھا۔

”دیکھو ڈیٹان! میں اس دن تمہیں یہ صرف بتانا ہی نہیں بلکہ سمجھانا چاہتی تھی کہ.....“ وہ پہلی کی پہلی رکی پھر تیزی سے بولی۔ ”ہم دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ

کوئی مستقبل نہیں ہے اسماہ تائی مجھے کبھی اپنی بہو کے روپ میں قبول نہیں کریں گی۔ مجھے کبھی وہ مقام و مرتبہ اس گھر میں نہیں ملے گا جس کی میں مستحق ہوں آج یہ لوگ اس گھر کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے مجھے ہمہ وقت رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بہو بن کر تو وہ مجھے.....“ اتنا کہہ کر وہ جملہ اظہار چھوڑ گئی پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”ڈیٹان میرے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی جہنم سے بدتر ہو جائے گی! میں جب اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی تو پہلی فرصت میں ان گھر سے چلی جاؤں گی میں اس رشتے میں بندھ کر ہر شب ان لوگوں کے سامنے ذلیل و حقیر بن کر ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“ وہ قطعیت سے بولی تو ڈیٹان فوراً دلا۔

”ہم باہر سیٹ ہو جائیں گے رامیہ! اس گھر سے دور چلے جائیں گے۔“

”میں خود غرض لڑکی نہیں ہوں ڈیٹان! تم اسماہ تائی کے اٹکوتے تے بیٹے اور نامہ نازش۔“ نے واحد بھائی ہو اور پھر ایک ناپسندیدہ بہادر بھائی بننا مجھے قطعاً گوارا نہیں ہے۔“

”تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے رامیہ! ڈیٹان اس کی بات پر پُر سوچ انداز میں استفسار کر رہا تھا رامیہ کی بات سے وہ سو فیصد اتفاق کر رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کے گھر والوں کے لیے رامیہ کی ذرا سی انتہائی ناپسندیدہ تھی وہ اس گھر میں رہ کر کبھی خوش اور سکون زندگی نہیں گزار سکتی تھی اور ڈیٹان کو ہر قیمت پر اپنی اس پیاری بی بی کی خوشیاں عزیز تھیں۔

”ٹھیک ہے رامیہ! مجھے تمہارا فیصلہ منظور ہے مگر تم خود کو اکیلا مت سمجھنا میں ہمیشہ ایک دوست کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گا۔“ ڈیٹان تھکے تھکے انداز میں بولا تو رامیہ نے بے ساختہ اس کی جانچ دیکھا۔

”تم نے میری بات سمجھ کر اسے مانتے ہوئے واقعی ایک اچھے دوست کا کردار ادا کیا ہے میں تمہاری شکر گزار ہوں ڈیٹان!“ وہ ممنون آ میز لہجے میں بولی تو ڈیٹان

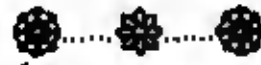
دھیرے سے مسکرایا۔

نگاہوں سے دیکھا۔

”نہ تمہیں میرے لیے دعا کرنی ہے کہ اللہ مجھے تمہاری جیسی لڑکی دلا دے۔“

”آپ سب جانتے ہیں ابراہیم اس شہر میں شاید وہ بھی سانس لیتی ہو اس کے وجود کی ہلکے جھکے ان ہواؤں میں محسوس ہوتی ہے اس شہر کے ماحول میں اس کے لمس کا گداز پن میرے دل میں جھلنے ملاؤ پر پھوار سا برسا دیتا ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں تو ابراہیم صاحب قدرے ناراضگی سے بولے۔

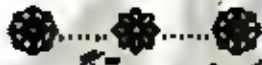
”مجھ سے بھی اچھی لڑکی ڈیٹاں لو رو کیہ لینا کہ تمہیں دنیا کی سب سے پیاری لڑکی ملے گی کیوں کہ تم خود بہت اچھے ہو۔“ وہ پُر خلوص لہجے میں پوری سچائی سے بولی تو ڈیٹاں ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔



”تو خود پراتے پہرے کیوں، ٹھٹھائے ہوئے ہیں، شمع اس بات کو بائیس سال ہو گئے ہیں اب تو بہت کچھ بدل گیا ہوگا بائیس سال کسی کو بدلنے کے لیے کافی نہیں ہوتے“ آپ کیوں اس نام نہاد قسم کی بنا پر خود پر اتنا ظلم کر رہی ہیں۔“

بدلتے موسم نے ماحول کو خاصا خوش گوار بنا دیا تھا جاتی گرمیوں اور نرم و چمکی سردیوں کی چاپ نے جہاں گرمی کی شدت کو ختم کیا وہاں کچھ دنوں کی منڈیر پر اگاسی و خاموشی کے پندے اپنے پر پھیلا کر بیٹھ گئے۔ مسز ابراہیم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی لان میں لگے مرجھائے پھولوں اور ٹوٹے پتوں کو بخور دیکھ رہی تھیں جب ہی ابراہیم صاحب کمرے میں داخل ہوئے مگر کسی گہری سوچ میں گم مسز ابراہیم کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا چند لمبے ابراہیم صاحب نے اپنی وفا شعار بیوی کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے قدم بڑھا کر چپکے سے ان کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ موسم ہمیشہ ان کی عزیز از جان شریک حیات کے لیے اگاسی کی سوغات لے کر آتا تھا جبکہ ابراہیم صاحب انہیں ایک پل کے لیے بھی متحمل و شگفتہ حال دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

”آپ شاید اسے جانتے نہیں ابراہیم! بائیس سال تو کیا وہ چالیس سال میں بھی بدلنے والا نہیں اپنی زبان کی خاطر جان دینے والا جو کہہ دیا وہ کر دکھانے والا نہیں خود پر تو ظلم کر سکتی ہوں مگر اس پر نہیں۔“ کہتے کہتے انہوں نے کھڑکی کی گرل سے سر نکا دیا تو ابراہیم صاحب اس پل خود کو انتہائی بے بس محسوس کر کے انہیں محض دیکھ کر رہ گئے۔



”عافین یہ لڑکی مجھے نفسیاتی لگتی ہے بس یہ دو لڑکیاں اس کے ساتھ رہتی ہیں ورنہ پوری نکلاں سے بالکل الگ تھلک رہتی ہے البتہ سنا ہے ہر سمسٹر میں پوزیشن لاتی ہے۔“ عافین اور سناشہ کینے ٹیریا کے خوش گوار ماحول میں بیٹھے چائے اور سموور سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب ہی رامیہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ وہاں آن پہنچی تھی۔ بلیک ٹراؤزر پر نیوی بلو لائٹ شرٹ پر بلیک اسکارف میں وہ ہمیشہ کی طرح دنیا سے بے زار نظر آئی جب کہ حسب معمول اس کی دونوں سہیلیاں خاصی چمک رہی تھیں۔ عافین رامیہ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں سلگنے لگا تھا۔

”آج آپ بھر او اس ہیں۔“ بالکل قریب سے ابراہیم صاحب کی آواز ابھری تو انہوں نے چونک کر گردن موڑ کر دیکھا پھر جلدی۔ آگے ان کے کنارے پرانے سوتیوں کو اپنی انگلیوں سے ہٹا کر دیکھا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ کچھ خاص نہیں۔“ وہ مختصر ا بولیں مگر ہنوز کھڑکی کے باہر کا منظر دیکھتی رہیں۔

”ہمیں لندن سے آئے تقریباً ایک سال ہو گیا ہے اور آپ نے ایک مرتبہ بھی اس سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی اسے ڈھونڈنے کی تمنا نہیں کی۔“ ابراہیم صاحب سنجیدگی سے بولے تو مسز ابراہیم نے انہیں شکوہ کتنا

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو سناشہ! ایسی لڑکیاں محض دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ فضول کی ٹونٹکیاں کرنی پھرتی ہیں۔“ وہ جیسے انگارے نکلنے ہوئے بولا کہ

freedom to live happily!



freedom®

KNRCH

H 11 1278 3111 K... Ph 25091113... Ph 250257075883... www.paksociety.com

"ہا یہ ہے زندگی کا قنفذہ ساری زندگی انسان رعونت و زعم میں مبتلا ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اس سے بدسلوکی کرتا ہے اور پھر ایک دن دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر منوں مٹی تلے غائب ہو جاتا ہے اور پھر قصہ پارینہ ہو جاتا ہے۔" رامیہ سوچتی چلی گئی۔



سوئم کے بعد مہمانوں نے اپنے گھر کی راہ لی دنیا کسی کے چلے جانے سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتی۔ دوسرے دن سب اپنی اپنی مصروفیات میں مگن ہو گئے وہ بھی آج دو دن بعد کہیں آئی تھی مگر جلد ہی گھر آ گئی تھی آج اس کا دل کچھ خبردار ہوا تھا اور اس کی گھبراہٹ کی وجہ بھی سامنے آ گئی تھی اسامہ تائی نے تمام گھر والوں کے سامنے ڈیٹان اور رامیہ کی معافی توڑنے کا اعلان کر دیا تھا معافی تو وہ پہلے ہی ختم کر چکی تھی مگر اسامہ تائی نے اس کی ماں کی ذات کے جوٹھنے اور جڑے سے رامیہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے جملوں سے اس کی خود کی کھال گوشت سے الگ ہو رہی ہو۔ وہ دذوں کالوں پر ہاتھ رکھ کر جھلا اٹھی۔

"بس کیجیے تائی ان! کچھ اللہ کا خوف کیجیے وہ سب دیکھ رہا ہے بہت لگائیے میری پاک دامن ماں پر تہمت..... میری زندگی برباد کرنے کے میری ماں مجھ سے جھین کر اب بھی آپ کے دل کو سکون نہیں ملا۔" وہ جھلا کر بولی۔

"اونہ تمہاری دل پاک دامن تھی..... ارے پوری رات وہ گھر سے غائب تھا تمہارے باپ کو کبھی پسند کیا اس نے ہمیشہ اپنے حسن پر نازاں رہتی تھی وہ حسن پرست عورت..... تائی اسے جاہل عورتوں کی طرح بولیں۔"

"تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتی ماں کم از کم ہماری جان تو چھوٹ جاتی۔" صاف چچی نے بھی زہرا گلا۔

"ارے سارا دن اور ساری رات وہ گھر سے باہر رہی اچھا کیا اس نے جو ٹرے کھڑے اسے طلاق دے دی ارے غیرت مند جو تھا۔" تائی اسماہ ہنوز لہجے میں بولیں تو اس پل رامیہ کو لگا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا دذوں ہونٹ آہن میں یوں اچھوست ہوئے جیسے اب کبھی حرکت

اسی دوران نبجانے کہاں سے انس کی میز پر بے تابی سے آیا جسے دیکھ کر رامیہ تو پہلے چنگی پھر دھیرے سے مسکرائی۔ اتنی دلکش مسکراہٹ جیسے گھنگھور گھٹاؤں کے چھٹنے کے بعد سورج کی پہلی کرن اپنا جلوہ دکھاتی ہے وہ رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، کیفے میں شور اور میز فاصلے پر ہونے کی بدولت وہ ان کی باتیں سن نہیں پارہا تھا مگر لگ رہا تھا کہ وہ انس کی باتوں سے کافی محفوظ ہو رہی ہے جب اس کی سہیلیاں ہاتھوں میں مختلف اسٹیکس لیے میز پر آئیں تو انس صاحب کی ہاتھیں کانوں تک جا پہنچیں پھر چاروں نے مل کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات اڑائے اور اس تمام وقت میں رامیہ کے چہرے پر ایک خوش گواری لگ چھایا رہا جو بہت دلکش اور انوکھا لگ رہا تھا۔ تماشہ کے ساتھ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بغور ان لوگوں کو دیکھا جو ہنوز خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

رامیہ کیپس سے گھر آئی تو غیر معمولی تھانے اور پراسرار خاموشی نے اس کا استقبال کیا ابھی وہ اپنے کمرے میں چنگی تھی کہ نامہ اور صالحہ چچی کے رونے کی آوازوں نے اسے اچھا خاصا لوکھا دیا۔ وہ سرعت سے بیگ بستر پر رکھ کر باہر کی جانب لپکی نامہ چچی سے لپکا دہانہ بر مار مار کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟" رامیہ نے تھما تھما کر صالحہ چچی سے بولی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "چچی! ابو ہمیں چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں؟" نامہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے ساکت سی رہ گئی بے ساختہ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ادہ تو تاپا ابو یہ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔" رامیہ کے اندر سے کوئی بولا اس پل اس کے احساسات عجیب سے ہورہے تھے اسے اتنا تک ایسا لمحہ یاد نہیں تھا کہ کبھی انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا یا پھر عائشہ کی طرح اسے پیار کیا ہمیشہ اسے دیکھ کر ان کی تیرہوں میں مل پڑ جاتے تھے۔

کے پیچھے چل دیا۔



مسز ابراہیم کا بی بی خطرناک در تک شوٹ کر گیا تھا ابراہیم صاحب اور عافین کے تو گویا ہاتھ پیر پھول گئے تھے اس تو باقاعدہ رور ہاتھا انہیں فوری طور پر اسپتال میں داخل کر دیا تھا ورنہ کوئی بڑا حادثہ رونما ہو جاتا۔ ڈاکٹرز نے کافی سنبھال لیا تھا مگر انہیں کھل آ رام اور پرسکون ذہن رکھنے کی سختی سے ہدایت کی تھی۔ عافین اس اور ابراہیم صاحب تینوں اس وقت پرائیویٹ روم میں موجود تھے مسز ابراہیم اب بہتر تھیں مگر کافی کمزوری محسوس کر رہی تھیں عافین انہیں سیب کاٹ کر زبردستی کھلا رہا تھا۔

”پتا ہے ماما اس بالکل بچہ کی طرح رو رہا تھا۔“ عافین اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے چھینرنے کی غرض سے بولا تو اس مسز ابراہیم کے کندھے پر سر رکھ کر منہ بسورنے لگا۔

”ہاں یہ بچہ ہی تو ہے چھوٹا سا۔“ مسز ابراہیم اس کو خود سے ڈگاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

”خدا کے واسطے ماما! میں بچہ نہیں ہوں یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ ہوں۔“ وہ منہ پھلا کر برہماتے ہوئے بولا۔

”لب ویکھو تیار سے لا ڈ۔! نے کیسے منہ بنا لیا ہے بالکل بڑکیوں کی طرح۔“ ابراہیم صاحب اس کو دیکھ کر ہنس کر بولے تو اس سیدھا ہو کر بیٹھا گیا۔

”ویسے ماما مجھے بڑکیاں بہت لگی تھی ہیں کاش ہماری بھی کوئی بہن ہوتی۔“ اس اپنی جون میں بولا تو عافین اور ابراہیم صاحب نے انتہائی گھبر کر مسز ابراہیم کی جانب دیکھا جن کا چہرہ اس بل ٹٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

”چلو اس اور عافین! اب آپ دوڑوں گھر جاؤ آپ کی ماما آ رام کی ضرورت ہے بہت باتیں کر لیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی سے بولے تو آواز اثناء میں ڈاکٹرز کے ہمراہ چینگ اپ کی غرض سے اٹھ رہا گیا تو دونوں بھائی مسز ابراہیم سے مل کر کہہ رہے تھے۔ باہر آگئے کارڈ روم میں عافین کے استفسار پر اس نے اتنے پتیا تھا کہ رامیہ وہی

نہیں کر سکیں گے۔ وہ قالین پر بیٹھتی چلی گئی اسی دم ڈیشان اور چچا لاؤنج میں داخل ہوئے تھے رامیہ کی دیگرگوں حالت دیکھ کر ڈیشان جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ صالحہ چچی کی زبان ابھی بھی چل رہی تھی۔

”خدا کے واسطے آپ لوگ بس کریں کیوں اس لڑکی کو چین سے جینے نہیں دیتے“ آخر قصور کیا ہے اس کا۔“ ڈیشان سچ کر بولا تو تالی اسماہ بڑی طرح ترخ نکلیں۔

”مجھے اس کی وکالت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی میں نے تیرا رشتہ اس کے ساتھ ختم کر دیا ہے۔“

”اونہہ... آپ کے رشتہ ختم کرنے سے پہلے ہی رامیہ نے میرے ساتھ مگنی تو زوی ہے۔“ ڈیشان استہزائیہ لہجے میں بولا تو مائتہ ہائش اور عائشہ کے ساتھ ساتھ تالی اسماہ اور صالحہ چچی بھی خاصی حیران ہوئیں۔

”تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں رامیہ! یہ لوگ تمہیں بھی نہیں دسکون سے جینے نہیں دیں گے اچھا ہوا جو تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اس گھر سے باہر جا کر ہی تمہیں تمہاری خوشیاں ملیں گی۔“ ڈیشان اپنی ماں چچی کو طنز سے دیکھتا ہوا رامیہ سے نرمی سے گویا ہوا جو کم صم سی قالین پر روزانہ بیٹھی تھی۔

”اچھا یہ لڑکی گھر سے باہر کہاں جائے گی جہاں اس کی خوشیاں اس کی منتظر ہیں؟“ تالی اسماہ استہزائیہ لہجے میں بولیں مگر ڈیشان ان کا سوال نظر انداز کر گیا اور رامیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

”رامیہ چلو اٹھو اور اپنا سامان پیکہ کر ڈ میں آج ہی تمہیں گریز ہو سٹل چھوڑنا پڑے گا۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو ڈیشان! رامیہ گریز ہو سٹل میں کیوں رہے گی؟“ اعتصام چچا نے پہلی بار لب کشائی کی مگر پھر بی بی کے گھومنے پر بیک دم خاموش ہو گئے صالحہ بی بی کے مضبوط ہیکے اپنے بڑس میں ساہوں کے شیئرز اور صالحہ کی زبان کے سامنے وہ مسننا بھی نہیں سستے تھے ڈیشان نے نیب نگاہ چچا کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر اب بظلمت جھانک سے تے وہ طنزاً مسکرایا پھر رامیہ کے اٹھنے کے بعد اس

لڑکی تھی جس نے اس دن اس کی مدد کی تھی جب وہ بائیک سے پھسل گیا تھا اور یہ کہ اب اس کی رامیہ سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔

”انس کل میرے ساتھ یونیورسٹی چلنا دو دن سے تم یہیں پر ہوؤ گے تو ماما ٹھیک ہیں پڑھائی کا کافی حرج ہو رہا ہوگا۔“ اسپتال کی عمارت سے باہر آتے ہوئے عافین شجیدگی سے بولا تو انس ایک دم ہلچل پڑا۔

”کیا ہوا.....؟“ عافین نے اسے استفسار کیا تو وہ نے دیکھتے ہوئے کہا۔

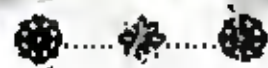
”اوہ میں نے رامیہ باجی کو تو بتایا ہی نہیں کہ ماما کی طبیعت خراب ہے۔“ وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے افسوس سے بولا تو عافین کی بھنویں تن گئیں۔

”کیوں اسے کہا ضرورت ہے بتانے کی؟ یہ وہ ڈاکٹر ہے یا پھر ہماری فیملی ممبر؟“ وہ برا سامنہ بتاتے ہوئے پارکنگ لائٹ کی جانب آ گیا۔

”آف کورس وہ ڈاکٹر نہیں ہیں مگر میری دوست تو ہیں تاں میں ابھی انہیں فون کرتا ہوں۔“ اس نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کیا مگر دوسرے ہی پل اس کا منہ لٹک گیا۔

”موبائل سوچ آف ہے۔“ وہ مایوسی سے بولا تو عافین نے نجانے کیوں چہ سا گیا۔

”اس وقت تم گھر چلو کل مل لیتا اپنی دوست سے۔“ یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر ڈن سے بیجاڑی لے لیا۔



ویشان نے فی الزمر یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوسٹل میں اس کے رہنے کا انتظام کر دیا تھا وہ اسے اب مزید تکلیف میں دیکھنے کا حیرت نہیں بھولا پار رہا تھا ہوسٹل کے کمرے میں فی الحال ایک ہی رامیہ ہی تھی یہاں آ کر اسے ایک گونہ سکون نصیب ہوا تھا گوکہ یہ ٹھکانہ عارضی تھا مگر یہاں رہ کر وہ یکسوئی اور اطمینان سے اپنے مستقل ٹھکانے کے بارے میں سوچ سکتی تھی وہ دو دن سے کیمپس بھی نہیں جا رہی تھی اور اس کا موبائل بھی آف تھا۔ اس نے بیٹری کو ری چارج نہیں کیا تھا تیسرے دن وہ کیمپس آئی تو اس کی غیر

حاضری سے پریشان طوبی اور عقیفہ اسے صبح سلامت آتا دیکھ کر چڑھ دوڑیں۔

”رامیہ کی ہنگی باجی نہیں کچھ ہماری پروا ہے بھی یا نہیں تم دو دن سے کیمپس نہیں آ رہیں موبائل تمہارا آف جا رہا تھا یہاں تمہاری پریشانی میں ہمارا آدمی سے زیادہ خون خشک ہو گیا۔“ طوبی اسے بے نقط سناتے ہوئے بولی تو رامیہ شرمندہ ہو گئی۔

”آئی ایم سوری یار اور اصل.....“ وہ اتنا کہہ کر چند لمحوں کی پھر ساری بات بتاتی چلی گئی۔

”اوہ رامیہ یہ اچھا نہیں ہوا اب تم اکیلی ہوسٹل میں رہو گی۔“ عقیفہ افسوس پریشانی کے عالم میں گھر کر بولی۔

”میں اپنے باپ کے گھر میں بھی اکیلی تھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ رامیہ بے پروائی سے بولی ابھی وہ باتیں کر رہی تھیں کہ انس وہاں آن پہنچا۔

”لو آ گیا جو کر۔“ عقیفہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی تو طوبی اور رامیہ مسکرا دیں انس نے آتے ہی نان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا تو تینوں ایک دوسرے کو محض بے بسی سے دیکھتی رہ گئیں اسے خاموش کر دانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

کلاسز سے فارغ ہونے کے بعد وہ طوبی اور عقیفہ سے رخصت ہو کر گریجویٹ ہوسٹل کی جانب آئی تو اچانک عافین علی شاہ اس کے سامنے آ گیا جسے دیکھ کر اس کا حلق تنگ کر دیا ہو گیا۔

”مس رامیہ اس دن کے لیے آپ مجھے سوری بولیں۔“ عافین کے اس تقاضے پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا وہ واقعہ تو کب کا بھلا چکی تھی۔

”آپ کا واماں تو ازن اگر ٹھیک نہیں ہے تو جا کر علاج کروائیں میرا راستہ روک کر میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ بھولا کر بولی۔

”اونہا آپ جیسی بد تمیز لڑکی سے مجھے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں جو ایسا اچھی حرکتیں کر کے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔“ عافین سلگ کر بولا تو

رامیہ کے اندر جیسے بھانجر جل رہے۔

"تم جیسے دو ٹکے کے ٹڑکے کی توجہ حاصل کرنے کی نہ کوئی چاہت ہے مجھے نہ رزد۔"

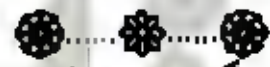
"شش اپ۔" وہ تقریباً دہاڑا کلاس آف ہو جانے کی برواوت یہ جگہ بالکل سناٹا تھی۔

"تم ہونی کون ہو تمہاری اوقات کیا ہے دو ٹکے کی لڑکی ہوتی....."

"شش اپ یو....." انتہائی طیش کے عالم میں نجانے کب اور کیسے رامیہ کا ہاتھ اٹھا جو عائنہ کے کال پر اپنا نشان ثبت کر گیا عائنہ رامیہ کی اس قدر جرأت پر دو ٹکے سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرنا گھنیا انسان۔" اپنی انگشت شہادت اٹھا۔ تے ہوئے انتہائی نفرت سے کہہ کر رامیہ تیزی سے اس کے قریب سے نکل گئی۔ رفتہ رفتہ اس کا سکتہ ٹوٹا تو عائنہ مارے اشتعال و نفرت سے تاراج اٹھا۔

"تمہیں اس تھپڑ کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔" وہ زہر خند لہجے میں خود سے بولا پھر لہجے لہجے ڈنگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔



دن سرعت سے گزرتے چلے گئے سمسٹر کا بھوت ان کے کیپس میں آ کر سب کے سروں پر ناپنے لگا ہر کوئی اب لاہریری اور کلاس میں زیادہ دکھائی دیتا۔ رامیہ عقیفہ اور طوبی کا آخری سال تھا وہ تینوں بھی سخت محنت کر رہی تھیں۔ رامیہ سمسٹر کے بعد طوبی کے انکل کی کہنی جو اس نے والی تھی جنہوں نے طوبی کی سفارش پر اسے اچھی پوسٹ دے دی تھی اور اس بات سے رامیہ کافی مطمئن تھی آج ان تینوں کا آخری پیر تھا وہ پیر دے کر نکلیں تو جوش و خروش کے ساتھ ساتھ اس تھی تھیں کیوں کہ اب ان کی اسٹوڈنٹ لائف کا اختتام ہو گیا تھا اور اب وہ تینوں پنشنز نے والی تھیں۔ اگلے ماہ طوبی کی شادی طے ہو گئی تھی اور عقیفہ بھی جلد ہی پیادیس سر رہارنے والی تھی جو دو ماہ

پہلے اپنے خالہ زاد سے منسوب ہوئی تھی۔ خلاف معمول رامیہ کا سوڈ بھی آج خوش گوار تھا تینوں کینے نیرا میں اس وقت جاٹ سموسوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

"مجھے تو پورا یقین ہے رامیہ نا پوزیشن تو پکی ہے۔" عقیفہ سمو سے کھاتے ہوئے بولی آزا چاک ٹوٹی کو کچھ یاد آیا تو وہ رامیہ کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"رامیہ آج جو میں تاراج ہے۔"

"ہاں ہے پھر۔" وہ کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے تاراج لہجے میں بولی۔

"آج ڈیشان کی شادی ہے نا؟"

"ہاں آج میرے سب سے اچھے دوست کی شادی ہے جس نے مجھے اس جہنم سے بات دلائی بس میری تو یہی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔" رامیہ خلوص سے بولی تو عقیفہ و طوبی دونوں حیرت زدہ رہ گئیں۔

"رامیہ تمہیں ڈیشان کو کھو دینے کا کوئی دکھ نہیں ہے؟" طوبی نے الجھ کر استفسار کیا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر ٹویا ہوئی۔

"جب اسے پایا نہیں تھا تو سے کھو دینے کا کیا دکھ؟" ڈیشان بہت اچھا لڑکا ہے مگر یہ بات مجھے ہمیشہ سے معلوم تھی کہ ڈیشان میرے لیے نہیں بنا اور نہ میں اس کی قدر ہوں۔"

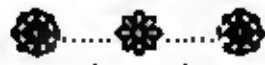
"تو کیا تمہیں اس سے کوئی دلی لگاؤ نہیں تھا۔" عقیفہ نے تیزی سے پوچھا۔

"میرے پاس دل اور جذبات نام کی چیز شاید ہے ہی نہیں بس بہت سا غبار ہے دھوں ہے وہاں ایسے لطیف جذبات کہاں پھینتے ہیں۔ میرا نہیں جانتی کہ دل کے معاملے کیا ہوتے ہیں؟" وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو یہ بات جان کر طوبی اور عقیفہ کو اطمینان ہوا کہ ڈیشان سے اس کا کوئی دل کا معاملہ نہیں تھا ورنہ اس کی شادی پر اس کی پیاری سہیلی اندر سے ٹوٹ جاتی۔

"تو میری جان اس غبار اور دھوں کو نکال باہر کرو اور کسی سے دل لگا لو کچھ میں زندگی اتنی ذریعہ صورت اور حسین لگنے

لگے گی جیسے جنت زمین پر آگئی ہو۔“ عقیقہ شوخی سے بولی تو طوبی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی سے دل لگانے کا ان فالتوں چیزوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔“
 رامیہ بے پردائی سے بولی تو دونوں نے اپنا سر تھام لیا۔
 ”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا، تمہیں سمجھانے سے بہتر ہے کہ ہم پتھر سے سر پھوڑ لیں۔“ عقیقہ جھنجھلا کر بولی تو رامیہ مسکرا دی۔



عاقین کلب سے آ کر اپنے کمرے میں لیٹا تھا اس نے نیم دراز ہو کر جونمی اپنی آنکھیں بند کیں وہی جب نما منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا جب رامیہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا بے ساختہ عاقین نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بے قراری و اضطراب کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا جب سے یہ واقعہ ہوا تھا ہمہ وقت جکی منظر اس کے ذہن سے چمٹا رہتا تھا جو اسے دن و رات ان دیکھی آگ میں جلائے رکھتا تھا۔

”رامیہ! مان خان! تم نے مجھ جیسے انسان کو اور عمدہ بننے پر مجبور کر دیا اب تم میرا وہ روپ دیکھو گی جس سے میں خود بھی واقف نہیں تھا۔“ عاقین مرد لہجے میں خود سے بولا اور پھر غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگا۔

ہمیشہ کی طرح رامیہ نے پوزیشن لی تھی طوبی اور عقیقہ اپنی سیملی کی کامیابی پر بہت خوش نہیں اور اس بھی بہت جذباتی دکھائی دے رہا تھا۔

”رامیہ! جی اتنی بڑی خوشی میں آپ ہم سب کو ٹریٹ دیں گی وہ بھی کسی اتنی ہی جگہ پر۔“

”ہاں رامیہ! کچھ نہ کچھ سلہر نیشن تو ہونی چاہیے۔“ عقیقہ بھی اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی تو اچانک طوبی کو یاد آیا۔

”ارے گا تڑ میں اپنی شادی کے کارڈز تم لوگوں کو دینے کے لیے لائی تھی اور دیکھو یہ اتنی بھول گئی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے جلدی سے بیک کھولا اور تینوں کو تھمایا۔

”واؤ طوبی! جی! میں تو آپ کی شادی میں ضرور آؤں گا۔“

”مجھے بہت خوشی ہوگی۔“ طوبی اس کی بات پر خلوص سے بولی پھر رامیہ سے استفسار کرنے لگی۔ ”تم انکل کی کہنی کب جو آں کر رہی ہو؟“

”ان شاء اللہ! آگے ہفتے سے وراصل میں ہاسٹل سے دو دن ہاسٹل شفٹ ہو رہی ہوں اس لیے تھوڑی تاخیر ہو جائے گی۔“

”کیا..... رامیہ باجی آپ ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں؟ کیا آپ کی فیملی نہیں ہے؟“ اس کا آج اس حقیقت کا علم ہوا تھا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے لہذا انتہائی اچھے سے اسے دیکھتے ہوئے جبرت سے استفسار کیا لفظ فیملی پر رامیہ کے چہرے پر ایک ایسے سا لہرا گیا۔

”اچھا اس باتم پتی فیملی کو بھی میری شادی میں ضرور لانا۔“ طوبی جلدی سے بولی تو اس سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ سنگین ہے لہذا فوراً اپنی جون میں آتے ہوئے بولا۔

”ضرور لاؤں گا اور ہاں آپ کا ولیمہ بھی ضرور کھاؤں گا۔“

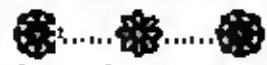
”تم تو ہو ہی سہا کے بیٹو۔“ عقیقہ ہنستے ہوئے بولی۔

وہ تیز تیز قدموں سے ہاسٹل کی جانب جا رہی تھی کہ ایک بار پتھر عاقین نے شاہ اس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا شٹارٹ کٹ بننے کے چکر میں رامیہ ہمیشہ جکی راستہ اپناتی تھی اور آج تو غیر معمولی سناٹا تھا کیوں کہ کمپس میں ابھی کلاسز کا آغاز نہیں ہوا تھا بلکہ ہنجر پر پبلک شرٹ پہنے وہ آج اسے کافی نیر معمولی لگا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھی ہی تھی کہ اچانک وہ اس کے بالکل سامنے آ گیا اتنا کہ رامیہ سر اس کے کشادہ سینے سے جا ٹکرایا۔

”یہ کیا بے ہوئی.....“ وہ فقط اتنا ہی بولی تھی کہ انتہائی بدبودار چیز اس کی ناک کے قریب آئی اور وہ عاقین کی ہانہوں میں جھولتی عاقین نے بڑے سنون سے اسے بازوؤں میں اٹھا اور بالکل پاس کھڑی گاڑی کی کچھلی سیٹ پر جس کے تیشوں پر سن شینڈل تھے اس میں ڈال



کریا طہینان سے گاڑی اشارت کردی۔



گھر آ کر اس سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا اس وقت وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا بار بار اس کی آنکھیں نم ہوئے جاری تھیں نجانے کیوں اتنے کم عمر سے میں اسے رامیہ سے بے پناہ اپنائیت اور نگاہ ہو گیا تھا اسے پہلے ہی دن سے رامیہ بہت اچھی لگتی تھی اپنی اپنی ہی وہ جب بھی رامیہ سے ملتا اسے نامعلوم سی خوشی اور سکون حاصل ہوتا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ رامیہ کو اپنے گھر میں ہی لے آئے آج جب اسے یہ معلوم ہوا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے تو اسے شدید حیرت ہوئی پھر رامیہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس نے بھی جلدی سے موضوع کو تبدیل کر دیا مگر رامیہ کے جانے کے بعد اس کے بے پناہ اصرار پر طوبی نے رامیہ کے بارے میں بتایا تو اس کی حالت انتہائی غیر ہو گئی۔ رامیہ اسے دل و جان سے عزیز ہو چکی تھی اور رامیہ کے دکھ اسے بھی رولا سے تھے کہ کسی طرح اس کے باپ نے اس کی ماں پر شک کر کے اس کے سردار کی وجہیں اڑا کر طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا اور پھر اس کی ماں ایک گاڑی کے نیچے کر زندگی سے ناتہ توڑ بیٹھی تھی اور پیچھے رہ گئی صرف رامیہ جس کے دو حبیال والوں نے اس کی ماں سے متعلق غمنوں کی شہینج کی ساتھ اس کی پرورش کی تھی جس کا باپ جو انتہائی سنگ دل اور کھمبور تھا، پچھلے سال ہی داغ مفارقت دے گیا تھا اور پھر کن حالتوں میں گھر کر وہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر اس ہاسٹل میں آ گئی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم تھا رامیہ پائی! آپ اندر سے اتنی زخمی اتنی شکستہ حال ہیں! مجھے نہیں معلوم تھا۔“ خود سے کہتے کہتے وہ بے اختیار رو دیا پھر خود سے مضبوط انداز میں بولا۔

”میرا آپ کو یوں زمانے بھر کی تھوکرین کھانے ہرگز نہیں بولوں گا! ابھی آپ کا یہ بھائی زندہ ہے۔“ پھر وہ آگے کا لاکھٹے نکل سوچنے لگا۔

مسز ابراہیم اچانک گہری نیند سے جاگی تھیں، عمو ما دن

کے وقت وہ سوتی نہیں تھیں مگر آج سوجانے کیسے ان کی آنکھ لگ گئی تھی ابراہیم صاحب ابھی ابھی آفس سے گھر آئے تھے انہیں یوں دیکھ کر پریشان سے ہو گئے۔

”آپ ٹھیک تو ہیں ناں! کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے؟“ ابراہیم صاحب ان کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولے تو مسز ابراہیم نے گھبرا کر ان کا بازو پکڑ لیا۔

”ابراہیم پلیز میری بیٹی کو ڈھونڈ لیں میری ماری سے مجھے ملا دو۔ میں اس کے بناب ایک پل بھی جی نہیں سکتی۔“

ابراہیم صاحب پریشان سے ہو گئے۔

”ریٹیکس ہو جائیں شمع! میں ضرور آپ کی بیٹی سے آپ کو ملواؤں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔“ مسز ابراہیم کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ دروازے پر دستک دے کر اس اندر چلا آیا جس کی آنکھوں میں اس پل سرخی دوڑ رہی تھی جسے دیکھ کر دونوں ہی پریشان ہو گئے۔

”اس بیٹا کیا ہوا!..... کیا تم رو رہے تھے بیٹا؟“ ابراہیم صاحب پریشان سے ہو کر انھہ کر اس کی جانب آئے تو اس نے بے ساختہ ابراہیم صاحب کے گئے لگ گیا اور سسک اٹھا وہ ہمیشہ سے دل کا چھوٹا رہا تھا مسز ابراہیم بھی اپنی کیفیت بھول کر بھال کر اس کی جانب دیکھیں۔

”کیا ہوا ماما کی جان!“

”مما! بابا! آپ وعدہ کریں! آپ دونوں میری بات ضرور مانیں گے۔“ وہ بچوں کی طرح بولا تو دونوں نے بیک وقت اشبات میں سر ہلایا۔

”کیوں نہیں مانیں گے بیٹا تم بات تو بتاؤ۔“ مسز ابراہیم اس کا ہاتھ تھام کر بھر بھر اعتماد دلاتے ہوئے بولے تو اس نے آہستہ آہستہ رامیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جسے سن کر دونوں سکتے میں آ گئے۔ مسز ابراہیم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہستر پر ڈھکی گئیں تو اس ایک دم پریشان ہو گیا۔

”مما! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔“ وہ جلدی سے ان کے پاس آ کر فکر مندی سے بولا۔

”اس! رامیہ کا پورا نام کیا ہے؟“

”رامیہ اماں خان۔“ مسز ابراہیم کے یقین پر مہر ثبت ہوئی تو ان کے لبوں سے ایک سسکی برآمد ہوئی۔

”رامیہ کی ماں زندہ ہے بیٹا اس کے باپ اور دوھیال والوں نے اس سے بہت سنگین جھوٹ بولا ہے۔“ اس دم ابراہیم صاحب کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تو اس نے ناگہی کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھا۔

”کیا مطلب پاپا؟“

”بیٹا آج سے بائیس سال پہلے میں ایک گلی سے گزر رہا تھا تو کچھ نقاب پوش لڑکے تمہاری ماما سے زیور اتروا کر پرس چھین کر فرار ہوتے ہوئے ان کے سر پر پستول کا بٹ مار گئے تھے تاکہ وہ شور نہ مچائیں میں نے انہیں بے ہوش ہو کر گرتے ہوئے دیکھا تو انسانی ہمدردی کے تحت فوراً ان کو گاڑی سے نکلا اور اپنی گاڑی میں ڈال کر اپنے دوست کے پرائیویٹ کلینک چلا گیا۔“ ابراہیم صاحب جیسے ماضی میں کھو گئے تھے اس بے تحاشا حیرت سے یہ انکشاف سن رہا تھا۔

”تمہاری ماما کو ساری رات ہوش نہیں آیا شدید خوف اور سر پر اندرونی چوٹ کے باعث یہ بے ہوش تھیں اور میرے پاس ان کے گھر والوں کا کوئی رابطہ نمبر بھی نہیں تھا پھر صبح انہیں ہوش آیا تو یہ بے تحاشا گھبرائی ہوئی تھیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ تقریباً بارہ گھنٹے بعد انہیں ہوش آیا ہے تو یہ سخت حواس باختہ ہو گئیں اور مجھ سے منت کرنے لگیں کہ میں انہیں فوراً ان کے گھر لے جاؤں۔ ساتھیوں نے انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کا شوہر بہت سنگینی مزاج اور غصیلہ انسان ہے اور جب میں انہیں لے کر وہاں پہنچا تو وہاں ایک عدالت کمری تھی تمہاری ماں ہتھ کسے اور گواہی کے متنب گھبرائی گئی اس پر طرح طرح کے الزامات لگا کر اس کے شوہر اور خاص طور پر ان کی جمنانی دیورانی نے گھر کے دروازوں کو بند کر دیا اور اس سنگی القلب انسان نے طلاق کے تین بول اد کر کے اور مجھ کو ان کی ذات سے نفی کر کے ان کے اچلے دامن کو داغ دار کر دیا اور ظلم کی انتہا تو اس وقت ہوئی جب اس سنگ دل انسان نے اپنی دو سالہ

بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر زندگی میں بھولے سے بھی تمہاری ماما نے اپنی بچی سے ملنے کی کوشش کی تو وہ اس بچی کو اپنی ولدیت سے خارج کر کے اسے کسی عظیم خانے میں پھینک آئے گا اور یوں میں تمہاری ماما کو اپنے ساتھ لے آیا۔“ ابراہیم صاحب بولتے بولتے تھک سے گئے تھے وہ خاموش ہوئے تو اس کو نئے نئے واڈ گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے پاپا مسز ابراہیم بھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں وہاں سسکی سے گویا ہوئیں۔

”میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی باپ تو بچپن میں ہی گزر گئے تھے اور ماں میری شادی کرنے کے محض ایک سال بعد ہی دنیا سے منہ موڑ گئی تھیں۔ اماں ایک روایتی سنگی مزاج انسان تھے جو احساس کتری میں مبتلا تھے مجھ پر ہمیشہ شک کرتے اپنی بھالی کے بہکانے اور خود اپنی فطرت کے ہاتھوں ہمہ وقت مجھے ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا رکھتے تھے۔ میری زندگی کی خوشی صرف رامیہ تھی میری جان سے پیارنا بیٹی مگر اس حادثے نے مجھ سے میری بچی کو چھین لیا۔ میں اماں کی دمکنی سے ڈر گئی کہ اگر رامیہ کو اس نے اپنی ولدیت سے خارج کر دیا تو لوگ اسے..... اتار کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں پھر مزید بولیں۔

”میں یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے میری بچی کی زندگی ایک گالی بن جائے میں رامیہ سے جدا ہونے کے بعد شاید مرجانی شہر ہمارے پاپا نے مجھے مہرا دیا جن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھیں ایک سات سالہ بیٹا تھا عافین جسے ماں کی ضرورت تھی تمہارے پاپا سے میں نے شادی کر لی اور ہم بے ملکہ ہی چھوڑ گئے پھر لندن میں تمہاری پیدائش ہوئی ہم یہ ملک ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے مگر رامیہ کی کسک مجھے یہاں لاتی مگر اس خوف سے میں نے اس سے کبھی ملنے یا دھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔“ آخر میں انہوں نے سسک کر کہا تو اس بے ساختہ ان سے لپٹ گیا اور دونوں ماں بیٹی زار و قطار رونے لگے ابراہیم صاحب کی آنکھیں بھی چھٹک پڑیں۔



رامیہ کی آنکھیں تیز چبھتی روٹنی محسوس کر کے بڑی مشکل سے کھلی تھیں چند لمبے تو اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے کافی دیر وہ یونہی بی حس و حرکت لیٹی رہی پھر یکدم شعور کے دائرے میں وہ داخل ہوئی تو بجلی کی تیزی سے اٹھ بیٹھی اور جب سامنے کرسی پر بیٹھے عافین علی شاہ کو دیکھا تو تحیر کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جواب نہایت اطمینان سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ گنہگار حرکت کرنے کی۔“
 رامیہ چیخ کر بولی مگر اس بل سے زور کا چکرا آیا تو بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھما لیا۔

”میں تو ہوں ہی گنہگار انسان تو گنہگار انسان سے یہی توقع کی جاسکتی ہے نا۔“ وہ اتنی خوشی سے بولا جیسے اپنی تعریف کر رہا ہو اس بل رامیہ کو سخت طیش آیا مگر اچانک اسے کچھ احساس ہوا تو اس نے اپنی کلائی پر ہنڈی گھڑی کو دیکھا جو شاہ کے پانچ بج رہی تھی اس کا مطلب ہے وہ تین گھنٹے سے یہاں موجود ہے۔

”دیکھو تم..... مجھے یہاں کیوں لائے ہو میں تو تمہیں ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں پھر کیوں مجھے اس طرح اغوا کر کے یہاں لائے ہو۔“ رامیہ کے دماغ نے جب اسے باور کرایا کہ وہ اغوا ہو چکی ہے اور اس وقت وہ اس شخص کے رحم و کرم پر ہے تو سارا غمہ مظلمہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس وقت اسے صرف اپنی عزت کی بقا کا خیال تھا۔

”آپ کی یادداشت کمزور ہے یا پھر آپ کو آنکھیں اب تک مجھے پہچانی نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بستر پر بیٹھا تو رامیہ بڑی طرح اچھل کر بستر سے اٹھی مگر عافین علی شاہ نے کمال سرعت سے اس کی کلائی تھام لی۔

”اتنی جلدی کیو کیا ہے دور جانے کی۔“ وہ دل کشی سے مسکرا کر بولا نورامیہ کا خون خشک ہو گیا۔

”دیکھو تم..... میرے پاس آنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں اپنی جان لے لوں گی۔“ رامیہ تھوک نلگتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں بولی تو عافین کے لبوں پر جان دار

مسکراہٹ دوڑ گئی پھر انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں اس کے مزید پاس آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”میں تم جیسی لڑکی کی قمرت تو دور کی بات اسے چھوٹا بھی اپنی تو ہین سمجھتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے جس نفرت بھرے انداز میں اس کی کلائی کا زانہ کیا تھا رامیہ کو اپنا لگا تھا کہ عافین کے الفاظ اور لہجے کا زہر اس کے وجود کی کس کس میں اتر گیا ہو اور اس کے خون کو نیلا رو یا ہو اس قدر بات و توہین پر اس کی ساکت آنکھوں کو جھیل میں ایک دم مظالم سا اٹھا تھا بے ساختہ نسوؤں کی لڑوں نے اس کے گانوں کو بھگو دیا تھا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“ وہ اپنا نچلا ہونٹ انتہائی بے دردی سے دانتوں سے کھینچتے ہوئے بولی تو عافین نے چونک کر اسے دیکھا آنسو بہانی بڑکی جو اس بل اتنی بے بس و لاچار دکھائی دے رہی تھی اس لڑکی سے کس قدر مختلف تھی جس نے اس کی مردانگی کو چوٹ پہنچائی تھی وہ چند لمبے کے لیے گم صم رہ گیا۔

”تم چاہتے تھے نا کہ میں تم سے معافی مانگوں۔“ وہ بھگی آواز میں بولی پھر سرعت سے اس کے پیروں پر گر کر اس کے جوتوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

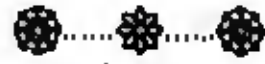
”مجھے معافی کر دو میں اپنی ہر بدسلوکی کی تم سے معافی آتی ہوں۔“ اس بل عافین کا تکتہ چمن سے نونا تھا وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

”تم چاہو تو اس پھستر کے بدلے مجھے مار مار کر اودھوا کر دو مگر پلیز مجھے یہاں سے جا۔“ وہ زمین پر دوڑا نو بیٹھی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تو عافین کی پوری ہستی ذول گئی اس نے بے ساختہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بانوں کو فرج ڈالا۔

”یا خدا یا یہ کیا کر دیا میں نے فیصہ اور طیش کے عالم میں ایک لڑکی کی عزت سے کھیل گیا۔“ وہ خود سے بولا پھر رست و لاج پر نگاہ دوڑا کر گویا ہوا۔

”تم فوراً ہر آؤ۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے داغلی دروازے کی جانب بڑھا تو رامیہ زندگی کا پیغام سن کر غیر یقینی کی

کیفیت میں گھر کر جلدی سے دوپٹہ سنبھال کر اس کے پیچھے لگی۔



”ہم ابھی اور اسی وقت رامیہ کو لینے ہاسٹل چلتے ہیں۔“
ابراہیم اب مجھ سے ایک پل کے لیے بھی اس کی دوری برداشت نہیں ہو رہی۔ ”مسز ابراہیم بے قراری سے بولیں تو ابراہیم صاحب نے انہیں سہولت سے بستر پر دو بارہ بٹھا دی۔“

”شعاع ابھی انس نے ہمیں بتایا تا کہ رامیہ کے دوھیال والوں نے اسے یہ بتایا ہے کہ اس کی ماں۔“ اتنا کہہ کر وہ خود دہل کر حسیب ہو گئے پھر قدرے ٹھہر کر گویا ہوئے۔
”رامیہ کی زندگی اور شخصیت اس وقت بہت ڈسٹرب ہے اس طرح اچانک آپ اس کے سامنے جائیں گی تو اسے گہرا صدمہ پہنچ سکتا ہے ہمیں آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو اس سچائی کے لیے مادہ کرنا ہے۔“

”پاپا! بالکل ٹھیک رہ رہے ہیں ماما رامیہ باجی بہت بکھری ہوئی ہیں۔“ انس کو رامیہ کے ساتھ گزارے ہوئے پل یاد آئے جب کبھی وہ بہت اگے سے سو ہو جاتی اور کبھی بالکل خاموش اور کبھی بہت روڑ۔“

”مگر آپ لوگ مجھے اس سے ایک بار ملو تو دریں۔“ وہ بے قراری سے بولیں تو انس ان سے پلٹتے ہوئے بے تحاشا خوشی سے بولا۔

”مما کل میں خود آپ کو ہاسٹل لے کر چلوں گا اس وقت کافی دیر ہو گئی ہے الٹ کوٹنگ ہو جائے گا۔ کل میں کوئی بھی بہانہ کر کے آپ کو ان سے ضرور ملوؤں گا۔“ انس یہ حقیقت جان کر خوشی سے پھولے نہیں سمار ہا تھا رامیہ اس کی ماں، جانی اس کی حقیقت بہن ہے پھر مسز ابراہیم انتہائی اشتیاق سے انس سے رامیہ کے بارے میں پوچھیں لگیں کہ اس کی آنکھیں کیسی ہیں اس کے ہونٹ کیسے ہیں وہ کیسے ہنستی ہے اور انس مسکراتے ہوئے انہیں ایک ایک بات بتانے لگا جب کہ سن پل ابراہیم صاحب نے گہری عمارت محسوس کی۔

عافین نے اسے ہاسٹل کے گیٹ پر ڈراپ کیا تو وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں باہر نکلے اور بے جان قدموں سے ہاسٹل کی عمارت کی جانب بڑھی جب وہ اندر چلی گئی تو عافین نے گہری سانس لی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

وہ کمرے میں آ کر ہنوز اسی کیفیت میں بستر پر ڈھے گئی اور خلاؤں کو گھورنے لگی یونہی خلاؤں میں تکتے تکتے اسے اچانک جیسے گہری نیند سے ہوش آیا تھا اس نے سرعت سے خود پر نگاہ ڈالی پھر اپنے بیخ سلامت واپس آنے کا یقین کر کے رو: شروع ہو گئی۔



عافین نے گاڑی جونکی گھر کے گیٹ کے سامنے روک کر گاڑی کا ہارن بجایا تو چونکہ کیدار نے دروازہ کھول دیا وہ زن سے گاڑی اندر آیا اور گاڑی سے اتر کر جونکی وہ گھر میں داخل ہوا سب سے پہلے انس سے ہی سامنا ہوا جو اس پل بے حد خوش اور بے جوش دکھائی دے رہا تھا۔

”بھائی میرے پاس ایک زبردست بریکنگ نیوز ہے بلکہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔“ وہ لہک کر بولا تو شدید ترین ذہنی اہتری کے باوجود عافین نے اسے کافی چونک کر دیکھا تھا۔

”بھائی ماما کو ان کی بیٹی مل گئی۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے میری بڑی بہن مل گئی۔“ وہ اس سے لپٹتے ہوئے بولا تو عافین نے نا سمجھے وا۔ نانہار میں اسے الجھ کر دیکھا تھا پھر ذہن پر زور دیا تو یاد آ گیا کہ انس کی پہلے شوہر سے ہونے والی بیٹی کے متعلق بتا رہا تھا جب شیخ عظیم کی شادی ابراہیم صاحب سے ہوئی تھی تو عافین سات سات سال کا کچھ دار بچہ تھا اس حقیقت سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا کہ ماما اس کی دوسری امی ہیں اور ان کی ایک بیٹی بھی ہے جو ان کے پہلے شوہر کی ماں ہے اور وہ ان کی دھمکی کی بدولت اپنی بیٹی کو جیسے بھول گئی ہیں۔ یہ آشفات اس کے لیے بھی حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ خرابی گوار بھی تھا۔

”اچھا واقعی یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے کہہنا ہے

اشرفو®

مکمل سکون

حکایت

تحتفظ ہی علاج ہجرت
نزلہ، زکام اور کھانسی سے



041-8847601-2 Fax: 041-8847607
info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

اشرفو لیبسٹریٹوز



وہ؟" یہ کہتے ہوئے عافین نے ادھر ادھر گردن موڑ کر دیکھا تو اس مایوسی سے بولا۔

"یہاں نہیں ہے نا دراصل وہ بہت ڈسٹرب ہیں ان کے دوھیال والوں نے بتایا کہ مہا اللہ نہ کرے اس دنیا میں نہیں ہے۔ بھائی وہ بہت الجھی ہوئی ہیں اگر ابھی آئیں حقیقت معمول ہوئی تو ان کا رد عمل بہت سخت بھی ہو سکتا ہے۔" آخر وہ سنجیدگی سے بولا تو عافین نے اسے اجنبی سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"تم جانتے ہو اسے؟"

"ہاں نا بہت اچھی طرح دراصل رامیہ باجی ہی میری حقیقی بہن ہیں۔"

کوئی بلاسٹ ہوا تھا عافین کے سر پر اور کئی ہفت اقلیم اس پر گر پڑے تھے عافین بھونچکا سا کھڑا اس کے پلٹے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا جو بجانے مزید کیا کہہ رہا تھا۔



ذیشان اپنی بیوی کو لے کر رامیہ سے ملنے آیا تھا مگر اسے بخار میں بے سدھ پڑا دیکھ کر اس کی ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے فوراً ڈاکٹر کو بلا دیا جس نے انجکشن دے کر اور ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھنے کی ہدایت کر کے دو اول کا پرچہ دیا تھا اب اس کی بیوی اور ذیشان اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہے تھے وہ دل ہی دل میں خود کو اس بات کے لیے ملامت کر رہا تھا کہ جذبات میں آ کر اس نے اسے گزر ہاسٹل میں لایا تھا۔

بخار کچھ ملکا ہوا تو رامیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں ذیشان کو دیکھ کر وہ قدرے چونکی پھر اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ سب کچھ جان کر مسکرائی اور اٹھتے ہوئے بولی۔

"ذیشان یہ تمہاری وائف ہے نا بہت پیاری ہے۔" رامیہ جبا کو دیکھ کر غلوس سے بولی تو جبا قدرے شرمائی۔

"ویسے رامیہ! تمہارا بھی جواب نہیں تم یہاں بخار میں پھک رہی ہو اور مجھے ایک فون بھی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور تو اور میرا فون بھی نہیں اٹھا رہی

تھیں۔" ذیشان اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ناراضگی سے بولا تو رامیہ کو یاد آیا کہ اس کا بیگ معہ موبائل فون کے کہیں ادھر ادھر رہ گیا ہے وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

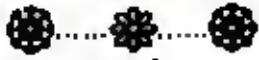
"آئی ایم ویری سوری رامیہ! مجھے تمہیں یوں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" وہ عذارت سے پھر لہجے میں بولا پھر تیزی سے سر اٹھا کر گواہا۔

"تم ابھی اور سی وقت ہمارے ساتھ گھر چل رہی ہو۔"

"باگل مت بنو ذیشان! میں کہیں نہیں جا رہی بس ذرا سا بخار تو ہوا ہے۔" رامیہ اپنے لہجے کو منضبوط بناتے ہوئے بولی تو ذیشان اسے محض دیکھ کر وہ گیا پھر دھیرے سے بولا۔

"ان چند دنوں میں رامیہ بہت کچھ بدل گیا ہے میں نے عائشہ سے شادی سے انکار کیا کیا صالحہ چچی اور عائشہ تو جیسے آگ بگولہ ہو گئے پچھلے ایسے ہی چچی کے آگے دم بھی نہیں مارتے تھے۔ اسی نے مجھے بہت راضی کرنے کی کوشش کی مگر میں پھر بھی نہیں مانا تو چچی کھل کر سامنے آ گئیں اور ای اور چچی میں خوب جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں گھر کا پارٹیشن ہو گیا۔ چچی نے مجھے نچا دکھانے کی خاطر ایک بچے کے اندر عائشہ کی شادی اس کے ماموں زاد سے کر دی جو اول درجے کا آوارہ اور عیاش لڑکا ہے میرے ویسے والے لون ٹائٹ کی بھی رخصتی ہوئی مگر وہ اپنی سسرال میں خوش نہیں ہے اور ناراض۔"

"پلیز ذیشان مجھے، اس گھر کے کینوں سے کوئی سروکار نہیں ہے میں ان کے بارے میں پتھر جانتا نہیں جا ہتی۔" رامیہ نے انتہائی بے زہری سے ذیشان کی بات قطع کر کے کہا تو ذیشان یک دم چپ ہو گیا پھر رامیہ جبا سے باتیں کرنے لگی تو ذیشان بچی سر جھٹک کر ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔



"عافین! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں؟" نتاشہ انگلیاں مردڑتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے اپنے آپ کو تیار

سوچنے لگا۔

وہ گزر ہاسٹل چھوڑ کر وین ہاسٹل شفٹ ہونے کے لیے پینٹنگ میں مصروف تھی جب ہیڈ وارڈن نے اسے کسی کے آنے کی اطلاع دی تو وہ ڈیٹا کا خیال کر کے جونہی ملاقات والے کمرے میں آئی اُنس کے ہمراہ کافی گریس فل شخص کو دیکھ کر تھوڑا حیران رہ گئی۔

”نامیہ باجی! کیسی ہیں آپ؟ یہ میرے پاپا ہیں ہم آپ سے ملنے کل بھی آئے تھے مگر آپ سو رہی تھیں۔“ اُنس بے تحاشا چپک کر بولا تو نامیہ اُنس سلام کر کے ادب سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ابراہیم علی شاہ کو نامیہ میں شیخ بیگم کی کافی شبہات نظر آئی وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرا رہے تھے اور اُنس ادھر ادھر کی باتیں کر کے نامیہ کا دماغ کھار رہا تھا۔

”بس نامیہ باجی آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں ہماری انیکسی خانی ہے وہ کرائے کے طور پر ہم آپ کو دے رہے ہیں۔“ آخر میں اُنس حتمی لہجے میں بولا تو نامیہ نے تیران کن نگاہوں سے ابراہیم صاحب کی جانب دیکھا جنہوں نے نامیہ کی انداز میں مسکرا کر اشارات میں سر ہلایا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے سراسر میں کہتا آپ کے گھر وہ سکتی ہوں۔“ وہ متعجب ہو کر بولی۔

”آپ کیوں نہیں رہ سکتیں بنا دیسے بھی ہمیں اپنی انیکسی کرائے پر کسی نہ کسی کو تو دینی ہے۔“ ابراہیم صاحب بات بتاتے ہوئے سہولت سے بولے مگر نامیہ متذبذب سی ہو گئی۔

”اچھا ایسا کرتے ہیں آپ ہر رے ساتھ چلے انیکسی دیکھ کر فیصلہ کر لیجیے گا کہ آپ یہاں رہنا چاہتی ہیں یا نہیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی۔ بولے تو نامیہ کچھ الجھ سی گئی پھر ان دونوں کے شدید اصرار پر راجا چاران کے ساتھ چل دی۔ نامیہ نے جونہی لاؤنڈ میں قدم رکھا اور وہاں بیٹھیں مسز ابراہیم نے کبلی بار اپنی بیٹی کو دیکھ تو بے ساختہ انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔

کہتے ہوئے بولی تو عافین اپنے وہمیاں سے بری طرح چونکا آج ناشا اس سے ملنے اس کے گھر آئی تھی اور اب وہ لان کی کرسیوں پر بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر بار بار عافین کا دھیان بھٹک کر نامیہ کی طرف چلا جاتا تھا وہ اپنی حرکت پر سخت پشیمان تھا اتنا کہ خود سے بھی نکالیں ملانے کی ہمت نہیں کر پارہا تھا اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ ماما کی بیٹی ہے تو گویا جیسے ایک پیراں کے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔

”ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔“ وہ پوری توجہ ناشا کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کرنے ہوئے بولا۔

”دراصل عافین میرے والد ہیں چاہتے ہیں کہ میرا رشتہ بکا ہو جائے۔“ وہ پلٹ کر بولا کہنا ہنسی سے بولی۔

”اچھا کوئی رشتہ ہے ان کی نظر میں۔“ وہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا تو جواباً ناشا نے انبات میں سر ہلایا۔

”اچھا لڑکا کیسا ہے کیا کرتا ہے تمہارے خاندان کا ہے؟“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھے ہوئے دلچسپی سے پوچھنے لگا تو ناشا نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھا۔

”میں تم سے..... عافین میں تم سے اپنے بارے میں رائے جاننے آئی تھی۔“ بلا آخر ناشا کہہ گئی تو عافین اس کا اشارہ بخوبی سمجھ گیا وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

”ناشا تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو اور یقیناً جو تمہارا لائف پارٹنر ہوگا وہ بہت خوش نصیب ہوگا مگر..... میں نے تمہیں کبھی اس نگاہ سے دیکھا نہیں تمہارا یہ بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں پلیز ناشا! تم مائنڈ منس نہ کرنا۔“ عافین اسے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا لہذا وہ کھل کر کہہ گیا تو ناشا کے دل میں پھین سے کچھ ٹوٹا مگر وہ فوراً اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

”اُنس او۔۔۔ عافین! میں نے بُرا نہیں مانا اپنی پسند کی لڑکی سے شادی تمہارا حق ہے۔“ وہ ہنسنے لگی مگر بولی تو نامیہ نے خاموش سا ہونیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے ناشا چلی گئی تو ایک بار پھر عافین نامیہ کے بارے میں

اور چیکلی دوڑتے ہیں مگر نہ سوچ سکتے ہیں اور نازک سا سراپا لیے وہ بائیس سال کے طویل عرصے کے بعد ان کے سامنے تھی وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر اٹھ کھڑی ہوئیں رامیہ نے انہیں سلام کیا تو بے ساختہ انہوں نے رامیہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس بلبل بجانے کیوں رامیہ کو محسوس ہوا جیسے اس کی تڑپتی روح کو قرآن آ گیا ہو جیسے اس کے اندر سلتی دہمکی آج پر کسی نے ٹھنڈی پھوار برسا کر اسے بجھا دیا ہو جیسے برسوں سے بھرا غبار دھواں یک لخت اس کے اندر سے خارج ہو گیا ہو اور جیسے سینے میں موجود دل زندگی محسوس کر کے دھڑکنے شروع ہو گیا ہو کافی دیر وہ دلوں ایک دوسرے سے بے خودی کی عالم میں لپٹی کھڑی رہیں۔

”ہما! رامیہ! جی میری سب سے اچھی دوست ہیں آپ پلیز ان کے لیے کچھ لے کر آئیے نا۔“ عقیب سے انس کی آواز ابھری تو رامیہ جیسے ہوش میں آ گئی وہ نرمی سے ان سے الگ ہوئی جن کی پھلتی پھلیں کچھ کر وہ کچھ الجھ سی گئی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں میں اپنی بیٹی کے لیے ابھی لے کر آتی ہوں۔“ فرط مسرت میں گھر کر مسز ابراہیم بولتی ہوئی کچن میں چلی گئیں تو ابراہیم صاحب جلدی سے بولے۔

”وراصل انس کی مہمان کو لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اس لیے ہر بچی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں۔“ یہ سن کر رامیہ مطمئن سی ہو گئی پھر تقریباً دو گھنٹے بعد اس نے ان لوگوں سے اجازت چاہی اس تمام وقت میں مسز ابراہیم اور انس ہی بولتے رہے تھے رامیہ کھنکھن ہوں ہوں میں جواب دے رہی تھی۔

”انس اب میں چھٹی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔“ وہ گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تو انس جلدی سے بولا۔

”ارے آپ انیکسی تو دیکھ لیں۔“

”ابھی نہیں انس! اس وقت کافی شام ہو گئی ہے۔“ پچھلے دنوں عافین نے اس کے ساتھ جو گھٹیا حرکت کی تھی اس کے بعد رامیہ کو اندھیرے سے ڈر لگنے لگا تھا۔

”بیٹا آپ پریشان مت ہوا انس آپ کو ڈرا نہیں کے ساتھ چھوڑ کر آ جائے گا۔“ ابراہیم صاحب نرمی سے بولے تو رامیہ خاموش سی ہو گئی جب کہ مسز ابراہیم ”ابھی آئی“ کہہ کر کمرے میں چلی گئیں اور ابراہیم صاحب باہر ڈرائیو کو دیکھنے کی غرض سے بلاؤنج سے نکل گئے۔

”رامیہ باجی آپ وعدہ کریں آپ ہماری انیکسی میں شفقت ہو جائیں گی نا۔“ انس مان بھرے انداز میں بولا تو رامیہ کچھ سوچ کر گوی ہوئی۔

”مگر میں انیکسی کا اتنا ہی کرنا یاد کروں گی جتنا تم کسی دوسرے سے لیتے۔“

”بالکل پکا ہما آپ سے بھڑا کرنا وصول کریں گے۔“ وہ خوشی و خوشی سے بولا اور اس بلاؤنج میں جو کھنکھ داخل ہوا سے دیکھ کر رامیہ جسے کی مانند پتھر کی ہو گئی۔

”ارے عافین بھائی..... یہ ہیں رامیہ باجی؟“ انس عافین کو دیکھ کر اشارہ بولا مگر وہ تو اچانک رامیہ کو یوں سامنے دیکھ کر شیشا گیا تھا انس بجانے کیا کیا بول رہا تھا جب ہی رامیہ کے اندر جان آئی گئی وہ انتہائی نفرت بھری نگاہ عافین پر ڈال کر تیزانی لہجے میں بولی۔

”انس! مجھے تمہاری انیکسی نہیں چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ بیک سہال کر تیزی سے انہی اور داخلی دروازے سے باہر نکل گئی جب کہ انس ”ارے ارے“ کرتا رہا گیا مسز ابراہیم ہاتھ میں گفٹ باکس لیے باہر آئیں تو رامیہ کے چلے جانے کا سن کر مایوس سی ہوئیں۔ ابراہیم صاحب بھی رامیہ کے آگے ٹھہر کر طوفان کی طرح چلے جانے سے حیران نظر آ رہے تھے جو ڈرائیو کو اس کے کوارٹر سے بلانے گئے تھے اور عافین اپنی جگہ شرمندگی سے گڑھا جا رہا تھا واپس آ کر انس نے عافین کو اتھانی مٹھکوک لگا ہوں سے دیکھا تو وہ خفیف سا ہو کر اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔



سامنے ڈرائنگ روم کے سنکھل صوفے پر چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں لیے چچا خاموش سے بیٹھے تھے جب کہ دیشان بھی کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا جب ہی

تیزی سے کچھ حیران سی رامیہ اندر داخل ہوئی وہ اس کے گھر سے جو نئی نئی گھی اس کے موبائل پر چچا کی کال آئی تھی جنہوں نے ابھی اور اسی وقت اسے گھر آنے کا کہا تھا۔

”خیریت تو ہے نا چچا جان! آپ نے مجھے اتنی ایمر بنی میں کیوں بلایا؟“ وہ گھبرا کر استفسار کر رہی تھی جب کہ ذیشان محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔ رامیہ کو دیکھ کر چچا جان کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی دہائی۔

”بیٹا! انشہا ہسپتال میں ہے۔“

”کیوں..... وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ یہ سن کر رامیہ کچھ پریشانی سے بولی۔

”نہیں بیٹا وہ ٹھیک نہیں ہے اس کے شوہر نے اسے نشہ میں دھت ہو کر بہت مارا بیٹا۔ ہے اور اسے طلاق بھی دے دی۔“ چچا گہرے صدمے کے زیر اثر بولے تو رامیہ محض خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”اس کا شوہر بہت خراب انسان تھا بہر حال جو ہونا تھا وہ تو چکا دراصل بیٹا.....“ وہ بولتے بولتے جھجک کر رہ گئے۔

”میں تمہیں تمہارے باپ کا حصہ دینا چاہتا ہوں اور اپنے سلوک کی معافی کا بھی خواست گار ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولے تو اس پار بھی رامیہ خاموش رہی پھر گہری ندامت و شرمساری سے گویا ہوئے۔

”رامیہ میں..... میں تمہیں ایک سچائی بتانا چاہتا ہوں یہ شاید بلکہ یقیناً ہمارے گناہوں کی سزا ہے جو ہماری اکلوتی بیٹی آج موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔“

”چچا جان! اعانہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی آپ نا امید نہ ہوں۔“ رامیہ سنجیدگی سے بولی پھر دھیرے سے استفسار کیا۔ ”کون سی سچائی آپ بتانا چاہ رہے ہیں۔“

”بیٹا وہ..... وہ ہم نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔“

”کیسا جھوٹ؟“

”بہت سنگین جھوٹ۔“

”چچا پلیز کھل کر بتائیے کیا جھوٹ بولا تھا۔“ وہ الجھ کر بولی۔

”رامیہ تمہاری ماں زندہ ہے۔“

”کیا.....“ وہ بھونچکا سی تیزی سے سچائی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”یہ..... یہ کیا کہہ رہے آپ..... میری ماں..... یعنی میری ماں زندہ ہے۔“ وہ انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنی انگشت شہادت سینے پر رکھ کر گویا ہکا بکری بولی۔

”مگر بچپن سے لے کر آج تک اولاد آپ سب سے تو مجھے یہی بتایا تھا کہ میری ماں اس دنیا.....“ تحیر و دکھ کی زیادتی سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

”جھوٹ بولا تھا ہم سب نے تم سے تمہارا باپ احساس کمتری کا مارا انسان تھا ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کی غرض سے وہ بھائی پر زیادتی کرتا تھا وہ تو انتہائی نیک و پارسا خاتون تھیں اس دن بھئی کسی کام کے لیے مذیٹ تک گئیں مگر رات گئے تک واپس نہیں آئیں تو تمہارا باپ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور اس جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام تمہاری چچی لورتائی نے، بخوبی کیا اور جب وہ صبح آئیں تو تمہارے باپ نے ان سے ایک بھی لفظ سنے بنا کھڑے کھڑے طلاق دے دی اور یہ کہہ کر دھکے مار کر گھر سے نکال باہر کیا گیا۔“

”نہ کبھی بھی تم سے ملنے کی کوشش کی تو وہ تم سے تمہاری ولدیت چھین کر تمہیں کسی نیم خانے میں پھینک آئے گا اور پھر تمہاری زندگی ایک گالی بن کر رہ جائے گی اور پھر بھائی چلی گئیں۔“ وہ ندامت سے ہر جھکا کر بولے تو رامیہ نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی جنونوں کا گلا کھوٹا تھا وہ پھٹی پھٹی لگا ہوں سے چچا جان کو تکے جارہی تھی۔

”میری ماں زندہ ہیں.....“ وہ خود سے بولی جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہی ہو۔ ”میری ماں..... کہاں ہیں وہ..... بتائیے چچا جان میری ماں کہاں ہے؟“ وہ چلا ہی پڑی تو ذیشان اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے ہوئے بولا۔

”پلیز رامیہ خود کو سنبھالو۔“

”کیسے سنبھالوں خود کو ذیشان! ہمیں سال کے طویل عرصے کے بعد مجھے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس ماں کے لیے میں نے ساری زندگی یہ سمجھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے وہ زندہ سلامت ہے مجھے میری ماں سے دور رکھ کر انہیں مر رہے

جان نے بتایا تھا کہ کوئی شخص اس کی ماں کو چھوڑنے آیا تھا وہ شخص کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کیا اس کی ماں اسی شخص کے ساتھ چلی گئی تھی؟ یہ سب کچھ وہ نہیں جانتے تھے اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا جس پر چل کر وہ اپنی ماں کو ڈھونڈ سکتے ہو یا مل سکتے تھے۔

”رامیہ باجی! آپ کہاں غائب ہیں! طوبی اور عقیفہ باجی آپ سے بہت ناراض ہو رہی تھیں۔“ انس چپک کر بولا تو رامیہ نے بے حدنا سے سنا۔

”آج شادی میں آپ آ رہی ہیں نا۔“

”انس میں.....“

”بس مجھے کچھ نہیں سننا“ آپ نے بوجے تیار رہے گا میں آپ کو بیک کر لوں گی۔“ وہ حتی انداز میں کہہ کر لائن ڈس کنکٹ کر گیا تو رامیہ مناسب دماغی سے ہنسی رہ گئی۔

طوبی کی سنگین دھمکیوں اور انس کے بڑے زور اصرار پر رامیہ شادی میں آ تو گئی تھی مگر اس کا ذہن بڑی طرح الجھا ہوا تھا۔

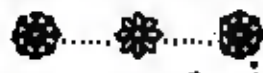
”اے رامیہ باجی! طوبی باجی تو آسمان کی حور لگ رہی ہیں۔“ کس گہرے رنگ کی بدولت انس چپکتے ہوئے اس کے ساتھ والی رسی پر آ کر بیٹھا تو رامیہ کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا یا رامیہ کی طرف سے ٹیکس خاموشی محسوس کر کے انس نے بغور دیکھا پھر کچھ سوچ کر دھیرے سے اس کے بازو کو چھوا تو رامیہ جا ٹک یوں ہز بڑا کر سیدھی ہوئی جیسے۔ نے اسے گہری نیند میں سوتے ہوئے شخصہ پائی گرا کر جگا دیا ہے۔

”اے او انس! کیا مصیبت ہے تم نے تو مجھڈ را دیا۔“ ایک دم انس نے اس کے سکتے کی کیفیت کو توڑا تو رامیہ چڑ کسا سے تازگی۔

”کیا ہو گیا ہے رامیہ باجی! آپ کو اتنی خوب صورت محفل میں ہوتے ہوئے بھی آپ نے نہ جانے کہاں گم ہیں۔“ انس ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تھوڑا ناراضی سے بولا تو رامیہ نے اپنے آپ کو سنبالا۔

قرار دے کر مجھے احساس محرومی اور تنہائی میں مبتلا کر کے آج مجھے یہ سچائی بتائی جا رہی ہے کہ میری ماں..... بولتے ہوئے اس کا سانس دھونکی کی طرح چلنے لگا تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

”آپ لوگوں نے رامیہ اور چچی جان کے ساتھ بہت ظلم و زیادتی کی ہے چچا جان!“ ذیشان انہیں شکایتی نگاہوں سے دیکھتا سانس سے بولا تو چچا جان نے غماصت و شرمندگی سے سر جھکا لیا جب کہ ذیشان رامیہ کو سنبھالنے لگا جو اس انکشاف کی زد میں آ کر بڑی طرح کھڑکی تھی۔



عاقین نے انس کے بے حد استفسار پر تمام باتیں اسے بتا ڈالی تھیں سوائے رامیہ کے تھپڑ اور اسے انہوں نے کئے وہ اپنی اس شرمناک حرکت کو انس سے چھپا گیا تھا۔

”بھائی آپ کو رامیہ باجی کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں تھا لہذا آپ نے انہیں ایک نازل لڑکی کی طرح ٹریٹ کیا جب کہ وہ انتہائی ذہنی ظہان اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار تھیں۔“ انس بڑے سوچ انداز میں انتہائی سمجھ داری سے بولا تو عاقین نے اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”ہاں انس! میں رامیہ کو پونیورٹی کی ایک عام لڑکی کی طرح سمجھا تھا مگر مجھے یہ ہرگز نہیں معلوم تھا کہ وہ کس قدر نامساعد حالات کا سامنا کرتی بہادری سے کر رہی ہے۔“ عاقین کو یہ جان کر نجانے کیوں بہت سکون محسوس ہوا کہ رامیہ کو اپنے سابقہ منگیتر سے کوئی لگاؤ نہیں تھا جو عقیفہ کی زبانی انس کو معلوم ہوا تھا۔

”مگر بھائی اب رامیہ باجی کی زندگی میں کسی دکھ کسی تکلیف کی پر جھالی تک نہیں آئے گی۔ میں اپنی بہن کو زندگی کی ہر خوشی دوں گا۔“ انس بالکل بڑے بھائیوں کی طرح گہری سنجیدگی سے بولا تو عاقین اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

آج طوبی کی شادی تھی وہ اس کی مایوں مہندی میں بھی شریک نہیں ہو سکی تھی بس تین دن سے پاگلوں کی طرح بھی سوچے جا رہی تھی کہ اپنی ماں کو تلاش کرے تو ایسے چچا



”یہ عقیقہ کہاں رہ گئی۔“ رامیہ نے لیک طائرانہ نگاہ ماحول پر ڈال کر استفسار کیا تو اُس جتے ہوئے بولا۔

”وہ تو طوبی باجی سے بالکل جڑ کر بیٹھی ہیں کہہ رہی تھیں، ذہن کے ساتھ بیٹھنے سے جلدی شادی ہو جاتی ہے۔“ اُس کی بات پر رامیہ کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تو اُس نے موقع غنیمت جان کر فوراً کہا۔

”رامیہ باجی! آپ ہماری انٹیکسی میں کب شفٹ ہو رہی ہیں؟“ یک دم رامیہ نے سختی سے ہونٹ بچھتے لیے ایک ناگواری پر چھائی اس بل ذہن کے پردے پر ابھری تھی، یک لخت اس کی طبیعت اس ماحول سے مندر ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے اپنی نشست سے اُٹھی اور باہر کی جانب بڑھی۔ اُس اس کا بدلتا رویہ دیکھ کر یک دم پریشان ہو کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

”کیا ہو رامیہ باجی! شادی کا فنکشن اس وقت عروج پر ہے اور آپ جا رہی ہیں؟“ اسے جانے کے لیے بڑھتا دیکھ کر وہ گھبرا کر بولا تو رامیہ مہنی آواز میں بمشکل بولی۔

”اُس مجھے یہاں بہت وحشت ہو رہی ہے پلیز مجھے کہیں لے چلو ورنہ میرا دم ٹھٹ جائے گا۔“ اس بل اندر کی مٹھن اس حد تک بڑھی تھی کہ اسے اپنا سانس رکنا ہوا محسوس ہوا تھا، اُس کی کیفیت دیکھ کر تیزی سے پارکنگ لائٹ کی جانب لپکا اور گاڑی میں رامیہ کو بٹھا کر وہاں سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شکر ہے کہ کریم دین ڈرائیور اپنے گاؤں گیا ہوا تھا ورنہ پاپا سے یوں اکیلا نہ بھیجتے۔

گاڑی کے اسے سی نے اس کے اعصاب کو کچھ پرسکون کیا تو وہ نڈھال رہا، کہیں موندھ کر سیٹ کی بیک سے سر نکالی۔ اُس خاموشی سے ذرا میوگ کر رہا تھا اس بل وہ رامیہ کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

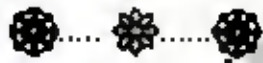
”رامیہ باجی میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بہن صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ دل و جان سے بڑی بہن مانا بھی ہوں آپ پلیز اپنے دل کا بوجھ مجھ سے کہہ کر ہلکا کر سکتی ہیں۔ آپ دیکھئے گا میں بھی آپ کا جتنی بھائی بن کر دکھاؤں گا

بس ایک بار مجھ پر بھروسہ تو کر کے دیکھئے۔“ اُس اتنے ہر یقین لہجے میں بول رہا تھا کہ بے ساختہ رامیہ کی آنکھیں جل جھل ہو گئیں۔

”اُس میں اپنی پوری زندگی سبھی سمجھتی رہی کہ میری ماں.....“ اتنا بول کر وہ سسک اُٹھی۔ ”مگر میری ماں زندہ ہے۔“ رامیہ کے اس جملے پر بے ساختہ اُس کا پیر بریک پر جا پڑا اور گاڑی جھٹکے سے رکی۔ اُس جس ماں کو میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی ہے وہ زندہ ہیں اُس..... میری ماں زندہ ہے، آخر میں بولتے ہوئے وہ اُس کا بازو شدت جذبات سے منجوز گئی۔

”آپ ملنا چاہتی ہیں ان سے۔“ اُس گہری سانس بھرتے ہوئے بولا تو رامیہ نے انتہائی تحیر کے عالم میں اس کی جانب دیکھا۔

”نت..... تم کو معلوم ہے وہ کون ہیں کہاں رہتی ہیں؟“ رامیہ کی بات پر اس نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے فل اسپر پر دوڑانے لگا جب کہ رامیہ گہری سانس لیتے اُس کو دیکھ لہجے لگی۔



وہ ابھی ابھی اُس کے گھر میں داخل ہوئی تو اب اسے اپنی ماما کے بیٹا رامیہ کی جانب لے آیا تھا۔ ”اُس تم مجھے یہاں کیوں لے گئے ہو تم تو مجھے میری ماں کے پاس.....“ بولتے بولتے اچانک دروازہ کھل جانے پر وہ یک دم خاموش ہوئی تھی۔

”اُس جی! سب خیریت ہے نا رامیہ اس وقت یہاں.....“ مسز ابراہیم اپنے کمرے سے نکل کر دروازے پر آئیں تھیں۔

”رامیہ باجی ایسا آپ کی مار، جی وہ ماں جو بائیس سال آپ کے ابو کی وجہ سے آپ سے دور رہیں۔“ اُس کے الفاظ پر یک دم مسز ابراہیم نے پوکھٹ کا سہارا لیا تھا۔

”اُس ایہ کیا مذاق سے یہ تو نہاری ماما ہیں مجھے تمہاری یہ گھنیا حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔“ انتہائی ناگواری سے بولتی رامیہ جانے کو بٹھی ہی تھی کہ ابراہیم صاحب کی آواز نے

اس کی قدموں کو بری طرح جکڑا لیا تھا۔

”انس مذاق نہیں کر رہا بیٹا! وہ بھونچکا سی پلٹ کر شمع جیگم کو دیکھے گی جو بے تاوا زار و قطار رو رہی تھی۔“

”آپ سب کو شرم آتی چاہیے یوں میرے جذبات کے ساتھ کھیل کر مجھے آپ لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔“
رامیہ بے ساختہ سسک اٹھی اور انتہائی دکھ سے بول کر فوراً وہاں سے پلٹ گئی جب کہ ابراہیم صاحب اور انس اس کے پیچھے پیچھے لپکے۔

”رامیہ بیٹا! ہماری بات کا یقین کر دو یہی عورت تمہاری ماں ہے جس نے تمہیں جنم دیا جو بائیس سال تمہاری جدائی کی آگ میں جھلس کر تڑپتی سستی رہی خدا کے واسطے اسے یوں چھوڑ کر مت جاؤ ورنہ.....“

”نہیں.....“ وہ تڑپ کر پلٹتے ہوئے بولی۔ ”میں اب اپنی ماں کو کہیں نہیں جانے دوں گی انہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ زور سے جلاتے ہوئے بے تحاشا روتے ہوئے بولی اور دوڑ کر شمع جیگم کے سینے سے پلٹ گئی جو انس کے پیچھے زار و قطار رو رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹی کو یوں تڑپ کر ملے دیکھ کر انس بھی رو دیا جسے ابراہیم صاحب نے نرم لہجوں سمیت سینے سے لگا لیا۔



عافین ایک ہفتے بعد اپنے خالہ زاد کی شاہزی انینڈ کر کے لاہور سے واپس آیا تو انس کی زبانی انتقام باتوں کا علم ہو گیا اس وقت رامیہ سزا ابراہیم کے ہمراہ کہیں جا رہی ہوئی تھی عافین جھکن کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ رامیہ کا سامنا کرنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا سزا ابراہیم کو معلوم ہوا کہ عافین آ گیا ہے وہ فوراً اس کے کمرے کی جانب چل دیں انس اور عافین میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا تھا وہ اپنی مٹی اولاد کی طرح اسے چاہتی تھی۔

رات کو کھانے کی میز پر اس کا رامیہ سے سامنا ہوا جو اسے بھر پور طریقے سے نظر انداز کر رہی تھی ایک اس کے علاوہ سب ہی بے حد خوش اور رے سکون دکھائی

دے رہے تھے۔

”رامیہ باجی مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنے مزے دار کھانے پکا سکتی ہیں۔“ انس شامی کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے مزے سے بولا تو رامیہ مسکرا دی جب سے اسے اس کی ماں ملی تھی اس کے اندر کی بے گلی بے قراری وہ بے سکونی بھانپ بن کر اڑ گئی تھی اس پل رامیہ کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت لگی کہ بے ساختہ عافین اسے دیکھتا رہ گیا ایک دم رامیہ کی نگاہ اس پر پڑی تو انتہائی ناگہاری سے اس نے عافین کی طرف سے منہ موڑ لیا عافین کا دل بچھ سا گیا۔



ذیشان اور حبا اس سے مل کر گئے تھے اور ساتھ میں یہ پیغام بھی دے گئے تھے کہ مہک والا کے مکین ان دونوں سے مل کر اپنے ظلم و زیادتی کی معافی مانگنا چاہتے ہیں مگر رامیہ نے قطعیت سے ان لوگوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ مسٹر ابراہیم اور مسز ابراہیم دونوں ہی اسے سمجھا رہے تھے۔

”بیٹا تم نے یہ قول نہیں سنا کہ ”معافی سب سے اچھا انتقام ہے“ غصے اور انتقام ان آگ انسان کو کسی بل سکھ نہیں لینے دیتی اگر تم ان لوگوں سے نفرت کرتی رہو گی ان کی زیادتیوں کو سوچ سوچ کر کڑھتی رہو گی تو تمہاری زندگی بھی بے سکون اور منتشر ہی رہے گی۔ ایک ہاتھ ان لوگوں کو معاف کر کے دیکھو پھر دیکھنا کیسی ٹھنڈک اور سکون تمہاری روح میں اترے گا۔“ ابراہیم صاحب اسے تلاوت سے سمجھاتے ہوئے بولے تو گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے جسے دیکھ کر مسز ابراہیم تڑپ اٹھیں۔

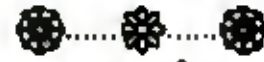
”اور جو آنسو جو لکھنئیں انہوں نے مجھے دیں میرے دل کو چوٹ پہنچائی میری روح کو زخمی کیا اس کا کیا.....؟“ وہ روٹھے ہوئے بیچ کی مانند انتہائی معصومیت سے بولی تو کاؤچ پر بیٹھے عافین کو ابراہیم پر بے ساختہ پھانسا گیا۔

”اللہ تعالیٰ بہترین منصف ہے وہ تمہارے ساتھ پورا انصاف کرے گا تمہارے آنسو تمہاری لکھنئیں جن پر تم

نے برداشت کیا وہ بلاشبہ رائیگاں نہیں جائے گا وہ تمہیں اس کا بہترین صلہ عطا کرے گا۔“ ابراہیم صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے تو رامیہ نجانے کون سی طاقت کے ذریعہ فوراً کہنا لگی۔

”ٹھیک ہے پاپا! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے گا کہ امی کے ساتھ میں نے ان سب کو معاف کیا۔“ یہ کہہ کر وہ واقعی خود کو بادل کی مانند ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ نفرت و بد لے کا جذبہ انتہائی طاقت ور ہوتا ہے مگر اس سے کہیں زیادہ طاقت جذبہ ایمان میں ہوتا ہے جو انسان کو حیوان بننے سے روک دیتا ہے اور اسے نیکی اور بھلائی پر اکسا کر انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے وگرنہ نفرت و بد لے کی طاقت سے مغلوب ہو کر انسان انسان کو بتی نیست و نابود کرنے پر تیار رہتا۔

”شاہاش میری گڑیا! تم نے ہمیں خوش کر دیا۔“ ابراہیم صاحب مسکرا کر بولے تو مسز ابراہیم نے اٹھ کر رامیہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔



کافی دنوں سے عافین رامیہ سے بات کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا مگر رامیہ اسے ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کر رہی تھی تھوڑی دیر پہلے عقیقہ طوبی اس سے مل کر گئی تھیں وہ اس کے لیے بہت خوش تھیں وہ ان سے فارغ ہو کر شیرس میں رہی چیز پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی جب ہی عافین نے اسے وہاں جانیا۔

”رامیہ مجھے آپ سے بہت ضرور رہنما بات کرنی ہے۔“ وہ اس کے سر پر آ کر بولا تو رامیہ نے قطعیت سے کہا۔

”مگر مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔“

”مگر میرا اپنی بات پوری کیسے بنا یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔“ اتنے دنوں کی گفتگو اور بے زاری اس میں عود کر اس کے لہجے میں آسانی تھی۔

”ٹھیک ہے اگر آپ نہیں جا رہے تو میں چلی جاتی ہوں۔“ وہ کتاب بند کر کے کرنی سے اٹھتے ہوئے بولی تو

سامحہ پشاور پر ایک پرسوز نظم

میرے مولا!

تیری ارض پاک پہ یہ مانزا کیا ہے؟
تیری کائنات میں فتنہ و ساد کا سلسلہ کیا ہے؟
کہیں پر ہے ظلمتوں کی نیند میں تڑپتی بنت حوا
کہیں پر ہیں اڑتی لاشوں کی ریزہ ریزہ بوٹیاں
کہیں پر ہیں درندے نوخیز پھولوں کو مسلتے ہوئے
رنگ حیالی کو بدرنگ کرتے ہوئے
گلشن حیات کو عم کی آگ لگاتے ہوئے
خون کی بہتیس بہا ندیاں بہاتے ہوئے
باپ کے بازو کاٹتے ہوئے
میرے مولا!

حالات دہر پہ غزدہ سے ہر آنکھ
بے چین پدر مادر کا دل شلمتہ بین کرتا ہے
پھنڑے ہوئے پھولوں سے ملنے کوڑتا ہے
امیر سلطنت سے قوت و یابی سے محروم زبان پر
فریاد کرنی سے

اور بار بار کرتی ہے
ہمارے گلشن حیات کے نوخیز گلوں کی کلکاریاں
واپس لا دو

ہماری اجڑی بچھنی آنکھوں میں امید کی لوجلا دو
ہمارے بچے ہمیں واپس لا دو
آہ! ہمارے بچے ہمیں واپس لا دو
میرے مولا! میری اتر دھرتی کو پھر سے گہوارہ
اسن بنا دے

خوشیوں و مسکراہٹوں کا بہن بنا دے آئین
سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ

عافین کو غصہ سا آ گیا۔

”رامیہ آپ میری بات سننے بنا یہاں سے نہیں جا سکتیں۔“ وہ اس کے مقابلہ آتے ہوئے بولا۔

”آپ میرے ساتھ زیر بتی نہیں کر سکتے۔“ رامیہ کو بھی طیش آ گیا تھا اسی دوران اپنی جون میں آٹانس ٹیرس

میں داخل ہوا اور رامیہ کے بڑے تیور دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

”کیا ہوا رامیہ باجی کس کی شامت آپ کے ہاتھوں آئی ہے۔“

”اُس اپنے بھائی سے کہو کہ فوراً یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ مجھ سے غلطی ہونے کی کوشش بالکل نہ کریں ورنہ.....“ وہ قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے سلکتی نظروں سے دیکھنے لگی جو اسے زریع کر رہا تھا۔

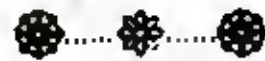
”اُس رامیہ باجی سے کہہ دو اُنہیں میری بات سنی ہی ہوگی۔“ رامیہ کے قریب آنے کے لیے اسے اس کی مدد کی اشد ضرورت تھی ورنہ یہ لڑکی کم از کم اس زندگی میں تو اسے قبول کرنے والی نہیں تھی۔

”ہائے عافین بھائی! رامیہ بانگی آپ سے پانچ سال چھوٹی ہیں آپ اُنہیں باجی کیوں کہہ رہے ہیں۔“ اُس مصنوعی حیرت سے بولا۔

”لاحول ولا قوتہ۔“ وہ بے مزہ ہو کر جلدی سے بولا پھر مزید گویا ہوا۔ ”میں بھلا باجی کیوں کہوں گا یہ صرف تمہاری باجی ہیں۔“

”اچھا صرف میری بہن.....“ اُس صرف کو خاصا لہبا کھینچتے ہوئے بولا تو رامیہ حسب توقع تلملا اُٹھی۔

”اُس بکو اس بند کو اپنی اور شو میر۔ ہرنا سے۔“ یہ کہہ کر رامیہ یہ جا فہ جا جب کہ اُس اور عافین محض ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔



عافین شام کو کلب سے لوٹا تو لان میں رامیہ کو اُس سے باتیں کرتے دیکھا اُس عافین کو یہاں آتا دیکھ کر کوئی بہانہ کر کے گزرا وہاں سے کھسک گیا۔

”رامیہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ہرگز معاف کرنے کی روانہ نہیں ہو مگر میں پھر بھی تم سے معافی کا خواست گار ہوں۔ اس دن غصے اور جوش میں آ کر میں نے وہ حرکت کر ڈالی جو بھی میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچی تھی یونہی میں تمہارے رویے نے مجھے بہت ڈسٹرب

کر دیا تھا میں اہانت کے احساس میں بُری طرح جل رہا تھا۔“ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے ایک نگاہ رامیہ کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے بولا جو بہت خاموشی سے کیاری میں لگے پھولوں پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

”میں اپنے عمل کو درست قرار دینے یا خود کو بے قصور ٹھہرانے کے لیے یہ بات ہرگز نہیں کہہ رہا کہ جو انداز جو رویہ تم نے میرے ساتھ روا رکھا وہ ایک مرد کی مردانگی پر کاری ضرب تھا مگر میں نے پھر بھی بہت بُری حرکت کی تھی مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا ہو سکے تو پلیز مجھے معاف کر دینا۔“ یہ کہہ کر عافین پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا جب کہ رامیہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔



آج ای نے رامیہ سے ذمہ داری باتیں کی تھیں جن میں زیادہ تر وہ عافین کا ہی تذکرہ کر رہی تھیں ابراہیم صاحب کی محبت و حضور کی وہ پہلے سے قائل تھیں مگر ای کے بتانے پر وہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور شرافت پر دل و جان سے ایمان لے آئی تھی اور پہلے سے زیادہ ان کی عزت کرنے لگی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر ای کو ابراہیم صاحب جیسے حلیم فطرت اور ہمدرد انسان نہ ملتے تو نجانے ان کا کیا حشر ہوتا اس کے باپ اور ودھیال والوں نے تو اُنکس تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی وہ واقعی فرشتہ صفت انسان تھے ان کے اصرار پر ہی وہ انہیں پاپا کہتی تھی۔

”عافین نے مجھے بالکل اپنی سگی ماں کی طرح عزت و محبت دی ہے ہمیشہ میرا جہانا مانا ہے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے ابراہیم جیب شریک سفر اور عافین جیسا فرماں بردار اور مجھ پر جان چھڑکنے والا بیٹا ملا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری نخت جگر سے بچی ملا دیا۔“ ای بولتے ہوئے آخر میں اسے محبت پاش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اچانک اُس کی بسورتی آواز ابھری۔

”اچھا اس پپی ٹیلی میں میرا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔“

بے ساختہ دلوں نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں وہ روٹھا سا کھڑا تھا امی اور رامیہ بیٹھے لگیں۔

”ارے میرا اس تو سب سے اچھا بچہ ہے۔“ امی جلدی سے بولیں۔

”ہاں ہاں اب تو ایسا ہی بولا جائے گا نا۔“ پھر معاً اسے کچھ یاد آیا تو بولا۔ ”مما وہ عافین بھائی لندن جانا چاہ رہے ہیں ابھی پاپا کی اسٹڈی میں وہ ان سے یہی بات کر رہے تھے۔“

”کیوں..... اتنا اچانک پروگرام کیسے بنا لیا عافین نے ایسے کیسے جاسکتا ہے وہ۔“ امی حواس باختہ سی ہو کر بولیں۔ رامیہ بس خاموشی۔ سما نہیں دیکھے گئی۔

”کچھ دنوں کے لیے لاہور جا۔ نے سے بھی وہ اتنا گھبرا رہا تھا کہ آپ لوگوں کی یاد آئے گی اب ایسے کیسے ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔“ امی یہ کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی تھیں ان کے جانے کے بعد رامیہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔



عافین پہلی بار ضد پڑ گیا تھا کسی کے کہنے پر بھی وہ رکنے پر آمادہ نہیں تھا یہاں تک کہ وہ اپنا ایم بی اے بھی دھوڑا چھوڑ کر جا رہا تھا اس کی ضد دیکھ کر مسز ابراہیم اور مسز ابراہیم نے بادل نخواستہ اسے اجازت دے دی تھی مگر امی نے یہ شرط اس کے سامنے رکھ دی تھی کہ جانے سے پہلے اس کی منگنی یا نکاح کر دیا جائے جس پر ابراہیم صاحبہ اس کو بولے تھے کہ آپ کو یہ خوف ہے کہ وہ کوئی گوری میم اپنے ساتھ نہ لے جائے تو انہوں نے اس بات کا برملا اقرار بھی کیا تھا جب کہ یہ سن کر عافین نے مارے بے بسی کے اپنے بالوں کو نوچ ڈالا تھا۔

”ابراہیم! بیچہ کی بھنی عاترہ ہمارے عافین کے لیے کیسی رہے گی؟“ آج کل ان کے ذہن پر صرف لڑکیاں ہی سوار تھیں عافین سمسٹروینے پر بمشکل راضی ہوا تھا اس کے فوراً بعد وہ لندن روانہ ہوئے والا تھا اور مسز ابراہیم اس دوران کوئی لڑکی ڈھونڈ لینا چاہتی تھیں۔

”ارے نیکم صاحب! آپ اس معاملے میں ہلکان بالکل مت ہوں اس اور مگر نے عافین کے لیے لڑکی ڈھونڈ بھی لی ہے اور اسے پسند بھی کر لیا ہے۔“ مسز ابراہیم کتاب بند کرتے ہوئے ڈرامائی انداز میں بولے تو انہوں نے بے حد چونک کر دیکھا۔

”کیا واقعی.....؟ مگر اس نے مجھ سے اس لڑکی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔“ وہ الجھ کر ویسا ہوئیں۔

”کیوں کہ آپ لڑکی کی ماں ہیں نا۔“

”لڑکی کی ماں..... کیا مطلب.....؟“ امی سمجھی کے عالم میں استفسار کرتے کرتے یک دم بات ان کی سمجھ میں آئی تو مسز ابراہیم نے انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔

”مطلب اس اور میں۔ نے رامیہ کو عافین کے لیے پسند کیا ہے اور ہماری اس پسند میں عافین کی پسند بھی شامل ہے۔“ مسز ابراہیم ان کی باریک کو آگے بڑھاتے ہوئے مستکرا کر بولے تو مارے خوشی و احساسِ تشکر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ابراہیم! اگر ایسا ہو جائے تو میری بچی کے ایک ایک آنسو اور ہر تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا۔“

”ایسا ہی ہوگا عافین! اتنی بچکوں پر بٹھا کر رکھے گا۔“ ابراہیم صاحبہ کی آواز کمرے سے ابھری تو دروازے کی اوٹ پر کھڑی رامیہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی وہ جو کسی کام سے امی کے کمرے کی جانب آئی تھی مگر ابراہیم صاحبہ کے منہ سے اپنا نام سن کر بے ساختہ رک گئی تھی۔ اس دن عافین سے معافی مانگنے پر اور اس کے سابقہ رویے کا احساس دلا۔ نے پر جب اس نے اپنے رویوں کو یاد کیا تو بہت جگہ وہ خود کو غلط دکھائی دی۔ عافین عافین کے ساتھ اس کا سلوک ایک دشمن کی طرح تھا حالانکہ عافین نے اس سے کبھی کوئی بد تمیزی نہیں کی تھی ماسوائے اس حرکت کے جس کا ذمہ دار خود اس کا رویہ تھا وہ کچھ سوچ کر عافین کے کمرے کی جانب آ گئی۔ عافین کتابوں میں مرویئے تھا۔ بنے کمرے میں آتا دیکھ کر اچھا

خاصا چونکا تھا جو لیسن اور ریچ رنگ کے امتزاج والے لان کے سوٹ میں اسے بہت ظالم و جاہل لگ رہی تھی۔

"آپ کو اگر میری مدد کی ضرورت ہے تو بتا دیجیے۔" وہ جتنے خوب صورت لہجے میں بولی عافین نے اتنی ہی بد صورتی سے جواب دیا۔

"آپ کو میری ٹیچر بننے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔" انتہائی رف سے حلیے میں وہ اسے بہت خاص لگ رہا تھا۔

"تماشہ کے کیا حال ہیں؟" رامیہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عافین نے اسے کافی الجھنے سے دیکھا۔

"آپ تو تماشہ کے بارے میں ایسے پوچھ رہی ہیں جیسے وہ آپ کی گہری دوست ہو۔" وہ طنز بولا۔

"چلیں میری نہ سہی آپ کی تو گہری دوست تھی۔"

"آپ کو اس سے کیا پرابلم ہے کہ وہ میری گہری دوست ہے یا نہیں۔" عافین کو رامیہ کی بات اچھی نہیں لگی لہذا روکھالی سے کہہ گیا۔

"مجھے کیا پرابلم ہوگی وہ دراصل ای آپ کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں تو میں نے سوچا کہ تماشہ....."

"آپ کو میرے میٹر میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے اور پلیز ممانا کے سامنے تماشہ کا تذکرہ نہ پھیڑیے گا اس کی شادی ہونے والی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو رامیہ نے کچھ توقف کے بعد استغفار کیا۔

"آپ میری وجہ سے یہ گھر چھوڑ کر لندن جا رہے ہیں نا؟"

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ پلیز یہ مت سوچئے۔" عافین جلدی اسے وضاحت دیتے ہوئے بولا

اچانک اسے خیال آیا کہ اگر رامیہ کو اندازہ ہو گیا کہ محض اس سے بھاگنے کی خاطر وہ لندن جا رہا ہے تو وہ حساس لڑکی خود ہی نہ گھر چھوڑ دے۔

"عافین میں چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ آپ بھی گزری باتیں بھول جائیں میں اپنی پچھلی زندگی کو پوری طرح سے بھول جانا چاہتی ہوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے آپ نے مجھے معاف کر دیا۔"

وہ بے ساختہ بولا تو جواباً رامیہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا جس پر عافین نے "آف میرے خدا شکر ہے" کہہ کر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

"رامیہ سب سے جا کر کہہ دو میں کوئی لندن ومان نہیں جا رہا۔" وہ اس کے قریب "کر مڑے سے بولا۔

"مطلب آپ مجھ سے بھاگ رہے تھے نا۔" وہ تادیبی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"اب تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا بھگا کر نہیں بلکہ اپنی شریک سفر بنا کر اپنی مومن منانے کے لیے۔" وہ دل کسی سے گنتلتیا تو کمرے میں ٹھنڈک کے باوجود اس کی ہتھیلیاں سینے سے بھیگ گئیں۔

"آپ کو اتنا یقین ہے کہ میں آپ سے شادی پر رضا مند ہو جاؤں گی؟" وہ بظاہر خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی حالانکہ اندر سے وہ عافین کی قربت اور اس کی باتوں سے بہت پرل ہو رہی تھی۔

"جی جناب۔ یقین واثق ہے جب تم مجھے معاف کر کے لندن جانے سے روک سکتی ہو تو مجھ سے شادی پر بھی ضرور آمادہ مباحاؤ گی۔"

"آف اتنی خوش فہمی....." وہ اپنی شرتیں مسکراتیوں پر بمشکل کنٹرول کر کے بولتی دروازے کی جانب بھاگی۔

"ارے ارے سنو تو سہی....." عقب سے عافین کی آواز ابھری مگر رامیہ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

آج اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ عافین اور اس گھر کی صورت میں رتبہ انکریمر نے اس کی تمام کالیف کا خوب ازالہ کر دیا ہے بے شک اللہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کرتا اب ہر تمنا بادل پوری ہونے چلی تھی۔

😊



طوبیٰ
طوبیٰ
طوبیٰ

کلافہ کا نمبر بنتی ہے۔ اسی دوران کلافہ کی مسڈ کاٹ اور ڈھیروں محبت بھرے میچز دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدلتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف کلافہ سے بات ہونے پر وہ ولید کے بڑھتے ہوئے تعلقات اور محبت کی داستان سنا کر انا کو مورد الزام ٹھہراتی ہے کہ اب وہ صرف اس کی وجہ سے صومکا کر رہا ہے اور وہ ولید کو اس کے لیے کبھی۔ حاف نہیں کرے گی جبکہ انا مزید خوف کا شکار ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ولید آفس جا رہا تھا گاڑی ابھی تک ٹھیک نہ ہوئی تھی ماما نے اسے کہہ دیا تھا کہ ولید کے ساتھ کالج چلی جائے وہ ڈراپ کر دے گا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر ماما نے دو ٹوک انداز میں کہا تو وہ کبھی جھپٹتی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ ولید جب باہر آیا تو اسے کھلی سیٹ پر دیکھ کر ٹھنکا۔

دونوں کے درمیان کُل جو منہ ماری ہو چکی تھی اس کو لے کر وہ خود بھی انا سے کافی کھچاؤ محسوس کر رہا تھا اب اسے دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ بہت سنجیدگی کے عالم میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو انا بھی گڑے تیروں سمیت چہرہ موڑے باہر دیکھتی رہی تھی۔

ماما کا اصرار نہ ہوتا تو شاید وہ آج اپنا کالج جانا ہی موقف کر دیتی۔ وہ بالکل مرد و سپاٹ تاثرات لیے باہر دیکھتی رہی انداز بالکل لائق اور سرد مہر تھا گویا سر سے کوئی آشنائی ہی نہ ہو۔ ولید نے کئی بار ایک ویو مرر سے دیکھا تھا۔ "ایسا کب تک چلے گا؟" ولید اس سے لاکھ خفا ہے لیکن انا کی طرح بہت دیر تک دل میں وعدہ دیا کرتی رہی کہ پاتا تھا آخر کار مخاطب کر ہی لیا۔ انا ولید کے الفاظ پر چونکی اور پھر لب بلیج گئی۔

وہ بات کلافہ سے بات نہ کر چکی ہوئی تو شاید اس کی پہل سے یہ کھل جاتی لیکن اب تو دل بھانپنے کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ بیٹاثر۔

"انا میں تم سے مخاطب ہوں۔" اس کی خاموشی پر ولید نے غصے سے مزج ہو کر ایک دم تلخی سے کہا۔ "مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی آ سکتا ہے مجھے مخاطب کرنے کی فطری ضرورت نہیں۔" وہ تلخی سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ولید کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی اور اس نے ایک دم گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ گاڑی رکنے پر انا نے بھی چونک کر اسے دیکھا ولید کی آنکھوں سے آنکھیں ملی تھیں۔ ولید بے باغ باطن سے دعا پھر رہا تھا وہ تنفر سے دیکھ کر چہرہ موڑ گئی۔

"یہ سب کیا ہے کیوں کر رہی انا ایسا؟" وہ خاموش رہی تھی۔

"جہاں تک میں جانتا ہوں تم کلافہ کی وجہ سے ری ایکٹ کر رہی ہو۔ کلافہ کو لے کر اگر ایسا کر رہی ہو تو حماقت کا ثبوت دے رہی ہو۔" ولید نے خالص ضبط سے کہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ اس پتھر کے بُت کو چھینوڑ کر بھگدے۔

"ایک لڑکی آپ کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کی کوشش کرے اور آپ کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ آپ کے سبجے میں کوئی احساس ہی نہیں۔" وہ بولی تو ولید نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"میں کلیئر کر چکا ہوں کہ میرا کلافہ کے کسی بھی ری ایکشن سے کوئی تعلق نہیں اسے ہر نفع نقصان کی ذمہ دار وہ خود ہے۔" ولید نے کہا تو انا نے استہزائیہ دیکھا۔ ولید نے دیکھا انا کی آنکھیں سرخ اور بو جھل تھیں گویا وہ ساری رات روتی رہی تھی۔

”وہ ایک جذباتی لڑکی ہے جو دوسروں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے س کے کسی بھی عمل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔“

”اس سے دوستی تو کی تھی نا آپ نے؟“

”ہاں لیکن اس کی بھی کوئی وجہ تھی اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ اس طرح الٹا لو ہو جائے گی تو شاید میں کبھی بھی ایسی حماقت نہ کرتا۔“ ولید نے کہا تو انا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ لہریا۔

”پھر بھی خود کو بڑی الذمہ سمجھ رہے ہیں ایک لڑکی سے دوستی کرتے ہیں اس کے ساتھ وقت گزرتے ہیں اس کو اہمیت دے کر اس سے پھر بنا۔ اری کا اظہار کرتے ہیں اس سے بڑھ کر بے حسی کیا ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ بہت اچھے انسان ہیں لیکن مجھے کبھی اندازہ ہی نہ تھا کہ آپ نے ایسے شقی القلب اور خالم انسان بھی ہیں کہ ایک لڑکی آپ کی خاطر اس حد تک آجکی۔ چار آپ خود کو بے گناہ کہہ رہے ہیں۔“ وہ بولی نہیں پھٹی تھی جو دل میں آیا کہہ دیا۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے لب و لہجے اور الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوا۔

”خبردار! مزید تم نے ایک لفظ بھی کہا تو.....؟“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔ ”دس از ٹوٹیج۔“ انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

”کیوں چپ رہیں سچ اٹھا رہا کیوں لگ رہا ہے؟ حقیقت کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھیں نا اب کیوں چلا رہے ہیں؟“

”انا خبردار! بس انٹ۔.....“ ولید اتنے غصے میں بولا کہ وہ چپ ہو گئی۔ ولید اسے دیکھتے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا گویا خود پر بمشکل قابو پا رہا ہو۔

”میرے الفاظ جھوٹ تو نہیں ہیں سچ ہی تو کہا ہے سب کچھ پھر کاغذ اور اب میں۔ ہا نہیں کتنوں کو دھوکہ دیں گے آپ۔“ وہ سر سے پاؤں تک بدظن ہو چکی تھی زندگی ہوئی آواز میں کہا۔ ولید نے لب و لہجے کو اسے دیکھا۔

”بات اعتبار اور مجھ سے کی ہوتی ہے تم نے تو اول روز سے ہی مجھ پر مجھ سے کب یا تھا جو تمہیں دھوکہ دیتا میں۔“ کچھ لمحے سمجھانے کے بعد ولید نے کہا۔

”ہمیشہ شک کے تناظر میں دیکھا تم کیا سمجھتی ہو میں نا سمجھ تھا کچھ اندازہ نہ لاسکتا تھا۔ تم جو مرضی سمجھتی رہو اب تمہارے یہاں سے ایک لفظ بھی اپنی صفائی نہیں کہوں گا۔“ ولید نے سر دھری سے کہتے تیزی سے گاڑی ڈرائیو کی۔

انانے تھی سے سے دیکھ کر چہرہ سوز لیا تھا۔ آنکھوں میں ڈھیر سا راپانی جمع ہو گیا تھا وہ جتنی بھی کہ شاید ولید سب بیانات کی تردید کر دے مگر ولید تو خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل پر ایک دم بوجھ بڑھ گیا تھا باقی رستہ دونوں کے درمیان بالکل ہی خاموشی رہی تھی۔



تازہ بندہ بی کا دل بڑا بوجھل سا ہو رہا تھا انہیں شہوار شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ایک بہی کو ان کا جی چاہا کہ وہ ایک بار جا کر اترے۔ سنے آئیں وہ کون سا بہت دور تھی اسی شہر میں تو تھی ان کے نزدیک۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئیں کہ وہ اتنے سارے لڑکوں کے سوالوں کے بھلا کیا جواب دیں گی۔ یہ وہ کچھ سوالوں کی تلاش میں یہاں آئی تھیں لیکن اب لگ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنے سوالوں کی تلاش کا کام کہاں سے شروع کریں، کوئی سراہی کس بل رہا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ سا جہد کو متا کر ایک دفتر میں چلی آئی تھیں یہ زیول ایجنسی کا دفتر تھا برسوں پہلے وہ کسی کے ساتھ اس دفتر

نمرہ آرائیں

اسلام علیکم جی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو میں بلائے مہمان کی طرح حاضر ہو گئی ہے لیجیے ہم اپنا تعارف کرواتے ہیں میرا نام نمرہ ہے میٹریک کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 5 مئی کو اس جہان فانی میں تشریف لائی شہدہ والہ یار میں رہتی ہوں مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں کالا اور سفید بہت پسند ہے۔ لپس میں لائٹ شرٹ اور فلیمبر بڑا سادہ پوشہ بہت پسند ہے۔ آنچل سے رشتہ تقریباً چار سال پرانا ہے فلوئٹ رائٹرز نازیہ نول نازیہ سیدہ نایاب جیلانی ہے۔ پسندیدہ شعرا میں دسی شاہ ساغر پروین احمد فراز پسند ہیں۔ اب آتے ہیں میرزا فیملی کی طرف ہم پانچ بہن بھائی ہیں میرا نمبر دوسرا ہے مجھ سے دو بڑے بھائی ہیں پھر میں اور میرے بعد دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ پڑھائی کا بہت شوق ہے اور فلوچر میں ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ دعا کیجیے گا کہ میں اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جاؤں غصہ بہت جلدی آ جاتا ہے اور جذباتی تو بہت ہوں سیر و تفریح کا بہت شوق ہے۔ سیڈ سونگر پسند کرتی ہوں تنہائی پسند بھی ہوں سب سے زیادہ پیارا اپنی ای اور ابو جانی سے کرتی ہوں اور دوستی بہت کم ہی لوگوں سے کرتی ہوں اور بیچ تو بہت شوق سے دیکھتی ہوں اور بیسٹ کھلاڑی شاہد فریدی اور بیسٹ سنگر عاطف اسلم ہے آپ سب ہمیشہ خوش رہیں میں آپ کے لیے ہمیشہ یہ دعا کروں گی اللہ حافظ۔

کے چکر لگا چکی تھیں لیکن اس وقت یہاں ٹریبول ایجنسی کی جگہ کاروباری مراکز کا دفتر تھا۔ دفتر بند ہے کہ وہ بے حد مایوس ہو گئی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے گزرے دنوں میں وہ مختلف جگہوں پر جا چکی تھیں لیکن کوئی سہارا تو نہیں لگ رہا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر ایک اور جگہ چلی آئی تھیں دو تین دنوں میں وہ یہاں مسلسل آ رہی تھیں۔ بہت ہی خوب صورت گھر تھا تعمیر سے لگتا تھا کہ جیسا چند سال پہلے ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ ہر بار کی طرح چوکیدار گیٹ پر موجود تھا وہ تابندہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گیا تھا۔

”ہاں بی بی آج ہی آئے ہیں غصہ دم میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔“ چوکیدار اٹھ چلا گیا اور یہ خود پوچھ لیا۔
”آؤ“ وہ کہہ کر پھر اندر کی طرف بڑھ گیا تو تابندہ اس کے ہمراہ اپنے اندر کی طرف چلی آئی تھیں۔ وہاں ڈرائنگ روم میں صوفے پر ایک درمیانی عمر کی خاتون موجود تھیں۔

”بگم صاحب! یہ بی بی ہیں جن کا میں نے آپ کو بتایا ہے۔“ چوکیدار نے کہا۔
”اسلام علیکم! تابندہ نے سلام کیا۔“

”و علیکم السلام اجی! میں ہنسیں۔“ خاتون نے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو تابندہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔
”معذرت جانتی ہوں میں۔ نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”جی ہم لوگ کبھی باہر رہے ہیں میرا نام تابندہ ہے۔ یہ گھر جس میں آپ لوگ رہ رہے ہیں پچیس پچیس سال پہلے رہا ہاں گھر تھا۔ پھر میرے ہر ہرنے یہ گھر بیچ دیا تھا۔“ تابندہ نے سنجیدگی سے بتایا۔
”اوہ اچھا۔“

”اب تو آپ لوگوں نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا ہے بہت ہی پیارا بن چکا ہے یہ گھر تو۔“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے کہا۔
”شکر ہے۔“

”آپ کی باقی فیملی؟“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے خاتون سے پوچھا۔

”یہ گھر ہمارے سر صاحب نے خریدا تھا ہم لوگ پنڈی میں رہتے تھے۔ میرے شوہر کی وہاں جا ب تھی پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ہم لوگ واپس یہاں شفٹ ہو گئے۔ سسر انتقال کر گئے ہیں اور باقی لڑکوں کو حصہ دے دیا کر ہم نے یہ گھر رکھ لیا اور دو پارہ اس کی کنسٹرکشن کروائی ہے۔“

”اوہ.....“

”اوپ کی ساس اور باقی لوگ؟“

”دونوں ہیں وہ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں ایک دیور ہے وہ باہر شفٹ ہو گیا ہے اور ساس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔“ تابندہ کو لگا جیسے وہ ایک دم ناامید ہو گئی ہیں۔

”مجھے کچھ معلومات چاہیے گیس اسی لیے میں یہاں آ رہی تھی۔“ تابندہ نے بتایا تو لہجے میں مایوسی تھی۔

”ہاں جو کچھ یاد رہتا رہتا تھا۔“ خاتون نے کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ.....“ تابندہ نے آہستگی سے خاتون کے سامنے کچھ کہا شروع کیا خاتون بہت دھیان سے ان کی بات سن رہی تھیں۔



انا شہوار کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے موبائل دیکھا۔ کاشفہ کا نام دیکھ کر وہ ابھی تھی وہ رات کاشفہ سے بات کرنے کے بعد اس کا نمبر سیکر چکی تھی۔

”ہیلو۔“ اس نے نہ پتا چتے ہوئے بھی کال ریسیور کی۔

”کاشفہ بول رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تو.....؟“ وہ ولید کے ساتھ ساتھ کاشفہ سے بھی بدظن ہو چکی تھی رکھائی سے بولی۔

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“ کاشفہ نے کہا تو وہ چونکا۔

”وہ کیوں؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”ہاں کہو۔“

”ایسے نہیں تم جب ملو گی تو پھر تب، یہی بات ہوگی۔“ وہ نخوت سے کہہ بولی۔

”ایم سواری میں تم سے نہیں مل سکتی اور نہ ملنا چاہوں گی۔“ اس نے غمی سے انکار کر دیا۔

”مجھ سے مل لیتیں تمہارا ہی فائدہ تھا۔ خیر ولید میری کالز پک نہیں کتا اسے کہہ دینا کاشفہ اتنی جلدی نہیں مانے گی۔“

میں نے کھیل شروع کر دیا ہے اب انجام بھی دیکھے۔“ دھمکی آمیز انداز میں کہتے اس نے کال بند کر دی تھی۔ انا ایک دم ساکت رہ گئی۔

”کیا ہوا؟“ اسے گھر میں دیکھ کر شہوار نے پوچھا تو وہ سنبھلی پھر نفی میں سر ہلا کر اس نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔

”کس کی کال تھی؟“

”ویسے ہی ایک جاننے والی تھی ملنے کا کہہ رہی تھی تو میں نے منع کر دیا۔“ اس نے خود پر قابو پاتے کہا تو شہوار

نے سر ہلا دیا۔

”مصطفیٰ بھائی آج صبح اسلام آباد سے؟“ کہنے ذہن کو اس نے بڑی کرنا چاہا۔

”میں بات ہوئی تھی تب تک تو نہیں آئے تھے پھر میں کالج آ گئی تھی اس کے بعد بھی تک کوئی رابطہ نہیں ہوا۔“ شہوار

<p>تب بارش جم کر برستی ہے، اور آنکھیں میری ترستی ہیں یادوں کے درتے کچھ کھل جاتے ہیں کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں یہ بارش جب بھی آتی ہے دل بھر کے مجھے روکتی ہیں</p> <p>ترہت جبین ضیاء</p>	<p>جب شام ڈراسی ڈھلنے لگی موسم بھی تھوڑا بد لئے لگا کالی گھٹائیں چھانے لگی جب روشنی مدھم ہو جائے اور پتھری چھپ کر سو جائیں جب جھولے پھر سے لہرانے لگیں ماحول پہ مستی چھانے لگی جب کونوں کو کوکرتی ہو اور ٹھنڈی آہیں بھرتی ہو</p>
---	--

نے مسکرا کر بتایا۔

”وہ اب ٹھیک ہیں نا؟“

”ہاں۔“

”تم لوگوں کا دلیر کب ہوگا؟“

”پتا نہیں اس پر تو ابھی گھر میں کوئی ڈسکشن نہیں ہوا پھر مصطفیٰ بھی مسلسل بڑی ہیں پتا نہیں انکس یا فیصلہ کرتے ہیں۔“

مصطفیٰ بھائی بھی بے چارے کیا سوچتے ہوں۔ گے زندگی کا اتنا اہم ایونٹ تھا اور وہ بھی اس عادی کے کی نذر ہو گیا۔ کتنا

نے کہا تو شہوانے ایک گہری سانس لی۔

”ہاں شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی ورنہ.....“ تاہم لہذا کا خیال آیا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

”ایاز کا کوئی پتا چلا؟“ انا اس کا خاموش ہو جانا محسوس نہ کر پائی تھی۔ شہوانے لٹی میں سر ہلا دیا۔

”مجھے نہیں علم مجھ سے اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہیں کرنی۔“

”ایاز نے جو بھی کیا ہے بہت برا کیا ہے خیر بچے گا تو وہ بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے مصطفیٰ بھائی اسے نہیں چھوڑیں گے۔“ اس کی بات پر شہوانے خاموش ہی رہی تھی۔

”کیا بات ہے کل سے محسوس کر رہی ہوں تم اب بھی ایسی ہی ہو۔ مصطفیٰ بھائی تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں نا؟“ وہ جو

خود بھی ہوتی تھی اس کے باوجود شہوانے کی خاموشی اور مزاج کو ٹوٹ کر گئی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہوں میں بس ویسے ہی طبیعت ڈل سی ہو رہی ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو انا نے بغور دیکھا۔

”اور مصطفیٰ بھائی؟“ اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے نام پر اس کے چہرے پر بے اختیار سرخی سی چومائی تھی۔

”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“

”مصطفیٰ کے ساتھ جو حادثہ ہو چکا ہے ایسے عالم میں میں پرانی باتوں کو لے کر بیٹھی رہتی تو شاید میں بہت خسارے

میں رہتی۔ میرے پاس تو ویسے بھی بہت سارے رشتے نہیں ہیں اس رشتے کو بھی کھو دیتی تو پھر میرے پاس بچتا کیا۔“ انا

کے بغور دیکھنے پر شہوانے دھیمی آواز میں کہا تو انا ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔

”بہت ہی اچھا فیصلہ کیا تم نے میں جتنا بھی مصطفیٰ بھائی کو جان سکی ہوں اس ٹکر سرفہرست کیا ہے کہ وہ ہمیشہ تمہاری

ذمہ داری بن کر رہیں گے بس تم ان کو دل سے قبول کر لو۔“ شہوانے مسکرا دی۔

”ہاں وہ بہت اچھے ہیں۔“ مصطفیٰ نے جس طرح گزرے دنوں میں ہر لمحہ پرل اس کا خیال رکھا تھا وہ ایک دم بدل

گئی تھی۔

”میں نے کبھی بھی ان کی ذات سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی اچھائیوں کو جھٹایا تھا میں تو بس اپنی ذات کی تسکین چاہتی تھی۔ اپنی پہچان کے بارے میں جانتا تو سب ہی کا حق ہے نا؟ میری سوچ اب بھی وہی ہے لیکن مصطفیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ بعض رشتے قدرت کی طرف سے انعام بن کر ملتے ہیں اگر جان بوجھ کر شکر کریں تو کھو بھی جاتے ہیں اور میں مصطفیٰ کو اب کھونا نہیں چاہتی۔“ کہتے کہتے س کی آواز میں کمی مل گئی تھی انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم آئی اور باقی لوگوں کا سناؤ سب ٹھیک تو ہیں نا؟“ انا کے سوال پر اس نے سر ہلادیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انا کے سامنے تابندہ بی کے چلے جانے کا ذکر کر دے لیکن پھر دل مسوس کر رہ گئی۔

”نجانے انا کیا سوچتی۔“ اس کے دل میں ہوک سی اٹھنے لگی ایک گہرا سانس خفا میں خارج کیا۔

”اٹنو کلاس میں چلتے ہیں مجھے ابھی عطیہ سے نوٹس بھی لینے ہیں اور سر سے ڈسکشن بھی کرتا ہے۔“ اپنا ڈھیان بٹانے کو کہا تو انا بھی سر ہلا کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔



”کچھ پتہ چلا؟“ تابندہ بی گھڑی نہیں تو بہت مایوس تھیں۔ بے جان انداز میں چارپائی پر بیٹھیں تو خالد بی نے پوچھا تھا۔ تابندہ نے ٹٹی میں سر ہلادیا۔

”نہیں۔“ لہجے میں صدیوں کی سی جھکن تھی۔

”خالد بی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں برسوں سے غلطی پر غلطی کرتی آئی ہوں۔ مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ کم از کم بابا صاحب کو سب صحیح بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ہمیشہ اس خوف میں رہی کہ نہیں وہ سب جاننے کے بعد مجھے اور شوہار کو دھکا دینا اور میری بیٹی نجانے کن حالوں میں ہوگی۔ ایک عمر تو تے سلگتے زار دی میں نے۔ اتنے خط لکھے لیکن کسی ایک کا بھی جواب نہ آیا۔ تھک ہار کر میں نے امیہ بی چھوڑ دی تھی لیکن شوہار کے سوالوں نے مجھے پھر مجبور کر دیا اور اب لگ رہا ہے کہ مجھے جو ملی نہیں چھوڑنا چاہیے مگر انجانے وہاں میرے بارے میں اب کیا رائے قائم ہو چکی ہوگی اور سب سے بڑھ کر نجانے شوہار کیا سوچتی ہوگی۔ میری مامتا کی تسکین تو شوہار کے وجود سے ہو گئی تھی لیکن میری بیٹی.....“ وہ بات چھوڑ کر سکتے لگی تھیں۔ خالد بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تم واپس چلی جاؤ شوہار کا شوہر پولیس میں ہے اس کو سب بتا دو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔“ خالد بی نے شورہ دیا تو وہ چہرہ صاف کر کے انہیں دیکھنے لگیں۔

”اور اگر اس نے سہمہ جاننے کے بعد بھی ہمیں قبول نہ کیا تو؟“ ان کے لہجے میں خورشید مانند پیشہ بول رہے تھے۔

”شوہار اس کی بیوی ہے اب اس کو چھوڑے گا تو نہیں۔“

”وہ بہت خاندانی لوگ ہیں حسب و نسب پر جان دینے والے وہ تو عباس کی شادی غیروں میں کر دی تھی اور شوہار بھی انکا۔ کے سامنے پٹی بڑھی تھی کچھ مہر النساء کا خصوصی لگاؤ بھی تھا اور پھر میں نے ان کو یقین بھی دلا رکھا تھا کہ شوہار کسی چھوٹے موٹے خاندان سے نہیں ہے انہوں نے اس کو بہو بنا لیا تھا لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں حقیقت جاننے کے بعد اس بیٹی کی زندگی برباد نہ ہو جائے۔ میں نے ساری زندگی اسی کی خاطر تو برباد کی ہے اور اب آ کر سب کچھ تباہ نہیں کر سکتی۔“ تابندہ بی عجیب کشمکش میں تھیں خالد بی خاموشی سے دیکھنے لگی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ اسے کال کروں اس سے بات کروں تب جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی؟ ہے بھی تو

بہت حساس۔ ان کے بچے میں شہوار کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ خالد بی نے سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
 ”اللہ تمہیں کامیاب کرے اور اس بچی کی بھی مشکلات آسان کرنے بڑی بد نصیب ہے وہ بے چاری تو اللہ سے بھی
 مبرورے۔“

”آمین۔“ تابندہ بی نے دکھے دل سے آمین کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی ان کا ارادہ کسی بی بی او شہوار کو
 کال کرنے کا تھا۔



شہوار ابھی کالج سے لوٹی تھی، صبح کر کے وہ ابھی کمرے سے نکلنے والی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے
 اسکرین دیکھی، اجنبی نمبر تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے بھجکتے ہوئے کال پک کی تھی۔

”ہلستلام علیکم؟ آواز سن کر وہ ایک دم الجھی گئی۔

”وعلیکم سلام! کون؟“

”کیسی ہو شہوار؟“

”یا واہ..... یا واہ تو تابندہ بی کی تھی وہ فوراً پہچانی تھی۔

”امی کی آپ؟“ وہ چیخ اٹھی تھی غرور سرت سے اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی تھی۔

”کہاں ہیں آپ..... اور آپ کیسی ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں، اضر ہی ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟“ عطفانی کیسا ہے؟“ انہوں نے نم آواز میں کہا تو شہوار کا دل بھرا آیا۔ وہ
 شدت سے روئی۔

”پلیز جہاں بھی ہیں آپ واپس آ جائیں میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے کوئی سوال و جواب
 نہیں کروں گی پلیز لوٹ آئیں۔“ وہ ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف تابندہ بی کا دل اس کے آنسوؤں سے پھسل
 گیا تھا۔

”میں آ جاؤں گی..... ضرور آؤں گی لیکن اس مقصد کو لے کر جویلی سے نکلی تھی اس کو چھوڑ کر کے ہی اب لوٹوں گی۔“

”کہاں ہیں آپ؟“ اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے سوال کیا۔

”اسی شہر میں ہوں۔“

”مجھے ایڈریس دیں میں آ جاتی ہوں آپ کو لینے۔“

”نہیں شہوار ابھی یہ ممکن نہیں میں پہلے ہی پریشان ہوں بس تم سے بات کرنے کو دل بے قرار تھا تو کال کر لی۔ تم
 پریشان نہیں؟“ زنا میں جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں۔ مجھے بس تمہارا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلتے آنے سے تم خفا ہوگی
 اور نجا۔ نے کہا کیا سوچ لوں۔ بیٹا کچھ غلط مت سوچنا بس یہ سمجھ لو کہ تمہاری ماں مجبور تھی میں جو بھی کر رہی ہوں تمہارے لیے
 اور اتنے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔ میری متاثر نہ رہی ہے لیکن میں اپنی بیٹی سے نہیں مل سکتی اس سے زیادہ میری بے بسی
 اذہر کیا ہوگی۔“ وہ رونے لگیں تھیں۔ شہوار بے دم ہو کر بستر کے کنارے پر تکی گئی تھی۔

”ایسے مت کریں میں پہلے بھی لوگوں کے لیے ایک سوالیہ نشان تھی۔ پہلے لوگ میرے باپ کا حوالہ پوچھتے تھے اور
 اب ماں کا بھی پوچھا کریں گے، ہاں نہیں میں کس کس کو جواب دوں گی۔“ وہ اذیت سے چیخ اٹھی۔

”آپ نے اتنے حسب نسب والے لڑکے لوگوں میں میرا رشتہ جوڑ دیا کس کس کو کیا جواز پیش کروں یہ سب ہی سوال

کہتے ہیں۔ یہ تو شکر ہے کہ یہ لوگ سنے اچھے ہیں کوئی اور جگہ ہوتی تو ایک لمحہ نہ لگاتے مجھے گھر سے باہر نکال دینے میں۔“ روتے ہوئے اس نے کہا تو تائبندہ بی کا دل کٹنے لگا۔

”شہوار بیٹا بس تھوڑا اور صبر کر لو اگر مجھے کچھ بھی ہاتھ نہ آتا تو بس لوٹ آؤں گی۔ وعدہ ہے آ کر سب کو سب کچھ بتا دوں گی بس چند دن اور۔“ انہوں نے التجا کی تو شہوار نے اپنے آنسو صاف کیے۔

”مجھے بتائیں تو سہمی اتنی رازداری کس چیز کی ہے؟ کہاں ہیں آپ اور کون لوگوں میں ہیں؟“

”وقت آنے پر سب بتا دوں گی بہت سی اچھے لوگ ہیں میرے اپنوں سے بڑھ کر میرا ساتھ داتا تھا انہوں نے ہر دکھ سکھ میں۔ تم فکر نہیں کرو میں محفوظ جگہ پر ہوں۔“ شہوار خاموش ہو گئی تھی۔

”چلتی ہوں پھر موقع ملا تو کال کروں گی تم بس پریشان نہیں ہونا اور باقی لوگوں کو بھی تسلی دینا میں جلد ہی آ جاؤں گی۔ اپنا بہت سارا خیال رکھنا اللہ حافظ۔“ انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ شہوار نے اپنے آنسو صاف کرتے موبائل بستر پر ڈالا دیا۔

تائبندہ بی سے بات کر لینے سے اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دل ٹھہرنے لگا ہے اس کو قرآن آنے لگا۔ چورندہ دل تو ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ کچھ سوچتے اس نے فوراً مصطفیٰ کا نمبر ملا یا مصطفیٰ نے کال کاٹ دی تھی شاید وہ کہیں بڑی تھا وہ بعد میں کال کرنے کا سوچتے تھی تو صبح ٹون بج گئی تھی۔ مصطفیٰ کا صبح تھا۔

”میں کچھ بڑی ہوں ابھی آفس پہنچا ہوں شام میں گھر آؤں گا پھر بات ہوگی۔“ مصطفیٰ کا تڑپڑھ کر وہ مزید خود کو ریٹیس میں محسوس کرنے لگی تھی۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر آئی تھی۔ شادی کی تدبیریں آگئی تھیں۔ لائبہ مہر التمام اور دیوہی دیکھ رہی تھیں آفاق ماں جی کی گود میں تھا۔ وہ ان کو سلام کرتے ماں جی کے پاس ہی بیٹھ گئی اور آفاق کو گود میں لے لیا تھا۔

”دیکھو شہوار کتنی پیاری تصویریں آئی ہیں۔“ لائبہ نے اس کے سامنے الیم کیا تو وہ تصویریں دیکھنے لگی سب ہی تصویریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں خصوصاً مہندی اور ہارات کی مصطفیٰ کی چھب ہی نہائی تھی۔

”مصطفیٰ کو دیکھو کتنا شاندار لگ رہا ہے۔“ دلہانے مصطفیٰ کی تصویر دیکھتے بھابی نے کہا تو وہ مسکرائی ذی۔ مصطفیٰ واقعی بہت شاندار لگ رہا تھا۔

”شہوار بھی تو کسی سے کم نہیں دیکھو کسی شہزاد یورپا والی آن بان ہے اس کی۔“ ماں جی نے بہرہ بہرہ محبت سے کہا تو وہ جھپٹی۔ در یہ طنز یہ مسکرائی نہ چاہتے ہوئے بھی شہوار نے نوٹ کیا تھا وہ اس کے بائیں طرف تھی۔

”شہزادیوں والی آن بان دیکھنے کے باوجود حسب نسب تو نہیں بدل جاتے۔“ وہ طنز یہ بڑبڑائی تھی ماں جی نے نہیں سنا تھا جبکہ اس کے قریب بیٹھی شہوار کے کونوں نے اس کا جملہ عمل طور پر گونج گیا تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑنے لگا تھا۔ خود خود الیم پر سے اس کی گرفت بڑھ چکی ہوئی تھی۔

”میں کھانا کھا لوں پھر آئی ہوں۔“ وہ آفاق کو الیم میں بٹھا کر کچن میں آگئی۔

وہ تائبندہ کی کال کے بارے میں ماں جی کو بتانا چاہتی تھی لیکن در یہ کی وجہ سے خاموش رہی تھی۔ کھانا کھا کر وہ پونہی ادھر سے ادھر گھومتی رہی تھی۔ مغرب ہوئی تو وہ نماز پڑھ کر اچھا سا لباس پہن کر شدت سے مصطفیٰ کا انتظار کرنے لگی۔

عشاء کے بعد مصطفیٰ کی آمد ہوئی تو وہ کچن میں تھی۔ ملازمہ سے چائے بناوا رہی تھی ابھی سب ہی نے کھانا کھایا تھا۔ ملازمہ سے ہی اطلاع ملی تھی کہ مصطفیٰ آ گیا ہے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا عظمت چائے بنا چکی تھی وہ ٹرے لے کر جا۔ نے لگی تو اس نے منع کر دیا۔

”مجھے دو میں لے جاتی ہوں۔“ وہ خود لاؤنج میں چائے لے کر آئی۔

آج کتنے دنوں بعد گھر میں رونق لگی ہوئی تھی، کبھی لاؤنج میں موجود تھے۔ خوش گپیاں لگائی جا رہی تھیں، وہ اندر داخل ہوئی تو یاں جی کے پاس بیٹھے مصطفیٰ نے فوراً اسے دیکھا تھا۔ رنگ اور زیک کسی نیشن کے لباس میں وہ جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

”اسلام علیکم!“ قریب آئے پر اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کو سلام کیا۔ مصطفیٰ نے سر ہلا کر جواب دیا وہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

”مصطفیٰ تو کھانا کھائے گا۔ شہوار بیٹا ملازمہ کو کہو وہ کھانا گرم کر دے“ وہ چائے پونے کر چکی تو ماں جی نے کہا۔ وہ سر ہلا کر کچن میں آئی اور عظمت کو کھانا لگانے کا کہا پھر خود اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔ مصطفیٰ کچن میں آیا تو وہ ٹیبل پر اس کے لیے برتن رکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں نے اسے پلٹیں چھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مصطفیٰ مسکرایا اور ٹیبل تک چلا آیا۔ وہ روپوش درست کرتے پلٹی تھی وہ جب گیا تھا تو وہ بستر پر راز تھی اور آج اس کے آٹے سانسے چل پھر رہی تھی، مصطفیٰ کر سی ٹھیسٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نے پانی کا جگلا کر رکھا تو مصطفیٰ نے ملازمہ کو دیکھا۔

”تم جاؤ کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو ہم نے لیس کرے۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ملازمہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

”کیسی ہو؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے ہنسنے سے سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہوں۔“

”بیٹھو.....“ اس نے کھڑے کھڑے ہی مصطفیٰ کی پلیٹ میں کھانا نکالا تو مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

”کھانا کھانا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کھانا کھانے کا اور وہ خاموشی سے اٹھ گیاں۔

مصطفیٰ کا ہر بگاڑ سے دیکھ رہا تھا اور ہر نگاہ پر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”کوئی بات کرو یا را؟“ مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ کچھ نہ سوچا تو خیر۔ جب پوچھ دی۔

”تمہارے سامنے ہوں، کیسا لگ رہا ہوں؟“

”اور آپ کا زخم؟“

”میرے زخم سے کچھ زیادہ ڈکاؤ نہیں ہو گیا جب بھی خیریت دریافت کرو گی صرف اسی کا پوچھو گی۔“ مصطفیٰ کی بڑھتی

پروہ جھینپ سی گئی۔

”میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔“

”کبھی ویسے ہی میرے دل کی حالت کے بارے میں بھی پوچھ لیا ہوتا تو کیا تھا۔“ مصطفیٰ کی بات پر اس کا چہرہ ایک

دم سرخ ہو گیا تھا۔

”میں چائے بنا لیتی ہوں آپ ہمیں گے نا۔“ وہ فوراً بات بدل کر اٹھی تو مصطفیٰ نے گھورا۔

”آگر کبھی ہمارے درمیان لڑائی ہوئی تو اس کی سب سے بڑی وجہ تمہارا یہ رویہ ہوگا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک

گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”میں نے کیا کیا سب؟“

”یہ بے بدنی اور اس پر یہ اعزاز لا علی کہیں دکھ سے میں گزری نہ جاؤں۔“ مصطفیٰ کا انداز غیر سنجیدہ تھا وہ مسکراتی تھی۔ وہ

پلٹ کر ساس پین میں پانی ڈال کر جو لیے پر کھنے لگی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی پشت کو گھورتا تھا ایسی چمپا پشت پر جمبول رہی تھی۔ دو پتہ سلیقے سے سر پر جما ہوا ٹاکہیں بھی کوئی بے ترتیبی نہیں تھی اندازہ اہم تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا ختم کیا شہوار دل جمعی سے چائے بنا رہی تھی مصطفیٰ کرسی گھسیٹتا اٹھ کر اس کے قریب میں آ کھڑا ہوا۔

”مجھے یاد کیا؟“ اس کی طرف جھک کر کندھے پر ٹھوڑی نکاتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ ایک دم کنفیوز ہوئی۔
”پلیز چائے بنانے دیں مجھے“ وہ منتنائی۔

”چائے سے زیادہ کسی کو تمہاری چاہ کی ضرورت ہے اور تم ہو کہ لٹ ہی نہیں کر دار ہیں۔“ مصطفیٰ نے چولہا بند کر دیا اور اسے کندھوں سے تمام کراپے سامنے کر لیا۔

”کتنی ظالم ہو تم شوہر اپنے دن بعد گھرا آیا ہے اور تم ہو کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہو۔“ مصطفیٰ نے شکوہ کیا تو وہ سر سے پاؤں تک سرخ ہو گئی تھی۔

”پینز کوئی آجائے گا۔“ مصطفیٰ کی نگاہوں کی وارفتگیوں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔
”تو.....؟“

”آپ بیٹھیں نا میں چائے لاتی ہوں۔“ اس نے نالنا جاہاتن مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتا دیکھتا رہتا تھا چلی آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم گرا سانس لیتا پلٹا اور شہوار بھی رخ موڑ گئی تھی۔

اس نے خاموشی سے یہ سب دیکھا تھا اس کے دل دو مارغ پہنے ہی نکلے رہتے تھے اب بھی ہنفر سے شہوار کو دیکھا وہ دوبارہ چولہا جلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”مصطفیٰ ایک کام ہے تم سے؟“ شہوار کو نظر انداز کر کے دریا۔ نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔
”ہاں کہو۔“

”مجھے ذہن بھائی کے ہاں جانا ہے تم ڈراپ کرو گے ذرا؟“ اس نے نہ کہا تو شہوار نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔
”اس وقت؟“ مصطفیٰ نے گھڑی دیکھی تو بوج رہے تھے۔

”ہاں شائستہ بھابی سے ایک کام تھا تو ابھی جانا ہے۔“
”یہ ابھی لوٹے ہیں تھکے ہوئے ہوں گے تم کسی اور سے کہو۔“ شہوار کو دریا اس بے وقت کہیں دانا ایک تھک نہ بھایا

تھا اس نے فوراً کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
”کوئی بات نہیں میں کروتا ہوں ڈراپ۔“ شہوار کو ستانے کا مقصد تھا شہوار نے حیران ہو کر دیکھا۔

”کب تک واپسی ہوگی؟“ مصطفیٰ نے دریا سے پوچھا۔
”یہ تو وہاں جا کر بتا چکے گا۔“ اس بیگ لگتی ہوں۔“ بڑے فاسحانہ انداز میں شہوار کو دیکھتے دریا نے کہا۔ شہوار لب

بچھنے کراہتی چائے کو دیکھنے لگی تھی۔
”لو کے میں چائے پی لوں پھر چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا دریا بیگ لینے چلی گئی تھی۔ شہوار نے خاموشی سے چائے

کپ میں اندلی گئی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا شہوار نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو مصطفیٰ نے تمام لیا۔
”تم بھی پیلو۔“ اس نے بغور دیکھتے کہا۔

”نہیں مجھے اسٹڈی کرنی ہے میرے پاس وقت نہیں۔“ شہوار کا انداز سنجیدہ تھا۔
”پتہ نہیں ہوتا یا نا کر کر لینا آؤ تک ہو جائے گی۔“ مصطفیٰ نے سب لیتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ

کو دیکھا۔

”آپ دیکھو لڑکے جاکیں مجھے واقعی اسٹڈی کرنی ہے۔“ کہہ کر وہ نچیل سے برتن سمیٹنے لگ گئی تھی تب ہی وہ یہ بھی اپنا بیگ لے کر چلی آئی تھی۔
”چلیں مصطفیٰ۔“

”یہ چائے پیالوں چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو شہوار برتن سمیٹ کر سٹک میں رکھنے لگی تھی، مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔



وہ اپنے کمرے میں جکس کھولنے بیٹھی ہوئی تھی جب صبحی بیگم اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اس نے ہنس سے توجہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

”کیا بات ہے میں کچھ دن سے نوٹ کر رہی ہوں تم بہت اکڑی اکڑی سی ہو رہی ہو۔ کالج سے کمرے تک اور کمرے سے کالج تک۔“ کوئی ایکٹیوٹیٹی ہی نہیں۔“ انہوں نے جیتھے ہی کہا تو اتانے چونک کر انہیں دیکھا۔
”ایسی کوئی بات نہیں اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے بس اسی لیے بڑی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا صبحی بیگم نے بغور دیکھا۔

”تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ خیاہ بھائی تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ قائل کرنے کی بات کی ہیں۔“ انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔
”جی۔“

”وہ تاریخ مانگ رہے ہیں میں نے سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ تمہاری اسٹڈی کا شیڈول دیکھ کر ہی کوئی تاریخ رکھتے ہیں۔“ اتنا کچھ بول کے لیے بالکل سہولت پیشی رہی۔

”ہاں تو پھر کون سی تاریخ ٹھیک رہے گی؟“ انہوں نے پوچھا تو اتانے ایک گہرا سانس لیا۔
”ماما میں ابھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوں پلیز ماموں کو منع کر دیں۔“ اس نے لہجہ سنجیدہ تھا۔ صبحی بیگم نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

”کیوں؟“

”میں بس ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں۔“ اسے بس یہی بہانہ سوچا۔

”ایجوکیشن بعد میں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ماما میں ابھی کسی بھی قسم کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میرے لیے سب سے پہلے میری ایجوکیشن ہے پلیز آپ منع کریں۔“ اس کا انداز قاطعی تھا۔ صبحی بیگم نے بہت الجھ کر اس کے رویے ڈوٹ کیا تھا۔

”اتنا! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو کیا مسئلہ ہے بیٹا! اولیٰ نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”ماما میں کہہ چکی ہوں تاکہ کوئی اور بات نہیں اور میں بس اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ ماموں کو کہہ دیں اگر پھر بھی وہ اصرار کریں تو میں خود ان سے بات کر لوں گی۔“ اس کا انداز بے لگہ تھا صبحی بیگم پریشان ہو گئی تھیں۔

مگنی کے بعد سے وہ انہیں خوش خوش دکھائی دینے لگی تھی لیکن پھر کچھ عرصے سے وہ پرانے مزاج میں لوٹ گئی تھی۔ نجانے کیا بات تھی وہ اپنی فیملی کو بھی تو کسی سے شہر نہیں کرتی تھی۔ وہ کتنے دنوں سے اس کے انداز و اطوار نوٹ کر رہی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اتانے کے انکار کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے۔

”ٹھیک ہے میں بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں اور تمہارے پاپا سے بھی۔ تمہاری رخصتی ہو جاتی یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ وہ دونوں خود ہی اب تم سے بات کریں گے جو بھی کہنا ہے اپنے پاپا کو ہی کہنا وہ تو مکمل طور پر شادی پر رضامند ہیں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”ایک دفعہ پھر سوچ لو کوئی جلدی نہیں۔ دو تین دن کا وقت ہے پھر جو بھی فیصلہ ہوتا دینا۔“ وہ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ ایک دم لب بلبھی گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا پین کتابوں پر پھینک دیا۔ صبح ولید کے ساتھ ہونے والی صبح کلائی کے بعد اس کا دل جل کر ایسا راکھ ہو چکا تھا کہ اس کا اس نہیں چل رہا تھا کہ ولید ضیاء سے جڑانہ صرف ہر رشتہ ختم کر ڈالے بلکہ ساری زندگی کے لیے خود کو اس کی نظروں سے دور کر لے۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں ایک محفل چلی ہوئی تھی۔ وہ موجود تھے۔ ماما پاپا احسن روشنی ماموں اور ولید..... سب سے پہلے ولید کی ہی نگاہ اس پر پڑی تھی وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑی تھی۔ ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ انا کے انکار سکتی آگ کا لالہ و تیزید بھڑکنے لگا تھا۔ دوسری نگاہ ماموں کی اس پر پڑی تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ ”انا بیٹا! بیٹا میں کیا سن رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا تو وہ لب بلبھی گئی تھی یعنی ماما نے اس کا انکار سب تک پہنچا دیا تھا۔ ”اومر آؤ میرے پاس۔“ انہوں نے بلایا تو وہ ان کے پاس صوفے پر آ بیٹھی تھی انہوں نے اسے بارو کے حصار میں لے لیا تھا۔ سب نے ان دونوں کو دیکھا تھا ماما سوائے ولید کے۔ وہ بیوی کی طرف متوجہ تھا۔ ”صوبو جی تمہاری تھی کہ تم نے ابھی شادی کے لیے انکار کر دیا ہے۔“ انہوں نے پوچھا تو وہ سر جو کا گئی ولید نے بھی اسے دیکھا انا نے سر ہلایا تھا۔

”کیوں بیٹا! انہوں نے پوچھا۔“

”میں ماما کو وجہ بتا چکی ہوں۔“ اس نے جواباً کہا۔

”یہ اتنا بڑا پرائیم نہیں ہے کہ تم اس کو وجہ بنا کر شادی سے انکار کرو۔ تم شادی کے بعد ایجوکیشن جاری رکھ سکتی ہو تمہاری دوست بھی تو شادی کے بعد پڑھ رہی ہے نا۔“ انہوں نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”شہوار کے ساتھ مسئلہ تھا اس لیے اس کی شادی ہو گئی تھی جبکہ میرے ساتھ کوئی پرائیم نہیں ہے۔ اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی مجھے فورس نہیں کرے گا۔“ اس کا لہجہ اب بھی غلطی تھا۔ ”لیکن شہوار.....“ صوبو جی بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ضیاء صاحب نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”تمہاری بات ٹھیک ہے، ہم تمہیں فورس نہیں کر رہے ہیں۔ یہ میری خواہش تھی کہ تمہاری اور ولید کی شادی ہو جاتی۔“ ماموں نے رسالت سے کہا۔

”میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں ماموں لیکن میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پارہی۔ پلیز مجھے بار بار مت کہیں میرا جوارب یہی ہوگا۔“ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”مہم کیسکو زور۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی ولید نے بہت ضبط سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ وہ ابھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟

انا کے انکار پر اس کی انا نیت پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کے رویوں کو لے کر کھلی تھا اور اب اس کے انکار نے اس کے دل و دماغ کو الجھ دیا تھا۔ اس نے دیکھا انا کے انکار کے بعد ضیاء صاحب کا چہرہ مر جھا گیا تھا۔ ولید کے اندر ایک دم شدید خطرناکی کیفیت نے جنم لیا تھا۔

”آپ پریشان نہ ہوں میں اس سے خود ہات کروں گا وہ انکار نہیں کرے گی۔“ وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب مسکرا دیئے۔

”کوئی بات نہیں وہ انرا بھی راضی نہیں تو کوئی زبردست نہیں۔ یہ تو بس میری خواہش تھی ولید بھی کہاں راضی تھا وہ خود چاہتا تھا کہ پہلے انا کی ایجوکیشن مکمل ہو جائے اور اب وہ بھی یہی کہہ رہی ہے بچوں کی یہی خواہش ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ ضیاء صاحب نے خود کو سنبھال لیا تھا جبکہ ولید خود کو سنبھال نہیں پارہا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

اس کے اندر ایک عجیب سا طوقان اٹھ رہا تھا وہ اپنے والے پورشن کی جانب جانے کی بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ انا بستر کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی اور گر و بکس موجود تھیں اور واہ کھلنے پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ ولید کمرے میں چلا آیا تھا۔

”کیوں انکار کیا تم نے؟“ اسے دیکھتے ولید نے پوچھا لہجے میں تیزی تھی۔

”میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ انا کے لہجے میں تیزی تھی۔“

”کیا مسئلہ ہے تمہیں؟ سب کچھ سیدھا سیدھا چل رہا ہے کیوں سب خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔“

”میں آپ سے کوئی بات نہیں کہنا چاہتی آپ چلے جائیں میرے کمرے سے۔“ انا کی برہمی کا وہی عالم تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔“ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھینچ کر ایک توپڑا اس کے منہ پر لگا دے اس کے

اندازاً تیش نشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ کمرے میں ٹھٹھکتا انا تے اعصاب سے سیدھا بھد ہی گئی۔

چند لمبے اپنے غصے پر قابو پاتے وہ پلٹا انا اسی طرح بسز کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی، ہر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ انداز صلح جو تھا۔

”دیکھو انا جو بھی ہو رہا ہے چھانٹیں ہو رہا تم جو بھی سوچ رہی ہو وہ سب بے معنی ہے۔“ ولید نے انا کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔“ انا کا انداز بے چلک تھا۔ ولید نے منھیاں بھینچ لی تھیں۔

”تم میرے اور اتنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر رہی ہو۔“ ولید نے تلخی سے کہا۔

”میں سب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟ میں آپ جیسے دھوکے باز فلمی انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی سو میں انکار کر چکی ہوں مجھے کوئی مجبور نہیں کر پائے گا۔“ وہ تلخی سے کہی۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔

انا کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو چکے تھے انا نے بے معنی سے ولید کو دیکھا تھا۔

”آئندہ میرے بارے میں ایسا کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم ایک شکی مزاج اور بد تمیز لڑکی ہو دماغ خراب تھا میرا جو تم سے بات کرنے چلا آیا۔ تم میرے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کیا کرو گی بس خود تم سے متعلق ہر تعلق کو روکنا

ہوں۔“ ولید کے اندر کا آتش نشاں ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ انا بے اختیار رخسار پر ہاتھوں کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی گئی۔

”میں پاگلوں کی طرح تم کو وضاحتیں دیتا پھر رہا ہوں دماغ خراب ہے تمہارا۔ تم کتنی یا کلادہ سے متعلق جو بھی سوچتی

ہو وہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے اور کچھ نہیں۔“ تلخی سے کہہ کر وہ پلٹا اور پھر دروازے کے پاس جا کر رکنا اور پلٹ کر

اب سے دیکھا تھا۔ وہ شدت سے روز ہی تھی اور زندگی میں پہلی بار اسے روتے دیکھ کر کوئی ہنس نہیں ہوا تھا غصے سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر لب بھینچ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ انا کے منہ سے دھوکے باز اور فخری کے الفاظ نہ کر وید کو لگ رہا تھا کہ فشار خون ایک دم بڑھ گیا ہے۔

وید کو اپنے ہاتھ اٹھانے پر کوئی شرمندگی نہ تھی وہ ایک دم اپنی انا کے حصار میں مقید ہو گیا تھا۔ وہ اپنے پورشن کی طرف آ گیا تھا اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ ٹیبل پر ٹھہرا رہا تھا۔ اس کے اندر سے وہ کہتا کہ انا کے لیے غم غصے کےبادل انہرے تھے۔ وہ وہ جیسے مزاج کا انسان تھا لیکن انا کے الفاظ نے گویا اس کے سارے نمبر انٹ کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اس کے اندر گویا ایک دم بھانپھڑ جل اٹھے تھے۔

انا کس قدر واضح الفاظ میں اس کی تذلیل کر چکی تھی اس کے اندر وہ کہتا کہ لال انہر ہاتھ کو وہ کیوں کر اس کے روم میں آیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اس سے بات کرنے کی؟ ٹپٹے ٹپٹے وہ جھٹکتے لگا تو بے دم سا ہو کر ٹیبل کی سیریز بول پر جا بیٹھا تھا۔



رات کے بارہ بج رہے تھے مصطفیٰ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ مصطفیٰ اور وید کے جانے کے بعد، کمرے میں چلی آئی تھی عشاء کی نماز پڑھ کر وہ اسٹڈی کرنے لگی تھی لیکن بار بار ذہن مصطفیٰ کی طرف راغب ہونے پر وہ سب کچھ سمیٹ کر لیٹ گئی تھی لیکن تیند کو سوں دور تھی۔ وہ لائنس آف کیے سونے سے زیادہ مصطفیٰ کی آمد کی منتظر تھی۔ مصطفیٰ کے وید کے ساتھ چلے جانے سے اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیرا اور ہی تھی بارہ بج کے قریب گاڑی کا مخصوص ہالان سنائی دیا تھا۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی یقیناً وہ آ گیا تھا۔

بہت دنوں بعد وہ اپنی گاڑی خود درائیو کر کے گیا تھا۔ شہوانا نگھوں پر بازو رکھے سوتی بن گئی تھی۔ مصطفیٰ کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لائسنس آن کیس تو نگاہ سیدھی بستر کی طرف انھی تھی۔ شہوار کیل میں اپنی سوچیں تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا اور یہ کو ڈراپ کرنے کی ہامی بھرا تو محض شہوار کو ستانے کی خاطر تھا لیکن وہاں جا کر اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ اتنی دیر لگ جائے گی۔ مصطفیٰ اپنا نامٹ ڈرائیو سے نکال کر داس روم میں گھس گیا تو شہوار نے دروازہ بند ہونے کا آواز پر بازو ہٹا کر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

درحقیقت مصطفیٰ کے اس طرز چلے جانے سے در اندر ہی اندر سخت خفا تھی۔ مصطفیٰ لباس بدل کر آیا تو شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا خود پر پر فیم اسپرے کیا اور پھر بستر کی طرف چلا آیا۔ شہوار سر تک مبل اوڑھے ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب نہم دراز ہو گیا تھا۔

”شہوار.....“ اس نے پکارا تھا لیکن دو بے حس و حرکت رہی۔

”شہوار.....“ اس نے انا کے منہ سے کہل کھینچا۔

”اٹھ جاؤ یا ر مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔“ اس پر جھکتے ہوئے اس نے شرارتی لہجہ میں کہا تھا۔ شہوار نے آنکھیں کھول کر سنجیدگی سے دیکھا اور پھر پلکیں موند کر کر وٹ بھی بدل لی۔

”مجھے جگ نہ کریں سونے دیں۔ صبح کالج جانا ہے خواہوا لیٹ ہو جاؤں گی۔“ آواز میں خفگی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

”ناراض ہو۔“

”آپ کو میرے ناراض ہونے کی کیا پروا؟“ لہجہ میں بے پناہ خفگی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم مسکرایا۔

”سوری دریا کو ذرا سہا کر کے گیا تھا زہرا اور شائستہ بھابی نے روک لیا۔ بس باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔“

”آپ سو جائیں تھک گئے ہوں گے۔“ مشہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔
 ”ہاں گاڑی تو میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا ہوں نا۔“ مصطفیٰ کا انداز مسکراتا ہوا تھا مشہوار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔
 ”دریا بھی آگئی واپس یاد ہیں رک گئی ہے۔“
 ”وہیں رک گئی ہے کل آ جائے گی۔“ اس نے کہا۔
 ”آپ جس کام سے گئے تھے وہ ٹھیک ہو گیا۔“
 ”بہت ہی اچھا ہو گیا۔“

”آج امی کی کال آئی تھی۔“ وہ جوا بھی تک کسی کو بھی بتانا پائی تھی ایک دم مصطفیٰ کے سامنے کہہ گئی، مصطفیٰ ایک دم چونکا۔

”کب.....؟“

”آج جب میں کوچ سے لوٹی تھی تب۔“

”ویری گڈ..... کیا کہا تھا پھر بتا کہ کہاں ہیں وہ؟“

”نہیں بس مجھ سے بات کی تھی میں نے کئی بار پوچھا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ بتایا۔“ بتاتے بتاتے اس کی آواز میں نمی کھل گئی تھی۔

”وہ کیوں کر رہی ہیں ایسا؟ میں نے کہا بھی تھا وہ آ جائیں واپس میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گی لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔“ وہ روپے کھینچی مصطفیٰ نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگالیا۔

”اور کیا بات ہوئی؟“ مشہوار دھیرے دھیرے سب بتاتی گئی مصطفیٰ نے بغور سنا تھا۔

”نمبر لوٹ کیا جہاں سے کال آئی تھی۔“ تمام تفصیل سننے کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”موبائل میں ریسیونر کا نمبر ہے۔“ سائیز ٹیبل سے موبائل اٹھا کر نمبر نکال کر اس نے مصطفیٰ کو دیا۔ مصطفیٰ نے چند لمبے نمبر کو بغور دیکھا تھا۔

”یہ تو لینڈ لائن نمبر ہے۔“ مصطفیٰ نے نمبر دیکھتے ہی کہا۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر کے چیک کرنے لگا تھا مشہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ رات کے اس پہر کال جانی رہی تھی لیکن کسی نے ریسیونر کی تو مصطفیٰ نے پھر کسی اور جگہ کال کی تھی۔

”کیسے ہو؟ ہاں اللہ کا شکر ہے ایک کام سے چھوٹا سا ایک لوکیشن ٹریس کروانی ہے۔ نمبر لکھو مجھے سچ بتا دینا کہ یہ کس جگہ کا نمبر ہے اور نمبر لکھو۔“ مصطفیٰ نے اسے نمبر لکھوایا تھا۔ مشہوار خاموشی سے دیکھتی ہی تھی۔

”جب کال آئی تھی اسی وقت مجھے کال کرنی آگئیں منٹ اور 15 سیکنڈ کال چلی ہے تب تک فور لوکیشن ٹریس ہو جانی تھی۔ خیر اب کل پتا چلے گا میں خود دیکھتا ہوں۔“

”میں نے کال کی تھی آپ بڑی تھے آپ نے کال کا نہ دی تھی۔“

”ہاں اس وقت میں واقعی بڑی تھی بس تم ٹکڑ نہیں کرواں شاء اللہ سب پتا چل جائے گا۔“

”اور جہاں آپ پہلے گئے تھے وہاں کا کچھ پتا چلا؟“

”نہیں اب کل ہی وہاں کا پتہ لگاؤں گا دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔“ وہ سر ہلا رہی تھی۔ لیکن چہرے پر مہرے ٹھکر اور



onlinemagazinepk.com/recipes

aanchal.com.pk

بیک وقت کچھ نیا سیکھنے اور سیکھانے کا بہترین موقع

مکالمے

نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

مارچ 2015ء کے شمارے کی ایک جھلک

تعمیر ۱۹۰ ہے۔ یہ لہائی آج اپنے سر پر آہن کی ہے جو اسے کاٹ کر رکھتا ہے۔ اس نے ان لوگوں کو ایذا، اٹھانے پر دیا جو اپنے نہیں دیا۔ انہیں کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے۔

جگت سنگھ: تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پہلا ہے کی ایسی دیکھا اور داستان: ہونا اس کے ساتھ اسے توں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ لہائی ان لوگوں کے لیے بھی فساد جہت ہے جو آئے والی اہلوں کو اتمام اور جہنم کے سزا دے چکے کرتے رہتے ہیں اور سب سے سادھے لو جو ان "تہمت سنگھ" میں جاتے ہیں۔ "تہمت سنگھ" کہاں سے جاتا ہے کہاں پہنچا آئے ہے تو یہاں سے۔ لیکن ہم بھی زیر نظر لہائی میں "تہمت سنگھ" ساتھ ساتھ گادوں کے سر پر تمہیں لہائی اور۔۔۔ پچھلے نکلے اور پچھلے نکلے روایت کے شیبہ و فراز میں سفر کرتے ہیں۔۔۔

یاد رہے: اہم اور ایک سے دو رنگ تک کی داستان۔ ایک مہم کی روداد جسے اس کے احساس اور امن نے مجرم درہ پتہ دیا۔ کسی بزرگ پید و ہستی کی نظر کا کرشمہ۔ ایک بے وفا کی بے وفائی کا نشانہ۔ کسی کی سہولت چاہت کی کہانی۔ ایک عظیم ذہن کی فلسفہ کا احوال جو سب سے اذیت بھرا کر انہما کے گرد آ لوگڑ سے پر معافہ کھلتا رہا۔ آج ہمارے ہونے والے ہمارے کی چٹا جہاں ہے۔ جتنے کی وہیں پر پابند رہا۔ سلاخوں کے پیچھے منہ لہریوں کے لیے اسید کی ایک کرن۔ آج ہمارے ہونے کے لیے ہمارے خاص آئینوں کی روشنی سے لکھا جانے والا ناول۔

شہسہر سیاسی اسٹیج پر ۱۹۴۷ء سے تک میں کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لو جو ان ایسے ہیں جو ہمارے میں آکر پاؤں لہنے سموتے ہیں۔ ان لوگوں کو تو یہی نہیں ملتی کہتا۔ ادارہ ملک کا نظام ہی خراب ہے۔ یہاں سرفہوں کو تو یہی ملتی ہے۔ جس کی کوئی بڑی سفارش ہوتی ہے یا پھر وہ رشوت دینے کا اہل ہوتا ہے۔ حالات کی ستانی ایک جرنلسٹ کی کہ اس میں نے جاکسی اہمیت اعزازی رہ رہ رہتا سمجھ کر لیا تھا۔ سیاسی کرائم شہسہر کے لیے ہمارے اس ایک شہسہر

اس کے علاوہ اور بھی بہت ہے



سوچ کے سائے تھے مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر دیا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا ڈونٹ وری۔“ اس نے سر ہلایا تھا۔

”میں تمہارے لیے کچھ کفٹس لایا تھا وہ کھو گئی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ چونگی لہنی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ نے خود ہی اٹھ کر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ کو کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔

”میں وہاں شاپنگ کے لیے گیا تو سوچا تمہارے لیے بھی کچھ لینا چلوں۔“ پر فلم ایک خوب صورت ڈریس کے علاوہ ایک چھوٹا سا جیولری باکس تھا۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اسے تھما دی تھیں، سب کچھ بہت ہی پیارا تھا اور قیمتی بھی۔ شہوار کے چہرے پر خوش گوار سا تاثر ابھرا تھا۔ مصطفیٰ نے جیولری باکس ہاتھ لیا تھا۔

”میں نے وہاں جیولری کی شاپ ڈیکھی تو یہ پسند آیا گیا تھا سوچا کہ تمہارے لیے لیتا چلوں۔“ مصطفیٰ نے باکس کھول کر اس کے سامنے کیا ایک خوب صورت ٹیس سا بریسلیف تھا۔

”کیا لگا؟“

”بہت ہی پیارا۔“ شہوار کو بریسلیف واقعی پسند آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھائی مصطفیٰ نے خود ہی باکس سے بریسلیف نکال کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”تجاہزت ہے نا۔“ اس کا سر برساتا تھا وہ جھینپ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی کلائی تیر۔ وہ بریسلیف سجادی تھی۔ ایک کلائی میں گولڈ کے ٹکٹن تھے جو ماں جی نے پہنائے تھے دوسرے میں بریسلیف اس کے ہاتھوں ہاتھ سے گئے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ باکس ہماری بچی والی صلح ہو گئی ہے۔“ مصطفیٰ نے چھیڑ تو سر سے پاؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔

”خیر تمہارا تو وہ روٹھائی والا کفٹ بھی، پڑ پڑیو ہے یا کیا کہہ رہے تھے کہ ویسے کا فنڈیشن ارجن کرنا ہے تب تک ڈیویس سمجھو اب تو مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہے نا۔“ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جب مصطفیٰ نے پوچھا۔

”مجھے پہلے بھی کوئی گلہ نہیں تھا۔“

”ارے...“ مصطفیٰ حیران ہوا پھر اس نے دیا۔ ”اتنا بڑا مجھوت؟“

”اور وہ جو مجھ سے اٹھنا لڑنا وہ سب تو مجھ سے شوقیہ تھا نا۔“ وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

”میں اپنے ان سب رویوں کی وجہ سے جکی ہوں، اگر آپ نے وہ بارہا ان کا ذکر کر کے شرمندہ کیا تو پھر میں واقعی آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔“ مصطفیٰ کی محبت نے اس کے کانوں پر عجیب سا احساس تقاضا پیدا کر دیا تھا اس نے بڑے مان سے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”تمہارا ہر روپ سرتا نکھوں پر نہ ناراض ہو کر دیکھو تو سہمی دیکھنا کیسے منانا ہوں تمہیں۔“ مصطفیٰ نے والہانہ انداز میں کہتے اسے گرم جوش سے خود میں سیٹ لیا تھا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت اور جذبوں کا ایک ٹھاٹھیں ہاتھ سمندر تھا وہ بے اختیار لگا پڑی، جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ اپنے گزرے دنوں کی دل پر جیتی ایک ایک وردت سنانے لگا تھا اور وہ شرمیلی مسکرا رہے۔ لیے پوری توجہ سے اس کی تمام حکایات سن رہی تھی۔



وہ سو کر بھی تو سر سے پاؤں تک نہال تھی مصطفیٰ کی محبتوں اور شدتوں نے اسے گویا سر سے پاؤں تک خرید لیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی ہی مسکان تھی اس نے بڑی محبت آمیز نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ اس کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا چہرے پر معروف نقوش اپنی تمام تر آن وہاں سے اس کے دل کو اپنی طرف مٹھ رہے تھے۔

شہوار نے جھک کر اس کی پیشانی پر بکھرے بال نرمی سے پیچھے ہٹائے تھے۔ ایسے عالم میں جب وہ اپنی ذات کے اعظام سے محروم ہو چکی تھی مصطفیٰ کی محبتوں نے اسے خرید لیا تھا۔ دوسرے پاؤں تک اس کی محبت کی پھوار میں بھیک چکی تھی۔ مصطفیٰ پر کبیل درست کرتے اپنے لیے بال سمیٹتے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔

نماز ادا کر کے وہ باہر نکلی تو ماں کی لالچ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں وہ ادھر ہی آ گئی تھی۔
 ”السلام علیکم؟“ اس نے سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پچھلے تمام تر دنوں کے برعکس شہوار مکمل طور پر نکھری اور تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے ایک مسکراتی گہری نگاہ اس کے وجود پر پھنسا کر ان کا دل اک اطمینان سے بھر گیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ انہوں نے محبت سے کہا۔ ”جیتی رہو سدا سہا گن رہو۔“ انہوں نے دعا بھی دی تھی۔ شہوار جھینپ گئی۔
 ”نہیں باہر لان میں جا رہی ہوں۔“ وہ انہیں بتا کر کچھ دیر تک لان میں شہلی رہی تھی۔

اس وقت اس کے ذہن و دل میں مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی احساس نہ تھا۔ چلتے چلتے اس نے گلاب اور موتیا کے پودوں سے پھولوں کا اکٹھا کیا اور وہ پارہ روم میں آئی تو مصطفیٰ ابھی بھی سو رہا تھا۔

شاید گزشتہ دنوں کی بہانہ دوز کی تھکن تھی اس نے دوپٹے میں مقید تمام پھولوں کی کلیاں ڈر بینگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں کمرے میں پھولوں کی بھینٹی بھینٹی یعنی مسطری مہک پھیل گئی تھی بڑا خواب ناک سا ماحول تھا اس نے وقت دیکھا سات بج رہے تھے پھر وہ مصطفیٰ کی طرف چلی آئی تھی۔

”مصطفیٰ.....“ اس نے مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر دی تھیں شہوار کا چہرہ اس کے سامنے تھا تمام تر دلکشی و معطر پن لیے۔ مصطفیٰ نے ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہا تو سیدھی ہو گئی تھی۔

”آپ نے آفس نہیں جانا سات بج رہے ہیں۔“ وہ کمرے میں نکھری چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے لیٹے لیٹے ہی دیکھا۔ شہوار کے اعزاز میں وقار دار رکھ رکھاؤ تھا۔

لیے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جنہیں دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ شرم و جیا اور جھجک ضرور تھی لیکن عام لڑکیوں کی طرح ہنسی بھرا ہوا نہیں تھا۔

”آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟“ چیزیں سمیٹ کر وہ بستر کی طرف چلی آئی تھی۔
 آج میرا موڈ تمہاری پسند سے ناشتا کرنے کا ہے جو دل چاہے کھلاؤ۔“ مصطفیٰ نے ہٹا کر بستر سے اتر کر اسے قریب

کر کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے مسکرا کر کہا تھا وہ سر ہنسی ہو گئی تھی۔
 ”آپ فریش ہو لیں میں ناشتا تیار کرواتی ہوں۔“

مصطفیٰ سے نگاہیں چرائے پیچھے ہٹتے اس نے کہا تھا۔ الماری سے اس کا لباس نکال کر وہ واش روم میں لٹکا آئی تھی۔ مصطفیٰ واش روم میں گھسا تو وہ باہر آ گئی تھی۔ کچن میں لائے بھالی ملازمہ سے ناشتا تیار کر رہی تھیں۔

اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔
 ”مصطفیٰ رات کب لوٹا تھا؟“ وہ فریج کھول کر دیکھ رہی تھی جب بھالی نے پوچھا۔

”سو باہر پگے کے قریب آئے تھے۔“
 ”ڈرا اس دریا پر نظر رکھنا اچانک ہی بیٹھے بیٹھے اس کا بروگرام ناشتہ کے یہاں جا۔ نے کابین گیا تھا عباس بھالی نے کہا بھی تھا کہ وہ ڈراپ کر دیں گے لیکن منع کر دیا کہ وہ مصطفیٰ کے ساتھ جائے گی مجھے تو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا لیکن

چپ رہی کہ خواہ مخواہ ایشون بن جائے، ماں جی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔“ بھالی کی بات سن کر وہ الجھتی تھی۔

”میں مصطفیٰ بہت اچھے ہیں میرا نہیں خیال کہ وہ وہ جیسی لڑکیوں پر توجہ بھی دیں۔“ شہوار نے کہا تو بھائی نے کھوا۔
 ”اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا وہ یہ جیسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے تو ہمارے خاندان کا حصہ لیکن ہمارے
 خاندان والی کوئی خوبی اس میں موجود نہیں ہے۔ مصطفیٰ بھی مرد ہے نہ جانے کب وہ یہ کاجادو چل جائے۔“ لائبر کے الفاظ پر
 وہ پریشان ہوئی گی۔

”اور ہاں اچھی لگ رہی ہو مصطفیٰ سے نظر ضرور اتر وانا۔“ اس کے سراپے کو دیکھتے لائبر نے معنی خیز انداز میں
 کہا تو وہ مسکرا دی۔

ناشتہ سب ہی نے ایک ساتھ کیا تھا ناشتے کے بعد وہ کمرے میں تیار ہونے لگی تو مصطفیٰ بھی چلا آیا تھا۔
 ”وہاں بیٹے کے سامنے کھڑی ہال بنا رہی تھی جب مصطفیٰ نے اسے عقب سے تھا ملایا۔
 ”آج کالج مت جاؤ۔“ لہجے میں فرمائش تھی۔ بالوں میں برش کرتا ہاتھ دک گیا تھا۔
 ”کیوں؟“

”مجھے آفس میں کچھ کام ہے وہ دیکھ لوں پھر آؤنگے پر چلتے ہیں آج سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔“
 مصطفیٰ کے پردہ گرام پر وہ تیراں ہوئی تھی۔ سات بجے تو مصطفیٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔
 ”کیا خیال ہے؟“ اس نے اشارت میں سر ہلادیا۔

”گڈ گرل میں تیار ہو کر آفس کا چکر لگا لوں پھر کھرا تا ہوں تم بھی تیار رہنا۔“ مصطفیٰ اپنی محبت کا دالہا نہ اظہار کرتا
 وہاں سے واپس مدہ کی طرف چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سننا ہی سکرا کر مصطفیٰ کو دیکھتی رہی تھی۔
 آفس کا چکر لگا کر مصطفیٰ ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔ مصطفیٰ نے اپنا تعارف کر لیا تو مقابل شخص فوراً چونکا ہوا گیا تھا۔ مصطفیٰ
 نے اس سے سکندر اور اس کی فیملی کے بارے میں پوچھا تو جوں ہاں اس شخص نے جو انکشافات کیے تھے مصطفیٰ سن کر ششدر
 رہ گیا تھا۔ مصطفیٰ اس سے مختلف سوال کرتا رہا اور وہ شخص مختلف جواب دیتا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد مصطفیٰ
 بہت الجھ گیا تھا ہر جواب غیر یقینی تھا۔

مصطفیٰ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا کہ یہاں آ کر اسے ایسی معلومات ملیں گی۔ وہ جو ہمیشہ کھاوری سوچتا
 رہا تھا اس مقام پر آ کر اس کی سوچ یکسر بدلی تھی۔ وہ اس شخص کا شکر یاد کرتے وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ اب ایک اور جگہ
 جا رہا تھا۔ کافی سارا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ جس جگہ پر آیا تھا وہ پی سی او تھا۔ مصطفیٰ۔ اپنی سی او کے مالک سے باز پرس
 کی تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔

”صاحب یہاں روز کی لوگ کال کرتے آتے ہیں اب ہمیں کیا علم کہ کون کیا ہے کل دو تین عورتوں نے کال کی تھیں
 اور جو وقت آپ بتا رہے ہیں ایک عورت آئی تو تھی تنہا تھی کچھ دیر بات کی تھی اور پھر پے بند کر کے چلی گئی تھی۔“
 ”تم جانتے ہو کہ یہ عورت کہاں سے آئی تھی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تھا اس نے نئی میں سر ہلایا۔
 ”نمبر صاحب میں نہیں جانتا۔“

”اب کہ اب اگر وہ عورت آئے تو تم نے فوراً مجھے اس نمبر پر کال کرنی ہے تم نے کوئی کوئی نہیں کرنی۔“
 ”نئی صاحب؟“ مصطفیٰ نے اسے اپنا کارڈ دیا تو وہ فوراً رضامند ہو گیا تھا۔
 ”دوبارہ وہ عورت آئے تو تم پوچھنا لو گے نا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔
 ”جی صاحب فوراً پوچھنا لوں گا۔“

”اوکے..... اپنا نمبر لکھو اور مجھے۔“ مصطفیٰ نے اس کا سیل نمبر لے لیا تھا۔

ہاتھ پیادہ کھلنے کی

- ① غم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو نیند سے پہلے تک ہوتا ہے۔
- ② کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں جو برداشت نہ ہو سکے۔
- ③ جوانی سولہ سال کی عمر کا نام نہیں ہے ایک اعجازِ فکر، اعجازِ زندگی کا نام ہے ہو سکتا ہے ایک فحصر سولہ سال کی عمر میں بوزھا ہو اور ساٹھ سال کی عمر میں جوان ہو۔
- ④ جو بات آپ کے دل میں اتر گئی وہی آپ کا انجام ہے اگر آپ کو موت آ جائے تو جس خیال میں آپ مر رہے ہیں وہی آپ کی عاقبت ہے۔
- ⑤ جو کسی مقصد کے لیے مرتے ہیں وہ مرتے نہیں جو بے مقصد جیتے ہیں وہ جیتے نہیں۔

کائنات عابدہ..... فیصل آباد

گاڑی میں بیٹھے ہوئے مصطفیٰ کا ذہن تابدوڑا اور سکندر کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

عبدالقیوم ایاز کے پاس آئے چند دن بعد کی اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی تھی۔ ایاز بہت خوش تھا جبرہ عبدالقیوم نجید۔ آج کل ان کے گرد پولیس کا گھیراؤ تھا۔ جا رہا تھا ان کے کچھ ذرائع نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنا سب کچھ سمیٹ کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں اگر ایک بار ان پر گرفت ہو گئی تو بہت سخت ہوگی۔ ایاز کا معاملہ ہینڈل ہو گیا تھا بس اس کے یہاں سے نکلنے کی اور یہی اب باقی معاملات وہ جلد از جلد نینانے کی کوشش میں تھے۔

”تم یہاں سے جانے کے بعد ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گے مجھے بھی دو تین ماہ لگ جائیں گے یہاں سے شفٹ ہونے میں اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرنا ہے ہمیں۔“ وہ ایاز کو سمجھا رہے تھے اس نے گھڑا ہر ہلایا۔ ورنہ اس کے دل و دماغ میں یہ پچانس رہ گئی تھی کہ وہ شہزاد اور مصطفیٰ سے انتقام نہیں لے سکتا تھا۔

مصطفیٰ کا بیچ جانا اور شہزاد کا بالکل محفوظ رہ جانا اس کے سینے پر۔ رائیپ بن کر لوٹا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک بار تو ضرور یہاں سے نکل کر مصطفیٰ پر حملہ کرے لیکن عبدالقیوم سے باہر کے حالات سن کر وہ خاموش تھا۔

”تم تیار رہنا پرسوں تمہیں وقت پر پک کر لوں گا اور خبردار باہر نکلنے کی کوشش کی مجھے خبر ملی۔“ چم ایک بار باہر نکلے ہو یہاں میں تمہارے لیے اتنی کوششیں کر رہا ہوں یہ نہ ہو کہ سارا کیا کرایا مٹی میں ملا دو۔“ وہ اسے صبر کر رہے تھے اس نے حاکمی سے باپ کو دیکھا۔

”نہیں کچھ کتاب تک بچا ہوا ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ احتیاط سے ہی رہ رہا ہوں آگے بھی کچھ نہیں ہنگام۔“ اس نے کہا تو وہ اسے بس دیکھ کر رہ گئے۔ نئے نئے ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا ورنہ اس کو سمجھانے کی مزید کوشش کرتے۔

”میں چلتا ہوں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو میں انتظام کروں گا۔“ انہوں نے کہا تھا اس نے سرفی میں ہلا دیا تھا۔

وہ اس کی مزید چند ہدایات دے کر چلے گئے تھے وہ کچھ پر کچھ سوچتا رہا اور پھر ذہن میں ایک منہ و بہر تریب دے کر مسکرا کر بہتر ہو کر گیا تھا۔

آج کا سارا دن بہت اچھا گزرا تھا مصطفیٰ کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اس کی زندگی کا یادگار لمحہ تھا وہ بہت عرصے بعد

خود کو ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے محفوظ تصور کر رہی تھی۔ دونوں کئی جگہوں پر گھومے تھے مصطفیٰ نے اسے ڈھیر ساری شاپنگ کرائی تھی اور پھر رات کے وقت دونوں نے ڈنر بھی باہر ہی کیا تھا۔ نر کے بعد مصطفیٰ اسے لوٹک ڈرائیو پر لے آیا تھا۔

”اب گھر چلیں۔“ وہ مصطفیٰ کے پہلو میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ پچھلے دنوں کے برعکس آج نہ دونوں کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ تھا اور نہ ہی کوئی ڈرائیو وہ سارا وقت تنہا رہے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کو دیکھا۔

”کیوں تھک گئیں۔“

”ہاں، میں کبھی اتنا سارا وقت گھر سے اس طرح باہر نہیں رہی۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ مصطفیٰ مسکرایا۔

”ابھی آفس میں کچھ ضروری کام چل رہے ہیں ادھر سے فارغ ہوں تو چھٹیاں لے کر کسی جگہ ہنی مونس ٹرپ کے لیے چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے میری اسٹڈی کا پہلے ہی بہت خرچ ہو چکا ہے۔“ اس نے دھم سے کہا۔

”آپ محترمہ کو بھلے ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مجھے تو ٹیل ہو رہی ہے میں اپنی پیاری سی اور خوب صورت بیوی۔ کے ساتھ ڈھیر سارا وقت گزارنا چاہتا ہوں یار۔“ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں کے نیچے اسٹیرنگ برک لیا تھا۔

شہوار سرخ ہو گئی تھی اس کے لیے یہ سب کچھ بہت نیا نیا سا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر بار پزل ہو جاتی تھی۔ مصطفیٰ کی محبتیں اس کا دلہانہ انداز اور سب سے بڑھ کر اسے اہمیت دینا۔ وہ ہڈول سے اس کے لیے ہارنگی تھی۔

”لیکن میری اسٹڈی۔“

”وہ بھی ہو جائے گی مجھے یقین سے تم کو کر لو گی تم کون سا نالائق ہو۔“ وہ خاموش ہو گئی تھی۔

”یار یہی وقت سے لائف انجمائے کرنے کا اگر ایک بھی بے بی آ گیا تو تم نے پھر کہاں ہاتھ آتا ہے۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تو جینب کر رہی تھی ایک دم چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا تھا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا سارا وجود ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ خصوصاً مصطفیٰ کی گرفت میں دبا اس کا دایاں ہاتھ۔

”بابا کا ارادہ فی الحال ویسے کے فنکشن کا ہے وہ ہو جائے تو پھر چلتے ہیں تم ڈیسا اینڈ کرنا کہ کہاں چلیں گے۔“ جو بابا وہ خاموش رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

”گھر چلیں؟“ کچھ توقف کے بعد شہوار نے پھر کہا تو مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”بھئی گنا چاہ رہی ہو مجھ سے یا میرا ساتھ چھانٹیں لگ رہا؟“

”ایسی بات نہیں ہے، تم کئی گھنٹوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں ماں جی اور باقی وگ انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس نے سنبھل کر کہا۔

”بسھی کی فکر رہتی ہے تمہیں ایک سوائے میرے۔“ مصطفیٰ نے مظلومیت بھرا شکوہ کیا۔

”اب میں نے کیا کیا ہے۔“

”میرے اس مصعب سے دل پر یہ ستم توڑی ہے کہ اتنے دن شادی کو ہونے کے باوجود تم مجھ سے اول دن کی دلہن کی طرح شرمائی پھرتی ہو کبھی صل کر بات نہیں کی، بسھی میرے دل کی کہانی نہیں سنی، بسھی میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے جذبوں کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔“ مصطفیٰ نے شرارتی آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ بچکنے لگے تھے۔

”آپ کے ساتھ ہوں کیا یہ کافی نہیں۔“ دھیمی آواز میں کہا۔

”بالکل بھی نہیں، میں سیدھا سا ابا بندہ ہوں جو دل میں ہے کہہ دیتا ہوں جو بیا مجھے بھی ایسی ہی گرم جوشی چاہیے۔“
 ”میں تو ایسی ہی ہوں شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا آپ کو۔“ اس نے اپنی طرف سے بہت ہمت کر کے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلاہٹس دیا۔

”تب تمہارے ساتھ اتنے خوش گوار تعلقات کب قائم تھے سوچا تھا بیوی ہوگی تو میری محبت کا اثر پڑے گا لیکن یہاں تو وہی کیفیت ہے۔“

”اب پچھتا رہے ہیں۔“ پہلی بار مصطفیٰ کی طرف تنبیہ کی سے دیکھا تھا۔
 ”اگر کہوں ہاں پچھتا رہا ہوں تو۔“ آنکھوں میں جذبول کا ایک جہاں لیے والہانہ پن سمونے کہا تو شہوار کے لیے مصطفیٰ کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ خسار گرم ہونے لگے تو پالوں کی جھار خود بخود گرے لگی تھی۔
 ”تو پچھتاؤ۔ آپ پر افسوس ہی کر سکتی ہوں۔“ اپنی طرف سے اس نے چھیڑا تھا۔

جگنو میں آنجل میں

جہل کے ائمہ صوفیوں کو جگناتے ہیں
 جگنو میرے آنجل میں جھللاتے ہیں

صلو، ہستی کے لہذاق تیزی۔ سے پلٹتے جا رہے ہیں اور دقت کی گردش اپنی مخصوص رفتار سے جا رہی ہے۔ کتاب ماضی کے چند لہذاق ٹائٹس تو معلوم ہوتا ہے کہ 1978ء سے شروع ہونے والا آنجل کا سفر ایک طویل دورا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ آج آپ کے آنجلوں میں آنجل کا 433 ماں شہما اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ ہم لوگ آپ کو پچھنے 36 برسوں سے آنجل کے ہم قدم سے لیکن سچی و پرقری کا عالم اب بھی وہی ہے اور یہی بہتر سے بہترین کی جستجو انسان کو منزل کی جانب گامزن رکھتی ہے سچی جستجو میں ہم سچی مصروف عمل ہیں کتاب کے آنجل کو بہتر سے بہترین بنا کر آپ کے لیے مشکل حیات بنا دیا جائے۔ اس سفر میں آنجل کے جگنوؤں نے اپنی تصانیف، تعارف و تہذیب سے آنجل کے لائق پرستاروں کی کہکشاں اجاگر کر دی۔ آج ان کی روشنی سے آنجل جھلک رہا ہے وہ ہونا جو ہماری عزیز مدد پر ہوا مشتاق احمد قریشی کی کاوشوں سے لگایا گیا تھا۔ آج اپنی بہار دکھا رہا ہے اور عالم یہ ہے کہ گلدستہ سچی کو نئے ڈھنگ سے پیش کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آنجل کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اس بارش پریم یادگار ترتیب دی ہے اس سلسلے میں رائٹرز و دیگر بہنوں کی شرکت ہمارے لیے کی تحفہ سے کم نہیں۔ سرور۔ کے مولانا منند جلیل ہیں۔

1: آنجل کے سابقہ سالگرہ نمبر سے اس دوران شائع ہونے والی ایسی تحریر جیسا آپ برسوں یاد رکھیں گی؟

2: کوئی ایسا جملہ یا پیرا گراف، جہاں آپ کے ذہن کی سر زمین پر مثبت ہو گیا ہو جسے بے ساختہ آپ نے ڈائری کی

زینت بنایا ہو؟

3: افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا کردار جیسا آپ نے اپنے گرد و پیش میں دیکھا ہو یا اس

جیسے فرد سے آپ کی ملاقات ہوئی ہو؟

4: اس سال آپ کا پسندیدہ مثبت و منفی کردار کون نمبر؟

5: آپ کی زندگی کا کوئی خوب صورت لمحہ جہاں آپ کو ذہنی و جسمانی تھکاوٹ میں بھی گفتگو کی مسکراہٹ عطا کر دے؟

6: سال بڑھانے کا سب سے زیادہ متاثر کیا؟

7: آنجل کے کس سلسلے میں آپ کیسے تبدیلی چاہتے ہیں؟

8: آنجل رائٹرز میں سے کوئی ایک مصنفہ جن سے آپ ملنے کی خواہش رکھتی ہیں؟

ان سوالات کے جوابات مختصر تحریر کر کے ہمیں 8 مارچ تک ارسال کر دیں۔

”تم اپنا یاٹھوس مٹی اپنے پاس ہی رکھو، مجھے محبت کرنا بھی آتی ہے اور کرنا بھی۔“

”لگتا ہے بڑا تجربہ ہے اس معاملے میں۔“

”بالکل ایک عرصہ امریکہ جیسے ماڈرن ملک میں گزار کر آیا ہوں تمہیں مجھ پر اس معاملے میں ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ مصطفیٰ بھی فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فوراً ٹھنکی تھی۔

”مذاق کر رہے ہیں؟“

”نہیں بھئی تین چار شیخ زکی کہاتیاں تو میں تمہیں سنا سکتا ہوں ہاں باقی تین چہ راہی نہیں ہیں کہ تمہیں سنا سکوں۔“

مصطفیٰ کا اندازہ نوز سنجیدہ تھا۔ شہوار کا دل ڈرنے لگا۔

”مذاق مت کریں مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“

”ایک بالکل تمہا شخص امریکہ جیسا ملک دولت کی بھی فراوانی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے بگڑنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔“

شہوار کا دل ڈوبا تھا مصطفیٰ نے اسے ڈرا کر دکھایا تھا۔

”میں ولید بھائی سے پوچھوں گی مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ ابھی بھی ماننے کو تیار نہ تھی مصطفیٰ اٹھ کر

نہیں دیا تھا۔

”حیرت ہے بھئی اتنا یقین بجا ہے شوہر نامدار پر؟“ محبت سے پوچھا تھا۔

شہوار قدرے ریٹیکس ہوئی تھی اور اسے خطی سے سد بکھا تھا۔

”شرم تو نہیں آتی اگر میں سچ مان لیتی تو۔“

”لیکن مانا تو نہیں نا۔“ مصطفیٰ نے چھیڑا تھا وہ سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگی۔ مصطفیٰ گھر کے رستے پر گاڑی ڈال چکا تھا۔

”اور اگر واقعی سچ ہوتا تو؟“ مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔

”تو میں آپ سے کبھی شادی نہ کرتی۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اور اگر شادی کے بعد تمہیں پتا چلنا کہ میرے بعد عواں دھار تم کے چند شیخ رہتے تو؟“

”تو میں آپ کو چھوڑ دیتی۔“ اس کی سنجیدگی پر فراتھی مصطفیٰ نے گہرا سانس بھرا۔

”بڑی ظالم ہو پھر تم تو کیا مجھ جیسے انہراں بردار، سعادت مند شوہر چھوڑنا ممکن: فنا تمہارے لیے۔“

”میں نے ہمیشہ ایک صاف بختری زندگی گزارنی ہے پھر اللہ میرے ساتھ نا انصافی کیسے کر سکتا تھا۔“ اس کا

یقین کامل تھا۔

”میں نے سرری زندگی آپ لوگوں کے درمیان گزارنی ہے مجھے کبھی بھی کسی نے میلی نگاہ سے نہیں دیکھا عاشر اور صبا

کا سا مقام ملا تھا جی کتاب کے کسی کزن تک نے میرے ساتھ مس بی ہو نہیں کیا پھر میں بھلا کیسے سوچ سکتی تھی آپ

ایسے ہوں گے۔“ شہوار کے الفاظ پر مصطفیٰ نے بہت سہرا تھی نگاہوں سے اسے سد بکھا۔

”میری زندگی میں سوائے ایاز کے اور کوئی تلخ حادثہ نہیں ہوا اور جب آپ پاکستان آئے آپ نے بھی مجھے وہی مقام

اور عزت دی جو باقی لوگ دیتے تھے کسی کے کردار کو ج کرنے کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں میں

ہمارے لیے کیا مقام ہے اور اس کے لفظوں میں ہمارے لیے کتنی عزت ہے۔“ شہوار کی سوچ کی پختگی نے مصطفیٰ کو ایک

دم اثریکٹ کیا تھا۔

”ویل ڈن ماتا یقین ہے مجھ پر۔“ وہ اس پر نارہی تو ہو گیا تھا۔

”مجھے آپ سے زیادہ اللہ کے فیصلے اور آئی جی کی ترتیب پر یقین ہے۔“ وہ صاف وامن بجا گئی تھی۔

صیغہ کمال

ارے بھئی دروازہ کھولے آپ کے آنچل میں اتاری دی ہے چلے پہلے میں تعارف کروا دیتی ہوں جی ہاں دل تھا م کے بیٹھے میں ہوں صیغہ کمال جولائی کی نرم گرم دوپہر میں اس دنیا میں قدم رکھا۔ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے میری دو بہنیں اور ایک بھائی ہے میں نویں کلاس کی طالبہ ہوں اور پڑھائی کے میدان میں بہت سے معرکے مارنے کے ارادے ہیں آپ سب کی دعاؤں سے۔ مجھے کھانے میں بریانی، شامی، کباب، گول گپے اور آسن اچاری (منہ میں پانی آ گیا) بہت پسند ہیں۔ رنگوں میں لال، کالا، میرون اور پنک۔ میرے فوٹو کلمز ہیں۔ موہ سردیوں کا بے انتہا پسند ہے اور سردیوں میں آکس کریج کھانا اور سڑک پر واک کرنا میرے پسندیدہ مشغلے ہیں۔ لباس میں لمبی فرائگ پسند ہے میک اپ پسند نہیں۔ ہنسنے ہنسانے والے لمبے خلوص لوگ پسند ہیں۔ دوغلے اور طنز کرنے والے بالکل پسند نہیں میری بہن کرن سے میری بہت نوک جھونک ہوتی ہے لیکن میں اپنی ہر بات بھی کرن سے ہی شتر کرتی ہوں۔ میرا چھوٹا بھائی احمد بہت شرارتی ہے چونکہ اکلوتا ہے اس لیے اس کی شرارتیں بھی مزادتی ہیں۔ میں چائے بہت زبردست بناتی ہوں۔ آنچل رسالہ بہت پسند ہے اس میں بہت عمدہ کہانیاں، کامات، باتیں اور دلچسپ سلیبیا ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کافی پور کرو یا اچھا اب مجھے اجازت دین تعارف کیسا کا ضرورت ہے گا اللہ حافظ۔

مصطفیٰ نہیں دیا تھا۔

”بیوی ڈیپلو میٹ ہو تم تو۔“ وہ مسکراتی رہی تھی۔

”اور محبت کے معاملے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کرو دو راز۔“

”اتنی جلدی کیا ہے آپ کا ہستا ہستا چل ہی جائے گا۔“ اعجاز شرارتی تھا۔ مصطفیٰ نے گہرا۔

”ہماری ملی ہی کو میاؤں۔“ شہوار کی ہنسی بے اختیار تھی مصطفیٰ نے بے اختیار اسے دیکھا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”دھیان سے گاڑی چلائیں ایکسیڈنٹ کرویں گے۔“ تو پرانے زخم ہی منڈل نہیں ہوئے ہوں گے۔“ پاس سے ایک گاڑی زن سے گزری تو اس نے ٹوکا تھا۔

”نالومت، گھر چلو پھر بات کرتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سیر ہلا کر سیٹ کی پینٹنگ گاہ سے سر لگا دیا تھا۔ وہ آج اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت اور سب سے یادگار دن گزار رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل فریش اور تروتازہ تھا وہ دھیسے سے مسکرائی تو مصطفیٰ اسے شکر اتے دیکھ کر ایک دم مطمئن ہوا تھا وہ شہوار کا ذہن بنانے میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔



وہ عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی جب ساجدہ بچا ہوا موبائل لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”آپ کی کال ہے۔“ اس نے موبائل ان کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ دنگلی تھیں۔

”میر کی؟“

”جی ایک خاتون ہیں پہلے بھی کال کی تھی آپ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں میں نے کہا تھا کہ پھر کال کر لیں۔“ تاہم وہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

”السلام علیکم! انہوں نے کال دے سبکی تھی۔“

”وعلیکم السلام۔ تائبہ بی بات کر رہی ہیں؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔
 ”جی لیکن آپ کون؟“ انہوں نے پوچھا تھا وہ جائے نماز سے کھڑی ہو گئی تھیں ان کے ہتھے ہی ساجدہ نے مصلحتاً
 کیا تھا۔

”آپ ہمارے گھر آئی تھیں آپ نے خود ہی یہ نمبر دیا تھا رابطہ کرنے کے لیے۔“
 ”جی..... جی ہاں گیا۔“ وہ فوراً سمجھ گئی تھیں کہ دوسری طرف کون ہو سکتا ہے۔
 ”کوئی اطلاع ملی کوئی خیر خبر۔“

”جی میری اپنے شوہر سے بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے والد صاحب نے ان سے ذکر کیا تھا بہت
 سالوں پہلے تک کچھ لوگ یہاں جو نام آپ نے بتائے تھے ان کی تلاش میں آئے۔ تمہیں میرے سر کو اطلاع کرنے کا بھی
 کیا تھا لیکن جو رابطہ نمبر دیا تھا تو سر صاحب کو بھی ظلم ہوگا اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔“ تائبہ بی جو دم سا دھم سے سن
 رہی تھیں ایک دم بڑھ حال سے انداز میں بستر پر گر گئی تھیں۔

”کوئی تو رابطہ ہوگا کوئی مل؟“ انہوں نے لڑ رہی آواز میں پوچھا۔
 ”معذرت چاہتی ہوں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔“ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تو آنکھوں میں نمی آ
 ٹھہری تھی۔

”پھر جی اپنے شوہر سے کچھ پوچھئے گا شاید کوئی نکستل جائے میں برسوں سے تڑپ رہی ہوں برسوں سے صبر کیے
 ہوئے ہوں میں اب سب کشتیاں جلا کر نکلی ہوں کسی کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اگر مجھے کوئی راستہ نہ ملے۔“ وہ رو دی تھیں
 دوسری طرف موجود خاتون نے شدت سے ان کا دکھ محسوس کیا تھا ساجدہ جو لاشعوری طور پر وہیں کھڑی رہ گئی تھیں الجھ گئی
 تھیں۔ وہ ابھی تائبہ بی کی کہانی سے یکسر انجان تھیں۔

”آپ امید نہیں اللہ بہتر کرے گا۔“ دوسری طرف سے تسلی دی تھی۔
 ”ہاں اللہ سے ہی تو سب امیدیں لگا رکھی ہیں آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے اتنا تعاون کیا ایک امید تو بندھی کہ کوئی
 کسی کی تلاش میں آیا تھا ہے شوہر سے پوچھئے گا کہ وہ کون تھا اور کس کا پوچھتا رہا تھا۔“ انہوں نے ایک امید سے کہا تھا۔
 ”جی میں ضرور پوچھوں گی۔“

”میں انتظار کروں گی۔“ ان کی زندگی تو آج کل شب و روز کا انتظار بن چکی تھی۔ دوسری طرف اللہ حافظ کہہ کر کال بند
 ہو چکی تھی انہوں نے بھی موہاٹل کان سے ہٹا لیا تھا اپنے آنسو صاف کیے تو ساجدہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔
 ”ایک بات پوچھوں؟“ انہوں نے سر ہلا دیا۔

”میں نہیں جانتی کس کی کہانی کیا ہے اور نہ کسی نے مجھ سے ذکر کیا لیکن آپ کو اس طرح پریشان دیکھ کر میں الجھ گئی
 ہوں آپ کس کو تلاش کر رہی ہیں ساجدہ نے پوچھا۔

”بہت سی کہانی ہے کہاں سے شروع کروں کیا بتاؤں؟ میرے بہت سے رشتے کھو گئے ہیں جن کا سراغ
 نہیں مل رہا۔“

”لیکن آپ کی بیٹی تو آپ کے پاس تھی جیسے آپ خود چھوڑ کر آئی ہیں۔“
 ”ہاں وہ میرنی بیٹی تھی میری بیٹی ہے اور ہمیشہ بیٹی ہی رہے گی اس کے وجود نے ہمیشہ مجھے کم مائیگی کے احساس سے
 بچایا تھا لیکن جن کو تلاش کرتی ہوں وہ لوگ تو میری ذات کا حصہ تھے۔“ وہ رو نے لگی تھیں ساجدہ کے دل کو تکلیف ہوئی
 تھی ان چند دلوں میں اسے ان سے ایک خصوصی لگاؤ ہو چکا تھا۔

اور میں..... حق مہر میں اپنی ساری خوشیاں دیتا ہوں نریجہ شبیر..... شاہ خلد ر	حق مہر آؤ کہ ہم نکاح دوستی کر لیتے ہیں تم سے تم جہیز میں اپنے غم لانا
--	--

”یہ گھر تو آپ کا تھا اگر کوئی موجود ہوتا تو آپ کو یہاں تلاش کرتے آتا۔“

”آیا تھا وہ لیکن تب میں یہاں موجود نہیں تھی حالہ بی موجود تھیں انہوں نے بتایا کہ میں یہاں نہیں ہوں وہ سمجھتا رہا کہ میں مر چکی ہوں تب میں کہیں غائب تھی اور جب واپس لوٹی تو وہ چلا گیا تھا حالہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں وہ بھی سمجھتی رہیں کہ میں مر چکی ہوں پھر میں نے تلاش کیا اسے کئی جگہ لیکن نا امید ہو کر واپس لوٹ آئی اس کے بعد کئی خط لکھے اس کے سچے پر جو مجھے معلوم تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا شاید ایڈریس غلط تھا غلط واپس لے کر رہا اور سال بیتی گئے میری شہوار اب مجھ سے سوال کرتی ہے اور میرے پاس اس کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں اس کی شناخت تم سے ہے اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ اسے بتا دوں کہ وہ کون تھی کن لوگوں کی عزت ہے میں بہت مجبور ہوں اب مجبور ہو کر یہاں آئی تو گئی ہوں لیکن کوئی سراہا تھ ہی نہیں لگا۔“

”اس شخص سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟“ سوال ایسا تھا کہ تائبندہ بی کو لگا کہ جیسے کسی نے دل کو زخم زخم کر دیا ہو۔

”وہ میرے شوہر تھے۔“ ان کی آواز سسکی تھی۔

”اؤہ.....“ ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”خدا انخواستہ اس کے ساتھ کہیں کچھ ہونہ گیا ہو وہ زندہ ہوتے تو آپ کے خطوط کے جواب تو ضرور دیتے۔“ ساجدہ کی بات پر وہ اضطراب سے لٹی میں سر ہلا گئی تھیں۔

”بس اسی بات پر آ کر میری ہمت ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کو نہیں۔“ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی تھیں اور پھر لٹی میں سر ہلا کر کھڑی ہوئی تھیں۔

”شاید میری قسمت میں ہی آرزو پائی لکھی تھی۔“ وہ سسکتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں ساجدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

نجانے اصل کہانی کیا تھی؟ لیکن ساجدہ کا دل ان کے غم پر ایک دم ہرنجیدہ سا ہو گیا تھا۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی سارا وقت اسے کمرے میں بند رہی تھی شام کو صبحی بیگم نے ہی آ کر اس کا دروازہ کھلایا تھا لیکن اسے بخار سے پھٹکتے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں انہوں نے اسن کے ہمراہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا لیکن درحقیقت وہ اس کے مریضوں سے پریشان ہو چکی تھیں۔

عشاء کے بعد اسن اسے لے کر گھر آیا تھا ولید اور باقی سبھی لوگ گھر میں ہی تھے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ صبحی بیگم نے ہی زبردستی اسے میڈیسن دی اور کھانا بھی کھلایا تھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اور جسم بخار سے دھک رہا تھا۔

”کیا بات ہے..... کوئی ریڈن ہے دل دو ماغ پر؟“ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی، صبحی بیگم نے پوچھا تو اس نے ہاتھ ہٹائے تھے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"کیا برڈن ہو سکتا ہے بھلا۔" نقاہت سے بھری آواز تھی۔
 "تو پھر کیا بات ہے ایسی حالت تو تمہاری بھی بھی نہ تھی کم صوم، بے زار۔" انہوں نے تشویش سے دیکھتے پوچھا تو وہ چڑی۔

"میں ٹھیک ہوں، ماما کچھ نہیں ہوا مجھے۔" انہوں نے خاموشی سے اسے چند لمبے دیکھا اور پھر باہر نکل گئی تھیں۔ انا خاموشی سے لٹی رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نئی سہنے لگی تو اس نے ہانقا آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ آنکھوں کا پانی بازو کی آستین میں جذب ہونے لگا تو اس نے لب بھیج کر اپنی سسکیوں کو دودک لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے کا منظر تازہ ہونے لگا تھا۔
 احسن کے سہارے چھٹی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی ولید رہداری میں تھا جب وہاں سے گزرتے ان کا سامنا ہوا تھا۔
 "آج تم جلدی چلتے تھے؟" ولید نے اسے عمل طور پر نظر انداز کرتے پوچھا تھا۔

"ہاں انا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ماما نے کال کی تھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔"
 "تم کم از کم بتا کر تو جاتے وہاں تمہیں پتا تو ہے میٹنگ تھی تمہیں کل جو فائل دی تھی مل ہی نہیں رہی تھی سارا شیڈول خراب ہو گیا تھا اب کل پو میٹنگ ملتوی کی ہے بس نے۔"

"چلو کوئی بات نہیں، انا کی طبیعت اتنی خراب تھی صبح سے کمرے میں بند تھی اور کسی و علم ہی نہ تھا روشی نے ہی عصر کے قریب دیکھا تو یہ بخار سے تپ رہی تھی۔ اس نے ماما کو کال کی تھی ماما گھر آ گئی تھیں۔ سن ڈاکٹر سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا تو مجھے ماما نے بلوایا تھا شکر ہے بخار کا زور قدرے کم ہوا ہے۔" احسن نے بتایا تھا لیکن اس کے باوجود ولید نے اس کی طرف نہ دیکھا اور نہ ہی حال دریافت کیا تھا۔

"میں چلی جاتی ہوں بھائی آپ بات کر لیں۔" بخار سے بڑھ چلا اس سے کھڑا ہونا ہی رو بھر تھا۔ وہ بیٹکی پلکوں کو جھٹکاتی رہتی آواز میں کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلا آئی تھی اور اب دل جل رہا تھا آنکھیں بہ رہی تھیں لیکن دل کو کسی بھی لمبے قریب نہ تھا۔ روشی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسی طرح چلنی ہوئی تھی۔

"انا....." اس نے ہاتھ میں پکڑا سوپ کا پیالہ مہرا بنڈ پر رکھ کر اسے پکارا تھا۔ ساکت نہ ہو گئی تھی۔
 غیر محسوس انداز میں آستین سے اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔ روشی اس کے باہر ہی بستر پر بیٹھی تھی۔
 "اشوہ سوپ لی لو۔" اس نے کہا تو انا نے اپنی بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ روشی ٹھنک آئی تھی بیٹکی آنکھیں نہیں اس کی۔
 "کیا ہو اور رہی ہیں تم۔"

"بس بخار میں آنکھوں سے پانی بہ رہا ہے۔" اس نے کہا تو روشی قدرے مطمئن ہوئی۔
 "لو یہ سوپ لیا لو، بخار میں کھانا فائدہ ہوگا کھانا بھی بس تم نے برائے نام ہی کھایا ہے۔" روشی کے انداز میں اونا بنی تھی وہ نشی میں سر ہلاتی تھی۔

"نہیں، کسی بھی چیز کے لیے دل نہیں مہرا رہا۔"
 "کھاؤ گی تو پتا چلے گا نا میں صبح لیٹ آئی تھی کہ تم کالج جا چکی ہو وہ تو اچانک دھڑ سے گزر رہا تو پتا چلا کہ تم بخار میں تپ رہی ہو مجھے بہت افسوس ہوا کہ پہلے کیوں نہ دیکھا اور۔ چلو اب اشوہ توڑا سا لیا لو۔" اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ وہ آہستگی سے ساتھ کر بیٹھی تھی۔

روشی نے اسے سوپ کا پیالہ تھما دیا تو وہ نہ چاہے ہوئے بھی اس کے سب لینے لگی تھی۔
 "تم نے شادوں سے انکار کیوں کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی انا کا ہاتھ ساکت ہو گیا وہ سوپ کے پیالے میں مچ

عالیہ شائع

میری طرف سے آنچل کی پوری ٹیم کو اور تمام بہنوں کو اسلام علیکم! میں فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں آنچل کو پڑھتے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں اس لیے کہ آنچل میں تفریح کے ساتھ ساتھ اچھی اتمس بھی ہوتی ہیں تاریخ پیدائش 19 دسمبر ہے سالگرہ نہیں مناتی۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی ہیں ایک بہن کی وفات ہو چکی ہے اب ہم دو بہنیں ہیں میرا نمبر تیسرا ہے۔ موسموں میں سردیوں کا موسم بہت زیادہ پسند ہے۔ بلیک اور میرون کلر بہت پسند ہے لہذا میں لہنگا پہننے کا بہت شوق ہے اور فیشن کے مطابق ڈریس پہننے اچھے لگتے ہیں۔ فلم سٹار میں سلمان خان اور کرشمہ کپور پسند ہیں۔ ہر کام کر سکتی ہوں پر غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور رونا بہت جلدی آ جانا ہے۔ تھوڑی دیر بعد موڈ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے مری اور سوات جانے کا بہت شوق ہے۔ دوستوں میں شمسہ ابراہیم مصباح سدرہ عمارہ اور بہت سی دوستیں ہیں ہر کسی سے بہت جلدی فریک ہو جاتی ہوں۔ اپنی ہر خوشی اور غم اپنی دوست شمسہ سے شیئر کرتی ہوں۔ قلم نویس لوگ بہت زیادہ پسند ہیں جن کی اب بہت کمی ہو گئی ہے احسن میری کمزوری ہے میرے آنیڈیل میرے چاچو تھے جن کی اب ڈیڑھ ہو چکی ہے۔ جانے والے لوٹ کر نہیں آتے مگر اپنے پیچھے اچھی دین اور اچھی باتیں چھوڑ جاتے ہیں۔ آنچل رائٹرز میں عشنا کبیر نازیہ کنول نازی اور میرا شریف بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ شاعر احمد فراز اور وحی شاہ ہیں۔ آنچل کی پوری ٹیم کے لیے دعائیں کہ آپ ہمیشہ آنچل کو ایسے ہی جہاتے رہیں۔

گھمانے لگ گئی تھی۔

"کیا کوئی بات ہوئی ہے؟" سے بغور دیکھتے روشی نے پوچھا تھا۔

"کیا میں بغیر کسی وجہ کے محض اپنی ایجوکیشن کو لے کر انکار نہیں کر سکتی۔" کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو روشی

نے سر ہلا دیا۔

"لیکن یہ باہا کی خواہش ہے ان کی طبیعت خراب رہتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تمہاری اور ولی کی شادی

ہو جائے۔" روشی نے کہا۔

"جو بھی ہے میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پارہی۔"

"لیکن بابا....."

"پلیز روشی۔" روشی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ماما نے ٹوک دیا۔

"پلیز میرا سر پہلے ہی دکھ رہا ہے میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اب۔" اس کے لہجے میں قطعیت سن تھا۔

"تم کچھ اور کھانا چاہتا ہو؟" بنا دیتی ہوں۔" اس کے قطعی انکار پر روشی نے فوراً بات بدل دی تھی۔

"نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے ماما نے کھانا کھلا کر میڈیسن دی ہے۔ اب یہ سوپ پی رہی ہوں، بہت ہے یہ۔" اس نے

پیالے میں موجود سوپ کھل کر کھائی اور روشی نے اس کے ہاتھ سے خالی پیالہ لے کر سائیڈ پر رکھا۔

"سر میں! اگر درد ہو رہا ہے تو میں دباؤں۔" روشی کا پر خلوص و محبت آمیز انداز برقرار تھا ان کا ایک دم اپنے قطعی انکار کا

احساس ہوا تو ایک گہرا سانس بھر کر رو گئی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں میڈیسن لی ہے ڈاکٹر نے آنکھوں بھی لگایا تھا کافی بہتری آئی ہے میں لیٹوں گی تو آرام

آجائے گا۔" تھا بہت زور سے وہ آواز میں کہا تو روشی نے بغور دیکھا۔

"او کے ٹھیک ہے تم آرام کرو اگر کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بتانا۔" محبت سے کہہ کر وہ اٹھ گئی تھی۔

اتانے سر ہلایا تھا وہ خاموشی سے اسے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گئی تھی انا خاموشی سے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی تھی کچھ دیر تک وہ مختلف لایہ یعنی سوچیں سوچتی رہی تھی لیکن پھر وہاں کا اثر غالباً نے لگا تو وہ خود کو سونے سے منہ روک پائی تھی۔



مصطفیٰ گہری نیند میں تھا جب اس کی آنکھ موہاں کی مسلسل جھپتی سیپ سے کھل گئی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو ایک دم رک گیا۔ شہوار اس کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا، ہاؤر ہاتھ بڑھا کر مسلسل بجتے موہاں کو سائڈ وریز سے اٹھایا تھا۔ مگرین پراجمد خان کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً کال پک کی۔ رات کے اس پہر یقیناً کوئی ایمر چھٹی گئی جو وہ کال کر رہا تھا اور نہ وہ کسی اس وقت ڈسٹرب نہ کرتا۔

”ہاں بولو اجمد خان..... خیریت.....!“ اپنی آواز کو دھیما رکھتے اس نے پوچھا۔

”ایک اچھی خبر ہے سر۔“ دوسری طرف سے اجمد خان نے کہا۔

مصطفیٰ تڑپا ہٹا۔ اس کی سانس باندھ کر دیکھا کہ وہاں مقید شہوار کے وجود کو دیکھنے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”کیسی خبر؟“

”ایاز کا پتہ چل گیا ہے۔“ اجمد کی پر جوش آواز سنائی دی۔ مصطفیٰ فوراً اٹھکا۔

”واقعی۔“

”لیس سر۔“

”کہاں چھپا ہوا ہے جو؟“

”سر وہ عبدالقیوم کے ایک ٹھکانے میں موجود ہے ابھی ایک خبر کی اطلاع ہے آج دن کے اوقات میں عبدالقیوم وہاں گیا تھا اس کا پتہ چھان کرتے پتہ چلا کہ وہاں ایاز بھی موجود ہے۔“

”ویری گڈ۔ کسٹرم اطلاع ہے۔“

”لیس سر ہنڈرڈ پرسنٹ۔“

”اوکے۔“

”سر میں نے چند میسج کو اس کے ٹھکانے کی نگرانی پر لگا دیا ہے بس آپ کو اطلاع کرنا تھی اور پوچھنا تھا کہ ٹیکسٹ کیا کریں۔“

”اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے میں؟“

”سر میں آپ اور اللامار سے پہلے والا خبر۔“

”اوکے ایاز ایاز کی تیار کرو مجھے ایڈریس بتاؤ میں بھی نکلتا ہوں۔“ مصطفیٰ نے فوراً لائحہ عمل تیار کیا تھا۔

”بس سر۔“ اجمد خان سے ایڈریس سمجھ کر مصطفیٰ نے کال بند کی اور ایک نظر شہوار کو دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی۔ خوب صورت و جوان ہے تمام تر حسن کی تاباں کیوں سمیت بخواب تھا۔

مصطفیٰ کے اندر ایک دم جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تو اس نے جھک کر بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر مہر ثبت کی تھی۔ وہ ذرا سا کسمپاسی اور پھر سو گئی تھی۔

مصطفیٰ اٹھ کر اللامار کی طرف بڑھا اور علیحدگی سے اس نے اپنا لباس نکالا تھا شب خوابی کا لباس بدل کر وہ ویش روم سے نکلا تو شہوار بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔



<p>ظلم جنہوں نے بیڑا حیا ہے قوم کی ان کو بدو عا ہے کوئی حرف تسل نہ جواب شکوہ ہے جن ماؤں کی گودوں کو، باڑ گیا ہے جہاں کو پھر سے مڑوے یارت میری عمر زندگی کے لیے یہی دعا ہے توبہ بلال صبح..... ظاہر ہو</p>	<p>ساتھ پشاور میرے وطن کے شہید طلباء تمہاری شہادت پر لکھتے ہوئے ظلم میرا یہ لہو لہاں ہے 16 دسمبر کے زخم پر وقت کھڑا رو رہا ہے میتوں کو دیکھ کر تمہاری موت نے مانگی پناہ ہے</p>
--	---

”کیا ہوا آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔“ مصطفیٰ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا وہ مسکرایا۔
 ”اس آفس کی طرف سے آرجنٹ کال ہے مجھے فوراً پہنچانا ہے۔“
 ”کیوں خیریت ہے؟“ وہ فوراً فکر مند ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔
 ”بالکل خیریت ہے مدت کے اس پھر اس طرح اٹھ کر جانا ہماری ملائف کا حصہ ہے پورا وقت دوزی۔“
 ”لیکن پھر بھی پتا تو چلے کہ کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔
 کتنے بالوں کو سینتے خود پر دہن پلٹتے وہ اٹھ کر مصطفیٰ کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی جو سما ایئر ڈائری میں سے اپنی گن نکال کر
 اس کا جیمبر چیک کر رہا تھا۔
 ”ایک پرانا مجرم ہے کافی عرصے سے لاپتا تھا ابھی ایک تجربے سے اس کے ٹھکانے کی اطلاع ملی ہے۔ میرا وہاں پہنچنا
 بہت ضروری ہے۔“ گن پاکٹ میں ڈال کر باقی ضروری چیزیں لے لی تھیں۔
 ”کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں فکر مند ہی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دونوں
 ہاتھوں میں تھام لیا۔
 ”بالکل بھی نہیں۔ میرا جانا تو محض فارمیٹی ہے۔ ہما محمد خان سناٹھ ہوگا اور کچھ اور ساتھی بھی سو ہر طرح کی ٹینشن سے فری
 ہو کر سو جاؤں گا میں فارغ ہو کر دن میں گھر کا چکر لگاؤں گا۔“ اس کا رخسار سہلا کر کہا تو شہوار خاموش ہو رہی۔
 مصطفیٰ نے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگا کر راز سے جدا کیا تھا۔
 ”اب جاؤں اگر تمہاری اجازت ہو تو؟“ ”تذکرے سے لہجے میں پوچھا تو وہ جھینپ کر مسکرائی تھی۔
 ”جی۔“

”مجھے دیر سویر ہو سکتی ہے تم آرام سے سو جانا اور کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں صبح خود ہی سب کو ظلم ہو جائے گا۔“ شہوار
 نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ اس کا رخسار تھپتھپاتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ شہوار نے خانہ دوشی سے جا تے دیکھا
 اور اس کی کامیابی اور حفاظت کی دعا کی۔



انہوں نے لیاڑھ کے ٹھکانے پر ریڈ کی تھی وہ سو رہا تھا انہوں نے بے خبری میں اسے جالیا تھا وہ اکیلا تھا اور ساتھ ایک کم عمر
 ملازمہ لڑکا ان کے سامنے تھا وہ فوراً بے بس ہو گئے تھے۔
 لیاڑھ کے تو وہ دگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایسے اس طرح آ کر پکڑے گا اور خصوصاً مصطفیٰ وہ تو رات بجائے مصطفیٰ کو

ٹھکانے لگانے کے کیا کیا منصوبے بنا تارہا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔
 ”میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح نہیں جانتے میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔ تم مجھے گرفتار کر کے اچھا نہیں کر رہے۔“ وہ ہڈیاں بے دریا تھا۔ مصطفیٰ کے اندر ایک دم غصے کا ابال اٹھا تھا۔

اس نے سچ کراس کے منہ پر پھینکا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گیا تھا لیا ز کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔
 ”لے چلو اسے اس کے ہوش حواس تو میں ٹھکانے لگا تا ہوں۔“ مصطفیٰ کا لہجہ سخت اور آنکھوں میں سر دہن تھا۔ لیا ز کے اندر ایک دم خوف اتر آیا تھا۔ وہ پہلے ہی سے مصطفیٰ کے ہاتھوں پٹ چکا تھا اسے اندازہ تھا کہ مصطفیٰ کے ہاتھوں پکڑے جانے پر اب اس کا کیا حال ہونے والا ہے۔

”تم ٹھنڈا ذلیل انسان، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں میرا پ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔“ وہ غصے دھدے سے پاگل ہو رہا تھا۔

”اسے لے چلو۔“ مصطفیٰ نے سختی سے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا تو وہ اسے گھسیٹ کر ہر لے گئے تھے۔
 لیا ز کا ملازم ہاتھ باندھے کھڑا کاتب رہا تھا جبکہ امجد خان کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔
 ”کب سے ہو یہاں؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔

”صاحب بہت عرصے سے ہوں صاحب نے کافی عرصے سے یہاں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا۔“ ملازم نے فوراً بتا دیا۔

”امجد خان اسے بھی لے چلو، اگر کوئی قابل زمت بات نکلی تو لیا ز کے ساتھ ہی ڈال دینا اسے بھی ورنہ ضروری کارروائی کر کے چھوڑ دینا۔“ مصطفیٰ نے امجد کا رڈر کیا تو وہ فوراً الٹ ہو گیا تھا۔

”یس سر۔“ کمرے کی تلاشی سے انہیں اس کا پاسپورٹ نکلت اور کچھ ضروری چیزیں مل گئی تھیں انہوں نے وہ سب تحویز میں لے لیں تھیں۔ وہاں سے نکل کر مصطفیٰ ابھی گاڑی میں کر بیٹھا ہی تھا کہ شہوار کی کال آ گئی تھی۔
 ”کیسے ہیں آپ؟“ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ ”طفی اسکر آیا تھا۔“

”ہائلکل اسون۔“
 ”اور جس کام کے لیے گئے ہوئے تھے وہ ہو گیا۔“ مصطفیٰ نے دوسری گاڑی میں موجود لیا ز کو دیکھا۔
 ”ہاں الحمد للہ ہو گیا۔“

”شکر ہے میں تو بہت پریشان ہو رہی تھی۔“ اس کے لہجے میں تشویش تھی مصطفیٰ انہیں دیا۔
 ”یہ سب تو میری جانب کا حصہ ہے کبھی دن کبھی رات نجانے کون ہی گولی کبت آئے۔“
 ”اللہ نہ کرے..... اللہ آپ کا حامی و ناصر رہے ہمیشہ آمین۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تڑپ ہی تو گئی تھی مصطفیٰ بے اختیار ہنستا تھا۔

”عجبت ہو گئی ہے کیا؟“ اندازہ چھیننے والا تھا دوسری طرف وہ خفا ہو گئی تھی۔
 ”آپ کی فکر کرنا ایک فطری سی بات ہے یہی ہوں آپ کی۔“ خفگی بھرا لہجہ مصطفیٰ کے اندر گویا کسی نے جذبات کی تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

”ذرا نوازی ہے آپ کی ماتنے سے بھی نواز دیتی ہیں ہنوازی میں تو ہم نے کون۔“ کوئی نگہ شکوہ کر لیتا تھا۔ ”مصطفیٰ نے مصنوعی بے چارگی سے کہا اس کے سامنے بھی اس کے اگلے حکم کے منتظر کھڑے۔“ وہ فوراً ہار ہٹا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا اور پھر فوراً بات سنی تھی۔

”اُوکے کا بھی ضروری کام ہے آفس ہی جا رہا ہوں جب فارغ ہوا تو گھر کا چکر لگاتا ہوں ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ نے کہا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی۔

”ایک ساتھی میرے ساتھ آجائے باقی سب کو احمد خان تم لے چلو میں بھی آفس ہی چلے ہوں۔“ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں۔



اما اور سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج آگئی تھی۔ بخار تو رات بھر میں اتر چکا تھا، بن نقاہت سے زیادہ اس پر کسلندی اور بیزاریت نے غلبہ پارکھا تھا۔

شہوار بھی کالج آگئی تھی اسے دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

”تمہیں بخار تھا اور مجھے علم ہی نہیں کل سارا دن مصطفیٰ کے ساتھ گزرا سو کالج نہ آسکی تھی ورنہ یہاں تو چل جاتا تھا۔“

”ہاں بس معمولی سا بخار تھا آج کل میں کور کر لوں گی۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنی بکس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

پھر وہ پھر کے بعد دونوں کو پتھر پلٹ ملا تو لان کے گوشے میں اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ دو تین اور لڑکیاں بھی آ بیٹھی تھیں۔ اسٹڈی پریز سنکشن ہوتی رہی تو دونوں مصروف رہی تھیں۔ شہوار کو کمرہ سے ملنا تھا وہ چلی گئی تو وہ بیزاریت سے بیٹھی رہی۔ نما نے کیا کیا سوچ رہی تھی سو بائبل بجا تو چوگی۔ کلاس کی کال تھی۔ نہ بانے کیوں یہ لڑکی اس کے پیچھے سب کی طرح چٹ چکی تھی۔

”میں تمہارے کالج کے سامنے موجود ہوں مجھے تم سے ملنا ہے تم باہر آؤ گی یا پھر میں اندر آؤں۔“ چھوٹے ہی وہ کہہ رہی تھی اتنا کہ تیور بگڑے تھے۔

”کیا چاہتی ہو؟“

”لوگی تو یہاں بھی دوں گی ویسے تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔“ دوسری طرف بلا کی سنجیدگی تھی۔

”میرا تم سے کوئی لینا دینا نہیں براہ مہربانی مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ تمہیں کال کی تھی۔“ وہ ایک دم بہت بڑی۔

وہ تو شکر تھا کما سن وقت کبھی لڑکیاں ادھر ادھر ہوتی تھیں وہ اس وقت یہاں تھا موجود تھی۔

”سوچ لو اگر میں اندر آگئی تو پھر بات بڑھ بھی سکتی ہے۔ انداز دھمکانے والا تھا۔“

”کیا کہنا ہے تم نے۔“ اس کی اداسی پر وہ ایک دم چکی تھی۔

”میرا اور تمہارا مشترکہ مسئلہ ولید ضیاء ہے اگر تم آرام و سکون سے میری بات سن لوگی تو اس میں دونوں کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور خصوصاً تمہارا۔“ کلاس کی بات پر وہ پتھر پلٹ کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔

ولید تو واقعی اس کی ذمت کا ایسا مسئلہ بن چکا تھا جس سے ستمبر وار ہونا زندگی سے منہ موڑنے کے مترادف تھا اور اسے ان حالات میں ہانپالینا ساری عمر کاٹوں پر لوٹنے کی اذیت سہنا تھا۔

”تو پھر آ رہی ہو تم؟“ اتا نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ شش و پنج میں تھی ذہن کوئی بھی بات سوچنے نہ بھننے سے قاصر تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس اذیت سے نکل جائے۔

”ہاں سوٹ کرو میں آتی ہوں۔“ اس نے ایک دم حتمی فیصلہ کیا اور دوسری طرف کلاس نے کال بند کر دی تھی۔

وہ پتھر پلٹ پریشان سی بیٹھی رہی اور پھر ارادہ کر دیکھتے وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ

کاشف سے جان لے گی کہ نید اور اس کا تعلق کس حد تک ہے اس کے بعد ہی وہ کوئی فیصلہ سے گی۔ وہ اپنی بکس، قائل اور بیگ لیے باہر نکلی تو کافہ نے اپنی بلیک گاڑی اس کے عین سامنے لاکھڑی کی تھی۔ کافہ کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی شاید اس کی دوست۔ وہ اتر کر پھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی جبکہ کافہ کے کہنے پر انفرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”یو لو کیا کہتا ہے؟“ اس کا انداز بہت بگڑا ہوا تھا کافہ مسکرائی تھی۔

”ذہنی جلدی بھی کیا سنا رام وسکون سے کسی جگہ بیٹھ کر بات کریں گے بی کول یار۔“ انا چونگی۔

”لیکن کہیں اور جانے کی ہمارے درمیان بات طے نہیں ہوئی۔“

”تو کوئی بات نہیں اب طے کر لیتے ہیں تم میرے ساتھ چل رہی ہو اور جب تک میں نہیں چاہوں گی تم واپس نہیں جاسکتی۔“ کافہ کا انداز بلا کا عجیبہ تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارا میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں جا رہی میں صرف تمہاری بات سننے آئی ہوں۔“ وہ اندر ہی اندر پریشان ہو چکی تھی۔

”پریشان مت ہو ہم بھی صرف بات ہی کریں گے بس رام وسکون سے بیٹھ کر۔“ لب کی بار کافہ کی بجائے اس کی دوست بولی گئی۔

انا نے ناگہی سے دونوں کو دیکھا تھا اور خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ جبکہ گاڑی تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی۔



مصطفیٰ سارے امور نمٹنا کر لوٹا تو گھر میں مہر النساء اور شاہزیب دونوں موجود تھے شاہزیب صاحب آج شاید آفس نہیں گئے تھے باقی لانا اور فاق نظر نہیں آ رہے تھے۔ مصطفیٰ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے بغور دیکھا۔

”امجد خان کا فون تھا وہ بتا رہا تھا کہ رات کے آخری پہر یاز کو گرفتار کر لیا ہے تم لوگ رات نے۔“ انہوں نے پوچھا امجد خان مصطفیٰ سے زیادہ ان کا وفادار تھا ہر چھوٹی موٹی بات ان کو ضرور بتاتا تھا مصطفیٰ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اور ساری کارروائی کے متعلق ان کو بتانے لگا تھا مہر النساء نے بھی خاموشی سے سب کو کچھ بنا تھا۔

”چلو اچھا ہوا اب کچھ غرمہ تک سکون رہے گا۔“ جب تک مصطفیٰ گھر سے باہر رہتا تھا میرا دل ہوتا رہتا تھا۔“ ماں جی نے ساری بات سن کر کہا تھا مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”ایسے لوگوں کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔“ شاہزیب صاحب نے تہرہ کیا۔

”اللہ سب کی اولاد کو ہدایت دے۔“ ماں باپ کے لیے تو دکھ کی بات ہوتی ہے۔“ کن کا دل بھر بھی نرم تھا۔

”ہاں اس کے باپ اور گھر والوں تک اطلاع پہنچ چکی ہے ویل کے ہمراہ اس کا باپ آج آفس آیا تھا لیکن اس بار کیس ایسا ہے کہ اس کی امانت بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔“ مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔ ماں جی نے اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

”آپ! اولاد کے باپ سے ملیں اور اسے سمجھائیں تاکہ خواہ مخواہ کی دشمنی پالنے سے یہ فائدہ۔ عاقلہ ہمارے بچے فاق کی ماں ہے ہم سب بھول کر اسے واپس لانے کو تیار ہیں اس کے باپ کو کہیں تاکہ وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے۔“ مہر النساء کی بات پر شاہزیب صاحب ایک پل کو ٹھٹھے تھے۔

”اب یہ ممکن نہیں۔“ انہوں نے کہا تو مہر النساء نے انہیں دیکھا۔

”لیکن آفاق کے لیے تو کس ناز سے گانا جو بھی ہے جیسی بھی ہے ماں ہے اس کی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن عباس اسے طلاق کے پھیر نہ کھو چکا ہے۔“ انہوں نے دہریے سے انکشاف کیا تو مصطفیٰ اور

جب	مقدر	دعا	غزل نہیں	کرتا	کرتا
میں	بھی	کوئی	دعا	کرتا	کرتا
دل	کا	دروازہ	بند	ہوں	ہو
خوش	دنیا	سے	وا	کرتا	کرتا
وقت	میری	عادت	ہے	درد	سینے
اس	میں	کبھی	ہے	دعا	نہیں
	سے	ہاتھ	تو	ملا	ہوں
	کے	آگے	جھکا	نہیں	کرتا
					رانی اسلام..... گوجرانوالہ

مہر النساء دونوں چونک لٹھے تھے۔

”کیا؟“ ماں جی نے گویا سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”کب؟“

”کچھ دن پہلے کی بات ہے۔“

”اور مجھے بتایا بھی نہیں۔“ ان کی زبان سے شکوہ پھسلا تھا۔

”باقی لوگ پریشان ہوتے ہم نے عباس کو منع کر دیا تھا۔“ شاہزیب صاحب کالب دلچہ پر سکون تھا۔

مہر النساء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو مصطفیٰ نے آنسو نہیں ساتھ لگا لیا تھا۔

”میرا بیٹا، میں جانتی ہوں اس نے کس طرح عادلہ کے ساتھ گزارا کیا تھا۔ لیکن آفاق کا کیا قصور تھا وہ تو ساری عمر کے

لیسے ماں کی ممتا سے محروم ہو گیا۔“ ان کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ لائیب آفاق کو لیے اٹھتا تو ٹھکی تھی۔

”کیا ہوا؟“ پریشان ہو کر پوچھا۔

”عباس نے عادلہ کو طلاق دے دی۔ ہے۔“ انہوں نے روتے ہوئے بتایا تو لائیب بھی ساری رات رہ گئی انہوں نے اٹھ کر

آفاق کو اٹھا لیا اور ساتھ لگا کر چھ ماہ تو بچہ اس قدر پیار پر لوکھلا کر رونے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے تو مل لیا تھا۔

”ماں جی پریشان نہ ہوں یہ سب شاید ایسے ہی ہوتا تھا ہم سے عادلہ بھابی کے خوالے۔ سے ایک غلطی ہوئی تھی وہ گیا

آفاق تو اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ ہم سب موجود ہیں۔ وہ گئے عباس، بھائی اللہ نے ان کے لیے

بھی کوئی نہ کوئی خوشخبری ہی ہوگی۔“ مصطفیٰ نے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

لائیب نے اچڑا کر آنکھوں کو دھپنے سے صاف کیا تھا۔

”عباس کے سامنے اب ہا ہا یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن میں سمجھ سکتا ہوں کہ

اندرونی خود پر خود بہت ہرٹ ہوا ہے۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں چاہے خاندان سے ہا ہا اب میں اس کے

معاملے میں مزید تاخیر نہیں کروں گا۔“ شاہزیب صاحب کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”میرا بچہ۔“ مہر النساء کے دل سے پھر ایک ہوک اٹھی تو انہوں نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑنا شروع کر دی

تھیں۔ سب نے خاموشی سے ان کو دیکھا تھا۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھیں وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں۔ انا کو وہ
رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہوا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں لایا جاوے تو اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیر
ایکٹھ نہیں لگ رہے تھے وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی کلاخہ اور اس کی ساتھی نے اس سے بکس پور بیک لے لیا تھا۔
”یہ تم کیا کر رہی ہو۔“ انا ایک دم حیران رہ گئی تھی۔

”تم ہماری مہمان آؤ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔“ کلاخہ کا انداز از حد سنجیدہ
تھا اس نے اس کے بیک کو کھول کر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور پھر ایک کونے سے موہاٹل ڈھل کر اس کا سوئچ آف کر دیا تھا۔
”یہ سب کیا ہے؟“ وہ پوچھی۔

وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا چکی ہے نجانے اب ان دونوں کا کیا ارادہ تھا اور اس کے
ساتھ کیا ہو۔ نے والا تھا۔ وہ ایک دم اپنا چکر اتا سر تھام کر بستر پر گری پڑی تھی۔

”ارے ابھی تو ہم نے کچھ کیا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئی۔“ کلاخہ طنزیہ انداز میں کہتے اس کے قریب آئی تھی۔
وہ جو پہلے ہی بڑھ حال ہی تھی ایک دم بے مدھی ہو گئی تھی۔

”کیا چاہتی ہو تم؟“ اس کی آواز بالکل لرز رہی تھی۔
”ولید کو۔“ وہ گھٹیا انداز میں اس نے تھی۔

”مجھے یہاں کیوں لائی ہو۔“
”اپنی صحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔“ انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے بنا چنے لگے
ہوں۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، جارہی ہوں میں۔“ بے یقینی کے سحر سے نکل کر ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی
تھی۔ کلاخہ ایک دم اس کے رستے میں آئی اور اس کی دوست نے آگے بڑھ کر دروازہ ہلاک کر دیا تھا۔

”اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نکل نہیں سکتی جب تک میں نہیں چاہوں گی۔“ کلاخہ کا لب و لہجہ
کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔ انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہے۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو گھورے جارہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے
 ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے، کیا خوب صورت ہے
 یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی
 مگر یہ بھی تو دیکھو، کام کتنا خوب صورت ہے

شٹڈی گہری آہ لے کر اپنی دوسری سمت دیکھا تو میرے
 شوہر دونوں بچوں کے ہمراہ اپنے میل میں گن بال اچھال
 اچھال کر ایک دوسرے کی طرف پھینک کر لطف اندوز
 ہو رہے تھے۔ مجھے اپنے سیدھے ہاتھ کی بندھی پسینے سے
 تر محسوس ہوئی تو میں نے اپنی ہانسی کھول دی اچھالوں کا
 ایک چھوٹا سا گچھا پھسل کر میری انگلی میں آ کر لہرانے لگا۔
 چاہیوں کے اس گچھے کی کھنک سے میں الجھ گئی۔ میرے
 ہاتھ پر کئی شکنیں نمودار ہوئیں میں نے جلدی سے وہ
 چاہیوں کا گچھا اپنی بندھی میں دو رہ قید کر لیا۔ دل زور زور
 سے دھڑکنے لگا ایسا لگا جیسے کسی نے دل کا دروازہ مڑی طرح
 کھٹکھٹا دیا ہو دروازے کے باہر بہت سا شور مچنے لگا۔

”جا بیاں..... میرا..... اپنا گھر..... میرا اپنا
 گھر..... گھر.....“ میری آنکھیں بھیکنے لگیں میں نے
 بیگلی آنکھوں سے سمندر کی سمت دیکھا، سمندر کا پانی
 شور مچا رہا تھا۔

میرے اندر سے اٹھنے والی آوازیں اور تیز ہو گئیں اتنی

سمندری گیلی ریت میں میرے خشک کھردرے
 پاؤں دھنسنے جا رہے تھے میرے پیاسے پاؤں گیلی ریت
 کی نرمی و ٹھنڈک کا احساس پا کر ایک عجیب سی لذت سے
 سرشار تھے۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھائی ایک الگ سمت کی
 جانب رواں گئی میں نے گردن موڑ کر سمندر کی
 وسعتوں میں جھانکا۔ کتنا دل فریب منظر تھا ہوا کے تھینڑے
 پہاڑی جھومتی موجوں کو کچھ اوپر تک اچھال رہے تھے یہ
 چھلکتی کودتی موجیں کنارے پر آ کر سست پڑ جاتیں۔
 پیرے سے لہروں کا میرے پیروں کو چھو کر گزر جانا مجھے
 چھا لگ رہا تھا۔

سمندر کے کنارے کھڑے رہ کر یونہی دیر تک انہی
 موجوں سے لطف اندوز ہونا میری کمزوری تھی۔ یہ ٹھنڈی
 لہریں میرے لہریں کو چھوتی تو جیسے پورے جسم میں
 ٹھنڈی کرنٹ کی لہریں دوڑنے لگتیں۔ میرے وجود پر
 کئی بخاری سنیں آہستہ آہستہ سرک رہی تھیں۔ میں آج خود
 کو سترہ برس بعد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ میں نے ایک

تیز..... اتنی تیز کہ انہیں سمندر کا شور بھی نہ نکل سکا۔



میں جلدی جلدی روشن کے کام سینے میں مصروف تھی کہ اچانک میری نظر آدھے کے ستون سے ہوئی کچن کی چھت پر آ کر جم ہی گئی۔ چڑیا منہ میں تنکا دبائے چھت کے چاروں طرف پھڑ پھڑا رہی تھی میں اس چڑیا کو روز ہی منہ میں تنکا دبائے دیکھتی وہ کبھی ایک طرف پھڑ پھڑاتی تو کبھی دوسری طرف شاید اسے اپنا ٹھوسلہ بنانے کے لیے کسی خاص جگہ کی تلاش تھی۔ کچن کی چھت دھوپ اور بارش کے لیے شینڈ کی طرز پر بنائی گئی تھی اس کے ساتھ لگے پتیل کے درخت کی سو بھی چڑیاں اس شینڈ پر گرتی رہتی تھیں۔ اس کی مستقل مزاجی مجھے بہت اُٹھائی اور میں ہر روز کچھ دیر یہ منظر دیکھنے کے لیے کھڑی ہو جاتی۔

آج چڑیا نے کچن کی کھڑکی کے نیچے کھیلے میں گئے منی پلانٹ جو چھت کے گرد چکر لگاتے جا رہی تھی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ ہی لیا۔ یہ منی پلانٹ اس کونے میں کچھ ماہ پہلے میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ میں نے مسکرا کر چڑیا کی اس جگہ دو دو گراہتی نظروں سے دیکھا پھر کچن کی جھاڑو دینے کا خیال آیا۔ اندر سے خالہ ساس کی مستقل آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے سر ہٹک کر جھاڑو تقاضا لی اور کسی شین کی طرح جیسے میرا بن آن ہو گیا تھا۔ میں جانتی تھی میری خالہ ساس وقت کی بے حد پابند ہیں وہ گھر کے طے شدہ کاموں میں پارونج منٹ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد زندگی کی ڈور جیسے گھڑی کی سوئیوں کی نذر ہو گئی تھی۔ اگر کسی کام میں دیر ہو جاتی یا خالہ ساس کے بتائے ہوئے کاموں میں میں کچھ رو دبدل کر دیتی تو اس کا خمیازہ خالہ ساس کے لٹکے منہ اور کڑے تیوروں کا سامنا کر کے دینا پڑتا پھر ساس کے آگے پیچھے کتنا ہی پھر لومحافی تلانی مانگنے کے باوجود وہ اپنا موڈ ایک ماہ سے پہلے بحال نہ کرتیں۔

میں ان کے رویوں کی جلد ہی عادی ہوئی شروع میں

مشکل ضرور ہوئی، تکلیف ہی ہوئی لیکن جب دیکھا ساس کا رویہ شوہر کی بے حسی۔ کتا گے مزید سر چڑھ کر بولتا تھا تو میں نے خود سے ہی ہار بین لی اور اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے۔ میری اکلوتا خالہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پسند کی خاطر اس رشتے کے لیے کتنی ہی پیش کشیں کیں شاید میں ان کی ذاتی پسند میں شامل نہ تھی اور جب شادی کے ذکر پر حسن نے مجھ ہی سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو خالہ چپ سی ہو گئیں شاید انہیں یہ توقع ہو کہ ان کا فرماں بردار بیٹا یہ حق انہیں بنا کسی تردد کے سونپ دے گا لیکن مجھ سے ہی شادی پر اصرار شاید ان کی انا کوٹھیں پہنچا گیا تھا۔

ہم دونوں کی شادی دھوم دھام سے ہوئی جس دن میں خالہ کے گھر لہرن بن سائی میں بھاگتی سے بہو اور وہ خالہ سے ساس بن گئیں۔ وہ پرت پرت میرے سامنے بھکتی چلی گئیں شادی کے دوسرے دن میں خود سے ناشتا بنانے کچن میں چلی آئی خالہ کو کام میں کمن دیکھ کر میں نے چاہا کہ ان کا ناشتا اپنے ہاتھ سے بناؤں۔

”میں اپنا ناشتا خود بناتی ہوں، تمہیں جو ناشتا کرنا ہے بناؤ حسن کا بھی۔ بن ناشتلا بچے سے پہلے کر لیا کرو یوں گیارہ گیارہ بچے سسر لائے کی عادت اپنا کر میرے گھر میں شوست نہ ڈال دینا۔“ وہ بڑے آرام سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں شاید وہ بھول گئی تھیں کہ وہ ایک دن کی کہن سے مناسب ہیں پھر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہونے لگا کہ خالہ ساس ”اپنے گھر“ میں مقررہ کاموں میں رو دبدل برداشت نہیں کرتی تھیں۔

”حسن! میں سوچ رہی تھی کہیں نہ گھر کی تھوڑی سی سیٹنگ بدلی جائے۔“ میں نے اپنے دل میں دلی خواہش کا ذکر اپنے شوہر سے کیا جو اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ میں آرت کی دلدادہ خود بھی آرتسٹ تھی فائن آرت کا فیلو۔ میرے اندر چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔

”ہاں تو تنہا را اپنا گھر ہے ای سے پوچھ لو جو کرنا چاہ رہی ہو کر لو۔“ وہ بے پروائی سے مجھ پر نگاہ ڈالے بغیر بولے۔

خواہش تھی بلکہ ان کی عبادت میں خلل پڑتا۔ تسبیح کے دانے تیزی سے گراتی وہ آمنہ کو میری گود میں دیکھ کر نظریں پھیر لیتیں۔ کیا ہمیں ایسی ہی عبادتوں کی تلقین کی گئی ہے، کیا مخلوق کی خدمت کسی عبادت میں شامل نہیں۔ کیا اخلاقیات بھی عبادت کے حصے سے خارج ہے؟ میرا دل خالہ ساس کے بے حس رویے پر کھٹتا رہتا لیکن ان کے رویوں کے آگے میں بے بس تھی۔ آمنہ کو ساتھ لیے گھر کے کام کرتا میرے لیے کتنے مشکل ہو جاتے اس کا اندازہ رات کو تنگن سے پور میرا جسم ہلکا کر دیتا تھا۔

”اے اللہ مجھے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے۔“ یہ دعا اکثر میرے لبوں پر رہتی اور میں آمنہ کو اپنے آجمل میں چھپائے اسی دعا کا ورد کرتے کرتے سو جاتی۔

☆.....☆

”خالہ! آمنہ کی طبیعت پھر خراب ہو گئی تھی ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ گھر سے کارپٹ اٹھالیں۔ قالین اس کے لیے خطرناک ہے آمنہ کو لڑتی ہو گئی ہے سب یہ ٹھنڈی ٹھنڈی چلنے لگی ہے کہاں تک اسے روکوں گی۔ ہمارا پورا حرف کارپٹ ہے اگر آپ کہیں تو کچھ عرصے کے لیے گھر سے قالین اٹھوا دیتے ہیں۔“ میں نے جھکتے ہوئے کہا۔

”اسے الٹتی ہے تو اتنے کمرے تک روکوں میرے پودے گھر کو ویسے ہی اس نے تم پلیڈ نہیں کر رکھا۔ ڈرنا تک دم کے قالین کا بھی تمہاری بیٹی نے ٹاس مار دیا ہے۔“ خالہ تنگ کر بولیں وہ نمازی پابند نہیں اور اس معاملے میں خاصی دہمی بھی تھیں۔ آمنہ کی طبیعت کافی دن سے خراب تھی اسے الٹ کر، ہوجانی ڈاکٹر نے اس کا حل جو تجویز کیا وہ خالہ ساس کی نظروں میں کسی اہمیت کے لائق نہ تھا پھر میں نے پھر آہستہ آہستہ آمنہ کو کمرے تک محدود کر دیا۔ آمنہ تین سال کی ہوئی تو فواد میری گود میں آ گیا اور میری مصروفیت کا دائرہ مزید بڑھ گیا جبکہ خالہ ساس کی تنگ نظری کا دائرہ مجھ پر مزید تنگ ہونے لگا۔ وہ گھر جسے اپنا بنانے کی خاطر میں نے خود کی لٹی کر ڈالی اصل میں میرا تھا ہی نہیں۔

خالہ ساس کا جتلیا ہوا انداز کہ یہ گھرانہ کا ہے اب معصوم بچوں پر بھی رہنے لگا تھا اس گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کا ایک ایک کونا میرے اور میرے بچوں کے لیے بیگانہ تھا۔ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتے پندرہ برس بیت گئے۔ میری ساس جو کئی برس سے دل کی مریض تھیں رضائے الہی سے، ایک دن اچانک اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ موت برحق۔ ہر وقت بھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی کا پہیہ بھی ایک جگہ نہیں رکا رہتا چلتا رہتا ہے لیکن اپنے تلخ نقوش دلوں پر چھوڑ جاتا ہے۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے بستر پر تھی خالہ ساس نے خاموشی سے وہ چاہیوں کا ہنسا میری تپتی برکھ دیا میں انہیں حیرت سے دیکھتی رہی۔ یہ وہ چاہیوں تھیں جسے چھوٹنے کی بھی مجھے اجازت نہ تھی۔

”یہ لو..... اب یہ گھر تمہیں سونپ کر جا رہی ہوں تمہیں اب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تنگے سے گھر کس طرح بنتا ہے“ خالہ ساس دنیا سے رخصت ہو گئیں میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن حقیقت میں وہ مجھے بہت کچھ سمجھاتی تھیں۔

☆.....☆

ہر طرف خاموشی تھی سمندر کی لہروں کا شور بھی پرسکون تھا ایک گہرا سکون..... ایسا لگتا تھا جیسے میرے جذبوں کا پورہ بن پہنے سمندر بھی بہت شرم بچانے سے گریزاں تھا۔ میں نے اپنی بند ٹنگی کو دل کر چاہیوں کے کچھ کی طرف دیکھا۔

”لو سنبھالو اپنا گھر.....“ خالہ ساس کا مجھے چاہیاں دیتے وقت کہا جملہ کانوں میں گونجا میں نے اپنی ٹنگی بند کر لی۔ اپنے گزرے تلخ پلوں کو وہیں ٹنگی کے ڈھیر میں دفن کر دیا۔ میں نے اپنے شوہر کو بچوں میں ٹمن دیکھا اور ان کی طرف بڑھ گئی یہی وہی سمت ہے جہاں میری خستہ صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور میرا اپنا گھر.....“

☆.....☆



دن تمہارا ہے شب تمہاری ہے
 عمر جتنی ہے سب تمہاری ہے
 کیوں نہ رشک اپنی زندگی پر کروں
 پہلے میری تھی، اب تمہاری ہے

ایڈلف نظر کہتا ہے
 ”میں آپ کے لیے جنگ کا انتخاب کرتا ہوں تاکہ
 محبت کا کیونکہ جنگ میں آپ یا تو زندہ رہتے ہیں یا
 مر جاتے ہیں لیکن محبت میں آپ نہ تو زندہ رہتے ہیں نہ
 مرتے ہیں۔“
 پھر ایڈلف نظر کے اس قول کو فرہاد علی کی محبت۔۔۔ زسو
 فیصد سچ ثابت کر دیا اور شیریں ریحان..... تم زندگی اور
 موت کی درمیانی کشمکش میں دن رات زندگی اور موت کی
 جنگ لڑ رہی ہو۔ شیریں ریحان تمہارا دل آج فرہاد علی کی
 محبت میں قطرہ قطرہ لہو کی بوند بن کر پھل رہا ہے اور تم
 فرہاد کی سی کیفیت میں کرب و اذیت کی دلدل میں ہی
 ڈھنکتی جا رہی ہو۔“
 ”محبت..... ہا۔۔۔۔۔ یہ چار حرفی نقطہ اپنے اندر دو کے
 اتنے گہرے پاتال رکھتا ہے کہ تم اس پاتال کی اتھاہ
 کبراہتوں میں نیچے اور نیچے ڈوبتی جا رہی ہو باہر تند و تیز
 آندھی چل رہی ہے ہوا کا شور اور درختوں کا احتجاج ایک
 خوف و ہراس کو جنم دے رہا ہے.... ہر طرف دھول اور مٹی
 اڑ رہی ہے درخت اپنے موکے زراعتوں کو تارہ بوجھ کی
 طرح اتار کر پھینک رہے ہیں اور کچھ مایسا ہی طوفان بلا خیز
 تمہارا۔۔۔ عاصف بھی جا رہی ہے۔
 فرہاد علی کی محبت کی کاٹھی تمہارے من کے آئینہ میں
 اس وقت کھلی ہے جب ہر طرف پرورد موسم کی
 راجد جانی ہے اور اب تم یادوں کے پتے تھمڑ درختوں
 میں بیٹھی ہو اور تمہارے جسم و جان بھی اسی موسم کی زد
 میں ہیں۔ طمن کی رت کی تھائی کھسکیں اب گہری
 اداس اور ویران شاموں میں ڈھل گئی ہیں اور تم گئی
 انہی اداس شاموں کا ایک حصہ ہو۔
 فرہاد علی..... جو تمہارے لیے ایک عام سالز کا تھا۔
 دراز قد گندی رنگت بھورے بال جو ہر وقت اس کی
 کشادہ پیشانی پر بکھرے رہتے تھے، بھوری آنکھیں جو
 اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی تھیں، اور ڈیپارٹمنٹ کا وہ
 سب سے ذہین و فطین اسٹوڈنٹ اور کمال کا شاعر تھا وہ

ضرور بن گیا۔

”فرہاد! یہ کیا پاگل پن ہے؟“ مجھے دور شدہ کبرے میں ڈوبی سڑک پر مدھم سا ہولہ دکھائی دیتا تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا اور کندھوں سے پکڑ کے چھوڑتا وہ چند ثانیے خالی خالی نظروں سے مجھے نکلتا پھر آہستگی سے میرے ہاتھ کندھوں سے ہٹا کر پھر کہیں دور گہری دھند میں گم ہو جانے کے لیے لڑتا۔

”فرہاد مت کرو یہ ظلم۔“ میں اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے احتجاج کرتا۔

”دیکھ فرہاد! یہاں بہت ششدر ہے تم بیمار پڑ جاؤ گے چلو گھر چل کے گریما گیم کافی اور ڈرامائی فروس پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔“ لیکن وہ میری طرف دیکھتا تک نہیں جیسے کسی گہرے خیال میں ہو میری طرف دیکھے گا تو اس کا گیان ٹوٹ جائے گا۔

”میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں محبوب کو زیر کرنے کا۔“ میں شرارت سے کہتا تو لہو بھر کے لیے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور پھر فوراً ہی ان میں دھند سی بھر جاتی اور میرے وجود میں دردور تک منساہنت دوڑ جاتی لیکن اس کی بے بہا بازی میں سرمزق نہاتا۔

”دیکھ فرہاد! تم نے اپنی یہ روش نہیں چھوڑی تو میں خودکشی کر لوں گا۔“ تمہیں پتا ہے ماں میں اپنے والدین کا اکلوتا چشم و چراغ ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری اوج سے کسی کے ماں باپ کو دکھ پہنچے؟“ میں اس کے پیچھے بھاگتا ہوا کہتا تو وہ رک جاتا اور شاید یہی اس کی دھمکی تھی۔ سارے جہاں کا درد اپنے دل میں رکھ سکتا تھا لیکن کسی کو دکھ دینے کے خیال سے مجھی اس کی جان جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے میرے ساتھ ہولیتا میں اپنی مثال اتار کر اس کے گرد لپیٹتا۔ اپنے جو گرز اتار کر بڑتی اس کے پاؤں میں پہناتا پھر ہم گھر پہنچے۔ میں اسے چٹکے مٹاتا اور ٹانگ حرکتیں کرتا اس کے سروں کی ٹانگیں توڑتا اور اسے ہنسانے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن اس کی سنجیدگی کی دیوار میں دراڑ تک

لنگھوں کا کھلاڑی بلکہ جاوہر گرتھا۔ خوب صورت لب و لہجے میں جب وہ بات کرتا تو گویا مقابل سے اس کی قوت گویائی سلب کر لیتا۔ سونے پر سہاگہ اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ اس کی شخصیت کو پڑا اثر اور باوقار بنانے میں مدد و معاون تھا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ شخص اپنی وجاہت اور سادگی میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ عام سی شکل و صورت کے باوجود وہ اپنے اندر اتنی خوبیاں رکھتا تھا جو کسی بھی لڑکی کو اس کا دیوانہ بنا سکتی تھی۔

شیریں ریحان! وہی شخص تم جیسی عام سی لڑکی کی محبت میں زندگی سے ہاتھ چھڑا کر موت کی تاریک وادیوں میں گم ہو گیا۔

شیریں ریحان! تم نے فرہاد علی کی آخری کتاب ”کیا دیا محبت نے“ کے پیچھے چھپی تصویر کو دیکھا اس کی کشادہ پیشانی پر نکھرے سنہرے بال اور دو چمک دار سنہری آنکھیں جو مجسم سوال بنی تم سے پوچھ رہی ہیں۔

”کیا دیا محبت نے“ تمہاری آنکھوں سے آنسو ٹپک کر تصویر پر گرے۔

”فرہاد علی! تمہیں محبت نے کچھ بھی دیا ہو مجھے تو صرف آنسو دیئے ہیں۔“ تم نے کہتے ہوئے اس کی تصویر پر اپنے لب رکھ دیئے باہر طوفان ایک دم غضب ناک ہو گیا تھا پھر تم نے گلاس وینڈو سے لان کا منظر دیکھا جہاں کئی درخت اس طوفان کی زد میں آ کر جڑ سے اکڑ چکے تھے۔ کچھ ایسی ہی اکھاڑ پھماؤ تمہارے اندر بھی جاری تھی تمہارے ہاتھ میں کپڑی کتاب کے اوراق پھر پھزارے تھے۔ میں خاموشی سے تمہارے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔



سرد شخترتی راتوں میں رخ بستہ سڑکوں پر بیٹھے پاؤں چلتے جب وہ ٹھنڈی آہ بھرتا تو میرے دل پر چوٹ لگتی۔ میں تڑپ کے اپنے گرم بستر سے لگتا اور دیوانہ وار اسے ڈھونڈتا۔

”شیریں ریحان! تمہاری محبت نے اسے کوچہ گرد بنا دیا ہے تمہارے عشق میں اگر وہ کوہکن نہیں بنا تو مجنوں

اسی درد اور تمہارے تصور میں گزرنے لگیں اور ہر وقت وہ اس شعر کی گردان کیے جاتا۔

رات سختی رعی میں سنا تار ہا
درد کی داستاں میں سنا تار ہا

کوئی نہ کوئی حسب حال شعر سوجھ جاتا تھا اب بھی وہ اپنی ازلی بے ساختگی سے ہجوم جھوم کر بڑے والہانہ انداز میں گنگنائی تھی اور نتیجے میں اس مریم نے اسے زبردست جھاڑ پلائی تھی۔



وہ دن بھی بہت خوش گوار تھا خصوصاً فراہ علی کے لیے جب اس نے یہ جانا کہ تم اس کی کلاس فیو ہو لیکن تم نے تو سرے سے ہمیں پہنچانے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں جب تمہیں دیکھتا میرا خون کھول اٹھتا۔ آج کلاسیکل شاعری کے حیرت میں اس مریم سے سب کا انٹروڈکشن ہو رہا تھا۔

”میں فراہ علی ہوں۔“ اپنی باری پر فراہ علی نے پراعتماد انداز میں کہا تھا۔

”اور میں شیریں ہوں۔“ عقب سے ایک مترنم آواز ابھری اور ساری کلاس ہتھپوں اور کلک کلکلاہٹوں سے گونج اٹھی۔

”یہ کون میڈم شیریں ہیں ذرا رخ روشن تو دکھائیے؟“ اس مریم نے مسکراہٹ دکھا کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”میسم..... پہلے یہ خود کو فراہ ثابت کریں۔“ پھر وہی آواز ابھری۔

”اچھا وہ کیسے؟“ اب کے اس مریم نے حیرت و دلچسپی سے پوچھا۔

”وہ اصل میسم! دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ واقعی پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکال سکتے ہیں یا بس نام کے فریب دہیں۔“ فراہ علی کے لیے تمہارا یہ سراسر استہزا ایسا انداز مجھے سونے کی طرح چھچھاتا تھا۔ جی توچہ ہاتھ کا ابھی مزہ چکھادوں لیکن فراہ علی کی مسکراہٹ کے ساتھ سوا کرنا مجھے ہرگز منظور نہیں تھا سو میں دل سوس کر رہ گیا کیونکہ فراہ علی کی مسکراہٹ لہجہ بہ لہجہ دکھائی جاتی تھی۔

نشیں کو لیکن ہوں نشیں قیس ہوں مجھے اپنی جان عزیز ہے مجھے ترک عشق قبول ہے جو تمہیں یقین و فائدہ ہو یہ بے چین طبیعت کی ملکہ راتیل تھی جسے ہر بات پر

ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم جو بھی شہرینہ رحمان تھیں اب محض شیریں رحمان بن کر رہ گئی تھیں۔ تمہاری سہیلیاں سب کلاس نیوز تھی کہ پروفیسر بھی تمہیں شیریں کے نام سے پکارنے لگے تھے آج تم نے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور یہ رنگ فراہ کے پسندیدہ رنگوں میں سرفہرست تھا فراہ علی کی نظریں بار بار بھٹک کر تم تک جاتی تھیں۔ تم بھی تو عجیب پہیل تھیں بظاہر سنجیدہ اور لیے دیئے رات لیکن حقیقتاً سب سے زیادہ شہر تھیں۔

بے دھیانی میں ہی فراہ نے جانے تمہیں کتنی دیر تک تار ہا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

”نظر لگاؤ گے کیا؟“ تم نے شرارت سے کہا تو وہ چونک اٹھا۔ اسے ایک خوش گوار حیرت نے آلیا ورنہ شاید اسے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔

”یہ دنیا کتنی دل نشیں ہے؟“ فراہ نے مدہوشی کے عالم میں کہا۔ وہ اصل تمہارے اس چھوٹے سے جملے نے اسے تن من سے سرشار کر دیا تھا۔ میں نے فراہ سے کہا۔

”تمہاری آنکھوں کو کچھ لویا تمہاری آنکھوں سے دیکھ لو دنیا ہر دو صورتوں میں دل نشیں نظر آئے گی۔“ اور وہ بڑے جذب کے عالم میں گنگناتا رہا۔

دھوپ چھاؤں سی اس کی طبیعت رعی
وہ نگاہیں ملاتا چھاتا رہا



دل بیٹھے تھے پر ہاڑ پیا کر تو بھی ہم سے پیار پیا تیری راہوں میں کچھ کھو آئے دل روئے زار و زار پیا برگد کے گئے بڑے کے پاس گزرتے ہوئے ایک بڑے سوز آواز نے ہمارے قدموں کو ٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا یہ گانے اور گنگنائے کی عادت تو راتیل کی تھی۔ اس کی آواز بہت

خوب صورت تھی اور یقیناً اسے اس کا ادراک بھی تھا جیسی تو وہ اپنی آواز کا جادو چمکانی رہتی تھی لیکن اس وقت جو اس کی آواز میں سوز و گداز تھا۔ وہ کم از کم میرے لیے بہت اٹوکھا تھا جیسے کوئی کسی گہرے درد میں ڈوب کر گاتا ہے اس کا سب دلچسپ اس کی دلی حالت کا آئینہ دار تھا اور اس کی یہ خوب صورت آواز میرے دل پر دستک دے رہی تھی۔ میں اور ابراہام برگد کے اس گھنے جوتے کے تنے کے گرد چکر کاٹ کر تمہارے پاس آئے۔

”پیارے“ ہماری آواز پر تم چونک اٹھیں تم اس وقت رات میں گئے کندھے پر سر رکھ کر آٹھ گھنٹوں میں سوئے پڑے تھے۔ تم نے سراٹھا کر اور آٹھ گھنٹوں میں کھول کر فرہادی کو دیکھا تمہاری آنکھوں میں سرخ زورے تیر رہے تھے۔ تم نے ہلکے زورے رگب کا سوٹ پہن رکھا تھا اور تم بالکل سرسوں کا پھول لگ رہی تھیں۔ اداسی کا ایک سنہرا سا غبار تھا جس نے تمہارے سارے وجود کو اپنے ہالے میں لے رکھا تھا۔

صدائے تنے سے جو نکلی دل شیریں سے اٹھتی تھی چمن خسرو کا تھا لیکن رہا فرہاد کا موسم راتیل اپنا گیت بھولی کر بڑی خوش دلی سے کوئی اور ہی راگ الاپ رہی تھی۔ اس کی عادت تھی وہ جب بھی فرہاد کو دیکھتی کوئی نہ کوئی ایسا شعر ضرور کہتی جس میں شیریں فرہاد کا ذکر ہوتا۔ فرہاد اگر جس کی اس عادت سے خوب جھکا اٹھاتا تھا اب بھی مسکرا دیا مگر اس کی مسکراہٹ بھینکی سی تھی۔ وہ تمہیں پریشان دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

میں ڈوب جاؤں تمہاری اداس آنکھوں میں تم اپنے درد کی گہرائیاں مجھے دے دو کے مصداق... لیکن تم نے ان اسے درخود اختیار ہی نہ بجا تھا کہ اپنے دکھ و راز کے ساتھ شیر کرتیں۔

”آئیے پیڑ بیٹھے۔“ من نے کہا۔
”ہم آپ کو ہانکل بھی بوری نہیں ہونے دیں گے۔“
راتیل نے کہا۔

فرہاد نے پھر ایک نظر تمہارے چہرے پر ڈالی یہ بات اگر تم کہتیں تو فرہاد شاید یقیناً زنجیر ہو جاتا لیکن تمہاری

لا تعلقی (بلکہ کج روی کہنا زیادہ بہتر ہے) کمال کی تھی۔
”کسی جذبہ کو دکھ بنا کر دل میں رکھ لینے سے اور تو کچھ نہیں ہوتا دل میں چھید ہو جاتا ہے۔“ وہ مایوسی کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بھینکی پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں دھندلی چمکانے لگی تھی۔ وہ ایک دم واپس مز گیا اور میں سائے کی طرز اس کے پیچھے۔

اک میں ہی پیاسا رہا دوستوا
لوگ پتے رہے وہ پلاتا رہا

.....☆☆☆.....

محبت کا جذبہ اگر سچا اور بے غلوں ہو تو ضائع نہیں جاتا اتنا کی فضیلتیں کتنی ہی بلند کیوں نہ آجائیں۔ محبت بلا آخر نہیں توڑ ڈالتی ہے بشرطیکہ کے آپ کے پاس صرف خواہش نہیں پالینے کا عزم اور حوصلہ بھی ہو۔ اس روز بزم ادب سوسائٹی کی طرف سے مشارے کی تقریب تھی۔ فرہادی اس سوسائٹی کا ممبر تھا اور آٹھ گھنٹوں میں اس نے خصوصی طور پر اپنی ڈیرینگ کا اہتمام کیا تھا۔

”کسی پر بجلی گرانی ہے یا؟“ میں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا وہ جواباً مبہم سا مسکراتا ہوا ہال سوار بنا رہا۔

”شیریں رحمان! تمہیں تو شعر و شاعری سے کوئی شغف نہیں تھا اور اس ریزم نے راتیل کے اصرار پر اس تقریب میں شرکت کی تھی۔“

”سنو! یہ شاعر حضرات سے اتنی دلچسپی ٹھیک نہیں یہ بس ایویں ہوتے ہیں ہر وقت چونک کمانے کے لیے تیار رہتے ہیں اور دل بھینکی پر لیے پھرتے ہیں جہاں کوئی حسینہ و حمیرہ نظر آئی وہیں ان پر آمد ہو جاتا ہے اور وہ ایک عدد غزل کے ساتھ دل بھینکی پر رکھ کر پیش کر دیتے ہیں اور تمہارے وہ حضرات الف اے صاحب بھی یقیناً کوئی دل بھینک قسم کے ہی ہوں گی۔“

تم نے اس وقت الف اے کے بارے میں صرف سن رکھا تھا اور اسے دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔

”اب دیکھو ناں جو بندہ ہر دوسرے مہینے کتاب لکھ لیتا

ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی جو واردات اس کے دل پر گزرتی ہوگی وہ اسی کو رقم کرتا ہوگا اور تم بے وقوف لڑکیاں ان پر مثنیٰ ہو اور ان کا کیا پتا کہ وہ کس کے ہجر و وصال میں کتابوں کی کتابیں لکھ لیتے ہیں۔“ تم نے اس روز شاعروں کے خلاف اچھی خاصی تقریر کر ڈالی تھی۔

”شیریں! جب تمہیں کچھ پتا ہی نہیں تو تم اس پر تبصرہ بھی نہ ہی کرو تو اچھا ہے اب میں نے جو نظم لکھی ہے تو کیا مجھ پر کوئی واردات گزری ہے؟ اسے پاگل یہ تو خدا داد صلاحیت ہوتی ہے اس کے لیے دل پر چوٹ کھانا ضروری نہیں ہے۔“ راتیل نے احتجاج کیا۔

”لیکن تم نے تو دل پر چوٹ کھائی تھی جب مس مریم نے تمہیں ساری کلاس کے سامنے ڈانٹا تھا۔ یہ نظم تو اس کے بعد ہی تم پر نازل ہوئی ہے۔“ تم نے شرارت سے کہا اور راتیل ہنس پڑی۔

”خیر! آج تمہارے نمونے بھی دیکھے ہی لیں گے۔“ تم نے راتیل پر احسان کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا مطلب..... کیا شاعر انسان نہیں ہوتے؟“

راتیل برلمان گئی۔

”بھی تمہاری باتوں سے تو کوئی اور مخلوق ہی لگتے ہیں۔“ تم نے ہنس کر کہا۔

”میں نے تمہاری اس بحث سے خوب حظ اٹھایا تھا لیکن یہ فرہاد نجانے کہاں رہ گیا تھا۔ میں نے تمہارے خیالات فرہاد علی تک پہنچا۔ نہ کہ فریضہ بھی انجام دیا۔ میں چٹکے سے اٹھ کر فرہاد کو بلانے کے لیے چلا گیا۔ آج تم نے نیلے رنگ کی شبلیوں کی گھیر دار فرائک اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا یہ رنگ فرہاد کو جنون کی حد تک پسند تھا اور پھر تمہارے وجود پر سجا یہ رنگ آج کچھ زیادہ ہی اصول نگ رہا تھا۔ آج تو تمہاری چھپ ہی نرالی تھی۔ تم نے لمبے لمبے بالوں کو آڈا چھوڑ رکھا تھا اور ٹکے پھلکے میک اپ میں آج تم بہت ہی نظروں کا محور بنی ہوئی تھیں۔

”شیریں! تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو کہ میرا دل کتا ہے کہ میں کوئی لڑکا ہوتی اور تمہاری تعریف میں

قصیدے پڑھتی اور..... اور.....“

”مختر مہ! یہ سب کرنے کے لیے میں جو موجود ہوں۔“

تمہاری گفتگو کا مواسوع بدل چکا تھا۔ راتیل بڑے جذب کے عالم میں اپنی نادان خواہشات کا اظہار کر رہی تھی جب فرہاد کی تمہیں آواز پر تم دونوں ایک دم مڑی تھیں۔ فرہاد علی نے پہلی بار ذہن کھولی تھی مجھے بہت اچھا لگا کہ وہ میرے اکسلٹے سے پہلے ہی اس نے اتنی اہمیت کر ڈالی اور یہی میں چاہتا تھا۔

ہم پر ہتوں سے لڑتے رہے اور چند لوگ گیلی مٹی کھو کر فرہاد بن گئے

راتیل نے فرہاد کو دیکھتے ہی حسب عادت شعر کہا میں نے دیکھا شیریں! تمہارے چہرے پر برہمی کے واضح تاثرات تھے۔ تم بہت خود پسند تھیں اور فرہاد جانتا تھا کہ تم سے کوئی توقع رکھنا پھر سے سرنگمانے کے مترادف ہے۔ میں تم سے اس ناراضگی کی وجہ جانتا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارے اندر فرہاد علی کی محبت کی سرسبز کھودوں۔ سستے میں مجھے ذرا قاصد، پرکھن نظر آئی میں فرہاد کو اشارہ کر کے اس کی طرف بڑھ گیا۔

”آئی او یو جس!“ میں یک دم شبن کے رستے میں آ کر بولا۔ دراصل میں نے فرہاد علی کو اشارہ کیا تھا کہ تم شیریں سے اپنے دل کی بات کہو۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر مڑ گیا۔ تم مجھ سے زیادہ قاصد پر نہیں تھیں میں یہاں سے تمہاری باتیں با سالی سن سکتا تھا۔

”شیریں! میں دھوسے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ فرہاد تم سے محبت کرتا ہے۔ سنو! اگر وہ تم سے کبھی محبت جنمائے تو تم ضرور اس کی پذیرائی کرنا وہ بہت اچھا انسان ہے۔“ راتیل بطور واضح تم سے کہہ رہی تھی۔

”اوشہ فرہاد! میرے لیے وہی رہ گیا ہے کیا؟“ تم نے بہت کھیلے لپٹے میں تنفر سے کہا تھا۔ تمہارے اس انداز پر میرا دل لہلہا ہوا، دوسرا تھا اور فرہاد علی کی آنکھوں میں جیسے کسی نے ریت سی کر دی تھی وہ اٹنے قدموں مڑ گیا۔

”تو..... تم نے اس سے اپنے دل کی بات کہہ دی؟“
میں نے انجان بن کر پوچھا تو وہ زخمی لہجے میں گنگلیا۔

لوگ لوگوں سے چاہت بھاتے رہے
اک وہ تھا میرا دل جلاتا رہا



اس روز مشاعرہ خاصا کامیاب رہا تھا مشاعرے کے
آخری شاعر ایف اے کی آمد کا سب کو بڑی بے تابی اور
شہرت سے انتظار تھا اور وہ ایف اے کوئی اور نہیں فرہاد علی
نہ تھا۔ اس کی شاعری بے حد خوب صورت تھی جب وہ
غزل کہتا تو سب کو نیک سحر میں باندھ دیتا اور اس سحر سے
ڈلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ شاعر بے کے کا مقام پر تم اور
رائل فرہاد کے پاس آئیں تو تم نے فرہاد سے پوچھا تھا۔
”تو آپ ہی وہ ایف اے صاحب ہیں جن کی اتنی
دوم چٹی ہوئی ہے؟“ تمہارے انداز میں حیرت تھی
تمہارے اس پل پل بدلتے رویے پر میں جی بھر کے
کڑھتا تو سوچتا تھا کہ فرہاد کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟

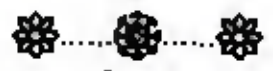
”دراصل مجھے کسی شاعر کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق
پہلی بار ہوا ہے لیکن آپ تو بالکل ہمارے جیسے ہی انسان
گاہ ہے ہیں یعنی وہاں ہمیں دوکان ایک ٹاک ڈو ہاتھ اور
دو پاؤں۔“ تم بہت سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہی تھیں لیکن
تمہاری آنکھوں میں شرارت ہلکورے لے رہی تھی۔
”جی نہیں ایک دم اور دو سیٹنگ بھی ہوتے ہیں۔“
رائیل نے جل کر کہا۔

”اچھا تو پھر ان کے کیوں نہیں ہیں؟“ تم نے فرہاد علی
کو آگے پیچھے اور اوپر نیچے دیکھ کر کہا۔ جواب میں فرہاد علی
زور سے ہنس دیا تھا۔

”اچھا آؤ گراف تو دے دیں۔“ تم نے اچانک اپنی
پتیلی فرہاد علی کے سامنے پھیلا دی تھی اور وہ اس کا پلٹ کو
چند لمحے حیرت سے نگہتا رہا۔

میں کے مہمان خانے میں رہتی رہی
کوئی آتا رہا کون جاتا رہا
وہ نجانے کس دھیان میں تھا کہ اس نے تمہاری پتیلی

پر یہ شعر لکھ دیا۔
”دیکھا رائیل اہمیت ہوتے ہیں اور حاضرات
کی۔“ تم نے اپنی پتیلی کو رائیل کی آنکھوں سے ملنے
لہراتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور جن بات اور
نظروں سے فرہاد علی کو دیکھا تھا میرا جی جانا کہ تمہاری
آنکھیں فوج ڈالوں لیکن کیا کرتا فرہاد علی تو تمہیں دیکھ کر
جیتا تھا۔



”ہم جس سے ایک بار محبت کرتے ہیں پھر تمام عمر اس
سے نفرت نہیں کر سکتے نہ ہی ہم اس سے اپنے ذہن و دل اور
زندگی سے نکال سکتے ہیں۔ دل کہہ کسی تاویل کو مانتا ہے
دل تو محبتوں کے قبیلے کا سردار ہے جو صرف فیصلے کرنا جانتا
ہے۔ جو اس کے حکم سے احراف کبے وہ اس کا سر تو قلم
کر سکتا ہے مگر اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔“

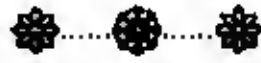
آج فکشن کے چیرٹھ میں مس مریم سید امتیاز علی تاج
کے ڈرامے ”انارکلی“ پر لیکچر دے رہی تھیں۔ وہ لیکچر دینے
کے بعد حسب دستور اپنے لیکچر کا انا وہ کرتے ہوئے سوال
کر رہی تھیں۔

”انارکلی آپ کے خیال میں جس کا المیہ ہے؟ انارکلی
کا۔ شہزادہ سلیم کا یا اکبر اعظم کا؟“ مس مریم کا روئے سخن
فرہاد علی کی طرف تھا میں نے کئی بار اس سے شہو کا دیا لیکن وہ ہنس
سے ہنس رہا۔

”مسٹر فرہاد علی! اچانک مس مریم کی آواز قریب سے
ابھری۔ فرہاد علی نے سر اٹھا کر دیکھا اس مریم نے فرہاد کے
ہاتھ سے نوٹ بگ پھین کر دیکھا اور پھر تاسف اور
ملامت بھری نظروں سے فرہاد علی کو دیکھا۔ فرہاد علی نے
خائف سا ہو کر سر جھکا لیا وہ عمر میں ہم سے تقریباً چار پانچ
سال بڑی ہوں گی لیکن ان کی شخصیت کا رعب و دبدبہ فرہاد
جیسے قائل اور اعتماد بندے کو بھی نائف کر دیتا۔ دوسری
بات وہ پڑھائی کے معاملے میں تانت تھیں۔ اتنی بڑی
کلاس میں وہ ہر طرف سے چونکی رہتی اور ان لیکچرورس کی
کم تو جتنی کو براشت نہیں کرتی تھیں۔ اب بھی کچھ ایسا ہی

ہوا تھا انہوں نے لوٹ بگ فرہادی کے سامنے تقریباً پھینک دی جس کے دو درمیانی صفحات فرہادی کی بے خودی کے ہاتھوں شہرینہ عرف شیریں کے اسم مبارک سے سیاہ ہو چکے تھے اور فرہادی.....

ہم کتب نے سارا سبق پڑھ لیا
میں تیرا نام لکھتا مٹاتا رہا
کی عملی تفسیر بنا بیٹھا تھا۔



راتیں نے ایک روز مجھے بتلایا تھا کہ خسرو جس کی تم منگودہ ہو بیمار ہے اور کئی مہینوں سے ہسپتال میں ہے تم ہر روز اس سے ملنے چلتی ہو اور اسے زندگی اور موت کی نگاہوں میں مبتلا دیکھ کر روٹی ہوئی دایس لوٹ آتی ہو اور یہ تمہاری زندگی کا وہ راز ہے جسے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ میں نے تمہاری فرہادی سے لاطعلقی کا سبب جان لیا شاید تم خسرو سے محبت کر سکتی تھیں اور اگر محبت نہیں تو پھر تم کو اس سے انسیت ضرور ہوگی۔ کاش تم فرہادی کی محبت کی حدوں کا اندازہ کر سکتیں جو کہتا تھا ”محبت میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے“ تمہیں یاد تو ہوگا کہ فرہاد کے اس جملے سے تم ترقی جہانغ پا ہوئی تھیں۔

”مسٹر فرہادی! محبت میں انسان صرف اس حد تک جاتا ہے جہاں تک اسے اپنی جان کے نقصان کا احتمال نہ ہو“ تم نے جس روکھے انداز میں فرہادی کی ٹلی کی تھی مجھے بہت ناگوار گزرا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا ہمیشہ کی طرح پھر ایک روز میں نہر پہنچی کہ ہسپتال لے گیا۔ خسرو کی حالت بہت نازک تھی اس کی زمانے میں وہ خور و رہا ہوگا لیکن اب بیماری نے اسے ٹھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بیک وقت اسوس بھی ہوا اور خوشی بھی۔

”یہ کون ہے اور تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ فرہاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ خسرو ہے شیریں کا نام“ تمہیں اسی سے ملانے کے لیے لایا ہوں۔“ قویسن کر سکتا دیا گیا جیسے اب کہنے کو کچھ گھنہ نہ ہو۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ پھر اس نے قدرے سنبھل کر پوچھا۔

”اس کا ایک گروہ زاب ہے اور اب اس کے بچنے کی امید نہیں ہے تمہارے لیے خوشی کی خبر یہ ہے کہ شیریں جس کے قبضے میں ہے وہ کوچہ عدم سدھارنے والا ہے اس کی موت کے بعد شیریں آزاد ہوگی اور تم اسے حاصل کر سکو گے۔“ میں نے کہا۔

”محبت میں پالیہ ای سب کچھ نہیں ہوتا محبت کرنے والے بہت بڑے ظرف کے مالک ہوتے ہیں ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا محبوب خوش رہے۔ ہنستا بستا اور شاد و آہاد رہے یہ محبت تو ایک الوہی جذبہ ہے جب اس میں سے غرض نکل جاتی ہے تو یہ بہت ارفع ہو جاتی ہے اور میری محبت ہر طلب سے بے نیاز ہو گئی ہے۔ تمہیں شرم آتی چاہیے تھی ایسی بات کرتے ہوئے۔“ وہ مجھے ملامت کرتا وہاں سے چلا گیا لیکن میں اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔

”میں نے آپ فیصلہ کیا ہے۔“ ایک روز اچانک اس نے کہا۔ ”میں خسرو کو اپنا گروہ دے رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کیا.....؟“ میں بھونچکا رہ گیا۔ ”تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟“ میں چیخ اٹھا۔ ساتھ ہی اس گھڑی کو بچھتیا جب میں اسے ہسپتال لے گیا تھا۔

”مجھے ثابت کرنا ہے کہ میں ان کی محبت میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہوں، تاکہ صرف اس حد تک جہاں اسے اپنی جان کے نقصان کا احتمال ہو۔ تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی اس لیے تم نہیں جانتے کہ محبت قربانی مانگتی ہے اور میری خوش نصیبی ہے کہ محبت مجھ سے قربانی مانگ رہی ہے پھر میرا اس دنیا میں ہے کون کہہ داکوں۔“

”اور میں..... میں تمہارا کچھ نہیں لگتا۔“ اس کی سفاکانہ بی نیازی پر غم سے میری آواز بیٹھ گئی۔

”تم بھی چند روز کے لیے یاد رکھو گے پھر بھول جاؤ گے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”فرہاد ہم سائے کی طرح ساتھ رہے جب سایہ انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو انسان مرجاتا ہے۔ خدا نخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی مرجاؤں گا۔“ وہ میرا جگری دوست تھا، ہم نے بنگلے نما گھر میں رہنے کے باوجود ہمیشہ ایک ہی کمرہ شیئر کیا تھا اور اب اس کی جدائی کے تصور سے ہی میرا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

”اگلی باتیں کرو ہی نہ تم! جن سے تمہیں بعد میں شرمندہ ہونا پڑے۔“ اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ ”پھر میں نے اپنے سارے ٹیسٹ کرا لیے ہیں۔ میرا سب کچھ اس سے بچ گزرتا ہے۔“ فرہاد نے جتنی انداز میں کہا۔

”تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“ میرا نے احتجاج کیا۔

”محبت فائدے اور نقصان کے پتروں میں نہیں پڑتی، کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں اپنی محبت کا ثبوت دے دوں گا۔ ایک انسان کو نئی زندگی مل جائے گی، تیریں ہمیشہ مجھے یاد رکھے گی اور یہ بھی مان لے گی کہ میں تم کا فریاد نہیں ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خسرو کے چہن میں فرہاد کا موسم رہے گا۔ میرا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اگر میں اس امتحان میں جان سے گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا اگر میں زندہ رہا تو شاید سلگتا رہوں۔“ اس نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ میں لا جواب سا ہو گیا اور میں نے جان لیا تھا کہ اسے سمجھنا عبث ہے اور مجھے کیا ضرورت تھی اس کے رستے کھونے کرنے کی۔ جب وہ سر پر کفن باندھ کر سوائے مقتل جانے کا عزم کر چکا تھا اور چند روز بعد اس نے اپنا کہا پورا کر دیا۔

وہ اسپتال میں تھا اور راتیں پورا نرسوں کی طرح اس کے گرد گھوم رہی تھی وہ دن رات فرہاد کی عیادت کرتی۔ اسے ہوش آ چکا تھا اس کی آنکھوں میں وہی فاطمہ چمک تھی جو محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی محبت کو حاصل کر لیتے ہیں اور وہ مجھے دیکھ کر مستکرا دیتا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن کمزوری کے سبب کہہ نہیں پاتا تھا اور راتیں اس کا ہاتھ تھا۔ برسی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ ہی گئی۔ وہ جو شیریں کدل میں

بھول جاؤ

بھول جاؤ کساپنے ماضی میں رکھا کیا ہے؟
یہی نا.....

دو چار ملاقاتیں
ادھورے شکوے

ادھورنی باتیں

اور کچھ اداس شاہیں

چند ٹوٹی ہوئی انگلیں

فون کی چند بے ربط کالیں

اور کیا ہے اپنے ماضی میں

بھول جاؤ.....!

ناویہ عباس دیا آورش نایاب..... موسیٰ خیل

فرہاد کی محبت کی سرنگیں کھود رہی تھی جانے کب خود بھی اس گم نامہ رستے کی مسافر بن گئی تھی۔

راتیں کی دعائیں اور سجدے فرہاد کی کھینچ کر زندگی کی طرف لگائے۔ خسرو چند روز میں ٹھیک ٹھاک ہو گیا اور اگلے ہی ماہ اس نے تمہیں تمہارے بائبل کے آگن سے رخصت کر لیا۔

قدرت نے فرہاد علی کو ایک موقع دیا تھا زندہ رہنے کا لیکن وہ تھا کہ ہاتھ دھو کر اپنی جان کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک بظاہر لیکن پچھ بھی ایک کی تو تھی اسے زندہ رہنے کے لیے بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا وہ میری تو ایک نہیں سنتا تھا کبھی کبھی تو مجھے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سردراتوں میں ننگے پاؤں سڑکوں پر گھومتا رہتا تھا۔

”میں نے کہا تھا ناں کامران! کہ اگر میں جان سے گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا میں زندہ رہا تو سلگتا رہوں گا۔ مجھ پر سردی اثر نہیں کرتی، تم میری فکر نہ کیا کرو۔“ وہ رساں سے کہتا۔

”تیریں سے ملے ہو تھی۔“ میں نے پوچھا۔

”نہیں اور مجھے اب اس سے ملنے کی طلب محسوس نہیں ہوتی“ میں کھل تو اس کا نہیں ہوسکا لیکن میرے جسم کا ایک چھوٹا سا کٹڑا اس کے کہیں آس پاس ہے اور میں اسی میں خوش ہوں مجھے اب زندگی کی طلب نہیں۔ میں اپنی سانسیں گن رہا ہوں دیکھو کب کتنی پوری ہو۔“

پھر ایک روز اس کی سانسوں کی کتنی پوری ہو گئی اور وہ آزاد ہو گیا ہر فکر و غم سے۔ شیریں تمہاری محبت نے آخر اس کی زندگی کا چراغ بجھا ڈالا اس کی وفات کے تیسرے روز اس کی کتب ”کیا دیا محبت نے؟“ منظر عام پر آئی تو میں نے سب سے پہلے یہی کام کیا کہ وہ کتب تمہارے لیے لے کر تمہارے گھر چلا آیا۔

میں نے تمہیں بتایا کہ خسرو کے پھر سے جی اٹھنے کا سبب کیا ہے تو تم حیرت سے دنگ رہ گئیں۔

”اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ انسان محبت میں کس حد تک جاسکتا ہے۔ اب تو تم مان لو گی کہ فرہاد صرف نام کا فرہاد نہیں۔ اب تو تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ شاعر حضرات کیسے ہوتے ہیں؟“

”تم کیا سمجھتے ہو کہ مران! کہ میں فرہاد سے محبت نہیں کرتی؟“ تم نے ایک دم سے غیر متوقع سوال کیا کہ سزا کچھ بول ہی نہ پایا۔

”پہلی نظر میں ہی فرہاد کی محبت نے میرے دل پر دستک دے ڈالی گی۔ فرہاد علی ایسا شخص تھا جس کو دیکھ کر بے ساختہ میرے دل نے خواہش کی کہ میں چند قدم اس کے ہمراہ چلوں۔“

تمہارے اس انکشاف پر میرا دل جاہا کہ میں دہائیں مار کے روؤں اور غم و جی بھر کے کوسوں اگر ایسا ہی تھا تو تم نے ہمیشہ میرے دوست کا دل کیوں دکھایا۔

”مجھے ”فرہاد“ سے محبت نہ ہوتی تو میں شہرینہ سے ”شیریں“ کیسے بن جاتی؟“ تم نے پھر سوال کیا۔

”میں مانتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ فرہاد کا دل دکھایا اور میں نے ایسا قصدا ہی کیا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ فرہاد کے دل میں شیریں کی محبت کی کونہل پھوٹنے ہی نہ پائے

کیونکہ شیریں اور فرہاد کا بڑا بڑا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمارے درمیان رسم و رواج، سماج اور خسرو سے بندھن کی طویل فصیلیں ہیں جنہیں عبور کرنا ناممکن تھا۔

میں ہر روز ہسپتال جاتی تھی یہ دیکھنے کے لیے خسرو کب زندگی کے بندھن سے آزاد ہوگا اور میں کب خسرو کے بندھن سے فرہاد نے اپنی دانست میں مجھے خوشی دینی چاہی تھی لیکن وہ حقیقت وہ مجھے دائمی غم دے گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی قربانی سے میں شاد و بااد ہو جاؤں گی لیکن یہ نہیں جانتا تھا اس شادی اور آبادی میں ہی میری بربادی ہے۔“ تم یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ محبت بھی عجیب، گورکھ دھندہ ہے تمام عمر اپنے پیچھے دوڑاتی ہے لیکن پھر بھی اسی کے ہاتھ نہیں آتی۔

خسرو کو اس اجنبی شخص سے عقیدت ہے جو اپنی جان کو جو کھوں میں ڈال کر اسے زندگی دے گیا اور وہ ہر روز اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتا ہے۔

راہتل فرہاد کی محبت میں جو گن بن گئی ہے۔ مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ خسرو کے چمن میں فرہاد کا موسم ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن میں..... نجانے کیوں فرہاد کی یاد سے غافل ہونے لگا ہوں شاید اس لیے کہ میں بھی.....

جی ہاں..... میں بھی اس جو گن سے محبت کرنے لگا ہوں۔ جو شام فرہاد کی قبر پر حاضری دیتی ہے جس کے کتبے پر میں نے لکھو پایا ہے۔

م تم سے پتھر کے زمہ ہیں
دوست ا بہت شرمناہ ہیں





مجتہدین صحیحہ
سپاہی گل



کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا
کب نہ جانے ہو جائے معجزہ محبت کا
اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے
جس کے ساتھ ہو جائے حادثہ محبت کا

کہات کی وضاحت کرنے لگی۔

”اے میرا یہ مطلب نہیں تھا ایک تو آپ سمجھتے نہیں ہیں راتیل اپنے ماں باپ بہنو بھائی کی لاڈلی سخرے ہوں گے اس کے ذرا سی اور بیچ ہو گئی تو کل کو وہ تو ہمیں الزام دیں گے۔ آپ بھی ہمیں ہی نام پھریں گے جو ان لڑکی کی ذمہ داری اٹھانا کوئی خاص جی کا گھر نہیں ہے۔“

”لیکن یہ راتیل کی خالہ جی کا گھر ہے اور وہ یہاں ضرور آئے گی اور ادھر ہی رہے گی۔ تم پتا نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہو بیکار کی پریشانیوں مت پالو اور اپنی ایکٹوٹیوٹی پر دھیان دو یہ جو آئے دن گھر میں گیسٹ ٹو گیدر رکھ لیتی ہو اسے اپنی تم کر دو اپنے حالات اور اپنی اولاد پر بھی دھیان دو۔ کلیمنا جو ان ہے گھر میں جو ٹیٹ نئے نمونے (لڑکے) آتے رہتے ہیں ناں یہ سب تمہیں کو کوئی اچھی چیز نہیں آتا ہے۔“

”بات راتیل کی اور ہی تھی اور آپ کہاں پہنچ گئے؟“
لوشین نے ٹھک کر کہا۔

”ایک لڑکی کی وجہ سے میں اپنے روز مرہ کی مصروفیات اور ملتا جلتا ختم کروں یہ کہاں کی دانش مندی ہے اور لندن میں تو جیسے وہ معلق بنی پھرتی ہوگی باپردہ باحیا مشرقی لڑکی کی طرز از چمکی چھپی رہتی ہوگی نا۔“

”تو ٹھیک سے راتیل کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور جو لڑکوں کے گھر کا وہ ہم تمہیں سنا رہا ہے تو وہ بھی اپنے دل و دماغ سے باہر نکال دو ذوالنون اپنی اسٹڈی اور ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد ہوتا ہے دو

”راتیل آ رہی ہے۔“ وہاب احمد نے ڈزٹریبل پر لوشین کو بتایا۔

”آپ سے کس نے کہا؟“ لوشین کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”تیمور کا فون آیا تھا وہ لوشین بہابی پھوپھو اور پھوپھو پاجان حج کے لیے جا رہے ہیں۔ راتیل کا ویزا نہیں لگ سکا اور ڈزٹریبل کے بھی ایگزٹرز شروع ہونے والے ہیں اس لیے وہ بھی بہت مصروف ہے اپنی پڑھائی میں راتیل آج کل گریجویٹیشن کے بعد فارغ ہے اور بورڈ امتحانوں کر رہی ہے تو میں نے تیمور بھائی سے کہہ دیا کہ راتیل کو پاکستان بھیج دیں۔“ وہاب احمد نے بڑی رسائی سے پوری بات اس کے گوش گزار کی۔

”ہاں تو وہ اپنے ہمسوں کے گھر رہے لگی۔“ لوشین نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔

”راتیل یہاں ہمارے گھر رہے گی تیمور بھائی ایڈجمنٹی حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یہاں آئیں گے تو راتیل کو ساتھ لیتے ہوئے واپس لندن چلے جائیں گے۔“

”راتیل یہاں رہ کر کیا کرے گی؟ اور ویسے بھی جو ان لڑکوں کا گھر ہے یہ وہ بگڑ گئی یا کل کلاں کو کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو.....“

”گو کیا آپ اپنے بیٹوں کے کردار پر حراصل اپنی ہی تربیت پر اٹھی اٹھا رہی ہیں۔“ وہاب احمد نے تاسف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا تو وہ شیشا

ذہانتی ماہ میں چکر لگتا ہے اس کا اور نفل وہ راتیل سے دو سال چھوٹا ہے۔ تمہاری بے پروائی کا منہ یوں تھمت ہے مگر میرا خیال ہے کہ راتیل اسے سدھار لے گی۔ ابھی اتنا بھی نہیں بگڑا کہ اسے واپس نہ لایا جاسکے۔ یہاں کوئی راتیل کو تنگ نہیں کرے گا۔ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا وہ ناسف زدہ نظروں سے نوشین کو دیکھ رہے تھے۔

”اور ٹی اس کا کیا؟“ ایک دم سے نوشین کو وہاب احمد کے ہنسنے علی عثمان کا خیال آیا جو آج کل ان کے گھر مقیم تھا۔

”علی ایک میچور اور کھمدار لڑکا ہے اپنے کام سے کام رکھنے والا اس بے چارے کو تو بخش دو راتیل آٹھ برس چھوٹی ہے علی سے اور علی کا مزاج تم جانتی ہو وہ لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔“

”مگر.....“

”کیا اگر مگر بیگم؟ خواہ تو لو کے دوسے اور پریشانی اپنے دل رومانغ سے نکال دو۔“

”کب آ رہی ہے راتیل؟“ نوشین نے بے زاری سے پوچھا۔

”دو دن بعد کیسی خال ہو تم؟ اپنی سگی بھانجی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتیں وہ بھی چند ہفتوں کے لیے۔“

”ہمیں بھی تو نندن جانا ہے گلے مہینے اس کا کیا بیگا؟ ہم راتیل کی نگرانی کے لیے یہاں تو نہیں رک سکتے۔ اس کی وجہ سے اپنا پروگرام تو ملتوی نہیں کر سکتے۔“

”نوشین بیگم.....“ وہاب احمد نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سے مزید بولنے سے روک دیا اور قدرے درشت لہجے میں بولے۔

”ایک بات تم بھول رہی ہو اور وہ یہ کہ یہ گھر راتیل کے پاپا کا ہے اور ان کی محبت دہبرانی ہے کہ ہم اس گھر میں جانا کرا۔ کئے مزے سے رہ رہے ہیں۔ اور میرے بزنس کا دیوالیہ ہو جانے پر تیمور بھائی نے ہی میری مدد کی تھی آج جو ہم یہ پیش کر رہے ہیں ناں تو تیمور بھائی اور انوشین کی عنایتوں کی وجہ سے کر رہے ہیں اللہ کالا کہ کرم ہے اس نے

تیمور بھائی کو وسیلہ بنا کر بھیجا مجھے ہمارا دینے کے لیے۔ ہم ان کی محبتوں کا یہ قرض مرتے دم تک نہیں اتار سکتے اور تم ہو کہ ان کی بیٹی اور اپنی سگی بھانجی کو اس گھر میں چند دن رہنے سے منع کر رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہارا احساس کو؟“

”میری بھانجی سوہا آئے مچرے گھر میں تو بس اس کے آرام کے خیال سے کہہ رہی تھی۔“ نوشین نے کھیلائی ہو کر حیرت لہجے میں کہا تو وہ سچی سے بولے۔

”تم کس خیال سے کہہ رہی تھیں یہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ ملازم سے کہہ کر راتیل کے لیے کمرہ سینٹ کراؤ۔“ وہاب احمد کی بات پر نوشین ناظرین چراگئی۔

علی نے اتفاقاً ان دونوں کی سراری باتیں سن لی تھیں اور خاموشی سے گیسٹ روم کی طرف چلا گیا تھا۔



پاپا جانی! کیا خالہ اور سب گھر والے مجھے وہاں خوشی سے دیکھ نہیں گے؟“ راتیل نے بہور حسن سے سوال کیا۔

”ہاں کیوں نہیں؟ ان ٹیکٹ آپ کے پاپا جانی کو آپ کے وہاب ڈیڈی نے ہی وہاں انویٹ کیا ہے یونہی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ تیمور حسن نے راتیل کے بالوں کو سہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بس آئی تو اسی لیے تو میں ان کو ڈیڈی کہتی ہوں۔“

”ہاں وہاب احمد کی دلی خواہش تھی کہ ہماری راتیل انہیں ڈیڈی کہا کر... پیسے ان کے بیچے انہیں ڈیڈی کہتے ہیں۔“

”بٹ پاپا جانی میں کبھی بھی آپ کے مہما کے اور بھیا کے بناتے دن اکیلی نہیں رہی ایک دن بھی نہیں رہی آپ سب کے بغیر تو اب... تہ سارے دن کیسے رہوں گی آپ سب کے بغیر؟“

”بیٹا جانی وہاں سب آپ کے اپنے ہوں گے آپ دیکھیے گا وہ سب آپ کو ہماری گواہوں بھی نہیں ہونے دیں گے۔“

”جی نہیں آپ سب کی کمی کئی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔“ وہ بچوں کی طرح کچھ روٹھے روٹھے اور کچھ پیارو

تھا۔ اس کی سیاہ پتلیوں سے حیرن بڑی بڑی آنکھیں
ذہانت اور شوخی سے بھر پور تھیں۔ گلابی ہونٹوں کی
مسکراہٹ بہت دلنشین تھی۔ نگین راتیل کے بے تحاشا
حسن سے بہوت مدہ گڑا۔

”لندن کی آپ وہوانے بہت اچھا اثر ڈالا ہے
تمہاری رنگت پر لگتا ہے ملک اینڈ روز کھاتی جیتی رہی
ہو۔“ نگین نے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے قدرے
ظہریہ لہجہ میں کہا۔

”راتیل تو پیدائش کے بعد نو سال تک پاکستان میں
ہی رہی تھی یہ تب بھی اتنی ہی حسین تھی اب ماشاء اللہ اور
زیادہ نکھر گئی ہے اور نما ہے پیار کرنے والے ماں باپ
نے پھولوں کی طرح پالا ہے راتیل کو۔“ وہاب احمد نے
مسکراتے ہوئے کہا اور راتیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی بہت پیاری ہیں نگین جی۔“
”آئی نو میں اپنی فرینڈز کے گروپ میں سب
سے زیادہ خوبصورت اور اٹریکٹو ہوں۔“ نگین نے
اترا تے ہوئے کہا۔

”نگین یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو جاؤ بہن کو اس کا
کمرہ دکھاؤ تاکہ یہ فریش ہو جائے پھر سب مل کر نر کریں
گے۔“ وہاب احمد نے نگین کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجہ
میں حکم دیا۔
نگین منہ بنا کر اسے کمرہ دکھانے لگی۔

”شی از سو پر بیٹی مام۔“ نوفل نے راتیل کے
حسن کو سراہتے ہوئے نگین کی طرف تائیدی نظروں
سے دیکھا تھا۔

”نوفل یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا راتیل تم سے
بڑی ہے اور بہن ہے تمہاری۔“ وہاب احمد نے برہمی سے
جواب دیا۔

”خالہ زاد بہن۔“ نوفل نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا۔
”بہن..... بہن ہی ہوتی ہے اور ایک بھائی کو اس
رشتے کا اس کے تقدس کا خیال رکھنا چاہیے اور کان کھول کر
سن لو نوفل جب تک راتیل یہاں ہے تم اپنے آوارہ

مان بھرے مانغاڑ میں بولی تو وہ ہنس دیے۔

”میری پیاری بیٹی سدا خوش رہو۔ آپ تو ہمارے
آنگن کی بلبل ہو ہماری مینا ہو چڑیا ہو جس کی چہکار سے
ہمارا بیٹا آنگن مسکراتا رہتا ہے۔“ تیمور حسن نے اس کے
چہرے کو ہاتھوں کے ہالے میں لے کر اس کی روشن پیشانی
پر یوسوے کر پیار سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”مما دیکھیں پاپا جانی اپنی بیٹی کے لیے شاعری
کر رہے ہیں حالانکہ شاعری تو انہیں آپ کے لیے کرنی
چاہیے نا۔“ راتیل نے انہیں کو شوخ نظروں سے دیکھتے
ہوئے شہریہ لہجہ میں کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔ انہیں
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بھئی جس باپ کی راتیل جیسی پیاری بیٹی ہو وہ
شاعری کیسے نہیں کرے گا۔“

”آئی نو یوسو ج پاپا جانی۔“ وہ ان کے گلے
سے لگ گئی۔

”لو یو ٹو پاپا کی جان۔“ انہوں نے اس کے
ہاتھ چومے۔

”وہ بھئی باپ بیٹی اپنی محبت میں ماں اور بیوی کو بھول
ہی گئے۔“ انہیں نے پیار بھرا شکوہ کیا وہ ہنس پڑی۔

”ارے انہیں سیکم آپ تو ہماری پہلی محبت ہیں ہم
آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ بھلا سانس لیتا بھی کوئی بھولتا
ہے جب تک قضا آئے؟“

”اف تیمور.....“ انہیں نے تیمور کے اس قدر پیار
بھرے ماظہار پر شرم و حیا سے نظرکرا اور محبت سے لبریز ہو کر کہا
تو وہ خوش بولی۔ سے ہنس پڑے۔



”وہاب لاج“ میں راتیل کا استقبال بہت گرم جوشی
سے کیا گیا۔ راتیل سفید نراؤ نرا اور شاگنگ پنک پلکے کام
والے کرتا نما شرٹ میں سیاہ ہیل والے جوتے پہنے سادہ
سے چہرے میں غضب کی حسین لگ رہی تھی۔ گلاب اور
دودھ میں کھلی رنگت سیاہ سلی زلفیں شانوں پر لہر رہی تھیں
لیبر کنگ اسٹائل میں اس کا چہرہ اور بھی دلکش دکھائی دے رہا۔

دوستوں کو گھر نہیں بلاؤ گے سمجھو۔ وہاب احمد نے سمجھنے کی تو ٹوشین بیچ کتاب کھا کر رہ گئیں۔

”اور یہی حکم اور ہدایت تمہارے لیے بھی ہے ٹوشین بیگم تم جتائے دن گھر پر ایک ہنگامہ اور طوفان بد تمیزی پھاڑ سکتی ہونالے سوشل سرکل کے مردوں اور عورتوں کو بلا کر یہ سب بھی ختم ہونا چاہیے اب۔“ وہاب احمد نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں حکم جاری کیا۔

”آپ اس بالشت بھر کی لڑکی کی خاطر ہم سب کا جینا مزاج کرنا چاہتے ہیں۔ میں سب جانتی ہوں یہ کس کی محبت اسٹڈ ری ہے آپ کے دل میں جو ہمیں پابند سلاسل کرنے کا سوچا جا رہا ہے۔“

”تمہارا داغ خراب ہو گیا ہے۔ ذرا سی عقل نہیں ہے تم میں کہ وہ بچی جو تمہاری بھانجی بیٹی ہے پردیس سے آئی ہے ایک الگ گھر سے آئی ہے وہ یہاں اپنے ملک میں انہوں کے گھر میں جب یہ کھیل اتماشے دیکھے گی تو اسے کتنی ناچنی ہوگی۔“ وہاب احمد غصیلے لہجے میں بولے۔

”ہوا کرے ہم اس کے لیے اپنے طور طریقے اور انداز نہیں بدل سکتے۔“ ٹوشین نے بد تمیزی سے جواب دیا۔

”تمہارا تو وہ حال ہے کہ کواچلا ہنس کی چال اور اپنی بھی ببول گیا۔ اللہ تمہیں ہدایت دے تم نے اپنی اولاد کو بھی آدھا تیرا آدھا شیر بنا دیا ہے۔ نہ دین کے نہ دنیا کے نہ سے تم لوگ۔“ وہاب احمد تاسف زدہ لہجے میں کہتے اسٹڈ ڈاکی طرف چلے گئے۔

”ہونہا! آئے بڑے مجھ پر حکم چلانے والے اپنی مرنی مسلط کرنے والے مائی فریڈ۔“ ٹوشین نے خود کلامی کرتے ہوئے دانت پیسے۔

”مئی اب کیا ہمیں راتنل بی بی کی پسند ناپسند اور مزاج کے مطابق رہنا ہوگا۔ راتنل جس ملک سے آئی ہے وہاں ان سے شرم و حیا کے چشمے بہتے ہیں۔ لندن سے بتائی ہے وہ جہاں بوائے فرینڈز کسینو ٹائٹ کلب یہ سب چلتا ہے اور وہ اتنی پرکشش دنیا میں رہ کر ان چیزوں سے دور رہی ہوگی کیا؟ تو نیو ایسی کوئی دودھ کی

دھلی نہیں ہے ڈیڈ کی یہ راتنل۔“ ٹوشین سپاٹ لہجے میں بولتی چلی گئی اور اپنے کمرے سے مائی راتنل نے اس کی ساری باتیں سن لی تھیں وہ دکھی اور حیران پریشان سی دالیں پلٹ گئی۔ وہ ان سب کے لیے کفٹنس بھی لائی تھی مگر اس وقت دینے کو دل نہ چاہا۔

”ڈونٹ دری مائی چائلڈ تم دیکھنا میں کیسے اس ٹیک پروین کا ہاتھ صاف کرتی ہوں جس نے آتے ہی ہمیں غلام بنا دیا ہے ہمارے ہی گھر میں۔ ہم کیوں اپنی سرگرمیاں ترک کریں اس راتنل کے لیے؟“ ٹوشین نے سازشی انداز میں مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کوگاڈ! سوائے ڈیڈی جی کے یہاں تو کسی کو بھی میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔ مالہ اور ٹوشین آپلی مجھے کیا سمجھ رہی ہیں؟ ماما اور پاپا جانی۔ نے مجھے میرے مذہب کا کچھ اور اپنی دلچسپی کا سبق ہمیشہ پڑھایا ہے۔ شاید یہ سب بہت ماڈرن لائف گزار رہے ہیں۔ جی ان کو غصہ آ رہا ہے کہ میری وجہ سے انہیں اپنی روٹین چھین کر پڑیں گی۔ میں تو یہاں صرف انہوں کی محبت دیکھنے چند دن ان کے ساتھ گزارنے آئی ہوں میں بھلا کیوں ان کی روٹین خراب کروں گی۔“ راتنل اپنے کمرے میں بیٹھی بہت دکھ اور ہمدردی سے سوچ رہی تھی۔

”باجی کھانا لگ گیا ہے۔“ ملازمہ شمیم نے آ کر بتایا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔ ڈنر کے بعد ماما پاپا اور نیل سے بات کی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ شدید تھکن کے باوجود نیند آ کھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے لندن اور لاہور کے وقت میں کافی فرق تھا کچھ اس وجہ سے بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور پھر نئی جگہ آتے ہی ٹوشین اور ٹوشین کی دلچسپی باتوں نے اس کی سماعتوں میں خراشیں ڈال دی تھیں اس کی وجہ سے وہ بہت بے کل اور بے چین تھی۔

”پاپا جانی! کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟“ راتنل کی آنکھیں بھی رات کے آنچل کے ساتھ ساتھ بھینکنے

لگیں۔ وہ شاید دو گھنٹے ہی سو سکی تھی۔ موزن کی صدا اللہ اکبر اللہ اکبر سارے ماحول کو بیدار کر رہی تھی۔ راتیل کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

رات کا پردہ چاک کر کے سورج دھیرے دھیرے زمین پر اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ راتیل نے باؤں میں پلپر پہنے لور پاہر لان میں چلی آئی۔ گلاب کے گئی رنگ کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اس نے گلاب کے پودوں کو بہت دلچسپی سے دیکھا اور ایک سفید گلاب جو اسے بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اس نے وہ گلاب توڑ لیا۔

علی رات دیر سے آیا تھا۔ جی راتیل سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس وقت وہ حسب معمول جو گنگ کے بعد سین سے امد داخل ہوا تو اس کی نظر پھولوں کے پاس کھڑی راتیل پر پڑی۔

”آئی تمہنک سی از راتیل۔“ وہ زیر لب بولا۔

”رات اس سے ملاقات نہیں ہو سکی اب مجھے اس سے مننا چاہیے۔“ وہ لگم لگم کہنا چاہیے۔ علی نے سوچا اور دھیرے دھیرے قدم ہاتھ اتالان میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

”راتیل۔“ علی نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا تو وہ بری طرح چونک کر مڑی تھی۔

”میں علی ہوں آپ کی امینہ خانہ کا بڑا بیٹا۔“

”السلام علیکم! راتیل نے فوراً سلام کیا۔

”وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ۔۔۔۔۔ سز کسار ہا؟“

”فائن۔“ راتیل نے مختصر جواب دیا۔

”گنڈ ویکم ان پکستان کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تھجک کہہ دیجیے گا۔“ علی پورے طریقے سے حق میزبانی ادا کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”بھینکس۔“ وہی مختصر جواب علی نے ایک ہل کو غور سے سنا اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”آپ ٹھیک سے سو نہیں سکیں نا نئی جگہ ہے لور پھر نا سنگ بھی مختلف ہے نا آہستہ آہستہ آپ ایڈجسٹ ہو جائیں گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ راتیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

تو علی کو حیرت ہوئی کہ مغربی معاشرے میں پردان چڑھنے والی راتیل کتنے مہذب انداز میں ہر بات کا جواب دے رہی تھی اپنی روایات کو جاتی تھی وہ۔

”او کے فیک کیئر۔“ علی نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جانے لگا تو اس نے سفید گلاب اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یآپ کے لیے۔“

”میرے لیے مگر کیوں؟“ علی نے سفید گلاب کو دیکھا اور پھر حیرت سے اس کے چاند چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ معصومیت سے کہنے لگی۔

”انگچونی میں سب کے لیے کنفس لائی ہوں آپ کے لیے نہیں لائی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ بھی یہاں ہوتے ہیں۔ اس لیے یآپ کے لیے ہے۔“

”اوسو سوئیٹ تھیئر۔ پوری سچ۔“ علی کو اس کی بے پناہ حساسیت اور معصومیت پر بے اختیار پیارا آیا اس سے سفید گلاب لے کر کہا اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ راتیل کی صبح مزید خوش گوار ہو گئی اس احساس کے ساتھ کہ علی کو اس کے یہاں سنے سے خوشی ہوئی ہے اس نے اسے دیکھ لیا۔

”نہیں جانی میں سچ یونہی نہیں آسکوں گی انکچونی میری ایک عدد کرن آئی ہے لندن سے۔“ ٹلین فون پر اپنے بوائے فرینڈ جاوید سے بات کر رہی تھی آواز راتیل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی۔

”لندن سے واؤ جیسی ہے گوی رنگت! بلو آئیز گولڈن ہیر والی ہے یا دیکسی آئریزنی ہے؟“ جاوید نے دلچسپی سے پوچھا تو ٹلین نیند میں ذوبی اور بیزاراہ واز میں یولی۔

”دس سال لندن میں رہی ہے اور وہ دیکسی ہے یا ولایتی تمہیں اتنی ایکساٹمنڈ کیوں ہو رہی ہے؟“

”یار میں تو یونگی پوچھ رہا تھا ورنہ مجھے تم سے آگے کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے؟“ جاوید نے فوراً سے کھنکھن لگایا۔

”ہاں آج میں یونہی نہیں آ رہی تو ادھر ادھر منہ مارنے کی کوشش مت کرنا اور خبردار اگر کسی لڑکی کو دیکھنا بھی

تو آنکھیں پھوڑ دوں گی تمہاری۔" تلخین نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"ڈارلنگ! اس کا تو ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ آج میں بھی یونیورسٹی بنک کر لوں کیونکہ یونیورسٹی گیا تو چاروں طرف رنگ برنگی تھلیاں نظر آئیں گی۔"

"لو کے کل ملتے ہیں۔" تلخین نے خند میں جمولتے ہوئے کہا۔

"آج کا دن کیسے گزرے گا تمہیں دیکھے بیٹا؟"

"میری تصویر دیکھ کر دل بہلا لو جانی! ادکے گڈ ہائے۔"

تلخین نے یہ کہہ کر موبائل آف کر دیا اور سر تک کمرنگ ٹان کر سونے لگی۔ رائیل مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تلخین آئی کسی کو پسند کرتی ہیں ناؤ امیزنگ۔" رائیل نے دل میں کہا۔

رائیل کے لائے ہوئے مخالف سب کو بہت پسند آئے تھے۔ نوافل تو رائیل کے آنے کی خوشی میں گھر میں ایک گریڈ پارٹی کرنے کی تجویز دے رہا تھا مگر نوشین نے صاف منع کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے گریڈ پارٹی کی مفت کا پیسہ ہے کیا؟ جسے بہت خوشی ہو رہی ہے رائیل کے آنے کی وہ باہر کسی ہونٹل میں ڈنر یا لंच کرادے اسے۔" نوشین نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ رائیل کے ساتھ ساتھ وہاب احمد بھی اپنی جگہ شرمندہ رہ گئے۔ انہیں نوشین سے اتنی بے مروتی اور بد اخلاقی کی توقع نہیں تھی کہ وہ رائیل کے سامنے ایسی بات کر سکتی ہیں۔

"ڈیڈی! میں رائیل کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے جاؤں! تھوڑی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔" نوافل نے باپ کی شرمندگی کو ختم کرنے کی غرض سے فوراً کہا تو وہ بھی سسٹھیل کر بولے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور لے جاؤ اور رائیل کو کچھ شاپنگ بھی کروا دینا یہ پیسے رکھ لو۔" وہاب احمد نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ نکال کر نوافل کی طرف بڑھا دیئے۔ رائیل وہاب احمد کی شرمندگی کو محسوس کر رہی

تھی اسکان پر بے اختیار سیریا آیا تھا۔

"رائیل تم تیار ہو جاؤ ہم ایک گھنٹے بعد ڈنر پر چلیں گے۔" نوافل رائیل سے مخاطبہ ہوا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہاب احمد کی رکی رکی سانس بحال ہوئی انہیں خدشہ تھا کہ کہیں نوشین کی باتوں کی وجہ سے رائیل منع نہ کر دے۔ وہ حقیقت وہ نوشین کی باتوں سے رائیل کا دھیان ہٹانا چاہتے تھے اور رائیل کو بھی اس بات کا احساس تھا جسے منع نہیں کیا۔

نوافل اسے فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کے لیے لایا تھا۔ رائیل بہت دلچسپی سے ادھر ادھر کے مناظر اور ہوٹل میں موجود کھلے اور فیسٹیو کو دیکھ رہا تھا جو وہاں ڈنر انجوائے کرتے آئے تھے۔

"کیسی لگی یہ جگہ؟" نوافل نے رائیل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں اچھی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"یہاں کا کھانا بہت مزیدار ہے میں اپنے فرینڈز کے ساتھ اکثر ویک اینڈز پر اچھا ہی آتا ہوں۔" نوافل نے مزید بتایا۔

"اچھا۔" وہ مسکرائی۔

"لو دوستوں کا ذکر کیا اور آگئے۔" نوافل نے اپنے دوستوں باہر اچھی پرویز اور احمد وگلاں ڈور سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو خوش ہو کر بتایا۔

"تم نے اپنے فرینڈز کو بھی ڈنر پر انوائٹ کیا ہے؟"

"ہاں۔"

"دس انوائٹ فیئر ڈیڈی۔" نے مجھے تمہارے ساتھ ڈنر کے لیے بھیجا تھا۔" رائیل کو اس کی یہ حرکت بری لگی تھی مانتے پہ سگن ڈال کر کہا۔

"ہاں تو تم میرے ساتھ ہی ڈنر پر آئی ہو میرے دوست بھی ہمیں جوائن کر لیں گے تو کیا ہے گھر پر تو ہو نہیں سکتی پارٹی! ممائے منع کرو۔" ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں اپنے فرینڈز کو انوائٹ کر دوں اور ہم سب مل کر پارٹی کریں۔" نوافل نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے

رہنے والی لڑکی تھی ہر کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی اس کے ممانا پانے اس کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ وہ اپنی اقدار کا لحاظ رکھے۔

”نوفل تم یہ بکواس سن کر خوش ہو رہے ہو اپنی بہن کا تماشا بننا کا سے نمائش میں لگا کر اس کی خوب صورتی کی داد وصول کر رہے ہو۔ شرم آتی چاہیے تمہیں مجھ سے عمر میں تو چھوٹے ہو ہی مگر تمہارے کام بھی بہت چھوٹے اور گرے ہوئے ہیں۔“ راتیل نے غصے اور درشت لہجے میں کہا تو وہ بھی بھڑک اٹھا۔

”نسن یا رنات مالی کس۔“

”ہاں جب نگاہ میں شرم اور حیا پاتی نہ رہے تو ہر لڑکی تم جیسوں کو آئٹم گرل ہی دکھائی دیتی ہے۔ چلو میں نہیں ہوں تمہاری سسز اگر ٹین ہوتی میری جگہ تب بھی تم اپنے فرینڈز کی یہ بکواس اسی ٹر کے ساتھ سنتے اور مسکراتے رہتے؟“

”مگر مسلمان ہو شرم اور حیا والے عزت والے ہو تو تم سب کی نظروں میں میرے لیے بھی عزت ہوتی احترام ہوتا مگر تمہیں تو ہر لڑکی آئٹم گرل دکھائی دیتی ہے تم میں سے۔ لیکن ہے کسی کی۔“

”ہاں..... ہم سب کو ہیں؟“

”تو کیا تم اپنی بہنوں کو یہاں لاسکتے ہو اپنے دوستوں کے درمیان بٹھا کے اسی طرح خوش ہو سکتے ہو جیسے نوفل ہو رہا تھا جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا اگر وہی کچھ تمہارے دوست تمہارے منہ پر تمہاری بہن کے متعلق کہیں تو کیا کہو گے تم؟ تمہارا رد عمل کیا ہوگا اس وقت؟ کتنے خوش ہو گے تم بتاؤ؟“

”میں اس سارے کا منہ توڑ دوں گا جو میری بہن کے بارے میں ایسی بے ہودہ بکواس کرے گا۔“ امجد نے جذباتی پن سے کہا۔

”میں بھی۔“ جمی بولا۔

”میں منہ توڑنے کے ساتھ ساتھ دوستی بھی توڑ دوں گا۔“

جواب دیا۔ اتنی دیر میں اس کے دوست ان کی ٹیمبل کے قریب آ چکے تھے۔ راتیل کو اپنا آپ ان پانچ لڑکوں کے بیچ بہت ان کفرٹ اپیل ٹیل ہو رہا تھا۔ وہ چاروں اسے سر سے پاؤں تک ایسے دیکھ رہے تھے جیسے پہلے کبھی کسی لڑکی کو یہ کھانا ہو راتیل نے نیوی بلیوز اور زرد پر ہلکے کام والا پرنٹ کرتا بہن رکھا تھا اور اسے کارف سر پر سلپتے سے پہنا تھا کہ اس کا سر ڈھک گیا تھا۔ وہ چاروں لڑکے بھی نوفل کی طرح عجیب و غریب حلیے میں تھے۔ گھٹنوں سے پھٹی ہوئی جینز کی پینٹ پہنے کسی نے سیلیویس شرٹ پہن رکھی تھی کسی نے ٹی شرٹ اور کسی نے ہاف ہاروؤں والی شرٹس پہنے ہوئے سوچا کہ یہ کس دنیا کی مخلوق ہیں۔

”یہ میری کزن ہیں راتیل فرام لورن۔“ نوفل نے راتیل سے ان چاروں کا تعارف کرانے کے بعد راتیل کا ان سے تعارف کروایا۔

”آپ سب اسی ملک کے باشندے ہیں ناں؟“ راتیل نے کمال محسوسیت سے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”جی..... کیا مطلب؟“ وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔

”آئی مین یہ حلیہ وہاں لندن میں تو چیر ڈا مانگتے والوں کا ہوتا ہے آئی مین بھیک مانگنے والوں کا۔“

”یاد تیری کزن تو ہماری بے عزتی کر رہی ہے۔“ جمی نے نوفل سے کہا۔

”راتیل..... ڈارنگ! یہ غیبن ہے آج کل یہ سب بہت ان ہے۔“ نوفل نے وضاحت کی اسے بھی راتیل کا اس طرح سے اس کے دوستوں کے بارے میں کھنکھانا کچھا پھانسی لگا تھا۔

”یاد نوفل تیری کزن تو پوری آئٹم ہے قسم سے۔“ اور باقی دوستوں کی اس قسم کی رائے پر جہاں نوفل اتر رہا تھا وہاں راتیل غصے سے لال ہو رہی تھی ایسی باتیں تو کبھی اس نے لندن میں بھی کسی سے نہیں سنی تھیں۔ وہ لیے دیے

”ہاں بالکل میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“ پرویز کی بات پر ہارنے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”گڈ ویری گڈ۔“ رائیل نے مسکراتے ہوئے تالی بجائی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ابھی کچھ شرم کا آٹا آپ لوگوں میں باقی ہے آگے ہلکی ضرور ہے۔ لیکن ابھی پوری طرح سے آنکھوں کا پانی مرا نہیں ہے۔ سب آپ اپنی بہنوں کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں سن سکتے تو مجھے ایمان داری سے بتائیے کہ کیا آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ اپنے دوست کی بہن کے بارے میں میرے بارے میں کسی کی بھی بہن بنی کے بارے میں ایسی بے ہودہ بات کریں ایسی رائے دیں جو آپ نے مجھے دیکھ کر دی کی میں کسی کی بہن نہیں ہوں میری کوئی عزت نہیں ہے آپ کی نظر میں..... مجھے آپ لوگوں نے کیا سمجھا تھا کہ میں لندن سے آئی ہوں تو بے حیائی کا نمونہ ہوں گی؟ میرے بارے میں ایسا کیوں کہا آپ نے؟ آپ کے والدین نے آپ کو عورت کی کسی لڑکی کی عزت کرنا نہیں سکھایا کیا؟ آپ کی عمر اپنی تعلیم پر توجہ دینے کی ہے لڑکیوں پر توجہ دینے کی نہیں ہے۔ آپ کو پہلے خود آئینہ دیکھنا چاہیے کہ آپ ہیں کیا؟ لڑکیوں کو بعد میں دیکھیے گا ابھی تو عمر بڑی ہے پہلے کچھ بن تو جائیں کسی قابل تو ہو جائیں اس بے تکے اور بڑھتے چلے کو اپنا کر اپنے ماں باپ کی دولت پر اترا کر آپ کوں ساتھ مار رہے ہیں۔ آپ کا اپنا کیا ہے اس میں؟ آپ نے ایسا کیا کارنامہ انجام دیا۔ ہے کہ کوئی لڑکی آپ سے متاثر ہو جائے۔ میرے ملک کے ماوان ہو جانو! میرے نا سمجھ بھائیوں! ہوش اور محسوس کے ناخن لڑھکی کو دیکھ کر آوازیں کسنا کسنا کرنا شریف اور اچھے لڑکوں کو زیب نہیں دیتا کیا سمجھا؟“

”ہم یہاں لپکھ رہے ہیں آئے تھے۔“ پرویز نے منہ بنا کر کہا۔

”تو کیا کرنے آئے تھے؟“ رائیل نے کڑے تیوروں سے اسے ٹھہرا کر امجد نے پرویز کو کہنی ماری، نوفل خاصا شرمندہ اور خاموش بیٹھا تھا۔

”چھوڑ یار جانے دے۔“ امجد نے پرویز کو خاموش کرایا۔

”سوری سسز ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے ریلی ہمیں یہ باتیں پہلے کہنے نہیں بتائیں۔“ بار نے سنجیدگی سے کہا۔

”بتانا کون ہر لڑکی ان جیسی تو نہیں ہوتی کہ سمجھانے بیٹھ جائے۔ سارا قصور لڑکوں کا تو نہیں ہوتا سسز جب لڑکیاں بے پردہ پھرتی ہیں ہر طرح کا فیشن کر کے تو مردوں کی نظر کا پردہ آپ ہی اتار جاتا ہے۔ خیر آئندہ میں تو اپنی پوری توجہ اپنی انجکشن پر دوں گا لڑکی کا جب نام آئے گا تب دیکھا جائے گا۔“ امجد نے سنجیدگی اور صاف گوئی سے کہا تو رائیل مسکرائی۔

”نوفل تم اپنے فرینڈز کے ساتھ پارٹی انجوائے کرو اور مجھے کوئی ٹیکسی منگوا دو مجھے گھر نہ ہے۔“ رائیل نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر نوفل کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر دوڑاڑے کی طرف بڑھ گئی تو نوفل تیزی سے ماس کے پیچھا آیا۔

”آئی ایم سوری۔“ نوفل نے رائیل کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرمندگی سے کہا مگر وہ ڈراموش گاڑی نہیں بیٹھی رہی۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ.....“

”اب تو اندازہ ہو گیا۔“ وہ گانا سونے کی نفل ان فٹو جی۔“

”نہیں۔“ رائیل کے غصے اور اس کی باتوں نے نوفل کی ساری آکڑ نکال دی تھی۔ آہستہ آہستہ، جواب دیا۔ دراصل اس میں نوفل کا بھی قصور نہیں تھا۔ اس نے جس بیباک سے ہوش سنبھالا تھا اپنی ماں نوشین کو باپ کے ساتھ بیٹھنے سے ہی پیش آتے دیکھا تھا۔ یہی بائینری اور بے پروائی نوفل کو لڑکیوں میں بھی سراہت کر گئی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ماں نے بھی ان کے باپ کو اہمیت نہیں دی، ان سے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔ انہیں محبت کے لائق نہیں سمجھا ان کا خیال نہیں رکھا تھا وہ اب احمد نے ہمیشہ ان سب کی ضروریات کا خیال رکھا تھا انہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی پھر بھی نوشین کو ان سے شکایتیں ہی رہتی تھیں وہ

کبھی وہاب احمد سے خوش نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی وہاب احمد کو کوئی خوشی دی تھی۔ اولاد بھی قدرت نے قسمت میں لکھی تھی جو ان کے درمیان ایک بل بن گئی تھی اور وہ بھی ہیں کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ نوشین کی دیکھا کہ کبھی ہی نوشین بھی یونیورسٹی میں لڑکوں سے بے تکلفی سے ملتی تھی۔ جاوید کے ساتھ تو اس کا باقاعدہ اہمتر چل رہا تھا۔ جاوید ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتا تھا مگر جنڈم ہونے کی وجہ سے نوشین کی نظر عنایت و محبت اس پر جیسے ٹپ سی گئی تھی۔ وہ اسے قیمتی نجات بھی دے چکی تھی۔ مرد و خاتین دونوں ہی نوشین کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ اور اکثر گھر بھی آتے رہتے تھے یہ بات وہاب احمد کو سخت ناپسند تھی۔ انہوں نے نوشین کو کوئی بار غیر مردوں کا جنہیں وہ اپنا دوست کہا کرتی تھیں انہیں گھر لانے سے منع کیا تھا مگر وہ نوشین ہی کیا جو ان کی بات مان لیتی اور تڑپا کر کام کرتی تھی جس سے وہاب احمد کو تکلیف اور ذہنی اذیت پہنچتی تھی۔ تین سال سے وہاب احمد کا بزنس بھی خسارے میں جا رہا تھا۔ فیکٹری قرض لے کر چل رہی تھی۔ اسپورٹ ایکسپورٹ بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ بہت سے بینک لونز واجب الادا تھے وہ بوائے ہو گئے تھے ایسے میں بھی انہیں بیوی کی طرف سے تسلی بخشی اور حوصلے کی امید نہ تھی اب نہ ہی نوشین نے انہیں اس کڑے وقت میں سہانا دیا نہ حوصلہ دیا۔ انہیں اذیت سے دوچار کیا۔ اس وقت تیمور حسن نے ہی وہاب احمد کو سہارا دیا۔ ان کا نو گھر بھی رہن رکھا گیا تھا تیمور حسن نے اپنا گھر جو کے کرائے پر دیا ہوا تھا ڈیڑھ کینال کا شمارا رہا۔ انہوں نے وہاب احمد کو بنا کسی کرائے کے رہنے کو دے دیا تھا۔ مالی مدد بھی کی تھی جس سے وہ پھر سے اپنے بزنس کو کھڑا کر سکے تھے وہاب احمد تیمور حسن کے بے جا ممنون اور احسان مند تھے۔

”وہاب لاج“ میں گاڑی رکھتے ہی راتیل گاڑی سے نیچے اترتی اور تیزی سے اندر کی جانب بھاگی کہ سامنے سے آتے علی سے ٹکرائی۔ علی کو اس کے چہرے پر غصہ اور بے ڈاری صاف دکھائی دے رہے تھے۔ راتیل انہیں دیکھ

کر شیشا مٹی۔

”اوہ سوری۔“

”ہنس باو کے..... آری حال رامت؟“

”نہیں فائن۔“ وہ جواب دے کر سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ علی نے پوچھا کیا۔

”اتنی پریشان باور غصے میں کیوں ہو؟“

”ویڈی نے نونفل کے ساتھ ڈنر پر بھیجا تھا بیٹ نونفل نے اپنے فرینڈز کو بھی وہاں انویٹ کر لیا تھا۔ دے آر ٹاٹ گڈ کاتز۔“

”ہوں..... تو ڈنر نہیں کیا؟“

”نہیں۔“

”چلو اگلے ڈنر کرتے ہیں مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا وہ اس کی کیفیت کو کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ اور نونفل کے دوستوں کا بھی اسے علم تھا کہ وہ کس مزاج کے ہیں۔

”آج نونفل کے ساتھ اگلی باہر مت جانا۔“ علی نے کھانے کی ٹیبل پر راتیل کو ہدایت دی تو اس نے چونک کر۔

”کرا۔۔۔ یہ دیکھا وہ بھلا اس کی اتنی پروا کیوں کر رہتا تھا؟“

”تم..... تم تو نونفل کے ساتھ ڈنر پر گئی تھیں پھر یہاں ڈنر کس لیے؟“ اسی وقت نوشین باہر سے آئیں اور راتیل کو علی کے ساتھ ڈنر کرتے دیکھ کر تیز سبجے میں پوچھا تو وہ گھبرا گئی اور علی کو سکنے لگی۔

”اچھی لی نونفل۔ نے اپنے فرینڈز کو بھی انویٹ کر لیا تھا۔“

”تو یہ تو اچھی بات ہے وہ تمہارا خیال کر رہا تھا تمہارا دل بہلانے کو اس نے پارٹی کا ایجنج کیا اور تم چھوڑ کر چلی آئیں۔ یہی سمجھ کر سکھائے ہیں تمہیں تمہارے اماں باوا نے میرے مینے کی اذیت کر کے اب تم یہاں مزے سے ڈنر اڑا رہی ہو۔ وہاں لندن میں کیا سات پرووں میں کھانا چنا کرتی تھیں۔ ہونہر بڑی آئی پارسیا۔“ نوشین نان اسٹاپ راتیل پر طنز و تفریق کے تیر برسائی گئیں۔ وہ اندر تک سے چھلتی ہوئی تھی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ علی

دیکھا اور دماغ میں ایک خیال ابھلی کی سی تیزی سے گونما تھا۔
 ”سوری رائگ نمبر۔“ دشمن نے یہ کہہ کر ریسیور
 کرڈیل پر رکھ دیا اور ماتھے پر ٹانگن ڈال کر تیزی سے رائیل
 کی طرف آتے ہوئے بولیں۔

”ایک دن نہیں ہوا تمہیں یہاں آئے ہوئے اور تم نے
 اپنے آشا کو میرے گھر کے فون نمبر بھی دے دیئے۔“
 ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ رائیل پر جیسے حیرتوں
 کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ علی بی لب کاٹتے ہوئے اسے
 دیکھ رہا تھا۔

”یہ مائیکل کون ہے؟“ تو نہیں نے جھوٹ بولا۔

”میں کسی مائیکل کو نہیں جانتی۔“

”اچھا! تو وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟ لندن سے کال کی
 تھی اس نے تم سے بات کرنے کے لیے میں نے کہہ دیا
 کدائنگ نمبر ہے۔“

”میں کسی مائیکل کو نہیں جانتی تو اسے یہاں کا نمبر
 بھلا کیوں دوں گی؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“
 رائیل نے سنجیدگی سے کہا، اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اڑ
 کر اپنے ماما پاپا اور بھائی کے پاس پہنچ جائے، اس کا
 دل دکھ سے بھرتا رہا تھا۔

رائیل نے وہی نظروں سے علی کی طرف دیکھا اور اپنی
 ہی نظروں میں شرمندہ اور چوڑی بن گئی اور خاموشی سے اس
 کمرے میں چلی آئی جہاں سے ٹیبلٹ کے لیے دیا گیا تھا۔
 علی نے اس کی پلیٹ کو دیکھا، ہاں، روٹی، ساں، ویسا ہی رکھا
 تھا اور وہ خالی پیٹ ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ علی کی
 بھی بھوک مر گئی تھی۔ سو اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔
 جاتے جاتے علی کو نجمانے کیا ڈال آیا اس نے ٹیلی فون کے
 قریب جا کر سی ایل آئی پر نمبر چیک کیا، کچھ دیر پہلے آنے
 والی کال کا نمبر اور وقت دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ وہ کال تو
 لاکل تھی۔ اور پچھلے چار دن کی، لڑ میں کوئی بھی کال لندن کی
 نہیں تھی۔ علی کیسٹ روم کی طرف آتے ہوئے سوچ رہا تھا
 کہ ممائی نے جھوٹ کیوں بولا؟ ممائی کو رائیل سے اتنی چڑ
 بکنہ نفرت کیوں ہے؟

بھی ششدر تھا کہ یہ تو شین ممائی کو ہوا کیا ہے جو ایک دن
 کی مہمان سے ایسا برتاؤ کر رہی ہیں؟
 ”آئی وہ لوگ بہت فضول گفتگو کر رہے تھے آئی ایم
 سوری بٹ نوفل کے فرینڈز بالکل بھی اچھے نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم میرے بچے کے
 کریکٹر پر انگلی اٹھا رہی ہو اس کے دوستوں کو برا کہہ
 رہی ہو گویا تم میری تربیت پر انگلی اٹھا رہی ہو۔ میرا بیٹا
 آوارہ ہے جیسی اس نے برے دوست بنائے ہیں۔
 یہی مطلب ہے تمہارا۔“

”تو نہیں آئی میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔“

”ممائی! آپ جلد بھجور رہی ہیں پلیز ریٹکس اتنا غصہ
 آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے آپ کا بی بی شوٹ کر
 جائے گا۔ ریٹکس۔“ علی نے آگے بڑھ کر شوین کو شانوں
 سے تمام کرنزی سے کہا۔

”علی بیٹا تمہیں نہیں معلوم یہ کیسی لڑکی ہے اس کے
 ماں باپ نے اپنی بلا ہمارے سر منڈھ دی تاکہ خود بدنامی
 سے بچے رہیں یہ یہاں آ کے پارسائی کے ڈرامے کر رہی
 نے جیسے میں اسے جانتی نہیں ہوں۔“ شوین نے رائیل
 کے کردار کی وجہیاں نکسیر دی تھیں رائیل صدے سے
 گنگ کھڑی تھی۔

”آئی آپ میری ماما کی بہن تو نہیں لگ رہیں، آپ
 کو کسی نے یہ حق نہیں دیا کہ آپ میرے کردار پر کچھ
 اچھا لیں، جھوٹ بول کر آپ کون سا ثواب کھا رہی ہیں؟“
 رائیل نے ہمت کر کے کہا۔

”دیکھا تم نے علی سنا کس زبان چلتی ہے اس کی انگلیں
 یہ ننگن کہاں ہے؟“ شوین نے علی سے بدیابی انداز میں کہا
 اور شوین کے کمرے کی طرف جانے لگی کہ اسی وقت ٹیلی
 فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو۔“ شوین نے رک کر ریسیور اٹھایا۔

”السلام علیکم! جی یہ ارشاد صاحب کا نمبر ہے نا پلیزان
 سے بات کرادیجئے میں ظاہر بول رہا ہوں۔“ دوسری جانب
 سے آواز آئی تو شوین نے چور نظروں سے علی اور رائیل کو

وہ راتیل کے ساتھ اتنا نازیبا سلوک کیوں کر رہی ہیں؟ آخر کیا راز ہے اس سارے کھیل کے پیچھے؟ وہ جوں جوں سوچتا جا رہا تھا لگتا جلا جا رہا تھا۔

”نکین.....“ وہ لپ لپ پاپ پر جاوید سے چینگ کر رہی تھی نوشین کی آواز سن کر ہڑبڑا گئی۔

”اے ماں آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔“

”ڈرا تو تم مجھے ہی ہوا پنی بے پروائی سے۔“

”کیوں ماں..... کیا ہوا؟“

”میں نے تم سے کہا تھا، علی پر نظر رکھو اس کا خیال رکھا کرو اسے توجہ دو مگر تمہاری توجہ تو کہیں اور ہی مبذول ہے۔“ نوشین نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ماں وہ بہت ان رو میٹک، آدمی ہے آکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا میری طرف اب مجھ سے نہیں ہوتی مزید ایکٹنگ۔“ نکین نے بے زاری سے کہا کیونکہ جب علی آیا

تھا یہاں تب شروع دنوں میں وہ اس کے بہت آگے پیچھے پھرتی تھی، بھانے بھانے سے اس کے پاس جاتی اس سے بات کرنے کا باہر لے جانے کی کوشش کرتی مگر سب

پرکار..... اسے تو شاید اپنے کام اور اپنے والدین کے نام کے علاوہ کچھ یاد ہی نہیں تھا اور نکین کو اس کے اس رویے سے اپنی بہت تنگ محسوس ہوتی تھی اور وہ غصے میں آ کر اس

سب کئی کئی دن بات بھی نہیں کرتی تھی۔

”چار دن ڈرامہ کر لوگی تو ساری زندگی بے شرم سے گزارو گی۔ اس کم بخت راتیل کی توجہ دیکھو، نفل کا ڈنر چھوڑ آئی اور

علی کے ساتھ ڈنر کر رہی تھی، میرا نے بھی ایسا ہنگامہ کیا کہ ایک نوالہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترنے دیا موصوف کے۔“

نوشین نے بڑے رفاقتانہ انداز میں بتایا۔

”موم چھوڑیں راتیل کی سٹیشن مت لیں اس کی دان یہاں نہیں گلے والی۔“

”میں گلنے دلوں گی تب نا۔“ اور وہ دونوں تہقیر لگا کر ہنس پڑیں۔

”اچھا میری بات غور سے سنو، راتیل کو علی کی نظر میں معتبر نہیں ہونے دینا، علی کی اپنی فیکٹری نے کام شروع

کر دیا ہے، ہنگامہ بھی کھل ہی سمجھو۔ علی سے اگر تمہاری شادی ہوگئی تو راج کر لوگی۔ اس کے گھر میں ماں باپ کے علاوہ

کوئی ہوگا بھی نہیں۔ دونوں بہنوں کی شادی ہوگئی ہے، چھوٹا رضی تو اپنے نفل کی عمر کا ہے، اس کا حصہ نہیں ہوگا علی کی

پر اپنی میں لہذا علی کو راتیل سے بدگمان کر دو اور خود اس کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرو۔ باقی ایسنا یا کو تو میں ٹھی

میں کر لوں گی وہ علی کے لیے تمہیں خود ہی مانگ لیں گی۔“ نوشین کے سہارشی دماغ نے جو پلاننگ کی تھی وہ نکین کو متا

رہی تھیں جبکہ نکین کی دلچسپی کچھ خاص نہیں تھی۔

”موم ٹھیک ہے علی گڈ لٹنگ اور ڈشنگ ہے مگر مغزور بہت ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتا تو میں محض اس کی پر اپنی

کے لیے اس سے شادی کیوں کر لوں؟“

”یہ پسند پیار کچھ نہیں ہوتا، دقتی اہال ہے سب ذرا حالات نے کروٹ بدلی، دل بھی بدل گیا اور پیسے کے بغیر

پیار بھی آزار بن جاتا ہے، خانہ پیٹ تو محبت کے خواب بھی نہیں آتے، سمجھو میری نادان، بیٹی۔“

”مگر موم میں جاوید سے محبت کرتی ہوں۔“

”شٹ اپ۔“ وہ غصے سے بولی۔

”کچھ ہے، اس کا ہی خیال کر لیا ہوا، پینل کلاس کے لڑکے صرف محبت کے خواب ہی دکھا سکتے ہیں۔ پیار

بھری باتیں اور تھوڑے کلاس، روانووی شاعری سنا سنا کر جملے بول بول کر تم جیسی امیر لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے

ہیں اور سب کچھ لوٹ کر کسی اور کو لٹنے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔“

”اے موم پلیز بس کریں آپ تو بہت خوف ناک باتیں کر رہی ہیں۔“

”یہ محض باتیں نہیں ہیں زندگی کی تلخ حقیقتیں ہیں۔ جنہیں تم جتنی جلدی سمجھ جاؤ اتنا ہی اچھا ہے اور فائدہ مند بھی۔“ نوشین نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات ختم کی تھی

نکین نے گہرا سانس لیور اسے خارج کیا۔



”ہاں گئی میری جان ہرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔“ جاوید پیار سے سمجھا رہا تھا۔
 ”مگر یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میرے ماں باپ کی عزت دو پر لگ جائے گی اور وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ پر اپنی سے بھی عاق کر دیں گے۔“

”ارے جان! تم خواجوا کی ٹینشن پال رہی ہو کچھ نہیں ہوگا جب وہ تمہیں میرے ساتھ خوش دیکھیں گے تو خود ہی ہمیں معاف کر کے گئے سے لگا لیں گے ان کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔“ جاوید نے پیار سے سمجھایا۔
 ”اور تمہارے گھر والے۔“

”میرے گھر والے تو بے پنی سے انتظار کر رہے ہیں کہ کب تم ان کے گھر میں دلہن بن کر آؤ اور کب ان کو تم پر اپنی بھتیسیں بچھاؤ اور کرنے کا سوچنے کے خاص طور پر مجھے۔“ وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تو وہ ہنس ہو گئی۔
 ”ٹھیک ہے میں سوچ کر خواب دوں گی۔“

”او کے ڈارلنگ! ایک کینر جلد بات ہوگی اور ہاں اپنی شادی کی شاپنگ بھی کر لینا۔ میں تو سیدھا مارکیٹ جا رہا ہوں۔ اپنے لیے کچھ نئے ڈر بوز خریدنے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”او کے ہائے ڈارلنگ۔“ کلین نے ہنس کر جوابا کہا اور موبائل آف کر دیا۔ راتیل کو دور سے ہی اس کے چہرے پر پھیلی حیا اور خوشی ملی، رشتی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر کلین غلط کرنے جا رہی تھی، اس غلطی کو کبھی بھی صورت اسے روکنا تھا۔ مگر کیسے؟ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس سلسلے میں وہ کس سے بات کرے، گھر میں ایسا تو کوئی بھی نہیں تھا جو اس کی بات سننا اور سمجھنا۔ نوٹین، کلین اور نونل سے تو بات کرنا گویا بھڑوں سے، جھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ وہ اب احمد سے ایسی بات وہ ایک ماڑی ہونے کے ناطے کر نہیں سکتی تھی اور کس سے کہتی کہ وہ کلین کو غلط اور انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھے وہ اپنی ہی نہیں اپنے ماں باپ کی عزت بھی مٹی میں ملانے جا رہی تھی۔ دو دن ہو گئے

سے کبھی آشنائی نہ تھی دکھ جس سے کبھی دور کا واسطہ تک نہ تھا تاقدی جس نے کبھی اس کو چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ سب اس کے پورے وجود میں نوٹین نے اتار دیئے تھے۔
 ”پاپا جانی یہ کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟“ وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی اور اپنے پاپا سے سوال کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جتنے ناز و نعم میں وہ لپی بڑھی تھی، جتنی محبتوں کے حصار میں وہ ہنستی مسکراتی رہی تھی، اب تک یہاں آ کر اسے اتنی ہی تکلیفوں اور دکھوں سے آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔



”جاوید تم نہیں جانتے، ماں میری شادی تم سے کبھی نہیں کریں گی ان کے خیال میں تم بچھوے ہی کیا سکتے ہو سوائے جموٹی ہاتوں کے پیار کے۔“ کلین ان میں ٹپکتے ہوئے موبائل پر جاوید سے بات کر رہی تھی۔ راتیل کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس کی آواز راتیل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کئی محبت کرتے ہو لیکن ہم کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔“ کلین کے لہجے میں پریشانی تھی۔ راتیل مسکرائی۔
 ”ایسا تو نہ کہو کلین میں مرناؤں گا۔“ جاوید کے لہجے میں بے قراری تھی۔

”میں کون سا جی سکوں گی تمہارے بغیر؟ تم ہی بتاؤ کیا کروں میں؟“
 ”ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔“ جاوید نے فوراً مشورہ دیا۔

”واٹ کورٹ میرج؟“ کلین جس طرح حیرت سے چبھی تھی راتیل کو بھی اس کی بات سن کر دھچکا لگا تھا۔ وہ اتنا تو سمجھ رہی تھی کہ کلین کچھ غلط کرنے جا رہی ہے سچا پیار کرنے والا عزت کرنے والا شخص کبھی بھی کسی لڑکی کو گھر والوں سے چھری چھپ کر شادی کرنے کو کورٹ میرج کرنے کا مشورہ ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ جاوید ضرور اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔

بھی اب اٹھین کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگ کر پریشان کن صورت پیدا کر رہا۔ ابھی انہوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد نوشین کو اپنے وہاب احمد کے لیے مانگ لیا۔ ماجد حسین اور یاسمین کے لیے تو میدان بہت خوش گوار اور یادگار تھا کہ ان کی دونوں بیٹیوں کے لیے اتنے اچھے اور اپنے ہی گھروں کے لڑکوں کے رشتے آئے تھے۔ ہاں بھی کر دی گئی تھی اور سب کو مٹھائی بھی کھلا دی گئی۔ سبھی بہت خوش تھے سوائے نوشین کے وہ تو جملے پھر کی ملی کی طرح پورے گھر میں پھرا رہی تھی۔ تیمور حسن اس کے سامنے اس کی بہن کا شوہر بن کر دلہا بن کر آئے گا اس خیال سے ہی نوشین کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

”مجھے یہ شادی نہیں کرنی کہہ دیجئے ای لیا سے“
نوشین نے بواجی سے بہت اٹھیلے لہجے میں کہا اٹھین نے پریشانی کے عالم میں اسے دعا تھا۔

”آہستہ بولو نوشین بٹیا کہی سنے گا تو کیا کہے گا؟“
بواجی نے اسے نرمی سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
”نوشین! کیا کی ہے وہاب میں وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“
اٹھین نے بھی سمجھا، پاپا تو وہ طرز لہجے میں بولی۔
”اچھا! اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو تم کر لو وہاب سے شادی میں تیمور سے شادی کرتی ہوں۔“

”شٹ اپ! تیمور اب میرے منگیترا ہیں میں کیوں کروں وہاب سے شادی اور۔۔۔ ماں باپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے ہمارے لیے وہی بہتر ہے۔“
اٹھین نے تیزی سے کہا تو وہ تھی سے بولی۔

”ہاں تمہیں تو بہتر لگے گا کیونکہ تمہیں تمہاری محبت جو مل رہی ہے اگر میں کہوں کہ تم تیمور سے میری شادی ہونے دو وہاب سے تم شادی کر لو تو کیا تب بھی تمہیں یہ فیصلہ بہتر لگے گا بولو؟“

”نوشی! بیٹی اپنے نصیب پر راضی ہونا سیکھو رشتے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔“
بواجی نے اٹھین کو بے بسی سے خاموش دیکھا تو اسے پیاد سے سمجھانے لگیں۔

”یہ رشتے اس گھر کی ڈرائنگ روم میں طے ہوئے

کاؤں بھیج دیا کرتی تھیں۔ شاکر کے چھ بچے تھے وہ پرجون کی دکان کرتا تھا اتنے بڑے کنبے کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا مگر بواجی کی نخواستہ وہ آسانی سے مہینہ گزار لیتے تھے۔ بواجی کو ان کے بھائی کے بچے بواجی کہتے تھے ان کی دیکھا دیکھی چھوٹے بڑے سب نے انہیں بواجی کہنا شروع کر دیا۔ بواجی کا اصل نام تو فاطمہ بی بی تھا۔

یاسمین ماجد اور ماجد حسین نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوانی تھی۔ تیمور حسن اور وہاب دونوں ہی خاندان کے لڑکے تھے وہاب احمد یاسمین کے بھائی احمد بخش کے بیٹے تھے اور تیمور حسن ماجد حسین کے بھائی حسن کے بیٹے تھے۔ زہد عابد کے بعد اٹھین کا نمبر تھا اور پھر نوشین تھی۔ نوشین تیمور حسن کو بہت پسند کرتی تھی۔ تیمور کی پریشانی ہی اتنی شاعرانہ تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس کے خواب دیکھ سکتی تھی مگر تیمور کو اٹھین اپنے دھم سے پن ذہانت اور سلیقے کی وجہ سے شروع سے

پسند تھی اور اللہ نے اسے شکل صورت بھی خوب دی تھی۔ خوب صورت تو نوشین بھی بہت تھی لیکن اٹھین کے برعکس نوشین بہت تیز طرز منہ پھٹ اور ماڈرن لڑکی تھی اسے سر پہ دو پٹیاں اور کمر جھکا کر بیٹھنا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ پہلے گلہ کر کے ہنگامہ کر کے خوش ہونے والوں میں سے تھی۔

نماز روزے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بواجی اور بواجی کی ڈانٹ سن کر بھی کبھی کبھار نماز پڑھ لیا کرتی۔ وہاب احمد کو نوشین بظاہر تو اچھی لگتی تھی مگر جب شادی کا وقت آیا تو ان کا نظر اتنا اب بھی اٹھین ہی ٹھہری۔ خود وہاب احمد کی والدہ کی بھی خواہش تھی کہ اٹھین، تن کی بہو بنے مگر جوڑے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں اٹھین اور تیمور حسن کا ساتھ لکھا جا چکا تھا لہذا ان دونوں کا رشتہ طے پا گیا۔

تیمور حسن کے گھر وائے رشتہ لے کر آئے تو ”ہاں“
کر دیا کے ہی گئے۔ اٹھین اور منہ زمین بھی وہاں موجود تھے مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں حسن اور جمیلہ بیگم اٹھین کو اپنے بیٹے تیمور کے لیے مانگنے آئے ہیں وہ تو اسے معمول کی گیدرنگ سمجھ کر آئے تھے۔ مگر اب جب انہوں نے رشتے کی بات کی تو انہیں مناسب نہ لگا کہ وہ

ہیں اور میں راضی نہیں ہوں اس رشتے سے اور نہ ہی بیدار
مجھے کبھی کوئی خوشی دے سکتا ہے۔ اگر میری شادی وہاب
احمد سے کی گئی تو یاد رکھیے گا میں ہینا حرام کر دوں گی سب کا
اور ایشین تم..... تیمور سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ.....

”توشین.....“ یا سیمین بیگم جانے کب آئی تھیں اس کی
اس بات پر ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر رسید کیا تھا۔
”تم اس قدر خود غرض اور بد تمیز ہو سکتی ہو میں سوچ بھی
نہیں سکتی تھی۔“ یا سیمین نے دکھ سے دیکھا۔

”تو اب سوچ لیں مجھے تیمور سے شادی کرنی ہے۔“

”خاموش ہو جاؤ توشین تم رشتے طے کر چکے ہیں اور تم
اگر تیمور سے شادی کر بھی لو گی تا تب بھی تمہیں اس کی محبت
کو ترسنا پڑے گا کیونکہ تیمور تم سے نہیں ایشین سے محبت
کرتا ہے تم تیمور سے شادی کی بات کر کے ہمارا ہی نہیں
اپنا بھی تماشہ بناؤ گی خانمان بھر میں سب تمہو کو کریں گے
تم پر اور تمہاری اس بے حیائی پر۔ بواجی سمجھا دیں اسے یہ

اپنے ماتھے پر زلت اور رسوائی کا کلنگ لگانے سے اپنی بہن
سے اس کی محبت اور خوشی چھین کر کبھی سکون سے نہیں جی
سکے گی۔“ یا سیمین بیگم نے غصے سے پہلے توشین کو لٹا ڈال پھر بوا

جی کو ہدایت کی اور توشین پر ایک نگاہ ملامت ڈال کر کمرے
سے باہر چلی گئیں۔ پھر بواجی نے توشین کو بہت سمجھایا
توشین نے بھی دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ وہاب احمد کو بھی پیار

نہیں دے گی کیونکہ اس نے بھی پہلے ایشین کا ہاتھ مانگا
تھا۔ ایشین کی بات طے ہونے پر توشین کے لیے اس کے
گھر والوں نے بات کر لی تھی۔ اور یہی سچی کہ وہ ایشین کو بھی

تیمور کے ساتھ کبھی خوش نہ کرے۔ ہنودے گی۔ انتقام اور غصے
کی آگ میں جلنے جلنے توشین نے وہاب احمد سے شادی
تو کر لی تھی مگر ۲۰ سال گزر جانے کے باوجود وہ وہاب احمد کو

اپنے دل میں جگہ نہ دے سکی تھی۔ حالانکہ وہاب احمد نے
اپنے اچھے شوہر ہونے کی ہر ذمہ داری نبھائی تھی۔ ہر حق
وہانت داری سے ادا کیا تھا۔ ایشین اور توشین کی شادی ایک

ساتھ ایک ہی دن ہوئی تھی۔ ان کی پہلی اولاد میں دو ماہ کا
فرق تھا۔ ایشین کو اللہ نے پہلی اولاد پیشا دیا تھا اور توشین کو

بچی سے نوازا تھا۔ توشین کو اس پر بھی آگ لگ گئی تھی کہ
ایشین کے پہلی اولاد پیشا کیوں ہوا اور اس کے ہاں بچی
کیوں پیدا ہوئی۔ دو سال بعد ایشین کے ہاں بچی رائیل

پیدا ہوئی اور توشین کو اللہ نے اس بار پیشا دیا تھا جس کا نام
انہوں نے ذوالنون رکھا تھا۔ بیٹے کی پیدائش پر تو توشین
کے باؤں ہی زمین پر نہ نکلتے تھے۔ پھر ۲۰ سال بعد نونل پیدا

ہوا تو توشین کی گردن مزید اکڑ گئی کہ وہ دو بیٹوں کی ماں ہے
اور ایشین صرف ایک بیٹے اور ایک بچی کی ماں ہے۔ تیمور
نے لندن کے ویزے کے لیے کافی عرصے سے اپلائی کیا

ہوا تھا اس کا فیملی ویزا لگ گیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے
ساتھ لندن روانہ ہو گیا اور اپنے والد کی گارمنٹ فیکٹری کا
کام وہاں بیٹھ کر مزید وسیع کیا۔ آفس بنایا اور اپنی تکنیکی

قابلیت کے مطابق وہاں ملازمت بھی کی۔ ذوالنون کو تعلیمی
ویزے پر انہوں نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ توشین نے پہلے
تو بہت مخالفت کی مگر پھر کچھ سوچ کر اسے جانے دیا۔

ذوالنون اولیول کرنے کے بعد واپس پاکستان آ گیا اسے
آری کالج میں پڑھنے کا بہت شوق تھا اس لیے وہاب احمد
نے آری میڈیکل کالج اسلام آباد میں اس کا ایڈمیشن کروا

دیا۔ وہ خود بھی چاہتے تھے کہ ذوالنون توشین کے ذریعہ
رہے ورنہ وہ بھی توشین اور نونل کی طرح بگڑ جائے گا۔ ایشین
اور تیمور حسن نے جس طرح اس کی دیکھ بھال اور تربیت کی

تھی اس کا اثر زائل ہو گیا نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ لہذا
انہوں نے ذوالنون کو فل سپورٹ کیا اور ذوالنون سالانہ کی
دستی اور محبت بھی بہت زیادہ تھی۔

رائیل کے آنے سے توشین کے غصے اور بدلے کی
آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے
تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رائیل کو ہر لمحہ آزمائش میں ڈال

رہتی تھیں۔ اسے بے عزت کر رہی تھیں۔ دراصل وہ رائیل
کو دکھ دے کر تیمور اور ایشین کو دکھ دینا چاہتی تھی۔



”توشین آئی کیا میں آپ کے ساتھ آپ کی
یونیورسٹی چل سکتی ہوں؟“ رائیل نے ناشتے کی میز پر

تعمین سے پوچھا۔

”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کی یونیورسٹی کیسی ہے
میں یہاں کی فوٹو گرافس لینا چاہتی ہوں واپس جا کر نیپل
بھائی کو دکھاؤں گی اور آپ مجھے اپنی فرینڈز سے نہیں
ملوائیں گی کیا؟ اور آئی ایم شیوآپ اپنی فرینڈز میں سب
سے زیادہ پریمی ہوں گی۔“ رائیل نے بہت نرمی سے
طریقے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ریتو ہے۔“ تعمین نے اتراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر میں تیار ہو جاؤں۔“ رائیل نے پرجوش

ہو کر پوچھا۔

”ٹھیک ہے مگر جلدی۔“ اس نے جلدی سے جوں ختم
کہا اور تیار ہونے کے لیے دوڑی۔

”واؤ! اس ریلی گریٹ! کیا شاندار عمارت ہے۔“

رائیل نے یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

”آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملواؤں۔“ تعمین یہ

کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے لے گئی جیسے وہ چار پارچے

سال کی بچی ہو اور جیسے شہ میں کھوجانے کا ڈر ہو۔

”ہیلو گئی۔“ زرین اور ہشرہ نے اسے اور رائیل کو

دیکھتے ہی کہا جو آپ اس نے بھی ”ہیلو“ کہا اور ساتھ ہی رائیل

کا تعارف کر لیا۔

”میٹ مائی کزن رائیل فرام لندن۔“

”ہائے رائیل! ٹائس ٹیم۔“ زرین نے مصدقہ لہجے کے

لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”السلام علیکم۔“ رائیل نے اس سے ہاتھ ملاتے

ہوئے سلام کیا تو ان دونوں کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی

بھی کہ انہیں بھی سلام کرنا چاہیے تھا۔ وہ پروٹیس میں رہ کر

اپنے ملک کے مذہب کے طور طریقے پر عمل کر رہی تھی اور

وہ انگریز کی زبان بول رہی تھیں۔

”وعلیکم السلام ٹائس ٹیم یو۔“ ہشرہ نے خوش دلی

ساتھ سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”سیم ہینر۔“ رائیل نے بھی اخلاقاً کہا۔

”زرین! تم لوگ رائیل کو یونیورسٹی دکھاؤ میں

بچ جو دل کو بھاجائے
غلطی مانتے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت
کیجئے کیونکہ سفر جتنا طویل ہوا جائے واپسی اتنی ہی دشوار
ہوتی ہے۔

شکر ادا کرتے رہو اس رب کا جو برداشت سے
زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔

زمانہ بڑے لوگوں کا برائی کی وجہ سے خراب
نہیں ہوتا بلکہ اچھے لوگوں کی خاموشی کی وجہ سے خراب
ہو جاتا ہے۔

زمینگی میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے
بڑا راز یہ ہے کہ پریشانیوں میں گھرا ہونے کے باوجود
ہمت اور حوصلے سے آگے بڑھا جائے۔

موت کی طرح جدائی بھی محبوب کی یاد کو ہندلا
دیتی ہے اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وقت نے سچ
میں کسی کسی دیوار سے کھڑی رومی ہیں۔

ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے
ہیں لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کی ایک نہیں
مانتے۔

ہر حال میں رب کا شکر ادا کرتے رہو بے شک
ذائقہ کائنات وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

ہماری ہر آزمائش کے پیچھے ہماری بھلائی پوشیدہ
ہے کہ ہر آزمائش انسان کو کندن بناتی ہے اور نکھار پیدا
کرتی ہے۔

ناکامی جرم نہیں مقصد ناپست ہونا جرم ہے۔
مسز سائرہ دل پازیرہ..... پورے والہ

ابھی آئی ہوں۔“ تعمین نے ان دونوں سے کہا اور
آگے بڑھ گئی۔ رائیل اصل میں تعمین اور جاوید کے
بارے میں ہی کچھ دیکھنے اور سمجھنے آئی تھی اسے جاوید کو
دیکھنا تھا کہ وہ کیسا ہے؟

”تعمین آپ کہاں گئیں؟“ رائیل نے ان دونوں
سے پوچھا۔

”اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے گئی ہے۔“ ہشرہ نے

نہیں کرتا۔

”تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟“ زرین نے

سوال کیا۔

”نہیں تو۔“

”ریٹی، تعجب ہے۔“ زرین نے حیرت سے ہنستے

ہوئے کہا۔

”ہم جہاں کہیں بھی چلے جائیں دنیا کے کسی بھی خطے

کسی بھی سرزمین پر کسی بھی ملک میں بس جائیں ہمیں

اپنی اقدار کو اپنی جڑوں کو اور اپنے کلچر کو کسی نہیں بھولنا چاہیے

یہ مجھے میرے مہا پاپا نے بتایا اور سکھایا ہے اور یہ جاوید کون

ہے؟“ رائٹل نے زرین سے پوچھا۔

”ہائیں تم نے اس غیبت کو کہاں دیکھ لیا؟“ زرین

نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”دیکھا تو نہیں ہے مگر سنا ہے مئی آپنی اور اس کے سچ

کچھ ہے کیا؟“

”کون ہے سب دھوکا، جھوٹ، فراڈ ہے۔“ زرین

نے برا سامنا کرکھی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”رائٹل تم اگر اپنی اس بے وقوف کزن کو کنویں میں

گرنے سے بچا سکتی ہو تو بچاؤ وہ جاوید اول درجہ کا

فلرٹ ہے۔ بیسیوں لڑکیوں کو محبت کا فریب دے کے

نوٹ چکا ہے اس کا تو کام ہی یہ ہے مئی جیسی بے وقوف

دولت مند لڑکیوں کو اپنے نام الفٹ میں بھنسانا شادی کا

جھانسا دے کر لوٹ لینا۔“ زرین نے جو کچھ بتایا تھا وہ

رائٹل کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

”اومائی گاڈ آیا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

”ٹھیک کہہ رہی ہوں۔“

”آپ میری سیلپ کریں گی مئی آپنی کے سلسلے میں؟“

”ہاں کیوں نہیں مئی میری دوست ہے اور میں

نہیں چاہتی کہ وہ ایک گھٹیا آدمی کے پیچھے اپنی

لائف برباد کر لے۔“

”تو آپ میرے کیم ہیں مئی آپنی اور جاوید کی تصویر کھینچ

دیں کسی طرح اور مئی آپنی کے اپنے موبائل میں بھی۔“

”تو براہ کرم مائی ڈیئر ٹیو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

آج ہی کھینچ دوں گی بلکہ ابھی کھینچ دیتی ہوں انہیں پتا بھی

نہیں چلے گا مجھے پتا ہے یہ میڈیو جیولیسٹ کی جوڑی اس

وقت کہاں تشریف فرما ہوگی۔“ زرین نے چٹکی بجا کر کہا۔

”سچی، ٹھیک یوزری آئی۔“ رائٹل بچوں کی طرح

خوش ہوئی ہوئی اس کے گلے سے لگ گئی تو وہ ہنس پڑی اور

اس کی کمر تھکتے ہوئے بولی۔

”جاوید نے بہت سی لڑکیوں سے زیورات اور رقم لوٹی

ہے محبت کا فریب دے کر ایک رات میں سب کچھ لوٹ

کے بھاگ جاتا ہے۔“ زرین نے مزید تفصیل بتائی۔

”تو پولیس اسے اریسٹ کیوں نہیں کرتی کسی نے اس

کی کسٹین نہیں کی کیا؟“

”کون کرے گا کسٹین؟“ زرین نے اٹختے

ہوئے کہا۔

”لڑکیاں اور ان کے گھر والے اپنی بدنامی کے ڈر

سے خاموش ہو جاتے ہیں اسی لیے یہ دیدہ دلیری سے

شکار کرتا ہے۔“

”اف یہ تو بہت برا آدمی ہے۔ مئی آپنی کو ہمیں ہر حال

میں اس شخص سے بچانا ہے۔“ رائٹل نے ہم لڑکھا۔

”ان شاء اللہ ہم مئی کو پولیس کے تم اپنا سیل نمبر مجھے

دے دو اور میرا سیل نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کر لو تو وقت

ضرورت کام آئے گا۔“ زرین نے اپنا موبائل نکالا اور

دونوں نے ایک دوسرے کے نمبرز سیکر کیے۔

رائٹل نے بواجی کو اتمہ میں لے کر نکلیں اور جاوید کے

ہیئر کے متعلق سب کچھ پتہ چلا اور زرین کے والد جمشید

صاحب آئی جی پولیس تھے، زرین نے وقت پڑنے پر ان

سے مدد لینے کا بھی سوچ رکھا تھا۔ رائٹل اور زرین کی دو دن

میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ رائٹل نے

ایسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے موبائل میں کسی نئی سیم کے ساتھ

نکلیں اور جاوید کی ٹیکسٹور کپارڈ کر لے تاکہ ان کی آئینہ

قدرت مئی کا پتا چل سکے۔ نکلیں اور جاوید سینین کی طرف

جارے تھے بھی ذرین نے نگین کو روک لیا۔

”نگی رو کیا کہاں جا رہی ہے؟“

”چاہئے برگر کا موڈ ہو رہا ہے تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔“ نگین نے اس کی بات کا جواب دینے کے ساتھ ہی اسے بھی آنے کی پیشکش کی۔

”نہیں یاد مجھے ڈرامیٹک سوسائٹی کی انچارج سز شہت نے بلایا اینڈ یونو کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے جان نہیں چھوڑتیں تم میری یہ چیزیں سنبھالو جب تک تم نہ کرو۔“ نگین نے ڈراما سز شہت کی نگاہیں اٹھنے دیکھ کر کہا۔

”گو کے بیسٹ آف لک۔“ نگین نے اس کا موبائل اور بکس پکڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔

راتیل کی ہدایت کے مطابق ذرین نے اپنے موبائل میں ریکارڈنگ سسٹم آن کر دیا تھا۔ موبائل کور میں تھا مگر ریکارڈنگ ہو سکتی تھی۔ نگین اور جاوید نے کینٹین پہنچ کر چائے اور برگر منگوائے۔

”ہاں تو ڈارلنگ کیا سوچا ہے تم نے؟“ جاوید نے اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”مگر سے بھاگنے کے لیے۔“ وہ مذاق سے بولا۔

”جاوید تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔“ نگین نے خفگی سے گھورا۔

”سو ری جان! تم بھی تو احمقانہ بات کر رہی ہو، بات طے ہے کہ تمہارے پیرش ہاری شادی کے لیے کبھی راضی نہیں ہوں گے تو اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو بس یہی ایک راستہ ہے کہ ہم بھاگ کر شادی کر لیں بعد میں ہم ان سے معافی مانگ لیں۔“ جاوید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ برگر کھاتے ہوئے بولی۔

”تو تم کوئی بہانہ بنا دو دو تین دن کے لیے ہم ساتھ تو

”ہوں ٹھیک ہے مگر کب؟ اور گھر والے مجھے گھر میں نہ پا کر پریشان ہوں گے میری تلاش میں نکلیں گے تب ڈیڑی کو بہت دکھ ہوگا جاوید۔“

”تو تم کوئی بہانہ بنا دو دو تین دن کے لیے ہم ساتھ تو

کمر جا بیک
پولیس..... یہ پیٹ ماٹے اور
چور..... صفائی کرے ذرا ہٹ کے
ڈاکو..... ہر اٹھا کہ چیو
محکمہ صحت..... خالص تو سب کچھ ہے
ڈاکٹر..... شاید زندگی شاید موت
صدر..... جیسے چاہو چیو
ایٹنی کرپشن..... یہی تو ہے دو غلامین
آسپلی..... چھوڑو مگر ماری ہو کول پار
سیاستدان..... رو پیہ کھا پیا ہضم کیا
راستی انسر..... کھاؤں گا آہیں تو بڑا کیسے ہوں گا
صحافی..... نام ہی کافی ہے
جواری..... یہی تو زندگی ہے
شوہر..... پٹائی سے طبعیت صاف چہرہ شاداب
رمشاہ عظمت..... صدف بخار..... بوسال مصور

ری ہیں گے ناں کورٹ میرج کے بعد۔“

”میں اسٹڈی ٹور کا بہانہ بنا دیتی ہوں کیسا ہے؟“

نگین اپنے ہی خیال پر خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہاں یہ اچھا ہے گا کیونکہ اسٹڈی ٹور تو ایک ہفتے کا ہوتا ہے۔ بس یہی ٹھیک ہے۔“ نگین نے اپنے زیور کپڑے ساتھ لے آتا میں تمہیں کہیں بنا دیکھنا چاہوں گا کورٹ میرج کے بعد اور ہم شادی اسلام آباد جا کر کریں گے وہاں میرا ایک دوست ہے وہ سارا انعام کر دے گا۔“ جاوید نے سوچی سمجھی پلاننگ سے اس کا گاہ کیا۔

”مگر ہم کورٹ میرج تو یہاں بھی کر سکتے ہیں اور کہیں جانا بھی نہ پڑے ہم روز ملتے آہیں یہاں۔“ نگین نے ہاتھ پیرا اور کچھ پریشانی سے کہا تو وہ انسر دہی سے بولا۔

”نگین ہے بی مائی ڈارلنگ تم شاید خوف زدہ ہو رہی ہو۔“

”مگر تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو ہم یہ بات نہیں ختم کر دیتے ہیں تمہیں بھی لڑکے مل جائیں گے شادی کے لیے اور لڑکیوں کی کمی تو میرے لیے بھی نہیں ہے۔ بس یہ دکھ ساری عمر رہے گا کہ جسے اپنا اسے پاتہ سکا شریک

زندگی نہ تار سکا۔

”جانے دیں نا جانے گی تو طبیعت بھی بہل جائے گی۔“ تو کلین نے بھی اس کی حمایت کی تو وہ فوراً بولی۔

”جی ڈیڈی میری سب فرینڈز جارتی ہیں، ہم خوب انجوائے کریں گے، اسلام آباد سے مری سوات اور ہنزہ ویلی، اف ڈیڈی مجھے تو سوچ کر ہی اتنی ایکسٹریٹ منٹ ہو رہی ہے، وہاں جا کر کتنا مزہ آئے گا۔ جانے دیں نا پلیز۔“

”ایک تو مجھے ان پوٹو، شو والوں کی سمجھ نہیں آتی اسٹڈی ہوتی نہیں ہے اور اسٹڈی ٹور پر سیر کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے چلی جانا مگر وہاں سے رہنا اور مجھ سے رابطے میں رہنا، گرم کپڑے رکھ لینا، اور کچھ رقم اپنی ماں سے لے لینا، پیسوں کی ضرورت وہاں بڑی رہے گی۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

”تھینک یو ڈیڈی، تھینک یو سوچ۔“



کلین اپنا سامان پیک کر رہی تھی اپنے اور کلین کے تمام سونے کے زیورات اس نے ایک بیگ میں رکھ لیے تھے، وہاب احمد کی الماری سے دو لاکھ گھنٹہ پہلے ہی نکال چکی تھی جو انہوں نے بینک بند ہو جانے کے باعث گھر میں رکھ لیے تھے تاکہ پیر کو آفس جاتے وقت ساتھ لے جائیں اور بینک میں جمع کرادیں۔ کلین اپنے ذریعہ رکھ رہی تھی کہ راتیل اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ کلین اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا رقم کا لفافہ نیچے لڑ گیا اور نوٹ لفافے کے منہ سے جھانکنے لگے۔ جنہیں جس سرعت کے ساتھ کلین نے لفافے میں داخل ڈالا تھا، راتیل نے اسی تیز نگاہی سے دیکھ لیا تھا کہ لفافے میں خاصی کثیر رقم ہے۔

”تم اس وقت کیا بات ہے؟“ کلین نے رقم کا خاکی لفافہ اپنے بیگ میں رکھتے دئے اس کی طرف استہماسیہ نظروں سے دیکھا۔

”مجھے نیند نہیں آ رہی تھی میں یوریت محسوس کر رہی تھی

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا، ہم کل ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں مجھے کسی اور سے شادی نہیں کرنی، میں کل ہی اپنا سامان لے کر آ جاؤں گی۔ تم بنگلہ کروالو۔“ کلین نے فوراً دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا فیصلہ بنا دیا۔

”یہ ہوئی نا بات کلین، آئی ڈیز، آئی لو یو سوچ۔“ جاوید نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔

”ہاں.....“ بشرہ کی آواز پر کلین اٹھ کر اس کی بات سننے چلی گئی تو جاوید نے اپنے موبائل پر مسلسل آئی کال اینڈ کی۔

”ہائے میری جان! سورن ڈارنگ! میں مینگل میں پھنس گیا تھا، سوری رونا ڈیز، ہم رات کو مل رہے ہیں نا۔“ جاوید بہت پیار دلدار سے بات کر رہا تھا دوسری جانب اس کی گرل فرینڈ رمانٹی جسدہ اپنی محبت کے جال میں پھنسا چکا تھا۔

”پی سی میں بنگلہ ہے آج رات کی اور اگلے ہفتے ہم اسلام آباد مری کی سیر کو نکلیں گے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور اس کی یہ باتیں زرین کا موبائل اپنی سوری میں دیکھا کر رہا تھا۔



”ماشاء اللہ آج تو ذریعہ پر پوری فیملی موجود ہے، شہریت ہے نا؟“ وہاب احمد نے رات کو کھانے کا میز پر سب کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں علی کے سوا سبھی موجود تھے۔

”اچھو لی ڈیڈی مجھے سنو، ٹور پر جانا ہے یونیورسٹی کی طرف سے آپ کی اجازت، چاہیے گی۔“

”کتنے دن کا ٹور ہے؟“ وہاب احمد نے کلین کے چہرے کو دیکھا، بڑا نہیں کچھ گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ہاتھ میں چیخ تھا مگر ہاتھ کا نپ رہا تھا۔

”ایک ہفتے کا۔“ اس کی زبان سے پھسلا۔

”تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ مجھے تمہاری طبیعت

ٹھیک نہیں لگ رہی گی، مینا تم گھر پر آرام کرو۔“

سوچا آپ کے پاس جا کر کچھ دیر گپ شپ کر لوں۔“
 راتیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
 ”تو تم ٹی وی دیکھ لو میں تو پیکنگ میں معروف ہوں۔“
 ”کل شام کو جا میں گی نا آپ۔“

”ہاں۔“

”میں نے سنا ہے کہ مری سوات اور ہنزہ ویلی
 میں تو لوگ شادی کے بعد ہی مون منانے جاتے
 ہیں۔ ازارٹ ٹرو؟“

”ہوہا جاتے تو ہیں یہاں لوگ چھٹیاں گزارنے کے
 لیے اپنی فیملیز کے ساتھ بھی جاتے ہیں۔ ٹیلی اور فرینڈز
 کے ساتھ خوب مزا آتا ہے ہمیں ذوالنون لے کر گیا تھا
 پچھلے سال سرور کی عینو میں ٹوفل اور ڈیڈی بھی ساتھ تھے۔
 نام نہیں گئی تھیں۔ کسے تو ہم تین دن کے لیے تھے مگر بہت
 انجوائے کیا تھا۔ ہم سب نے ذوالنون کو بہت شوق ہے
 ٹیلی کے ساتھ رہنے کا آؤنگ پر جانے کا کہیں لگانے کا
 شاید وہ ہم سے زیادہ عرصے دور رہا ہے نا تو اسی لیے وہ ہمیں
 مس کرتا ہے بہت کیڑنگ بھائی ہے میرا۔“ ٹکین نے
 کیوں خود بخود بتائی چلی گئی شاید جارہی تھی اس خیال سے یا
 پھر اسے کوئی چاہیے تھا اپنی باتیں شیئر کرنے کے لیے۔

”اور ٹوفل۔“

”ٹوفل تو میرے جیسا ہی ہے۔“ وہ ہنسی میں
 افسردہ سی لگی تھی۔

”موتا پ کس کے جیسی ہیں؟“

”میں.....“ ٹکین نے لپٹے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کا
 چہرہ دیکھا۔ ”میں وہی ہوں جو نام ہیں سنا ہے بیٹیاں اپنی
 ماں کا ٹکس ہوتی ہیں۔“

”آپ اپنی ماں سے زیادہ پیاری اور حساس ہیں۔“
 راتیل ایک دم سے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اسے گرم
 جوش سے سینے پالو اس کے گال پر بوسوںے کر مسکراتی ہوئی
 کمرے سے باہر نکل گئی۔ ٹکین جیسے اس کے اس پیار پر سن
 سی کھڑی رہ گئی تھی۔



دک
 ساتھ چلنے والے جب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں وقت
 تقسیم نہیں جاتا، کوئی مر نہیں جاتا، کوئی مر بھی جائے تو
 زندگی نہیں رکتی۔ راستوں کو چلنا ہے راستے تو چلتے
 ہیں۔ یار دوست ملتے ہیں، زخم ایسے سلتے ہیں، بس عمر
 کٹ ہی جاتی ہے۔ کچھ سفر افریقہ کو بس منزلیں نہیں
 ملتیں۔ نہ جانے کیوں پھنڑ جاتے ہیں وہ لوگ جن کی
 یادیں بن جاتی ہیں عمر بھر کا رول۔
 عائشہ لیم..... اور گئی ناؤن کراچی

علی کو آتے دیکھ کر ٹوشین نے فوراً ٹیلی فون کارڈ سیور
 اٹھایا اور اونچی آواز میں بولنے لگی۔

”دس ازارنگ نمبر مشرفہ شکالی آگین۔“

”ہزار بار کہہ چکی ہوں۔ یہاں کوئی راتیل نہیں
 رہتی مگر مجال ہے جو ان گور۔ ہم بختوں کے کان پر جوں
 تک رہتی ہوں میں چھ دفتہ فون کریں گے۔ راتیل
 سے بات کرادو میں ان کی نوکرانی ہوں جو اس سیم صاحبہ
 کو بلاتی پھروں۔“

”کیا ہوا ممانی، اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟“ علی
 حسب توقع ان کی باتیں سن چکا تھا ڈرائنگ روم میں داخل
 ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

”اور سے بیٹا غصہ نہ کروں تو کیا کروں؟ کبھی کسی جان کا
 فون آ رہا ہے، ہمیں مائیکل کا تو کبھی کرس کا راتیل کے لیے
 دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اس لڑکی کی حرکتوں نے تو
 مجھے دیکھنے میں کتنی معصوم اور بھاری بھالی ہے اور کام دیکھ لو
 اس کے پتا نہیں کتنے ہوائے فرینڈ ہیں سیم کے۔“ ٹوشین
 نے تاسف زدہ لہجے میں کہا تو علی نے نرمی سے کہا۔

”تو آپ راتیل سے کہیے کہ وہ اپنے دوستوں کو
 اپنے موبائل سے کال کر کے اپنا موبائل نمبر دے دے
 تاکہ وہ آپ کے گھر کے نمبر پر بار بار کال کر کے آپ کو
 ڈسٹرب نہ کریں۔“

”ہاں سیکرٹا پڑے گا اب تم نے کھانا کھایا بیٹا۔“

”میں ممانی میں چھینچ کر لوں پھر کھاؤں گا۔“



وہیں کھڑا تھا اور نچلا ہونٹ، انہوں تلے دہائے جانے کیا سوچ رہا تھا اس کی باتوں سے اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے نوشین کی باتیں سن لی تھیں اور یقیناً اسے بہت دکھ بھی پہنچا تھا اس کی سیاہ آنکھوں میں امنڈتے پانیوں کو وہ دیکھ چکا تھا۔ جسمی دل مضطرب تھا کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔



”بڑی ہی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ راتیل نے موقع دیکھ کر وہاں احمد سے کہا وہ ناشتے کے بعد آفس جانے کے لیے باہر نکل رہے تھے۔

”ہاں کہو بیٹی کیا بات ہے؟“ وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

”کیا ہم اسے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟“

”کیا ہوا کچھ گڑبڑ ہے کیا؟“

”جی اگر روکا نہ گیا تو بہت بڑی گڑبڑ ہو سکتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ محل سے میری پوری بات سن لیں۔“ راتیل نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔



”اوکے اور دم میں محل کی بات کرتے ہیں۔“

”آ ختم اتا اتراتے کیوں ہوں؟“ کرن نے غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے ذوالنون کلباز کو پکڑ کر کھینچا تھا۔

”آف جنگلی بیٹی“ ذوالنون کراہ کر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا۔

”آ ختم سمجھتے کیا ہو خود کو؟“ راج تپاسی دو بچھے“ کمر پر ہاتھ رکھا سے کڑے تیوروں سے گھور رہی تھی۔

”تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“ ذوالنون چڑھ کر بولا۔

”کبھی کوئی خوب صبرت خود رو ہینڈ سم لڑکا نہیں دیکھا کیا؟“

”دیکھا ہے دیکھ رہی ہوں میری نظروں کے سامنے ہے۔“ کرن اس کے چہرے کو بے خودی سے نکتے ہوئے بولی۔

”تو کیا نظر لگاؤ گی مجھے؟“

”ٹھیک ہے میں شنو سے کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا گرم کرے۔“ نوشین نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”ٹھیک پومانی۔“ وہ مسکراتے ہوئے تشکر سے بولا۔

وہ گیسٹ روم سے باہر نکل رہا تھا تو راتیل کو پھولوں کے کج کے بیچ بیٹھے دیکھا وہ گھنٹوں پر بازو اور سر رکھے سوچوں میں گم تھی۔

”راتیل.....“ علی نے اس کے قریب جا کر اسے پکارا۔

”آپ.....!“ وہ چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟“ علی نے اس سے سوال تو کر لیا مگر محل سا بھی ہو گیا تو وہ اس پر شک کر رہا تھا راتیل کو بہت دکھ ہوا تھا وہ کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیز لہجے میں بولی۔

”ہاں ہے میرا بوائے فرینڈ مگر مائیکل جان یا کرس نام کا کوئی لڑکا میری زندگی میں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اپنے کسی بوائے یا گرل فرینڈ کو اس گھر کا فون نمبر دیا ہے۔ میرے فرینڈز کے پاس میرا موبائل نمبر ہے انہیں جب بھی مجھ سے بات کرنی ہوتی ہے وہ مجھے میرے موبائل پہ کال کر لیتے ہیں۔“

”دیش گڈ۔“ علی یہی کہہ سکا۔

”بات چتا ہے کیا ہے مسٹر علی!“ راتیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس نے اسے مسٹر علی کہہ کر مخاطب کیا تھا وہ بری طرح ٹھنکا تھا۔

”جموٹ بولی کر انسان کسی دوسرے کا کردار اظہار نہیں کر رہا ہوتا ورنہ اسل وہ اپنے کردار کا پرچار کر رہا ہوتا ہے کہ اصل میں وہ خود کیا ہے؟ انسان اپنی خامیاں اپنی کمزوریاں اور اپنی چھوریاں دوسرے میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک دم اس کوشش میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے اپنی آن بان کھودتا ہے۔ کتابے ڈوف ہے نا انسان؟“ راتیل جا چکی تھی اپنی بات مکمل کر کے مگر علی

”میں نے نظر اتاروں گی تمہاری اگر تم بھی پیار کی نظر سے دیکھو تو۔“

”اے..... اے ہوش میں آؤ محترمہ اپنی عمر دیکھو اور اپنے ارادے دیکھو میں نہایت شریف لڑکا ہوں۔“ ذوالنون نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”تو میں کون سا تم سے بد معاشی کرنے کو کہہ رہی ہوں۔“ کرن نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”تو آخر چاہتی کیا ہو تم؟“

”میں چاہتی ہوں کہ تم..... مجھے چاہو۔“ اس کے بے باک اظہار پر وہ ہلکا سا رہ گیا۔ کرن اس کے سنہرے کرل ابرو کی بیٹی جی آری کے اظہار تربیت کی وجہ سے خاصی بے باک لگی ماحول کا اثر تھا شاید۔

”کیوں؟“ ذوالنون کو پیچھے ہٹنے سے ڈنک مارا وہ وہ چلا اٹھا۔

”تم میں کون سے سرخاب کے پرے لگے ہیں جو میں تمہیں چاہوں؟“

”محبت کی نظر سے دیکھو گے تو سرخاب کے پر بھی نظر آنے لگیں گے۔“ کرن نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ابھمن آ میر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گوری جتنی اٹھارہ سال کی خوب صورت لڑکی تھی، گھٹکھریا لے بالوں شریقی آنکھوں سے تو بالکل کوئی گزیا لگتی تھی۔

”تو نظر آئے؟“ کرن نے پوچھا۔

”کیا؟“ اس نے بھنویں سکھیں۔

”سرخاب کے پر اتنے غور سے بوندیکہ رہے تھے مجھے۔“

”غور سے دیکھ رہا تھا، محبت سے نہیں دیکھ رہا تھا۔“ ذوالنون نے کہا کرتا کے بڑا زیادہ اس کے پیچھے لگی۔

”ذولی۔“ کرن نے اس کا نام پیار سے پکارا۔

”اے میرا..... نام ذوالنون ہے زیادہ فریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔“ ذوالنون نے رک کر

شہادت کی انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا۔

غزل
ہوش کب جان جگر آئے گا
تیرا چہرہ جو نظر آئے گا
شاخ مڑگاں پہ یہی جان جاں
تیری یادوں کا شمر آئے گا
کیا خبر تھی غمِ دُراں کا رنگ
غمِ جاناں میں اتر آئے گا
میرے خوابوں کا حسین شہزادہ
نے کے خوشیوں کا خبر آئے گا
منظر پائے گا ہم کو اپنا
جب بھی ثلوت کے گھر آئے گا
شاہ آئی تو وہ دیکھ چہرہ
چاند تاروں میں نظر آئے گا

احشاء مہجھامہ.....

”میں نے تو تمہیں پیار سے ذولی کہا ہے۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولی۔

”میں نے تمہیں ایسا کوئی حق نہیں دیا۔“

”تو دے دو نا۔“ کرن نے مصومیت سے کہا تو ذوالنون کے دل میں الجھن سی بڑھ گئی۔ وہ پچھلے ایک مہینے سے کرن کو نظر انداز کر رہا تھا۔ لگا رہا تھا مگر وہ پھر بھی اس کے پیچھے چلی آتی تھی۔

”دیکھو کرن ہماری عمر اپنی تعلیم پروفیس کرنے کی ہے، ان فضولیات میں وقت برباد کرنے کی نہیں ہے۔“ وہ غزلی سے اسے سمجھانے لگا۔

”تم محبت کو فضولیات سمجھتے ہو ذولی سیدہ جب تمہیں محبت ہوگی نا تب پوچھوں گی۔“ کرن نے غصے سے کہا اور وہ ہنسنے لگا، کرن روٹی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

”یار..... میں کدھر کبھی گیا؟“ وہ جھلا کر بولا۔

”میں یہاں میڈیکل پڑھنے آیا ہوں اور یہ لڑکی مجھے کوئی اور ہی سبق پڑھانا چاہتی ہے۔ کرنل ایما کو پتا چل گیا تو وہ اپنی لاڈلی کو تو کچھ نہیں کہیں گے نا، مجھے ہی ڈس مس کہیں گے۔“ کرنی آزاد خیال ٹیبلیز ہیں یہاں آری وانوں

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 219

کی لڑکے لڑکیاں سب ہی ایک ڈگر پر چل رہے ہیں۔“
 کرن ڈوالٹون سے دو سال جونیئر تھی اس کے ہیڈ کٹرل
 ڈاکٹر ایرار ملک کی بیٹی تھی ڈوالٹون کی ذہانت اور شخصیت پر
 مرثی تھی۔ سالانہ فنکشن میں اس نے ڈوالٹون کے ساتھ
 ہلکسیئر کے ڈرامے ’رومیو جیولٹ‘ میں اداکاری کی تھی۔
 دونوں ہیرو ڈیروئن تھے۔ ان کا وہ ڈرامہ بہت زیادہ پسند کیا
 گیا۔ دونوں بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ رومیو
 جیولٹ کے گیٹ اپ میں سب حاضرین نے ان کی
 اداکاری کو بہت سراہا تھا۔ ڈوالٹون چونکہ لندن کی ڈگری
 لے کر آ رہی تھی اس لیے بھی اس کا انداز لب و لہجہ
 انگریزی تھا اور ایک کرن ہی کیا کالج کی کئی لڑکیاں اس پہ
 دل ہار گئی تھیں مگر ڈوالٹون کی دوستی صرف عبید اور کریم سے
 تھی۔ کرن تو تب سے اس کے ساتھ بچپن سے ہی تھی جب
 سے انہوں نے رومیو جیولٹ کا کردار کیا تھا۔ کرن کو تو دن
 رات سوئے جاتے جاتے ڈوالٹون ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ اسی
 کے خواب دیکھتی رہتی مسکراتی رہتی۔ وہ ڈوالٹون کو پیار بھری
 شاعری ایس ایس کرتی وہ کوئی جواب نہ دیتا بلکہ اسے
 سمجھاتا کہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ زندگی ٹالو اور
 ڈراموں کے حساب سے نہیں اپنے حالات کے حساب
 سے گزارنا پڑتی ہے۔ مگر کرن کے سر پہ تو اس کے پیار کا
 بھوت سوار تھا وہ بھلا کہا کبھی تھی ان باتوں کو، تو ان
 خوابوں میں ہی جینا چاہتی تھی جن میں ڈوالٹون اس کے
 ساتھ ہوتا تھا۔



تکلیں کو جاوید کا بیج مہربان ہوا تھا۔ اسے ’ڈائمو بس
 سروں‘ کے اڈے پر پہنچا تھا اور تکلیں نے نوشین اور وہاب
 احمد کو بھی بتایا تھا کہ یونیورسٹی بس سے جانا ہے۔ سب
 اسٹوڈنٹس، ایجنڈہ لے کر جا کر وہاں سے ایک ساتھ روانہ
 ہوئے۔ وہ گھر سے اکیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت
 کبھی موجود تھے۔

”ہاں بھئی لگی تیار ہو۔“ وہاب احمد نے اسے دیکھتے
 ہوئے پوچھا تکلیں نے ایک بڑا سوٹ کیس اور ایک چھوٹا

سفری بیگ پکڑ رکھا تھا۔
 ”جی ڈیڈی۔“ وہ کچھ عیراری تھی۔
 ”چلو میں تمہیں یونیورسٹی تک ڈراپ کر دیتا ہوں
 تمہارے پرنسپل اور پروفیسر نوادر مرزا سے بھی اس بہانے
 ملاقات ہو جائے گی۔“

”نن..... نہیں ڈیڈی آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں
 میں ڈرامہ کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ تکلیں نے ہلکاتے
 ہوئے کہا اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

”بیٹا تکلیف کیسی میرا فرض ہے تمہاری حفاظت کرنا
 تمہیں سچ راستے پر لے جانا آؤ شاہاں۔“

”ڈیڈی میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ آپ مجھے انگلی پکڑ کر
 اسکول یونیورسٹی چھوڑنے جائیں میں اب بڑی ہو گئی ہوں
 اور خود جا سکتی ہوں۔“ تکلیں نے تیز اور قدرے گستاخ لہجے
 میں کہا نگلی اور راتیل کو اس کا پانچواں قطعہ نہ بھلیا۔

”دکھ تو اسی بات کا ہے، بیٹی کہ تم بڑی ہو گئی ہو تم جیسی
 بیٹی کو تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔“ وہاب احمد کے اس
 جملے نے نہ صرف تکلیں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی
 تھی بلکہ سب گھروالوں کے سر پر بھی حیرتوں کے پہاڑ توڑ
 دیئے تھے۔ تکلیں کے ہاتھوں سے بیگ چھوٹ کر نیچے گر گیا
 تھا وہ بری طرح شیشا چکی تھی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو وہاب احمد؟“

(ان شاء اللہ بانی آئندہ روز)





خدا شہادت
سے ہے



افسردگی کے ہاتھوں جل جل تھک گئے ہیں

اے دل ذرا ٹھہر! ہم جل جل کے تھک گئے ہیں

جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو

ہم اہل خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں

کے چاند میں ابھی تک۔ نازگی تھی لیکن رباب کے دل کا
بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ سربا کی اس نچ بستہ رات کے پچھلے
پہر عباس شاہ کے اتنا ر کے لمحے ایک ایک کر کے رباب
کے سر ہانے کھڑے اور ٹھہرے تھے۔

”وہ ضرور آئے گا۔“ دل نے امید کا سراپ بھی تھام
رکھا تھا وہ گلٹی بانہ سے اس سیاہ آنٹی گینت کو گھور رہی تھی۔

”عباس شاہ تم مجھ سے دور رہ کر خوش رہتے ہو۔“ اس

کی بے حسی پر پھر سے دل نے دایوٹا مچایا ایک بارگی

دھڑکنیں تیز ہو کر اعتدال پر آ گئیں۔ تب رباب شاہ نے

پردے برابر کر دیئے اب سر سے اس نئی مدھم روٹی اسے

اپنے حصار میں۔ لہجہ تھی۔ امید فاس کے خاکچوں پر

رہنے دینے ایک ایک کر کے بھیننے لگے۔ وہ پیلہ برسات گئی تو

اس نئی سیاہ آنکھیں میں۔ سیاہ مہیب رات کے ستاروں میں

ساون بھاؤں رات کو باغیچوں کو کر رہی تھی۔

”عباس شاہ وہ پتھر کے تم آج پھر سنا سکتے اگر تمہیں

میرتی ذرا بھی پروا ہو تو تم ضرور آتے۔“ اچانک رباب

کی نگاہ ٹکے کے قریب پر سے موبائل پر پڑی۔ سناچ چمک رہا

تھا اس نے جلدی۔ سناچ کھولا۔

”پلیز پلیز رابی فون ان او۔“

”ہوں...“ اس نے زور سے پیشانی پر ہاتھ مارا فون

کی آواز تو بند تھی۔ کوئی اس سے اوپر عباس کی کافر تھیں وہ سختی

سے نچا اور سناچ کھلتی تھی۔ کوئی نہیں رہی تھی۔

”پلیز عباس...“ فون پر اس نے کہا۔

”رابی یار فون پر اس نے کہا۔“

کی فون پر اس نے کہا۔

”میرے لفظ انتہائی عقیدت سے تمہاری محبت کی تسبیح
پڑتے ہیں جو میں نے پل پل تمہاری پرستشوں میں ادا
کیں۔“ رباب کے دائیں ہاتھ کی پشت اب بھی شیشے کی
اس دیوار پر منبھوٹی سے جھی ہوئی تھی جس کے سامنے وہ
جانے کب سے کھڑی تھی۔

”عباس شاہ میں نے اپنی اس جنونی محبت کو بکھرنے

سے بچانے کی بھرپور سعی کی... تم نے مجھے چاہنا چاہا

میں آج تک دُوق سے اس کا خواب نہیں تلاش کر پائی

تم سے پاگل پن کی حد تک لے جانے والی شدت

پسندانہ محبت کرنے کا فیصلہ بھی تو میرا تھا۔ کوئی کیا سوچتا

ہے میں تو صرف اپنی مرضی کے رنگ اپنی سوچوں میں

بھرنے کی عادی تھی۔ عباس شاہ ایسا تم کیوں نہیں مان

لیتے روز اول سے ہم دونوں ایک۔ دو جے کی تقدیر میں لگو۔

دیئے گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کیوں ناں اپنے

مٹکیتر غرار احمد کی بن سکتی۔ میرے احساسات کی سچائی

مجھے باور کراتی ہے یہ سب رباب کی مرضی تھی۔ ہم دونوں

اپنی اپنی جگہ سچے ہیں۔ الوہی پاک۔ ہڈ بے انسان کے

اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔“ رباب اپنی خود ساختہ

سوچوں قیاس آرائیوں کو اپنی من چاہی سوچ کے تابع

اپنے من پسند دماغیوں پر چلانے کی عادی تھی۔ عباس

بھی رباب سے محبت کرتا تھا لیکن رباب کو عادت

ہو چکی تھی۔ بنا اختیار۔ میں نہیں بھگتے رہنے کی۔

”عباس شاہ تم نے مجھ سے چاہا۔“

میں نہیں اہم تک۔ چاہتی رہوں یہ میرا حق ہے اس ڈنڈے

سے تم مجھے روکنے چاہو گی تو نہیں روک سکتے۔“ آدھی رات

آنجل مارچ ۲۰۱۵ء

"سوری عباس' فون کی بیل بند تھی۔" وہ کیوں بتاتی کہ اس کے انتظار میں وہ کیسی کیسی اذیت سے دوچار نہیں ہوئی۔

"اسلام آباد سے تو میں شام سات بجے نکل آیا تھا اس وقت میں کھار کے قریب ہوں، بارش بہت تیز ہو رہی ہے آگے کے راستے خطرناک ہیں۔ ان حالات میں ذرا ٹیوٹنگ کرنا صحیح نہیں ہے میں رات بسیں رک جاتا ہوں یہاں۔ صبح صبح نکل آؤں گا تم میری فکر نہ کرنا۔"

"اچھا عباس تم اپنا بہت خیال رکھنا۔" اس کے دل پر پڑا بوجھ قدرے کم ہوا۔ عباس عین دن سے اسلام آباد میں تھا۔ جہاں اسے بہت اہم پروجیکٹ ٹینڈر اپروڈ کرنا تھا اپنی نئی کنسٹرکشن کمپنی کے لیے اور ان کی کنسی کے شیئر ہولڈر بلال احمد بھی عباس شہاؤ کے ساتھ تھے۔

"رانی خاموش کیوں ہو رہے، بابا میں خیریت سے ہوں بلال احمد میرے ساتھ ہے۔" رباب کی ادا سی محسوس کرتے ہوئے عباس کی سنہری براؤن آنکھیں اوجھل ہونے لگی تھیں۔

وہ ایسی ہی تھی زیست کے ہر لمحہ میں اپنی مرضی اپنی پسند کو اہمیت دینے والی اس کی تمام خودداری اگلو پوری دنیا کے لیے تھی، لیکن عباس کے لیے نہیں، عباس اس کا جنون تھا۔ عباس کے لیے ایسی شدید محبت خدا ہی نے اس کے اندر پیدا کی تھی۔

.....

معین الدین اور عارف ایک خوش حال، نرمی گزار رہے تھے، معین الدین پولیس میں ڈی ایس پی تھے جب رباب کی پیدائش ہوئی تو وہ ایس پی کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ معین الدین رباب کو اپنے لیے بہت لگی سمجھتے تھے انہوں نے ہمیشہ اپنے فرائض نہایت ایمان داری سے ادا کیے وہ حلیم طبیعت کے تھے جو محض مزاج کتا دی تھے۔ عارف ان کے برعکس تھے۔ بیوی کا لائف اسٹائل جیسا بھی تھا انہوں نے کبھی مباحثت نہ کی۔ عارف نے ہمیشہ اپنے گھر کو بہترین خریدتے سے چندل کیا تھا۔ بچوں کی بھی وہ اچھی

تربیت کر رہی تھیں۔ عارف کو گھبراہٹ سوشل حلقہ بنانا ایسا کوئی شوق نہیں تھا وہ مکمل گھریلو خاتون تھیں، وہ اپنی اس جنت میں خوش تھیں، میاں بہوی میں انڈر اسٹینڈنگ تھی جب کسی بات پر اختلاف ہوتا تو معین الدین کو ہی درگزر کرنا پڑتا، رباب کے بعد حادثہ اور واقعہ تھے۔

عارف کی خواہش تھی خدا انہیں پہلے بیٹا دے لیکن رباب آگئی جس کی انہوں نے کبھی خواہش نہیں کی تھی لیکن معین الدین رباب کی پیدائش پر بہت خوش تھے۔ پنک لمبل میں کٹی گول مٹول چمک دار آنکھوں والی رابی اب انہیں بہت پیاری لگنے لگی تھی۔ یہ تو پیری تھی پری۔ وہ وہ روئی جیسے اس کے گال چھوتے اب، بھی ہر مل عارف کے دل میں بیٹے کی خواہش ہسکتی ان کی سچائی سے مانگی گئی دعاؤں کے بدلے سال بعد ان کی گود میں حادثہ آ گیا، عارف کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی حادثہ کو گود سے سنا تا رابی، رباب، کوہ، کسیر بھول چکی تھیں۔ پندرہ ماہ کی رباب کو گورنس گل پلوشہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ گل پلوشہ پڑھی لکھی سمجھدار کی تھی ایسٹ آباد سے تعلق رکھتی تھی، معین الدین نے شیلٹرز روم سے اسے بلوایا تھا۔ گل آن گود میں رابی کیا آئی اسے زمکی ایک دم سے خوب صورت لگنے لگی۔ رباب ماں سے زیادہ گل کو پہچانتی تھی۔ حادثہ ابھی ایک سال کا تھا تو رافع اس دنیا سے آ گیا۔ اب عارف کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی دونوں بیٹوں کی کسیر میں وہ عین چکر بن چکی تھیں، رابی، کتا جانے سے تو رباب اب مکمل اگنور ہونے لگی تھی۔ اس روز وہ ماں کے قریب بیٹہ پڑ کر بیٹھتی تھی۔

"ماما بھائی کو میری گود میں لائیں۔"

"میری جان بھائی ابھی بہت چھوٹا ہے بڑا ہو جائے گا پھر آپ اسے اٹھانا دونوں؛ مائی سورہے ہیں آپ شور نہیں کرو۔"

"ماما تھوڑی دیر کے لیے میں آپ کے پاس لیٹ چؤں۔" رباب نے ماں کو دوسری جانب سرک کر لٹا چاہا۔

”میری جان بھائی ڈسٹرب ہوں گے ماں۔“ عارف نے رباب کا گال تھپتھپایا لیکن وہ بھندھی ماں کے پہلو میں لیٹنے کے لیے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

”جاؤ گھل ماں کو دیکھو وہ کہاں ہیں ان سے بولنا آپ کو چھپس بنا کر دیں جاؤ شاہاں میرا بیٹا۔“ عارف نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ سے نیچا اتارا۔

”ماما مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔“ وہ روہا ہنسی ہوتی دو بارہ ہیڈ کے کنارے پر تک گئی۔

”راہی کہنا کیوں نہیں مانتی ہو بھائی اٹھ جائیں گے۔“ عارف ڈپٹ کر بولیں اور اسے بازو سے پکڑے دروازے کی طرف دھکیلا۔ وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سسکیاں رو کے تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔

”آپ کہاں تھیں گل ماں۔“ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ گل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

”مائی سویٹ ہارٹ کیا ہوا؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر گل تڑپ اٹھی۔

اس دن کے بعد رباب کبھی ماما کے کمرے میں نہ گئی۔ جب پاپا آفس سے آتے تو پاپے رباب کے کمرے میں آتے اسے گود میں بھر لیتے رباب لاشعوری طور پر ماں سے متنفر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے ماما سے خوف آنا پھر مجھے

بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیں گی۔ ذہن پر ہمیشہ ماما حادث اور رافع کو ہی ڈسکس کرتی جیسے ان کی طرف دوسری

اولادیں ہیں۔ رباب فوراً کلاس میں گئی نہ ہی سمجھدار تھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ماما سے کتراتا ان سے خائف رہنا بھائیوں کو تھکیا، نگاہوں سے گھورتا اس کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ بھائی اس کے قریب آنا چاہتے لیکن

وہ ماما کی نگاہ بچا کر انہیں زور سے چٹکیاں کاٹتی۔ وہ بلبلا اٹھتے تو وہاں سے ٹھسک جاتی کئی مرتبہ رباب نے رافع کے بازو میں اسی طرح اپنی انگلیاں پیوست کی تھیں جیسے ماما

نے ایک بار رافع کی خاطر زور سے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔ ایسا کرنے سے رافع کو چند

ٹلمیے تقویت میسر آ جاتی معین الدین نے بارہا عارف کو بچھایا تھا۔

”تم راہی کو ہمیشہ گنور کرتی ہو اس طرح وہ تم سے بدظن ہو کر رو رہا ہو جائے گی یا تم راہی کی بھی ماں ہو۔“

”معین مجھے پتہ ہے میں راہی کی ماں ہوں آپ ایسے لیکچر مجھے مت دیا کریں آپ جانے کیا کیا سوچتے رہتے ہیں میرے لیے تینوں بچے برابر ہیں۔“ وہ آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولتیں۔

”حادث اور رافع چھوڑنے ہیں جبکہ وہ بڑی ہے خود کو سنبھال سکتی ہے۔“

”عارف..... وہ کتنی بڑی ہے؟ آٹھ سال کی پھر تو حادث اور رافع بھی خود کو سنبھال سکتے ہیں تم نے جان بوجھ کر انہیں اپنا عادی بنا لیا ہے۔“ وہ محبت سے بیوی کو بچھانے کی کوشش کرتے۔

ماما کی نرم گرم گداز آغوش کی نمنا کرنی رباب نے چھوڑ دی تھی۔ اس کے اندر جذبات نامہ و جزر ماند بڑچکا تھا۔ ماما

جب دونوں بیڈوں میں گھری لاؤنج میں بیٹھی ہوتی وہ جان بوجھ کر چیزیں بنتی گلاس تو زنی جگہ جگہ بے ترتیبی

بیلیانی ملازموں پر چلتی چلاتی موقع پا کر بھائیوں کو بھی تیرتی کھسکتی اپنے اندر کی فرسٹریشن وہ عجیب عجیب حربوں

سے باہر نکالتی۔ ماما خشکیاں لگا ہوں سے گھومتی لیکن اب اسے پروا نہیں تھی۔

وہ بی ایس سی میں پڑھتی تھی اور اب بھی اپنی زندگی کو بے ہتکم ہی محسوس کرتی تھی۔ گزرتے تھے ماہ و سال کی بددلی

نے اسے ضدی وہٹ دھرم بناوا تھا اسے کسی کی پروا نہیں تھی ماما کی بے توجہی ایسا گھاؤ تھا جو مندرل نہ ہو پارہا تھا۔

پھر ایک رات گل ماں بھی اسے روٹا بلکتا چھوڑ کر چلی گئی اس کا کئی سالوں سے چھڑا شوہر اسے چاکلے لینا گیا تھا

زندگی کی اس بے حس رات وہ بیلی پار دھازیں مار مار کر روٹی تھی وہ گل ماں سے لپٹی اسے چھوڑ نہیں رہی تھی۔

”نہ جاؤ گل ماں ایک آپ ہی تو میری ہو آپ کے بنا میں کیسے جیوں گی۔“

”گڑیا میں تم سے ملتا آتی رہوں گی۔“ تب رباب کو ایسا لگا تھا آج اس کی ماں مر گئی ہے اس تمام رات خیالوں میں وہ گل ماں کی میت کے سر پہنے بیٹھی توحہ کناں رہی رباب تنہا ہی تو تھی یہ مہیب رات کسی خوبی سرنگ کی مانند طویل تھی۔

اما کو اکثر رباب سے شکایت رہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کچھ شہر نہیں کرتی ان کے ساتھ نام نہیں گزرتی۔

”رانی میں تمہاری ماں ہوں کالج سے آنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں کچھ ٹائم میرے اور بابا کے ساتھ بھی گزارا کرو عمارت اور رافع کالج سے آنے کے بعد ایک کرکٹ کلب چلا جاتا ہے تو رافع اکیڈمی جاتا ہے میرے لیے تو تم تینوں کے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ اما رباب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نرمی سے کہہ رہی تھی۔

”ابھی چٹھی ہوں نا۔“ اس کے لہجے میں رکمانی تھی۔

”میرا بچہ۔“ مانا نے اسے کندھے سے لگا لیا لیکن رباب کو اب کچھ فیل نہیں ہوتا تھا جب فیل کرانے کی عمر تھی تب اما کے پاس اس کے لیے فرصت نہیں تھی۔

ان دنوں وہ پچھڑے سے فارغ تھی شدید بوریٹ محسوس کر رہی تھی جیسی عمارت کا فون آ جاتا عمار کی والدہ نرس ناما کی فرسٹ کزن تھیں کالج میں دنوں نے ساتھ پڑھے پتھے اس لیے خاصی بے تکلفی تھی لی خالہ اور اما کی دوستی بھی تھی وہ اکثر آتی تھیں خاموش رہنے والی رباب کو عمار جیلوں بہانوں سے ہنسانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ عمار پڑھتے آف ہیوور کمال کا تھا وہ عمار کی کہن میں خوش رہتی گل ماں کے بعد عمار ہی تو تھا جس سے تھوڑی بہت بات کر لیا کرتی۔ جب بھی عمار آتا عمارت اور رافع بھی ان کی کہن میں شامل ہو جاتے لیکن رباب کو ان کی موجودگی ایک آنکھ نہ بھاتی۔

اس کے برعکس وہ دنوں رانی آپی سے بہت محبت کرتی تھی وہ اس کی ہر تھوڑے پراسے یاد رکھتے لیکن اسے وہ دنوں پسند نہیں تھے۔ وہ صرف اپنی مرضی پر چلتی تھی دل کی سنی دل کی مانتی وہ اپنی زندگی میں کسی کی انٹرفیر ہرگز

برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ رباب کو کسی سے انس نہیں تھا نہ ہی کسی کی کمی محسوس کرتی وہ پتھر بل ہو چکی تھی۔ گل ماں کو وہ اکثر یاد کرتی آج کل وہ ہری پود ہزارہ میں تھیں اگر عمار سے سمجھانے کی کوشش کرتا تو اس سے تمام تعلق توڑ دینے کی دھمکی دیتی۔ بوریٹ سے آگے رباب نے لاجپوری جانا شروع کر دیا تھا۔ عمار نے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اس نے رباب کو بھی شہرہ دیا تم بھی ایم بی اے میں داخلہ لے لو۔ وہ رباب کے لیے فارم بھی لے آیا تھا عمار احمد بڑھا کوشم کالز کا تھا وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کچھ بننا چاہتا تھا مگر خالہ کو رباب بہت پسند تھیں وہ اس انتظار میں تھیں کہ عمار پڑھائی سے فارغ ہو کر جاب کرنے لگے تو وہ عمار سے رباب کا رشتہ مائیں عمار نے اس کا رشتہ کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا۔ اور اس کا نام آ بھی گیا تھا۔ وہ دنوں بعد انگلینڈ جا رہا تھا اعلیٰ تعلیم کے لیے۔ عمار رباب کو پسند کرتا تھا اس نے اپنی امی کو بتا دیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میرے باہر جانے کے بعد خالہ رباب کا کوئی اچھا رشتہ آئے پر اس کی شادی ہی نہ کر دیں۔ بھلا عمار کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا عمار گھر کا بچہ تھا اچھی طرح دیکھا عمار تھا۔ رباب کو بھی عمار پسند تھا۔ وہ اس رشتے سے بھلا یوں انکار کرتی۔ اس کے لیے تو جو بھی پہلا رشتہ آتا وہ اس کے لیے ہاں کر دیتی۔ ویسے بھی وہ جلد از جلد اس شخص کو ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر خالہ کے گھر کا ماحول بہت اچھا تھا سبھی ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے مگر خالہ اپنے سب بچوں سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ رباب جانتی تھی عمار بہترین اوصاف کا مالک ہے۔ یقیناً اسے، باہر اچھی جاب بھی مل جائے گی پھر وہ ہمیشہ کے لیے اس جگہ کو خیر یاد کر دے گی عمار کے جانے سے ہفتہ پہلے ان کی منگنی ہو گئی تھی۔ عمار بہت خوش تھا لیکن رباب ناراض تھی اسے شادی تو کرنی ہی تھی کیونکہ وہ جلد اس گھر کو چھوڑنا چاہتی تھی عمار کی صبح کی فلائیٹ تھی رات کو وہ اسے ڈر کر مانے لے آیا تھا۔

”رانی تم خوش ہونا۔“

”عمار تمہارے نام کی انگلی اپنی انگلی میں سجائی ہے

اب بھی اکثر گزشتہ راتوں کے روتے بلکتے لمحے چپکے سے اس کا دامن تھام لیتے تھے۔



عباس شاہ رباب کے لیے نہایت خوب صورت ڈرہ سز لایا تھا وہ دیکھتی سے ڈرہ سز دیکھ ہی گئی۔

”عباس اپنے لیے بھی کچھ نئی شرت لے لیتے۔“

”راہی جب تمہارے لیے شاپنگ کرنے لگتا ہوں اپنا خیال ہی نہیں رہتا ذہن میں صرف تم ہی رہتی ہو۔“

”سنو عباس شاہ ہمیشہ میں نے ہی رہنا ہے ان نگاہوں میں اس دلی میں۔“ راہی نے فگھی اس کے دل کے مقام پر گئی۔

”ملکہ عالیہ ہماری ایسی جواہر کہ ہم کسی اور حسینہ کے بارے میں سوچیں ہماری بیگمہ صاحبہ ایسی السرا ہیں جنہیں محسوس کر کے زندگی سانس لیتا ہے۔“ محبت پاش نگاہوں سے رباب کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ زور سے اپنی جانب کھینچا اس کی محبت کی شدتیں دیکھ کر خود پرنازاں ہوتا غرور اس کی آنکھوں میں گلابی ڈور۔ بھر جاتا۔۔۔۔۔

عباس شاہ علی شاہ کی اکلوتی اولاد تھے۔ ایک بہن بھائی عباس سے بڑے تھے جو بچپن میں انتقال کر گئے تھے عباس بہت منتوں مرادوں سے والدین کو حاصل ہوئے تھے۔ علی شاہ ایک معروف کنسرکشن کمپنی کے مالک تھے۔ جو کمرشل بلڈنگز بناتے تھے۔ عباس شاہ نے حال ہی میں برٹس ایڈیٹسٹریشن میں ماسٹرز کیا تو جوانی کی فرم کے لیے سو مند تھا۔ عباس کی والدہ رخسانہ شاہ ایک سوسل وومین تھیں۔ رباب رخسانہ شاہ کی پروا نہیں کرتی تھی کیونکہ رخسانہ شاہ نے آج تک رباب کو قبول نہیں کیا تھا۔ رباب ان کے ضدی بیٹے کی پسند تھی۔ علی شاہ نے اس شادی پر قطعی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ رباب سے خوش بھی تھے۔ دونوں نے اکٹھے ہی برٹس ایڈیٹسٹریشن میں ماسٹرز کیا تھا۔ رباب کی بوریٹ کے خیال سے علی شاہ اور عباس نے اسے آس جوائن کرنے کو کہا تھا۔ رخسانہ شاہ کی جین قائم تھی انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ باپ بیٹا رباب کو اپورٹنس دیں

پیری خوشی کا اس سے بڑا ثبوت نہیں اور کیا چاہیے۔ عمار تمہیں بھروسہ ہونا چاہیے آپ پر اور مجھ پر بھی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں چاہتا ہوں تم اپنی محبت کا اظہار کرو جس طرح میں والہانہ پن سے تمہیں چاہتا ہوں۔“

”سوری عمار میں ایسی نہیں ہوں جیسی ہوں مجھے ویسا ہی رہنے دو کسی کے ہاؤ میں آ کر میں نے تمہارا پر پوزل قبول نہیں کیا بس تم زیادہ مت سوچو اپنی توجہ اسٹیڈی پر ہی رکھنا۔“

”نیت پر تم سے بات کیا کروں گا۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ رباب جواب تھا اس کا۔

”نیں رات دن بچے تک سو جاتی ہوں۔ تم ایسی فضولیات میں مت بڑا وقت پر سونا نہ ہی کوئی گریڈ بنانا سمجھے۔“ وہ خود ہی مسکرا دی۔

”یار یہ کیسی باہنڈیاں مجھ غریب پر عائد کر رہی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ مجھے یاد کرو گی؟“

”ہرگز نہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ عمار نے کاٹا زور سے پلیٹ پر پٹخا۔ رباب نے مسکرا کر عمار کی طرف دیکھا۔

”آف کورس عمار تمہیں یاد نہیں کروں گی تو کس کو کہوں گی۔ تم بھی تو اوٹ پٹا تک سوال کرتے ہو۔“

عمار کے جانے کے بعد واقعی وہ اسے مس کرتی تھی کبھی کبھار نیٹ پر تھوڑی سی بات ہو چلا کرتا۔ عمار نے اسے بتایا تھا اسے رہائشی اپارٹمنٹ۔ کہ نزدیک ایک فوڈ کینٹی میں اچھی میٹری ہراسے جا ب بھی مل گئی ہے۔ عمار ہر بات رباب سے شیئر کرتا تھا عمار اس سے محبت کرتا ہے یہ سبج کر رباب کو اچھا لگتا وہ اکثر سوچتی۔

”کیا مجھے عمار احمد سے محبت ہے؟“ کوئی تسلی بخش جواب اسے نہیں پاتا۔ ”مجھے برا بھی تو نہیں لگتا اس لیے تو

اس سے منگنی کرنی ہے۔ مجھے تو بس اس گھر سے جانا ہے۔ شاہ عمار زندگی بچنے کے خواب میں نے بھی خود پر مسلط نہیں کیے تھے۔“ اسے تو اس شخص زندہ ماحول سے فرار چاہیے تھا۔

محبت پر بھروسہ نہیں ہے؟
”بہت ہے۔“

”پھر اس سوال مت کیا کہ تم نے ہی تو مجھے اس زیست کی دوشی کے دروہام سے ہم آہنگ کرایا ہے۔“ عباس نے اس کے گال پر انگلیت شہادت سرسرائی۔ تو رباب کے یا قوی ہونوں پر مسکان پھیلی جس میں حمل اطمینان تھا۔ تب وہ بھی اپنی ڈارک براؤن شہد آئیں آنکھوں میں کتنے جگنو بھرے۔ حد یکھ رہا تھا۔



عمار کے انگلینڈ جانے کے بعد رباب کا کہیں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اضطرابی و بے کلمی کہ اس کے اطراف منزلانی وہ عمار احمد کو اکثر مس کرتی ایک اینڈ پر جب نیت پر عمار سے بات ہوتی تو وہ اپنی بے تابیوں رباب کے سامنے بیان کرتا لیکن رباب نے ایک دفعہ بھی نہ کہا عمار میں بھی تمہیں مس کرتی ہوں۔ یونورشی میں رباب نے کوئی فریڈ نہیں بتایا تھا۔ زبردستی نہ انرا اور حیرت نے اسے اپنے گروپ میں شامل کر لیا تھا۔ وہ زیادہ تر پڑھتے ہوئے پائی جاتی تھی ان کے پاس بیٹھ بھی جاتی تو ان میں ایڈ جسٹ نہ ہو پائی نہ ساری دنیا سے خفا دکھائی دیتی تھی بچپن سے جس گروپ میں جگنو کی ہوتی تھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ اسے چہار سو اما دکھائی دیتی اصل میں تو وہ ماما سے ہی فرار چاہتی تھی اسی لیے وہ اس نے عمار سے منگنی کر لی تھی۔ ماما تو اب بدل گئی تھی اس پر خاصی توجہ دیتیں جب ان کی توجہ کی ضرورت تھی تب انہوں نے اسے نظر انداز کر رکھا تھا۔

اس کا بچپن خوف کی تدر ہو چکا تھا جس نے اس کی پرسنائی کو بری طرت بھروہ کر یا تھا اسے کسی سے پیار نہیں تھا وہ خود پسند بن چکی تھی جب آپ کو کوئی شہرا ہے تو آپ اپنی ذات کو خود سراہنے لگتے ہیں وہ پاتی زندگی اپنی مرضی اپنے حساب سے گزارا چاہتی تھی اپنی زیست کے کیوں پر اپنی فشا کے رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اب کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گی وہ

وہ چاہتی تھی متوسط طبقے کی رباب صرف گھریلو عورت بن کر رہے۔ رباب چھٹی کے دن پورے گھر پر توجہ دیتی تھی وسیع و عریض محل نما بیچلے کی صفائی اپنی نگرانی میں نوکروں سے کرواتی پھر کچن میں مہسی خانہ ماہی کے ساتھ عباس اور علی شاہ کی پسندیدہ ڈشیں بہتی علی شاہ اس کی تعریفیں کرنے نہ تھکتے۔

رباب رخسانہ شاہ کا اس حد تک احترام کرتی تھی کہ وہ اس کے شوہر کی والدہ تھیں ات بخوبی علم تھا رخسانہ اسے پسند نہیں کرتیں رخسانہ شاہ ہنستے ہوئے طنز یہ جملے کہنے سے نہ چوکتی رباب کی انجی خاصی بے عزتی کر دیتیں۔ رخسانہ بیٹے کی شادی ایک بلٹی پھیل پھنی کے مالک شیخ حاند کی اکلوتی بیٹی صالحہ سے کرنا چاہتی تھی۔ نہیں تو وہ بہو چاہیے تھی جو جہیز میں فیکٹری اور بے حساب بینک بیلنس لائے۔ ان کی ابھی تک صالحہ پر نظر تھی وہ باہر سے پڑھ کر آئی تھی۔ وہ رباب کا کاٹنا کٹانے کے لیے نئے نئے پلان سوچتی رہتی تھی۔

اس جادو گرنی نے میرے بیٹے پر جانے کیا جادو کر دیا ہے اسے اس ساتھ کے علاوہ کوئی اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ عباس شاہ سے رشتہ جوڑتے ہوئے رباب نے کسی کی پروا نہیں کی تھی۔ پھر عباس کیوں کسی کی پروا کرتا کیونکہ وہ بھی رباب کو بہت چاہتا تھا رباب اس کی خاطر اپنے گھر والوں سے نگرانی تھی۔ عمار احمد کی نکاہوں میں ہر جالی تہی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ عباس کے ساتھ اس کے دل کا سچا رشتہ جڑا تھا عمار کے لیے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔ عباس بھی رباب سے بے نیاز محبت کرتا تھا رباب نے اسے اپنی لازوال محبتوں کی اب سے اونچی سند پر بٹھا کر صبر جو کر دیا تھا وہ رباب کی قدر کرتا تھا اس کی پروا تھی عباس شاہ کو۔۔۔۔

”عباس شاہ تم مجھ سے بے وفائی تو نہیں کرو گے۔“ رباب کے متحرک چہرے پر خوف اندے لگتا جھلستی تھی رباب کے صبح گالوں کو بھگوتی تھی۔

”رابی کیوں ایسی فضول باتیں سوچتی ہو کیا تمہیں اپنی

کبھی ماما بابا سے پاکٹ منی نہ مانگتی بابا ہمیشہ اس کے کہے بنا ہوا سے اس کی ضرورت سے بڑھ کر پاکٹ منی دیتے۔
اکثر وہ بابا کو اپنے ساتھ لاٹنگ ڈرائیو پر لاتی وہ بابا کے ساتھ خوب باتیں کرتی صرف اپنی باتیں ہی نہیں پر بابا اسے ڈھیروں شاپنگ کراتے اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے وہوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزار کر خوشی پاتے تھے۔

.....☆☆☆☆.....

”سنائی کم ان سر۔“ لیکچر دیتے سر سلمان قحسی نے لحد بھر کے لیے رکھتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا وہ تیز تیز قدم ہٹاتا بابا کے سامنے سے نزلتا اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ آج وہ پورے دن منٹ لیٹ تھا۔ بزنس ایڈمنسٹریشن کے تمام سبیکٹ اس قدر خشک اور دماغ چکرا دیتے والے تھے پوری توجہ سے کلاس میں دماغ حاضر رکھنا پڑھتا تھا۔

”ایٹی کوچن“ سر نے طائرانہ نگاہ پوری کلاس پر ڈالی بابا مضمین نے ہاتھ اٹھایا۔

”بس۔“ سر نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”سر اس کی ڈیفینیٹیشن کیا ہوگی؟“ وہ مسکرائے اور پھر سے ڈیمیل میں سمجھانے لگے کلاس ختم ہو چکی تھی اسٹوڈنٹ اپنی اپنی چیزز چھوڑنے لگے شمرہ نے بابا کو نہ بولا کھاتے ہوئے برابر والی رو میں فرسٹ نشست پر بیٹھ کر تیزی سے قلم چلاتے گڈ لکنگ بنا۔ اسے کی جانب اشارہ کیا۔ بابا بنا ٹانگ جھپکے کتنے ٹاپے اسے دیکھتی رہی شمرہ نے پھر اسے شہو کا مادا تب وہ اپنی چیزیں ہا سینیٹ لگی۔ وہ سرٹی سر اپنے والد وجیر لڑکا تھا۔ اس کی عذابی لائی مولی براؤنش آنگا میں اس کے بیٹھوڑا چہرے پر بہت سچ رہی تھیں جن میں سب حساب چیک، اور رہی تھی۔ ہونٹوں پر ٹھوٹی سبک مسکان بدستور قائم تھی۔ ستواں اٹھی ہوئی ٹانگ جو کہیں سے بوجی مغرور ہونے کا تاثر نہیں دے رہی تھی۔ چوہنٹ سے بے نطقہ قدر مضبوط سیراپا سے منفرد بنا رہا تھا بابا چند لمحوں میں اس بندے کا تفصیلی جائزہ لے چکی تھی۔ تب شمرہ

کے ہارنے پر اپنی چیزیں بیٹھے کلاس دم سے باہر آ گئی۔ رہاب کے اندر کچھ پکڑ پکڑا ہونے لگی۔ دل تھا کہ انجانے میں رنجیدہ تھا۔ نمر حمیرہ کی بات پر ہنس رہی تھیں رہاب خاموشی سے چل رہی تھی اسے اپنے پیچھے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ غیر ارادی طور پر گردن کو ہلکا سا خم دے کر کن اکھیوں سے اپنے دائیں جانب دیکھا۔ واقعی وہی تھا ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی تمام توجہ ہاتھ میں پکڑے قیمتی موبائل پر تھی۔ سب وہ تینوں اپنے ذمہ پارٹنٹ کے طویل برآمدے کی باؤنڈری کی ریٹنگ کے پاس کھڑی تھیں۔ رات کو جب وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کھولے لے بیٹھی تھی تو بار بار اس کا خیال اسے ستا رہا تھا۔ کون ہے وہ..... کیا نام ہے؟

”رہاب ویری روٹنگ۔“ اندر سے کسی نے ڈپٹ کر کہا۔

”ہاں میری بلا سے وہ جو کوئی بھی ہے مجھے اس سے کیا سروکار۔“ اس نے ویلیس دے کر اس سرٹھی کو روکنا چاہا لیکن ہر بار وہ چند لمحے اس کی زندگی کے ان گنت لمحوں سے بھاری اور پر کیف ثابت ہوئے۔

رہاب اسٹڈی میں شروع تھا اسے نوپ ہولڈر تھی عباس شاہ زیادہ تر اسے پڑھتا دکھائی دیتا۔ عباس شاہ کا آئی کیو ٹیول بہترین تھا۔ غرائی ڈ۔ اسے کی اس دوپہر کلاس آف ہونے پر وہ برآمدے کی کورنرو والی ٹاکنڈ والی چوڑی میزھیوں پر بیٹھی منڈے کو ہونے والی پریزینٹیشن کے لیے چند پوائنٹ پر تک مارک کر رہی تھی شمرہ حمیرہ کینٹین چلی گئی تھیں۔

”ہیلو۔“ عباس شاہ برآمدے کی میزھیوں اترتے ہوئے ٹھنک کر ہنس کے قریب رہا۔

”ہیلو۔“ وہ مسکرائی۔
”کچھلے ہفتے آپ کی اسائنمنٹ۔ سب سے زیادہ نمبر لگی۔“

”تھینک یو آپ کو کیسے پتہ؟“
”سر نے اس روز کلاس میں بتایا تھا اس۔“

”ہوں مرنے ہم دونوں کا نام لیا تھا۔“

”رباب آپ کلاس کی بائی لڑکیوں کی طرح نہیں ہیں۔“

”واٹ؟“ اس نے دلچسپی سے عباس شاہ کی طرف دیکھا۔

”بہت ساوہ اور معصوم چارمٹ۔“

”چھینکس۔“ رباب اس کی جاوٹی آواز کے سحر میں ابھی تک جکڑی ہوئی تھی۔ اچانک اس کی دھڑکنیں بے ہنگم ہوئی تھیں۔ رباب نے ٹو بھر کے لیے عباس شاہ کی طرف دیکھا اس کی گہری متحرک براؤن شہد آکھیں جھلکیں جن کا انداز ہنس سے مزید دیوانہ بنا رہا تھا۔ عباس شاہ کے تو صغی ان الفاظ کے حیران اسے یکساں جسم کرنے سے تھے۔ عباس شاہ نے طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی سفید چوڑی دریا جا سے پرکاسنی اور سفید پھولوں والی لائٹ۔ ٹرٹ شیفون کا دوپٹہ سلیٹے سے سر پر لے ہوئے تھی۔ بیرونی میں فلیٹ چپس تھی جو اس کی جھولیں قامت پر خوب سج رہی تھی۔ عباس شاہ اب بھی رباب کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔



بابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اس پوش علاقے میں سول سی میں اپنے ذاتی گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ رباب کا اور دائیں جانب والد کمرہ تھا۔ جہاں دیوار گیر شہد تھے۔ سلائیڈنگ دیوار تھی جہاں سے باہر کا دیا نہایت پشیموس ہوتا میرز خاصا کھلا اور طویل تھا۔ یہاں آکر وہ کافی خوش تھی۔ وہ رات درپٹ۔ بابا کے پاس بیٹھتی تھی ہرنا پک پران سے لمبی لمبی چٹخیں کرتی۔ بابا رباب کی لمبی انجوائے کرتے اکثر شام کو وہ اور بابا اپنے گھر کے سامنے لمبی سی تارکول کی سرنگی سڑک پر واک کرتے اس شام واک کرتے ہوئے بابا سے اپنی ملازمت کے دوران کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے وہ بابا کی بات پر مسکرا رہی تھی۔ سنا منے سے وہ اکیلا آ رہا تھا ہانڈ میں ٹیکری کے کچھ شاپرز تھے ان کے نزدیک آتے ہوئے وہ ٹھنک کر رکا۔ رباب نے بھی حیرت سے عباس شاہ کو دیکھا۔ اس نے بابا کو سلام

کیا تو انہوں نے محبت سے جواب دیا۔
”کیسی ہیں آپ؟“ اب وہ رباب کی طرف متوجہ تھا۔
”ٹھیک ہوں۔“ رباب کی آنکھوں میں جھس تھا وہ جنیز پر ریڈی ٹرٹ پہنے ہوئے تھا بیرونی میں چمڑے کے سیاہ سلپری تھے اس جلیے میں آئی بہت اچھا لگ رہا تھا۔
عباس کی یا قوتی چمک دار آنکھوں میں والہانہ چمک عود رہی تھی۔ ہونٹوں پر بدستور معنی خیز لہراہٹ تھی۔

”بابا یہ میرے کلاس فیلو عباس شاہ ہیں۔“ بابا نے اثبات میں آنکھوں کو جنبش دی۔

”عباس آپ یہاں کیسے؟ رباب گویا ہوئی۔
”یہی سوال اگر آپ سے روز تو؟“ اب بھی متبسم تھے اس کے بھرے بھرے ہوت جیسے اسے کوئی نایاب خزانہ مل گیا ہو۔

”میں یہی پر رہتا ہوں۔“
”اور میں بھی۔“ وہ خاصی سرد روکھائی دے رہی تھی۔
”میں اسی سینٹر ٹھہری میں رہنا ہوں۔“
”نور ام جی ٹو میں رہتے ہیں۔“
”واہ یعنی ہم دونوں کے لائن کی دیوار ایک ہی ہے اور

بیمیں پتہ ہی نہیں۔“
”اچھا نکل اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔“
”ابن شاہ اللہ۔“ بابا مسکرا۔ رباب نے بھی ہونٹوں نو اوڑھنی جنبش دی۔

رباب اب بہت خوش رہنے لگی تھی۔ عمار احمد کا جب بھی فونز آتا وہ بتاتا میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں رباب نے اسے بھی مس نہیں کیا تھا۔ اب اسے لمار کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔

گزر تے دنوں میں عرس شاہ اور رباب ایک دوسرے کے بے حد قریب آئے۔ چٹھے تھے۔ قرعوں کے سلسلے بڑھتے چلے گئے۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا۔ اب اکثر بابا اور رباب کے ساتھ عباس شاہ بکر واک کرنے لگا تھا۔ بابا اور عباس میں خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ جب بابا ساتھ نہ ہوتے تو وہ دونوں واک کرنے ہوئے دنیا جہان کی باتیں

رہا اب ہم صم سانس روکے، اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعتوں نے جو سنا تھا کیا وہ سچ تھا؟ دونوں سے اعتراف کے سلسلوں کی جیسے یہ سر مٹی شام امین تھی۔ اوائل سرما کی یہ ہلکی خنکی لیے شام کس قدر نوب صورت محسوس ہونے لگی تھی انہیں۔

”رہا اب کچھ تو بولو۔“ عباس نے حدت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ رہا اب کے دل کی اٹھل پٹھل بڑھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اس سے عباس کو دیکھا۔

”عباس مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے کبھی ایسا بھی کہیں گے۔“ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اپنی محبت کو امر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اب عباس شاہ علی شاہ کے پرنس میں ہاتھ بٹانے لینے لگا تھا۔ اس نے چند ہفتوں میں کئی معمولات و امور احسن طریقے سے منڈل کر لیے تھے علی شاہ مطمئن تھے۔ عباس جلد از جلد سٹبل ہونا چاہتا تھا تاکہ پرنس سے

رہا اب کے پر پوزل کے بارے میں بات کر سکے۔ عباس نے ایک دن ماں کا اچھا موڈ دیکھ کر ان سے بات کی۔

”دشمنیہ حیرت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے اٹکوتے بیٹے کے لیے ہائی سوسائٹی کی مازن امیر گھرانے کا لڑکی لانا چاہتی تھیں جبکہ ریٹائر ایس پی معین الدین متوسط طبقے کے فرد تھے اور رہا اب وہ تو رخسانہ شاہ کو ہرگز پسند نہیں تھی۔

ہر وقت سر پر دوپٹہ اوڑھے کھڑکی۔ انہیں تو فیشن ایبل بہو چاہیے تھی جو ان کے سوشل سرکل میں موو کرنے کی اہلیت رکھتی ہو، رخسانہ شاہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا رہا اب کا خیال چھوڑ دے۔ وہ بیٹے کی بچہ پر سے بخوبی واقف تھیں اس کا ہر فیصلہ اہل بیتا ہے۔ آج تک عباس نے ماں سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی نہ ہی اس نے بھی کسی بات کے لیے ضد یا اصرار کیا وہ والدین کی فرماں بردار اولاد تھا۔ علی شاہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ کوئی بار معین الدین سے مل چکے تھے، جو ایک شریف انٹنس آؤٹی تھے۔

رخسانہ شاہ چاہتی تھیں عباس کا رجحان رہا اب کی

کرتے۔ محبت کی جڑیں دونوں کے آئین دل میں تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ رہا اب شدت پسند بھی یہی اس کے عشق کا حامل تھا۔ بناو کچھ کہے ایک دو بے کی بات سمجھ لیتے ان کی محبت میں کوئی کھوٹ یا قطع نہیں تھا۔ زندگی کس قدر چارمنگ ہے عباس شاہ کی سنگت میں اسے پتہ چلا تھا۔ رہا اب سوچتی اگر عباس شاہ مجھ سے چھڑ گیا تو میں مر جاؤں گی، اس کے بناو اب جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

عباس کو رہا اب نے پتا دیا تھا کہ کن حالات میں اس نے عمار احمد سے شادی کی تھی۔ اب وہ عمار سے بات نہیں کرتی تھی۔ بزم خالہ پریشان حال مانا کے پاس آئی تھیں وہ رہا اب کے بدلتے رویے سے فکر مند تھیں۔ مانا نے رہا اب کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مانا کو صاف انکار کر دیا کہ خالہ عمار کی کہیں اور شادی کر دیں تو مانا نے اسے سمجھانا چاہا۔

”پلیز مانا! آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں! میں سمجھتا ہوں مجھے اپنے تمام فیصلے خود کرنے ہیں! میں آل آپ کے پاس ایسا کوئی حق نہیں ہے جو آپ مجھ پر اپنی مرضی چلائیں۔“ بابا کو اس نے نہایت اطمینان سے قائل کر لیا تھا۔

”بابا! میں نہیں سمجھتی کہ عمار کے ساتھ میں زیادہ دور تک چل سکوں گی اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے راہن الگ کر لیں۔ مجبوراً کسی کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی چاہتی۔“

”فیک ہے بیٹا تمہاری زندگی ہے تمہیں اس پر پورا حق ہے میں تمہارے لیے دعا گو رہوں گا۔“

اس شام عباس کے کمرے ہاتھ داک کرتے ہوئے دونوں دور درختوں کے درمیان لمبی سڑک پر چلتے چلتے ایک سنگی پتھر پر بیٹھ گئے تھے۔

”رہا اب میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہوں۔“ وہ چونکی۔

”جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو اپنے رب سے تمہارے دانگی ساتھ کی التجا میں ہیں تمہارا ساتھ مانگا ہے رہا اب تم میرے لیے بے حد ضروری ہو چکی ہو۔“

لیکن باب پہنا کر وہ آخرم ایک بڑے گھرانے کی بہو ہو۔
 ”مجھے یونہی رہنا پسند ہے؟“ اس نے مختصر جواب دیا
 اور مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔



عمار احمد کی رہائش لندن میں بھی جہاں وہ اعلیٰ تعلیم کے
 حصول میں مشغول تھا وہ یونیورسٹی کے نزدیک ایک
 قدرے سستے اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر تھا۔ یہ اپارٹمنٹ
 کلاس فیلو میکس کیڈال کی مدد سے ملا تھا میکس ساؤتھ
 افریقہ سے تھا یہاں پر وہ بھی اسکا لرشپ اسٹوڈنٹ تھا
 دونوں ہوشل کی بجائے یہاں پر رہتے تھے کیونکہ وہ
 پارٹ ٹائم چھوٹی موٹی جاب بھی کر سکتے تھے۔ میکس
 عادت کا بھی اچھا تھا اکثر وہ ایک اینڈ کی رات رہا ب سے
 لیپ ٹاپ پر بات کرتا تھا۔ یہ لیپ ٹاپ میکس کا تھا۔
 رہا ب اب عمار سے کترانے آئی تھی۔ وہ بار بار میسج کرتا
 جواب نہ داتا رہا ب سے اس نے بھی محبت کی تھی۔ وہ پہلی
 لڑکی تھی جو عمار کی زندگی میں آئی تھی۔ اس کی بے اعتنائی
 تقاضا بھری بے رخی کسی صورت عمار سے سہار نہ پارہی تھی۔
 وہ ٹوٹ کر پوری طرح بکھرا ہوا اس کا کافی حد تک عمار احمد کی
 اہاسی کی وجہ سمجھ چکا تھا۔ عمار تمام رات اپنے بستر پر کروٹیں
 بدلتا رہتا۔ اس شب، جب پور شہر شدید سردی اور دھند کی
 لپیٹ میں تھا عمار نیند نہ آنے کی وجہ سے بالکونی میں ٹہل رہا
 تھا۔ جب سے امی نے اسے بتایا تھا رہا ب نے منگنی توڑ
 دی ہے۔ وہ مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ نیم بہت رات
 کے باوجود اس کے پورے وجود پر پسینے کی نمی اتر آئی تھی وہ
 برداشت کی حد تک پور کر بیٹھا تھا آنکھیں نہیں کہ
 آنسوؤں سے جل گئی تھیں۔

”عمار.....“ میکس نے اس کا کندھا آہستگی سے
 دیا۔ عمار کا گہرا رنکاڑو ناوہ سیاہا ہو کر بیٹھ گیا۔
 ”ایٹی پرائیلم۔“

”نو۔“ عمار نے زور سے دونوں گال رگڑنے میکس
 س کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔
 ”کیا ہوا عمار پلیر تم اپنی پرائیلم مجھ سے شیئر کر سکتے ہو۔“

طرف سے ہٹ جائے لیکن یہ آئس برگ کھٹنے والا
 نہیں تھا۔ علی شاہ نے رخسانہ شاہ کو سمجھایا ہمارا بیٹا سمجھدار
 ہے اس نے آج تک ہم سے کسی بات پر تقاضا نہیں کیا۔
 اپنی پسند کا لائف پارٹنر چنا اس کا حق ہے وہ خوش و مطمئن
 ہے تو ہمیں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تم عزت
 و تکریم کے ساتھ معین الدین کے گھر عباس کا رشتہ لے کر
 جاؤ..... رخسانہ شاہ جانتی تھیں ان کی مخالفت انہیں بیٹے
 سے متفر کر دے گی۔ حالات کے پیش نظر یہی بہتر تھا کہ وہ
 خوشی خوشی رہا ب کو بہو بنا کر لے آئیں۔ خدا کا یہی حکم تھا
 ان دونوں کے مقدر خدا نے لکھ دیئے تھے۔ پھر بھلا
 رخسانہ شاہ کیا کر سکتی تھیں۔ منگنی اور پھر شادی شاندار
 طریقے سے انجام پائی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔
 رہا ب اکثر سوچتی عباس شاہ اتنی آسان سے مجھے مل گیا
 اگر ہمارا من خدا کو منظور نہ ہوتا تو؟ وہ کاتبِ اشقی رہا ب
 اب ایسا مت سوچو اندر سے باز پرس ہوئی میرا یقین
 میری شدتیں خدا کے حضور فیض یاب ہوئیں اور میرے
 رب نے وہ حلیم شہداء گنیں لہجوں والا عباس شاہ میرے
 نصیب میں لکھ دیا۔ وہ معذور ہونے لگتی۔

وہ تھا ہی ایسی شدتوں سے چاہے جانے کے قابل یا
 توتی آنکھوں والا عباس شاہ مکمل طور پر اس کی دسترس میں
 تھا۔ عباس بھی اسے بہت چاہتا تھا لیکن رہا ب کی محبت تو
 پاگل پن کی حد تک تھی۔ عباس شاہ سے اس کا سچا تعلق
 تھا اب وہ ہزاروں سال جینا چاہتی تھی صرف اور صرف
 عباس شاہ کے لیے راوی چین ہی چین لکھتا رہا ب اور رہا ب
 اپنی اس جنت نما زندگی میں گم ہو رہی تھی۔

رہا ب سانس سسر کی عزت کرتی تھی۔ رخسانہ شاہ
 بظاہر خوشی دکھائی دیتی لیکن دل سے رہا ب سے شدید
 خائف تھیں۔ بہت پاشی سے اسے ہرٹ کرنے سے
 نہ چھکتیں۔

”بیٹا! ہر وقت چادر نما دوپٹہ مت لینے رہا کر تو موڑی
 اسٹیکش لک دو خود کو تمہاری بری میں تمام جوزے لیتی اور
 نیش کلکیشن تھے۔ پہنا کر زور دے کہ تم نے کبھی نہیں پہنا پہلے

یوں دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں تم ڈسٹرب ہو، عمار اگر واقعی تم مجھے دوست سمجھتے ہو تو مجھ سے بات کرو۔" عمار نے اپنے اور باب کے بارے میں مختصر میکس کیلانی کو بتا دیا۔

"میں صرف باب کی خاطر یہاں پر جھنڈا یا تھا تا کہ زندگی کو اس کی توقعات کے مطابق بنا سکوں، میں زندگی کے تمام خوب صورت موم اس کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا تھا۔" میکس نے ات بہت سلی دی۔

"عمار سب کچھ بھول کر دوسرے سمسز کی تیاری کروا اپنا سی ایس ایس عمل کرو۔" میکس نے اسے دلاسا دیا۔ عمار نے مسکراتے میکس کی جانب دیکھا اور اس کے گلے لگ گیا۔

آج عمار کی طبیعت نہ تو ٹھیک نہیں تھی وہ جلدی ہو رہی تھی سنا گیا تھا۔ کل ایک ایسا تھا اور آج وہ خوب سونا چاہتا تھا وہ لینا ہی تھا کسا سے چاہی سے لاک کھونے کی آواز آئی۔

"آج تم جلدی آئے۔" میکس تھکے تھکے انداز میں اندر داخل ہوا تھا اور روٹ اتارتے ہوئے اس نے زور سے بھنڈا جس پر برف کی سفیدی تھی۔

"سونا چاہ رہا تھا، اس لیے جلدی آ گیا۔" عمار نے میکس کی طرف پیرہ کرتے ہوئے غصہ سے بوجھ آواز میں جواب دیا۔

میکس کے والدین چند سال پہلے انتقال کر گئے تھے تب وہ کچھ عرصہ تک ماں کی ایک رشتے دار کے گھر رہا تھا۔ کروینا آئی اور اس کی بیٹی تمہاری تھیں وہ آئی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا کروینا کا ہر مینڈ کچھ سال پہلے ان ماں بیٹی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کی بیٹی کیلانی میرین میٹرک میں پڑھتی تھی وہ اسکول سنانے کے بعد ایک کار میٹس ٹینٹری کے اسکرٹ ٹرنٹ پینٹ کیا کرتی تھی۔ ان طرف ماں بیٹی کا گزارہ اچھے طریقے سے ہو رہا تھا۔ کیکی کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ تیار بھی بجاتی تھی۔ میکس نے کیکی سے وعدہ کر لیا تھا آج آنے کے لیے اسی لیے میکس بار

بار عمار کو اٹھا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا عمار بھی اس کے ساتھ پہننے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ترہونا ہی پڑا۔ کیکی گنار بجالی بہت بہت کر گاری تھی۔ اس کی آواز بہت پر سوز تھی۔

"یہ میرا دوست ہے عمار احمد۔" میکس نے تعارف کرایا۔

"مسز عمار تم میرا گانا سننا آئے مجھے اچھا لگا۔" عمار اس کے ہاتھ غور سے دیکھ رہا تھا۔ لانی انگلیوں والے اس کے لیے ہاتھ خاصے چمک دار تھے۔ اس کی ہاتھیں نکھنی اور مزنی ہون تھیں آنکھیں لانی اور موٹی تھیں۔ وہ پنی کلاں میں واقعی خوب صورت لڑکی مرنی جان ہوئی اس سولہ سالہ لڑکی میں غیر معمولی بات ضرور تھی وہ بھی حسینہ مرزا ہا ہا ہا کیجی تھی پھر کانی کی طرف توجہ ہو جاتی۔ کانی کا نام نر چکا تھا۔ عمار اب اٹھنا چاہتا تھا۔ زور کی کلمات کہتے ہوئے کیکی نے روم جوشی سے ہاتھ دیا۔



جہاں شاہ نے لاہور کی بدلتی سنبھال لی تھی۔ ملی شاہ بے فکر ہو چکے تھے۔ ملی شاہ باب سے خوب گل لگ گئے تھے جبکہ رخسانہ شاہ کو یہ بالکل اچھا نہیں لگتا حال ہی میں وہ ڈانس کے اسپا سٹے دن شان بیٹے میں شفٹ ہو گئے تھے۔ گھر پر باب نے ایک ڈیمورسٹ کیا تھا۔ رخسانہ شاہ کی روٹیں وہی تھیں کلب جہاں پارٹی شاہینک افتتاحی تقریبات میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہونا فیشن انڈسٹری میں خاصی پہچانی جاتی تھیں۔

یہ جہاں کی محبت کا رشتہ تھا باب دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔ رخسانہ شاہ باب کی شادابی دیکھ کر کڑھتی مرد کو ہمیشہ اپنی جانب جھکی۔ اس عورت بھاتی ہے جو گلاب کی طرح تر و تازہ ہو جس میں مقناطیسی کشش ہو رخسانہ شاہ کو باب سے خدا واسٹے کاہ تھا بیٹی کی بیوی پر توجہ برداشت ہی نہ کرتا تھا۔ اس گھر کے دونوں مرد صرف باب کی طرح سرائی کرتے دیکھانی دیتے جیسے رخسانہ شاہ کی کوئی وقعت و اہمیت نہ رہی تھی وہ بے معنی ہو گئی تھیں گلبرگ کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ سیریز

AA NCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو سحر کرنے والے ایک ایسے شخص کے بارے میں پچھلے
دہائیوں کے قلم کاروں نے جو کئی قلمی سیریز

دیہ بان

عالمی مشہور کہوں میں وطن پرستوں کے
لئے خاص لکھنے والے رشید رشید کا ایک دلچسپ ناول

جنگ

تاریخ کے سلسلے میں سرزمین پنجاب کی کسی
دیکھو وہاں جہاں جہاں میں شہر ہوتی ہے

AA NCHALNOVEL.COM

قاریوں کی وہ سب سے سخی اور دلچسپ سیریز

خوشبو بخشنے والی منتخب غزلیں، نظمیں، ذوق آہنی اقتباسات

اقوال زریں، احادیث و زبیرہ معروف دینی اسکالر حافظ

شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا خاص جلسہ

پڑھنے کی صورت میں (021-35620771/2)

پورا آفس رباب سنبھال رہی تھی، کبھی کا کوئی مسئلہ گھر کی
کوئی بات کے لیے رباب سے مشورہ لیا جاتا اس کی بات کو
فوقیت دی جاتی۔ ڈاکٹر رخسانہ شاہ رباب سے کہتیں۔

”بیابا ہمیں جلدی کوئی گند نوز دو میری بھی داوی
بننے کی خواہش ہے۔“ رباب مسکرائی اسے اچھا لگ رہا تھا
کہ ماں آج کل اچھے موڈ میں ہیں۔

”ماں آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں ناں۔“ رباب
نے پانہیں ان کے گلے میں جھائل کر دی۔

”ختم دوونوں کو سلامت رکھے جوڑی بنا کے رکھے
آج شام تم میرے ساتھ ڈاکٹر بلقیس کے کلینک چلنا وہ
تجربہ کار گانا کا نو جسٹہ ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماں۔“ عباس اور رباب خوش تھے ماں کو
ان کی فکر تو ہے ناں۔ ڈاکٹر بلقیس نے چیپ اپ کے بعد

بتایا تھا رباب بالکل ٹھیک ہے یہ میڈیسن استعمال کریں
انڈہ کرم کرے گا۔ سیدہ رخسانہ شاہ کے پاس تھا دوسرے دن
ناشتے پر رخسانہ سے دواؤں کے متعلق سمجھا رہی تھیں۔ تین

چار تسمہ کی ٹیبلٹس تھیں۔

رباب نے ایک بار بھی وہ دوا میں نہیں کھائیں تھیں۔
اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ کھائے تم ایسے ہی وہم کرتی
ہو اس نے خود کو سر دیش کی پندرہ دن بعد رخسانہ شاہ پھر

میڈیسن لے لیں۔

”رباب ڈاکٹر بلقیس نے اب یہ دوا میں تجویز
کی ہیں۔“

”ماں ڈاکٹر بلقیس مجھے چیک کیے بنا ایسے ہی
میڈیسن کیسے لے آتی ہیں۔ ذرا سنی مجھے دکھائیں۔“

”وہ تو شاید میڈیکل اسٹور پر ہی رہ گیا ہے تم فکر
نہیں کرو میں جاؤں گی تو لے آؤں گی۔ تم یہ آج سے
ہی شروع کر دو۔“

”جی ماں۔“ اب رباب کا ٹھیک یقین میں بل چکا
تھا۔ کہ ماں اسے غلط دوا میں استعمال کرنا چاہ رہی ہیں۔

رباب شروع تو سے ہر بات رباب سے شیئر کرتی تھی
دونوں ایک دوسرے پر بھرپور زور کرتے تھے رباب

نے اپنے خدشات عباس کے سامنے رکھے تھے۔ وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جو بلاوجہ بحث میں پڑ کر بدگمانیوں کو مزید بڑھا دے۔

”ٹھیک ہے مابلی تم وہ میڈیسن مجھے دے دینا میں چیک کروالوں گا تاکہ ماں کی بابت تمہارا دوسرا ختم ہو سکے۔ عباس کے دوست امرکی بیوی گائنا کالوجسٹ تھیں میڈیسن وہاں بھجوانی تھیں چند روز بعد عباس کو امرکا نزلن آیا اس نے بتلایا وہاں لائبریری میں ٹیسٹ کے لیے بھجوائی گئیں۔ اور پھر رباب کے خدشے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ عباس کو شدید شاک پہنچا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ماں اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا کریں گی۔ عباس نے رباب کو منع کر دیا تھا ماں سے اس ٹیک پر بات نہ کرے بلکہ ہمیشہ ان کی عزت کرنے خیال رکھے۔ میری ماں ہیں۔ وہ گھر کے ماحول کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رباب ماں کا بہت خیال رکھتی وہ اکثر رباب سے پوتے کی خواہش کا اظہار کرتی۔

رباب کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا ان دنوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا ماں اب گھر پر ہی رہتی تھیں رباب کا خیال رکھتیں اس کے لیے قیمتی تحفے بھی لائیں بظاہر عباس کے چہرے پر وہ بھی مسکان ہر لمحہ رہتی لیکن وہ کم گو ہوتا جا رہا تھا۔ رباب جانتی تھی ماں کے اس رویے نے عباس کو اذیت دیا کی کے گہرے بیخود میں ڈال دیا۔ یہ وہ جانتا تھا ماں کو کبھی بھی متوسط طبقے کی رباب پسند نہیں ہے وہ ہمیں جدا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ اولاد نہ دینے کا ایشو کریت کرنا چاہتی ہیں۔ تاکہ وہ اس کی شادی کسی مل اوز کی بیٹی سے کرا سکیں۔ عباس شدید ڈسٹرب تھا۔ اعصابی کھنچاؤ کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ والدین کی فرماں بردار اونا تھا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ فرسٹریشن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ رباب فون کرتی رہتی وہ فون نہ اٹھاتا تھا تب پایا کے پاس جا بیٹھتی تو وہ بھی عباس کے لیے فکر مند تھے۔ اس کی اچانک بدلتی اس قسمییر طبیعت پر۔

”رباب اسے کوئی پریشانی ضرور ہے تم اس

سے پوچھو۔“

”پاپا! میں نے بہت کوشش کی ہے لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا۔“ رباب صاف بہانہ بتاتی اور اس کی پریشانی کا علم اسے بخوبی تھا۔



ویک اینڈ کی دوپہر، دونوں بالکلونی میں کھڑے تھے لندن شدید ٹھنڈ کی لپیٹ میں تھا۔ لوگ گھروں میں محصور ہو کر رو گئے تھے اچانک میکس کا سیل فون بجا۔

”کیسی ہاڈ آر یو۔“

”میکس تم گھر پر ہو؟“

”ہاں لیکن تم کہاں ہو؟“

”تمہاری بلڈنگ سے۔ تموڑے فاصلے پر ہوں۔ کچھ دیر میں پہنچتی ہوں۔“ اور ایک گھنٹہ بعد وہ آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک بیگ تھا۔ جس میں فریش فش کا ڈسپوزیبل کور کیا ٹرے تھا اس نے فش کچن سیلب پر رکھ دی تھی۔ عمار بیٹر کے نوڈیک بیٹھا لپ ٹاپ کھولے ہوئے تھا۔ اس نے ایک دو بار کچن کا ڈکٹر کے پاس کھڑی کیسی میریمن اور میکس کو باتیں کرتے دیکھا۔

آج کیسی نے ریڈا۔ ہالٹس اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ گلے میں بیچنگ لٹا گئی کاتیسوں میں رنگ برنگے کڑے تھے آج لائٹ میک اپ تھا اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم کی دھبھی خوشبو یہاں سے مائٹول کو خوش گواریت میں تہدیل کر گئی تھی۔ اب کی بار عمار کی توجہ چمکتی آسٹریں سے زیادہ اس سیاہ فام لڑکی کی طرف غیر محسوس انداز میں تھی۔ یقیناً میکس نے اسے لٹخ تیار کرنے کو کہا تھا۔ اس دوران اس نے باقی تمام کام بھی نمٹ دیئے تھے کھانا اس نے بہت مزے دار بنایا تھا عمار رغبت سے کھا رہا تھا۔ وہ کیسی میریمن پر بھی نظر ڈال لیتا۔ عمار کو آج وہ زیادہ توجہ طلب دکھائی دے رہی تھی۔ کیسی بہ سانولے چمک دار چہرے پر مسکراہٹ بہت جاندار تھی۔ کھانے کے دوران وہ مسلم کیونٹی کے متعلق مختلف سوال کر رہی تھی کہ اسلام کیسے دنیا میں پھیلا؟ وہ مختصر کیسی دیتا رہا تھا۔

"میرے گھر کے نزدیک سیکٹر 8-B میں ترکی کی ایک فیملی رہتی ہے وہ خواتین بڑے بڑے کپڑوں میں خود کو چھپا کے دکھتی ہیں۔"

"ہاں ہمارے مذہب میں خواتین کو اپنے پردے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔"

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" ایک الوداعی نگاہ عمار پر ڈالتی وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔



ناشتے کے دوران فٹ نور گرین پیاز کا آلیٹ دکھ کر رباب کا وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے ابکائی آنے لگی تھی۔ ماں نے معنی خیزی سے عباس کی طرف دیکھا۔

"عباس رباب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی ٹھیک ہے رات کو کچھ اناسیہ کا کھانا لیا ہوگا۔"

"شام کو میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔"

انہوں نے عباس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماں آپ یونہی فکر مند ہو رہی ہیں انہی ٹھیک ہو جائے گی۔" رباب میں آنے والی اس تبدیلی پر بظاہر وہ خوش دکھائی دے رہی تھیں جبکہ ان کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرح سے اس بچے کو دنیا میں آنے سے روکنا چاہتی تھیں۔ انہیں تو ہر صورت میں صالحی سے عباس کی شادی کرانا بھی صالحی کے نام ایک فیکٹری تھی جو اس اکلوتی اولاد کو جینز میں ملتی تھی۔ رباب اب بھی عباس کے ساتھ چیک اپ کروانے جایا کرتی تھی۔ عباس اور رباب کے باہمی فیصلے سے طے یہ پایا کہ رباب آخری وقت اپنی ماما کے گھر گزار لے۔ رخصت شدہ نے سنا تو انہوں نے خاصا ولویلا مچایا اور ان سب سے ناراض ہو گئی تھیں۔ عباس کا صبح کا ناشتہ رباب ہی بنا رہی تھی۔ عمار آٹھ بجے نائٹس جاتا تھا آج بھی وہ تیاری میں مصروف تھا۔

"عباس تم تیار رہو لو میں تمہارا ناشتہ بناتی ہوں۔"

آج میرے ہاتھ کا ناشتہ کر میں پھر تو خانساں کے ہاتھ کا ناشتہ ہی کرنا پڑے گا۔" آج اسے ماما اپنے گھر لے جانے کے لیے آرہی تھیں۔ عباس نے اس کے

عارض کو نرمی سے چھوا۔

"رابی میں تمہیں بہت مس کروں گا۔" عباس اداس تھا۔ رباب عباس کی اداسی کم کرنے کی کوشش میں مسکرائی۔

"اچھا تم اب تیار ہو میں ناشتہ بناتی ہوں۔"

"میرا ناشتے کے لیے دل نہیں چاہ رہا جاتے ہوئے فریج سے جوس نکال کر پیوں گا۔" اسے خدا حافظ کہتا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ بیڑھیاں اترتے عباس نے ماں کو کچن سے نکلتے دیکھا تھا۔ ماں تو کبھی بارہ بجے سے پہلے اٹھتی نہیں اس وقت کچن میں کیا کر رہی تھیں؟ اسی حیرانی کے عالم میں وہ جوس لینے کچن کی طرف بڑھا۔ کچن کی انٹریس کے وسط میں اسے کچھ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ عباس نے جھک کر دیکھا کوئی سیانہ نما چیز تھی۔ اس نے فرش پر انگلی شیخ کی ادا آئل تھا جو پھیرا ہوا تھا ماربل کے چوڑی ٹائلز والے سلپری فرش پر عباس ایک دم سے ٹھکڑا تازہ گرایا گیا آئل تھا حالانکہ رات و خانساں کچن کی اچھی طرح صفائی دھلائی کے بعد اپنے لوارٹر میں جاتا تھا۔ عباس اب بھی فرش کو دیکھ رہا تھا فریج سے جوس نکالنا وہ بھول چکا تھا۔ کڑیاں آہستہ آہستہ جزیرنی تھیں صبح سے پہلے رباب ہی کچن میں آتی تھی عباس کا ناشتہ بنانے وہ آدمی سوئی آدھی جاتی ہوتی تھی۔

"کیا..... کیا یہ ماں نے؟ اڑہ میرے خدا....." وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس سے یہ شدید درد برداشت نہیں ہو پارہا تھا۔ سرد درد کا اسے کچھ عرصہ سے مسئلہ تھا وہ مشکل اٹھاتا اور اپنے کمرے تک آیا اگر رباب پھسل کر گر جاتی تو کیا..... کیا ہوتا بار بار یہی خیال اسے ستا رہا تھا رباب پھر سوئی تھی آہٹ یا کراس..... آنکھیں کھولیں۔

"عباس تم ابھی گئے نہیں۔"

"رابی میرے سر میں شدید درد ہے۔ ہاں مجھے پین کر دے دو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"عباس اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" وہ صبح بستہ

تھیلیوں سے عباس کی گرم پیشانی دبا رہی تھی۔

”میں پاپا کو اٹھاتی ہوں۔“

”راہی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“ عباس نے اس کا

ہاتھ پکڑا۔

”دیکھو راہی بچن میں مت جانا وہاں آکل گرا ہوا ہے

کہہ تم سلب نہ ہو جاؤ۔“

”واٹ.....“ رباب نے حیرانگی سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی

تھی یہی وجہ تھی عباس کی طبیعت خراب ہونے کی اب وہ

دوا کی کے زیر اثر تھا۔ اس کے چہرے کا اضطراب قدرے کم

ہو چکا تھا۔ اس نے پاپا کو کال کی وہ صبح کی واک پر نکلے

ہوئے تھے۔

”پاپا عباس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ جلدی

سے آ جا میں۔“ ڈاکٹر کبیر صدیقی نے اچھی طرح چیک

کیا تھا۔

”ابھی تو یہ دواؤں کے زیر اثر ہیں اٹھ جائیں تو ان کی

پوزیشن بتائیے گا۔“ ڈاکٹر صدیقی کے چہرے پر تشویش

تھی۔ شام ہو گئی تھی لیکن عباس نہیں اٹھا۔ رباب میں سکت

نہیں تھی بت بن ہنگامی شام کو ڈاکٹر کبیر صدیقی نے

عباس کو ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی

ریپورٹس نسلی بخش نہیں تھیں۔ عباس کو نیند میں گئے چیز ہیں

کھنٹے ہو چکے تھے۔ پھر چوبیس سے اڑتا لیس گھنٹے ہو گئے

عباس کو ہوش نہ آیا۔ رباب صدمے سے بیہ حال تھی وہ

کہاں بیٹھی ہے کیا سوچ رہی ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا

تھا۔ خاموشی سے نگر نگر سب کوڑھتی رہتی۔ یاں گنگ ہو چکی

تھیں کسی سے انہوں نے بات نہیں کی تھی ہاتھ میں تسبیح

پکڑے آنکھیں بند کر کے اللہ سے فریادیں کرتی بیٹے کی

سلامتی اور رحمت مانگ رہی تھیں۔ ماں کی خود پسندی غرور

خدا کو پسند نہیں آیا تھا۔ اسی بیٹے پر غرور تھا ناں جس کے

بیچے کو ختم کر کے اپنے بیٹے کو دولت کے عوض کیش کرانا

چاہتی تھیں۔ رخصانہ شہانہ کے سامنے ان کا اکلوتا بیٹا لاش کی

صورت ان کے سامنے بے سدھ پڑا ہوا تھا۔

علی شاہ نے رباب کو ماما کے ساتھ بھیجا تھا اس کے

چہرے پر زردی کھنڈی تھی اسے، پیروں پر وہ کھڑی نہیں ہو

پا رہی تھی۔ دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ زندہ تھی

تو عباس شاہ کے لیے وہ اس کے دل میں دھڑکن کی طرح

تھارگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا وہ شخص اس کی آنکھوں کا

نور تھا۔ ڈاکٹرز کے ہسپتال نے ریپورٹس چیک کرنے کے

بعد بتایا تھا۔ انہیں کچھ عرصہ سے مائی گرین کی شکایت تھی

اس بار ذہنی دباؤ کی وجہ سے ان پر شدید حملہ ہوا ہے جو دماغ

کی نسوں کو سکیر چکا ہے ساسی وجہ سے عباس قومہ میں جا چکا

ہے۔ علی شاہ کو لگا ان کے سر پر آسمان آ گرا ہے پیروں تلے

سے زمین نکل گئی ہے۔ بمشکل خود کو سنبھال کر گویا ہوئے۔

”سر جن اس کا دورانیہ کتنا ہو سکتا ہے؟“

”شاہ صاحب کچھ کہا نہیں جا سکتا چند دن چند مہینے

چند سال یا اس سے بھی زیادہ۔“ علی شاہ نے سر دوڑوں

ہاتھوں میں تھام لیا۔



دینہ اینڈ پرنٹنگ ان۔۔۔ پاس آئی تو عمار گھر رہی ظہر

کی نماز پڑھ رہا تھا۔ یہاں سے مسجد کافی دور تھی سو وہ اکثر

گھر رہی نماز پڑھ لیتا۔ کئی نے بیٹن کاؤنٹر پر کچھ پکٹ

دیکھے اور وہ نیک لگائے مدار احمد کوڑھتی رہی۔ وہ کس

طرح کو عوج و جود کر رہا تھا۔ وہ کسی سے دیکھ رہی تھی۔ کئی

نے چراغ میں اس طرح عبادت کبھی نہیں کی تھی۔ وہ بہت

کم چراغ جالی تھی کیونکہ اس کی بیوی کو اپنے مذہب سے لگاؤ

نہیں تھا۔ بس صلیب کا نشان انگشت شہادت سے بنا کر

جیسے وہ مطمئن ہو جالی، کئی کو بھی اس نے عیسائیت کے

بارے میں آگیا نہ وہ تباہ تھی اور جاتی تھی بیسویں فادر

کی بواستی ہے اور وہ خدا کے نیک بندے تھے خدا جو

آسمانوں میں رہتا ہے۔

خدا نے جانے کتنا توبہ کرنے ہوئے کئی کی طرف

دیکھا جو باوہ مسکرائی آج اس نے ٹخنوں کو چھونا پتک

ہسکرت پہنا ہوا تھا جس پر پلوٹن تھی وہ خاصی تیری کے

ساتھ آئی تھی۔ وہ اچھی لگ رہی تھی یا عمار کو اچھی لگنے لگی

تھی۔ عمار صبح سے اذان تھا کئی کو دیکھ کر طبیعت کچھ بہل گئی

تھی۔ امی نے رات کو عمار کو فون پر بتایا تھا۔ عباس شاہ قومہ میں چلا گیا ہے اور چند روز پہلے اس کا بیٹا ہوا ہے۔

”عمار تم عبادت کر رہے تھے کیا پڑھ رہے تھے؟“

کیکی میرین کے سنبے میں تجسس تھا۔

”میں نماز پڑھ رہا تھا۔“ پھر عمار نے اسے صورتِ اخلاص کا ترجمہ سنایا۔ وہ چٹھہریا خاموش رہی۔

”عمار بہت تاثیر ہے ان الفاظ میں۔“ عمار پر استیصال لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا کچھ ہے ہوا؟“

”آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”مذاق نہیں کرو۔“

”تو انہیں کمر ہواؤں اچھی لگ رہی ہو۔“ وہ ہنسی سے بولا۔

”ہی رات تم بہت گندگند ہو۔“

”کیکی تم بھی تو بیبی ہو۔“

”ہنس میں سیاہی مسئل سے ہوں۔“ عمار بڑبڑا کر لیا تھا اس کا سوؤہ درست ہو۔

”بہت دیر ہوگئی میں تم لوگوں کے لیے کھانا بناتی ہوں۔ میں برہنہ لائی ہوں۔“ کیکی کی طرف بڑھ گئی۔

عمار غیر ارادی طور پر کیکی کے بارسن میں سوچنے سے خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسے مگن کرتا تھا اور جب وہ آتی تو عمار کے اندر کے مہم جوئی اچھے ہو جاتے۔ کیکی نے عمار کو نماز پڑھ کر اسے کو کہا تھا پندرہ دنوں میں وہ چوری نماز پڑھ رہی تھی۔

ایک مرتبہ عمار نے عمار کی بائیں ہمد ترجمہ ایسے سنائی تھی وہ صیبت دم بخود کمر دینے والی حماسیت تھی ان الفاظ میں۔

”عمار یہ الفاظ کیسے ہیں دنیا میں آتے؟“ کیکی نے اپنی دانشور کے مطابق سوال کیا تھا پھر عمار نے آسماں الفاظ میں اسے سمجھایا۔

”جو تمہارا اور میرا خدا ہے اس نے اپنے ایک خاص فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہمارے آخری نبی

صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچے۔“

”میں اپنے مذہب کے بارے میں بھی زیادہ نہیں جانتی۔ میری مٹی نے مجھے عبادت نہیں ڈالی نہ ہی چرچا جا کر عبادت کرنے کو کہا میرا باپ شہ کرتا تھا مٹی جو کمانی وہ نے اڑتا پھر مٹی نے مجھے بھی اپنے ساتھ کام پر لگایا ہمیشہ وہ میرے باپ کا غصہ مجھے زد و کوب کر کے نکاتی راتی میرا باپ مٹی کو گویا دینے کی مٹی تھی۔ مجھے گانیاں دیتا وہ رے شلیڈ سیکٹر میں ایک پتھر رہتے تھے۔ میرا بڑھنے کا شوق دیکھا تو مجھے اپنے خرچے پر ایڈیشن ڈاؤن مٹی نے بہت غصہ کیا۔

لیکن مرنے مٹی کو رانسی کر لینا میں شروع سے پڑھاں میں اچھی مٹی سرنی کوشش سے مجھے اس کا رشتہ مل گیا میں نے کیمرٹ پاس کرنی اس دوران میرا باپ ہمیں چھوڑ کر افریقہ چلا گیا۔ مٹی نے شکر کیا۔ سب نی پر کوئی تشدد کرنے والا نہیں تھا۔“ عمار مٹی کی باتیں غور سے سنتا رہا وہ جب بھی آتی ان کا اپنا نمٹ چکا ہوا ہوا پورے مہینے کا کھانا بنا کر فریج میں رکھ جاتی۔ سیکس بھی اب عمار کی مٹی کے نام سے تنگ کر کے لگا تھا۔ چھ عرصہ سے عمار اس ہڈنگ میں رہتے والے بزنس میں کے تین بچوں کو بوشن اسے رہا تھا چہاں سے اسے خاصی بڑی رقم ملتی تھی۔ اس ایک اینڈ وہ مٹی کو ایک افغانی رہنمائی میں ڈنکا لے لے آیا تھا۔ مٹی بہت خوش تھی وہ ہتھام سے تیار آ رہی تھی۔ اب وہ سر پرنت نئے اسٹیشن اسٹارف کر لینے لگی تھی۔ ویٹر کھانا سرو کر کے چاؤکا تھا۔

”تم مجھے اپنے مذہب کے بارے میں اتنی ڈیٹیل سے بتا چکے ہو۔ سب سے وائس تمہارے مذہب کو دل سے سمجھنے اور محسوس کرنے لگی ہوں۔ عمار ایک دن میں سے مٹی سے پھنس کر نماز پڑھتا رہا۔ تم مجھے ظاہرایت محسوس ہوئی۔

میں مان مسلم ہوں پر ان الفاظ کی تاثیر نے مجھے بہترین احساس بخشا۔ عمار میں مسلمان ہونا چاہتی ہے۔“

عمار سانس لیتا بھول چکا تھا ہے مٹی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹیبل پر رکھے ریڈ گلابوں کے اس پار بیٹھی۔ کیکی اب بھی اس کی نگاہوں کے مرکز میں تھی۔ جو مسلسل مسکرا رہی تھی۔

237

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1

f PAKSOCIETY

عمار نے اسے مایوس کر دیا تو..... تو.....! اس سے آگے سوچنے بچھنے کی صلاحیت جیسے مفلوج ہو چکی تھی، کیکلی کے چہرے پر خوف بکھورے لے بات تھا۔

”عمار خاموش کیوں ہو؟“ کیکلی کھٹی آواز بمشکل اس کے گلے سے برآمد ہوئی۔

”کیکلی تم سے ایک بات کہوں تم یقین کر دو گی؟“

”ہاں کیوں نہیں۔“ وہ بدتور کرب کے عالم میں تھی۔

”ہمارا کلچر بہت الگ ہے میرے جیٹس کے بھی میری بابت کچھ خواب ہیں مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسا چاہیں گے۔“ کیکلی وحشت زدہ ہو کر سے دکھتی رہی۔

”عمار میں نے اپنے رب کے بھروسے پر ہی تو تمہارا دائمی ساتھ اس سے مانگا ہے۔“

”کیکلی اگر تمہیں اپنے رب پر اتنا یقین ہے تو پھر وہ ہمیں جدا نہیں کرے گا۔“ کیکلی نے محسوس کیا عمار کا لہجہ بے حد پراعتماد اور مضبوط ہے۔



عباس شاہ کو قومہ میں گئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اس کا تین ماہ کا بیٹا سعد عباس ہو بہو باپ کا ہم شکل تھا۔ رباب کو یقین نہیں آتا تھا جو شخص اس کی زیست میں دھڑکن کی مانند رہتا تھا وہ اس کے بنا کیسے جی رہی ہے۔ اس کے دکھ کو عباس نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کی آمد سے بھی اس کی نیند نہ ٹوٹی رباب بار بار ہسٹیں نہینتی اندر سے ٹوٹ چکی تھی۔

ان چھ ماہ کے دوران رباب باقاعدگی سے عباس کے پاس ہسپتال کے اس آئٹم روم میں آتی تھی۔ جہاں اس کا مجازی خدا دنیا و مافیہا سے لاطیف گہری مسافروں بھرنی نیند کے زیر اثر تھا۔ وہ عباس سے لیے ریڈر روز لاتی اسے یقین تھا عباس کو ان کی خوشبو محسوس ہوتی ہوگی میری موجودگی کا احساس بھی اسے ضرور ہوتا ہوگا۔

رباب کے ہونٹوں پر بیسی سی مسکان ابھرتی لیکن آنکھیں سنگ اٹھتیں جب بھی آتی سید کو ساتھ لے کر آتی وہ سید کے بارے میں بہت محتاط تھی۔ یہ تو قدرت کا

”کیکلی تم نے اتنی جلدی یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا؟“

”تمہاری وجہ سے۔“

”کیکلی تمہاری مٹی مان جائیں گی؟“

”نہیں؟“

”میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مٹی کو منالوں گی۔ مٹی اور میں ہی تو ایک دوسرے کے لیے ہیں وہ تھوڑے نخرے دکھاتی ہیں پھر مان جاتی ہیں میں نے مٹی سے تمہارا ڈاکر کیا تھا کہہ رہی تھی کسی دن تمہیں گھر لاؤں۔“ لہجے سرکتے رہے لگا ہیں اپنی اپنی پلیٹ پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور بٹک رہے تھے۔

”عمار.....“ کیکلی کے پکارنے پر اس نے اسے دیکھا۔

”میں مسلمان ہو جاؤں گی پھر تم مجھ سے شادی کر لو گے۔“ کانٹازور سے عمار کی پلیٹ پر گرا کیکلی سانس روکے عمار کے جواب کی خستہ مٹی۔ عمار کو امید نہیں تھی کیکلی یوں اسے پر پوز کر دے گی۔

”پلیز عمار جلدی جواب دو ورنہ میری سانس بند ہو جائیں گی۔“

”تو تم صرف اس وجہ سے مسلمان ہونا چاہتی ہو؟ تمہارے دل میں صرف طمع ہے خدا کی خالص عیب نہیں۔“ عمار کے لہجے میں بتاؤ دور آیا تھا۔

”عمار تمہارے حصول کے لیے یہ طمع نہیں تو اس رب نے میرے دل میں اجاگر کیا ہے۔“ کیکلی کے لہجے کی پور پور یقین تھی۔ عمار کی حیرت تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کیکلی کو گھونڈنے کے انداز میں اس کا بھرپور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے تکلف رکا ہوا سانس بجالا لیا۔ کیکلی کے چہرے پر کبیرا تشدد نور جھللا رہا تھا۔

”عمار میں نہیں جانتی مجھے کب تم سے محبت ہو گئی۔ صرف چھ ماہ سے تمہیں جانتی ہوں لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے میں مدتوں سے تمہیں جانتی ہوں۔“ اس وقت عمار دو دھاری تلوار پر کھڑا تھا کیکلی کو اپنا اس کے لیے قطعی ممکن نہیں تھا اس کے جیٹس کبھی کیکلی کو قبول نہیں کریں گے اگر

مجزوہ تھا جو سہ ماہی کی گود میں تھا۔ زندگی کے اس قدر بڑے تصادم پر ہر احساس سے ماورا ہو چکی تھی۔ وہ سوچتی کاش اس صبح اس نے عباس کی بات نہ مانی ہوتی اور پکن میں اس کا ناشتہ بنانے چلی آتی۔ عباس اس شدید جھٹکے سے توجیح جاتا جس نے عباس کے حواس سلب کر کے اسے قومہ میں پہنچا دیا تھا۔ ماں کا ایسا روپ وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ..... جینا جس نے آج تک ماں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہیں کی تھی اس نے اپنی آنکھوں سے پکن میں پھیلا آکل اور ماں کو وہاں سے نکلنے دیکھا تھا۔ پھر اسے شاک کیسے نہ پہنچا جس دن سے عباس قومہ میں گیا تھا رخسانہ شاہ نے جب ساوہ لی تھی۔ صرف اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں خود سے گھن آتی کراہت محسوس ہوتی۔ رخسانہ شاہ کو خدا سے اپنے بیٹے کی نئی زندگی چاہیے تھی اب ان کا زیادہ ٹائم عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ انہیں یقین تھا وہ رحمان رحیم ضرور انہیں معاف کر دے گا اور ان کی دعا میں مستجاب ہو جائیں گی گہری چوٹ کھانے کے بعد وہ سنبھل چکی تھیں۔ خدا کی خدائی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں پھر وہ کیسے تا ایک ماں کی پکار سنتا۔

رباب نے علی شاہ کو نہیں بتایا تھا کہ کس وجہ سے عباس کا مائی گرین شدت اختیار کر گیا تھا جو قومہ میں جانے کی وجہ بنا۔ علی شاہ انہیں معروف سٹارٹسٹ کے پاس بھی لے کر گئے تھے رخسانہ شاہ سے اب جو بات بھی کہنی جاتی فوراً مان لیتیں۔ وہ ہنسنے میں دوبار عباس کے پاس جاتیں اور کہتیں۔

رباب نے علی شاہ کو نہیں بتایا تھا کہ کس وجہ سے عباس کا مائی گرین شدت اختیار کر گیا تھا جو قومہ میں جانے کی وجہ بنا۔ علی شاہ انہیں معروف سٹارٹسٹ کے پاس بھی لے کر گئے تھے رخسانہ شاہ سے اب جو بات بھی کہنی جاتی فوراً مان لیتیں۔ وہ ہنسنے میں دوبار عباس کے پاس جاتیں اور کہتیں۔

”عباس اربہ! اہر جاڑ بیٹا میں تمہارے لیے اداس ہوں۔“ اس کے سامنے گھنٹوں بیٹھی کسمپرسی رہتیں۔ رباب نے رخسانہ شاہ کو معاف کر دیا تھا۔ اکثر رباب نے سجدگان کی گود میں دینا چاہا تو وہ ہاتھ سے روک دیتیں اور اونچی سرگوشی کے ساتھ بڑبڑاتیں۔

”اللہ میرے عباس کی اولاد کو سلامت رکھے۔“ دل کی گہرائیوں سے صدا بھرنی رخسانہ شاہ نے بھی نہیں سوچا



تھا جو رسی ان کے لیے ڈھیلی ہے وہ ایک لمحہ میں اس طرح رب کھینچے گا ساتھ ان کی روح بھی دار کے تختے پر چڑھتی جائے گی۔ اپنی اولاد کی شکل میں انہیں اذیت ناک ل رہی تھی جو لمحہ لہجان کی گردن کا موق بنی رہتی۔ رخسانہ شاہ ٹھیک ہو سکتی تھیں اگر عباس شاہ تو... سے نکل آتا بھی تک ڈاکٹرز نے ایسی کوئی امید نہیں دلانی تھی۔ اگلی سے اگلی ٹریٹ منٹ چل رہی تھی۔ گل ماں بیوگی کے بعد رباب کے پاس آگئی تھیں۔ انہوں نے۔ حد کو اسی طرح سنبھال لیا تھا جس طرح رباب کو اپنی آغوش میں سمیٹا تھا اب وہ پاپا کے ساتھ دوبارہ آفس سنبھال چلی تھی۔

یکٹی میر عین مسلمان ہوئی تھی مٹی نے تھوڑا دوا دیا چھاپا پھر خاموشی سا دھ لی۔ اس نا اسلامی نام مومنہ رکھا گیا تھا۔ وہ اب بھی ایک اینڈ پر عمار کے پارٹمنٹ آتی تھی۔ عمار نے ہائیرنگھل کر لیا تھا۔ اب وہ شارٹ کورس کر رہا تھا۔ وہ ایک کمپیوٹر کمپنی میں جاب بھی کر رہا تھا۔ سٹری خاصہ تسلی بخش تھی۔ مومنہ کے لیے وہ اپنے ہی جذبات رکھتا تھا جیسے کبھی رباب کے لیے تھے۔ زندگی چلتی رہتی ہے رباب کی بے ہوائی اس نے سہا لی تھی۔ اسے زندگی کو کامیاب بنانا تھا عمار نے والدین سے مومنہ کا ذکر کیا تھا وہ سخت تنفر میں انکار کر چکے تھے۔

”ایک سیاہ فام لڑکی کو ہماری بہو بناؤ گے زمانہ ہم پر بسے گا تم بس واپس آ جاؤ۔“

”پلیز اماں! آپ تو ایں ہیں مجھے سمجھیں پہلے میں ایک محبت کھو چکا ہوں وہ بارہ ایسا میں سہا نہیں ماؤں گا۔“ وہ گھنٹوں فون پر وادین کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا۔ عمار نے مومنہ کے بغیر کسی اور سے کبھی شادی نہ کرنے کی دھمکی دے دیا تھی۔ عمار نے یقین دلایا تھا مومنہ نے عیسائیت چھوڑ کر خلوص نیت اور دل سے اسلام قبول کیا ہے اس لیے نہیں کہ میری محبت میں اس نے یہ اقدام اٹھایا ہے بلکہ خدا کی سچی چاہ نے اسے بے بس کر دیا ہے میں تو صرف وسیلہ بنا ہوں۔

”عمار تمہارنی خوشی یہی ہے تو ٹھیک ہے تم شادی کر کے اسے پاکستان لے آنا پھر ہم شاندار ولیمہ کریں گے۔“ بیٹے کی خوشی کے سامنے اماں مجبور تھیں۔ عمار آفس کے بعد سیدھا مومنہ کے گھر پہنچا تھا۔ مکی تپاک سے ملی تھیں۔ عمار نے دروازے سے اندر جھانکا۔ مومنہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ کافی پیتے ہوئے عمار نے اسے بتایا تھا میرے پیرش نے۔ خوشی شادی کی اجازت دے چکی ہے۔

”رسولی“

”ہاں۔“ مومنہ بہت خوش تھی۔ دونوں کی آنکھوں میں یقین تھا۔

”مومنہ ان شاء اللہ تمہارنی وہ نہیں ضرور مستجاب ہوں گی وہ رب کل ہے رب کا کلمت ہے جسے رحمان و کریم کہتے ہیں۔“

”عمار آج میں نے سورت یا سین پڑھائی یا کر لی ہے۔“

”سبحان اللہ“

آنے والے چلنے کو ان دونوں کا نکاح ہونا قرار پایا تھا بعد نماز جمعہ بہت خوب صورت ویڈنگ ڈریس اماں نے بچھوایا تھا۔ بے بی بی پنک گلبرگے احتراز میں بھاری کام دار شرارہ لٹل ٹرٹ دوپٹہ بہت بھاری تھا ساتھ ساتھ یوزیاں اور ایک میٹ گولڈ کا بھی تھا۔ مومنہ کو یہ سب کچھ خواب ہی تو لگ رہا تھا۔

”یہ سر پر لو۔“

”عمار یہ بہت کام والا دوپٹہ ہے۔“ وہ چونرنی کا مدار اپنی ہاتھ سے چھوتے اپنے اندر اٹھتی خوشی نہ چھپا پائی۔

”مومنہ! یہ یوں لیتے ہیں۔“ عمار نے اس کے سر پر دوپٹہ نکایا۔ یہ کمر اس کی سائولی رنگت پر بہت جگ رہا تھا۔ عمار بہت سا اسے دیکھتا رہا۔

”ساتھ میں جیولری بھی ہے۔ یہ نیکا پہننا ہاتھ پر۔“ عمار نے سفید کندن اور گولڈ کا نیکا اس کی پیشانی پر رکھتے ہوئے کپ اس کے بالوں میں انکا دیا۔

”ماشا مانند۔“ خوشی سے اماں کا چہرہ دسک رہا تھا۔

”مومنہ تم مجھے دنیا کی ہر عورت سے بڑھ کر حسین لگ رہی ہو۔“

”عمار تم مجھ سے محبت کرنے ہو شاید اس لیے۔“ ادو پٹہ تیار کرتے ہوئے بولی۔

”میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا نکاح کے بعد تمہارا۔“ مومنہ کے لیے پاکستان ابھی میں اپلائی نماں گا۔ پھر ہم ایک مہینے کے لیے پاکستان جائیں گے۔ تم دیکھنا وہاں کے لوگ کس قدر محبت کرنے والے ہیں۔ اپنی بڑا پارٹنر منٹ لے لیں گے اسے خوب تزیین کریں گے۔ جاہ لے ساتھ تم دوبارہ پڑھائی بھی شروع کریں۔ منٹ شام کو تمہیں پڑھایا کروں گا۔“ مومنہ نے گانا چننا دیا تھا ’عمار فراموش کرتا تو اسے نعت سناتی تھی۔ فیوچر پلاننگ کرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی گھنٹیوں تک شاپنگ مال میں گھومتے تھے۔ واپسی پر عمار نے اسے فریش سٹ گلابوں کا بکدیا تھا۔ مومنہ کی شادی کو لے کر خوش تھیں۔

”کبھی نے اسلام قبول کر لیا یہ اس کی مرضی تھی میں کیوں جب اختلاف کرتی۔“ مومنہ نے یہ بات اپنے دل کو سمجھائی تھی۔ کیونکہ وہ مومنہ کسی صورت کھینا نہیں چاہتی تھیں۔ ہمیشہ مومنہ نے اپنے زمیند کا غم اس پر اتارا تھا اب وہ اپنے رویوں کی تلافی کرنا چاہتی تھیں۔



گلابی جازے کے خوش گوار دن رہا اب عمار کے پاس بیٹھی تھی۔ سعد گل ماں کے پاس تھا تقریباً ایک گھنٹہ سے رہا اب اس سے باتیں کر رہی تھی۔ جالے کیوں رہا اب کو یقین تھا عمار کی سوچ کی حساسیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے وہ اس کی باتیں ضرور سنتا ہے۔ یہ سوچ کر ایک آسودہ مسکراہٹ خود بخود رہا اب کے ہونٹوں پر رینگ چلی۔ ایک بار مومنہ رہا اب کو محسوس ہو عمار نے آنکھیں جھپکی ہیں اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا لائی۔ ڈاکٹر زقندر سے مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ اب اکثر

ایسا ہوتا وہ آنکھیں جھپکتا ہونٹ جنبش کھاتے اس کے ہاتھ پر مدھم سی لرزش ہوتی اب ڈاکٹر زبیر بہت پر امید تھے۔ فوری طور پر امریکہ سے اسپیشلسٹ سرجن کو بلوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر مستعدی سے ٹریٹ منٹ دے رہے تھے۔ رخسانہ شاہ جس نے بھی پابندی سے نماز نہ پڑھی تھی اب پوری پوری رات بارگاہ الہی میں گزار دیتیں۔ آسمانوں کی وسعتوں میں چھپا رہا رخسانہ شاہ کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ ایک بار بھی انہوں نے رباب سے معافی نہ مافی معافیاں تو وہ اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔ بس میرا خدا راضی ہو جائے پھر رباب بھی راضی ہو جائے گی لیکن اب انہیں صبر کیسے آتا وہ نہ زندوں میں تھانہ مردوں میں تو دور درمیان میں لنگ رہا تھا اس کی ماں کس اذیت میں تھی یہ تو ایک ماں ہی جان سکتی ہے ان کا بیٹا انہی کی وجہ سے یہاں تک پہنچا تھا ان کے بارے میں سائیکائٹرسٹ نے بھی یہی کہا تھا اگر رخسانہ شاہ کا بیٹا ٹھیک ہو جاتا ہے تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی ورنہ دنیا کا کوئی علاج ان کا ذہنی توازن درست نہیں کر سکتا۔

عباس کو لے کر ڈاکٹر کانی پر امید تھے۔ وہ جلد گہری نیند سے جاگ سکتا ہے قومہ میں یقیناً وہ سنتا ہے عباس کی آنکھوں کے کناروں پر کٹھنی محسوس ہوتی تھی۔ اس ایک اینڈ پر رباب سعد کو اپنے ساتھ لائی تھی۔ سعد ایک سال کا ہو چکا تھا۔ اپنی تو کئی زبان میں اب..... باپا کہتا تو رباب اسے خود سے پہنچا لیتی اس کے پنک گالوں کے بوسے لیتی۔ اس وقت بھی رباب عباس سے سعد کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ چوٹی عباس کچھ دیر سے آنکھیں جھپک رہا تھا۔ اس نے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیاں ہلائیں رباب مگر فکر اس کو دیکھ رہی تھی۔ خوشی کی گھٹی گھٹی سسکی اس کے گلے سے بھرا ہوئی۔ وہ اب تو اتر سے پلٹیں جھپک رہا تھا اور پھر اس نے پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ رباب کا سانس رکا ہوا تھا۔ رباب نے سعد کے ہاتھ میں پکڑا کھلونا زور سے نیچے پھینکا عباس نے گردن کو ہلکی سی جنبش دے کر آواز کی جانب دیکھا۔ شکرانہ آنسو تھے کہ

رباب کی آنکھوں سے تھمنا نہیں رہے تھے وہ جلدی سے عباس کے قریب آئی۔

"عباس.....!" اس نے آنسوؤں بھری ہنسی کے ساتھ اسے پکارا عباس نے متحرک سے انداز میں رباب کی طرف دیکھا۔ رباب کا چہرہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ دھندلا عکس عباس کے ذہن میں ابھرا وہ مسکرایا رباب نے والہانہ شدت سے اس کا ہاتھ دبا وہ پھر سے مسکرایا عباس کی انگلیوں میں حرکت ہوئی گہری خاموشی کا ظلم ٹوٹا ایک سال تین ماہ چاروں سنات گھٹنے کے بعد اس نے زبان ہلائی۔

"رابی... بی....." لمحے کے ہزاروں حصے میں رباب کی دنیا روشن ہوئی اسے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے کیسے اپنی خوشی کا اظہار کرے اسے فوراً ڈاکٹر کو بلانا چاہیے تھا لیکن وہ تو جیسے غمگین ہو چکی تھی۔ اس اچانک ملنے والی خوشی میں زمین نے اس کے ہر اپنی جانب پہنچ لیے تھے۔ اور پھر جب دماغ نے کچھ سوچنا شروع کیا تو ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔ ڈاکٹر کے ہینڈل نے نفسی چیک اپ کے بعد مبارک باووی ہی۔ یہ مکمل طور پر قومہ سے باہر آ چکے ہیں۔ علی شاہ اور رخسانہ شاہ بھی فوراً پہنچ گئے تھے۔ خدا نے ایک ماں کی فریاد سن لی تھی۔ اس کے بچے کو ٹھیک کر دیا تھا۔

رخسانہ شاہ کا چہرہ آنسوؤں سے جل تھل تھا انہوں نے عباس کے سامنے معافی کے لیے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ تب عباس نے ماں کے تھوں کو دیکھا لیا۔ وہ بار بار تپتی بھرے انداز میں رباب کی جانب دیکھتا قدرت کے اس انوکھے معجزے پر وہ بے حد خوش تھی۔



آج بدھ تھا اور مومنہ کو بے قراری سے جہد کا انتظار تھا آج اس نے قیثری سے ایک ہفت کی چھٹی لے لی تھی اسے اب اکثر اپنے اندر بار بار عمار ہی دکھائی دیتا وہ عمار کے احساس کی خوشبو اوڑھے اس وقت سائیکل پر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ جب ہی پیچھے سے آئی ایک تیز رفتار کار



مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے
خانقاہوں میں بھی کہیں لذت اسرار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لیے
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

سجاؤ ہمارے پیچھے میں گھر، پائے، ایسا پہلے بھی ہوا تھا جو
اب ہوتا تو ہمارے ”بے چارے وہ“ ہمیں ہمارے حال پر
چھوڑ کر ایک طرف ہو بیٹھے کہ

”بہنئی کر لو اپنی شوق بھی پورا۔ چھان لو مجھے اسکولوں کی
خاک واپس تو اذات میں آئی پڑے گا تمہیں کہ ”جنتوں
وی گھوٹی، لوتھی ہی آن کھاتی۔“ تو مشہور ہے ہی ناں آخر
کار۔“ بس یہ طعنہ یہ چیخ ہے آج گنگا نے کوکانی تھا۔

سواب ”ہم“ تھے اور یہ چاری ہماری ”جوتی“ جو چیخ چیخ
کرا رہی تھیں وہ سن کر کہ

”بی بی بس کرے، سن تے میری ہی آخر ہو گئی
اے۔“ تو جناب، ہمت آپ کو رہتا ہے تھے کہ اس عمارت کی
پیشانی پر سجا یہ خوب صورت، شعر پڑھ کر کان تو ہمارے
کھڑے ہوئے ہی تھے ہم خود بھی کھڑے ہو گئے۔ ہمارا
بس نہیں چل رہا تھا کہ ہم فوراً ندر جائیں اور اپنے لاکڑوں کی
قسمت چکانے کے لیے 77 عالی شان اسکول کو آ جائیں
مگر..... ہائے افسوس.....! مکول بند تھا کیونکہ اس روز اتوار

قسمت نوع بشر تبدیل ہوتی ہے یہاں
اک مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے یہاں
اس خوب صورت سبہ منزلہ عمارت کے ماتھے پر کسی
چمک وارتاج کی طرح جگمگاتے اس شعر نے ملی بھڑ میں
ہماری توجہ اپنی طرف معبودوں کرائی۔ پچھلے کئی دنوں۔ سے ہم
اپنے بچوں کا اسکول تبدیل کروانا چاہ رہے تھے کیونکہ جانے
کیوں اور کیسے ہمیں یہ خط سا ہو گیا تھا کہ ہمارا سب کا اسکول
ہوگا جتنی زیادہ فیس ہوگی اتنی ہی تعلیم کا معیار بلند ہوگا۔

بس جی یہ خناس ہمارے سر میں سماتا تھا کہ ہم ٹھہرے کر
سارے کے سارے اسکولوں کا تیا پانچا کرنے چل نکلے۔
اب پیار بات کہہ سنے دن چل خوار ہونے کے باوجود ہمیں
خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ ہمارے شوہر
نامدار نے ہمیں بہتر سمجھانے کی کوشش کی کہ پڑھائی تو
سارے اسکولوں کی ایک جیسی ہی ہوتی ہے یہ تو بچے کی اپنی
صلاحیت ہے کہ وہ کس طرح علم حاصل کرتا ہے اور کتنا فیض
اٹھاتا ہے اپنے اساتذہ سے مگر میں جی کوئی بات سیدھے

ساتھ۔ ہم تو یہ سب کہہ کر بہ جا وہ جا اور ہمارے ”بے چارے وہ“ منہ اور آنکھیں کھلے ہمارے قدموں کے نشانات ہی تکتے رہ گئے (کہ فرس گیلہ تھا اور جوتی کچھڑ والی، سونشان بن گئے فرش پر) اور اب جو انہوں نے مسخرے سے نعرہ لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ اس اٹکول کے چکر میں ہم تو بازار جانا ہی بھول گئے۔ دھت تیرے کی، اب پھر ان کے ترے لے کر کے ان کے ساتھ ہی بانٹا پڑے گا۔

.....☆☆☆.....

اگلے دن ہم نے وہ عظیم مہر کہہ کر سونچ ہی لیا اور گھر میں کسی کو بھی بتائے بغیر سکول کی طرف چل پڑے۔ اب چونکہ وہ اسکول باہر سے، بہت خوب صورت اور شاندار لگ رہا تھا اور بڑا بھی کافی تھا۔ اس کے ”معیار“ کے حساب سے، ہم نے بھی اچھی خاصی تیری کروالی بچوں کو اسکول اور میاں صاحب کا فیس روانہ کر کے بعد چانسب سے مہنگا اور خوب صورت سوٹ نکال کر۔ تری کیا اور فائنٹ تیار ہونے چل ویسے نیا جوڑا پہنا، میچنگ جیولری سے خود کو آراستہ کیے تک سب سے ریڈی ہو گئے۔ اپنی اتنی بھر پور تیاری کے دوران میں ایک بار بھی احساس نہیں ہوا کہ ہم کسی ”شادی“ پر نہیں بچوں کے اسکول جا رہے ہیں۔ لیکن بات تو پھر وہ ہی آجنی ہے ناں کہ ہم پر اس عورت کا رعب کچھ زیادہ ہی پڑ چکا تھا یا پھر اپنی دیوانی کی باتیں سونچ رہی تھیں ہمارے دماغ میں جو سوچے سمجھے بغیر انارکجی ہو گئے۔

ارے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی داستان ساری۔
نصیریے ہم آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ ”کیڑا“
ہمارے دماغ میں گھسا کب اور کیسے

.....☆☆☆.....

چند سال پہلے تک ہم اپنے سسرال میں مل جل کر رہے تھے کیونکہ تب تک ہمارے ایک ہی دیور کی شادی ہوئی تھی اور ہم سب کا گزارا بہت اچھا ہوا تھا پھر جیسے ہی نوید (چھوٹے دیور) کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمیں غنیمت گھر میں شفٹ ہونا پڑا، کیونکہ اب ہماری بڑی اور بیٹی تھی۔ لہذا گزارا مشکل ہو گیا تھا۔

تھا اور ہفتہ وار محشی خیرتی، ہم کہاں ہا رہا منے والے تھے۔
”بھئی اسکول کی ریپوشیشن کا تو پتا کیا ہی جاسکتا تھا ناں
آس پڑوس والوں سے۔“ اور یہی سوچ کر ہم نے ساتھ
والے گھر میں دستک و سڈالی، نیل اس لیے نہیں کہ حسب
معمول لائٹ صاحبہ لمبی رخصت پر تھیں۔ تین چار بار کی
دستک کے جواب میں گیٹ ایک جھٹکے سے کھلا اور جو
صاحب اس بڑے سے کھلے گیٹ سے بآء ہوئے ان کا
سائز دیکھ کر ہمیں فوراً یقین آ گیا کہ ”اتنا بڑا“ دیور گیر گیٹ
کس لیے لگوا یا گیا اور پھر ان کا حلیہ ماشاء اللہ اس قدر گھریلو
اور ”سندے والا“ تھا کہ دیکھ کر ہی ہمارے ہوش اڑ گئے وہ
اتنے خاصے موٹے تازے رہا صاحب صرف چار خانے کا تہہ
بند باندھے، بڑا انسان لے مکے کے سائز کا پیٹ نکالے نیند
بھری موٹی موٹی سرخ آنکھوں سے ہمیں ایسے گھور رہے
تھے جیسے ہمیں ٹکریا مار کر ہمیں زمین میں گاڑ دیں گے۔
لوتی اب کہاں کی تحقیق اور کدھر کی ریپوشیشن اور سے جو
ہم نے سر پر عیر رکھ کر دوڑ لگائی تو اگلا روڈ کراس کر کے نئی رفتار
لگی، وہاں کھوڑی دیورک کراپنی پھولی سانسوں پر تہا بویا اور
مرے مرے قدموں سے گھر کی راہلی، گھر پہنچتو یہ بھی بھول
چکے تھے کہ ”اتوار“ کو باہر لینے کیا گئے تھے؟ وہ تو میاں
صاحب نے خالی ہاتھ آتے دیکھا تو ”پھر بھول گئیں۔“ کا
نعرہ مستان لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ ہم تو اتوار بازار شاپنگ کرنے
گئے تھے اور وہ بھی بڑے سفر سے میاں صاحبہ کی آفر ٹھکرا
کر بہ جا رہے تھے ترے لے ہی کرتے رہ گئے تھے کہ

”چلو بیگم اتنی گرمی میں کہاں ہیٹل ٹوڑا ہوتی رہو گی! میں
لے چلتا ہوں بائیک پر اتوار بازار پر ناں جی، ہم نیا کریں
اجی ”ازیل ٹو“ جیسے طبعیت کا جو جس بات پر ازلی سواڑنی۔
”جی نہیں، ہم اکیلے ہی جا جائیں گے اور ہفتے بھر کی
شاپنگ کر کے ہی آئیں گے۔ اجی آپ تو ایسے کجوس ہیں
کہ کچھ لینے بھی نہیں دیتے۔ جس چیز کی طرف ہاتھ
بڑھائیں فوراً جھٹک دیتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے اس کی۔
ابھی تو پہلے والی ہی ختم نہیں ہوئی۔ پیسے کیا بیڑوں پر آگتے
ہیں جو ضائع کرتی ہو۔ تو بس ہمیں نہیں جانا آپ کے

ہمارے دو سنیچے اور دونوں اچھے بھلے گورنمنٹ اسکول جاتے تھے کیونکہ ان کے ابو اور چاچو بھی اسی اسکول کے تعلیم یافتہ ہیں اور اس اسکول کا معیار بھی ابھی تک تو بہت اچھا جا رہا تھا اور کچھ ویسے بھی ہمارے بنے ماشاء اللہ بہت ذہین اور ہوشیار ہیں۔ (کسی کو بتائیے گا مت وہ دونوں ذہانت میں پورے کے پورے اپنے ابو پر گئے ہیں) مگر یہاں بات پھر وہی آ جاتی ہے کہ

"میں نہ مانوں؟" تو ہم نے کبھی "ان" کے سامنے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہی نہیں اور ہمیشہ بڑے فخر سے سب کو بتاتے ہیں کہ "جر (بڑا والا) لکل ہم پر گیا ہے اور اسفر (چھوٹا والا) ہمارے اکلوتے بھائی رانیٹ کی ڈیلر کاپی سے حالانکہ ہمارے دونوں بیٹے اول جماعت سے ہی اول پوزیشن لے رہے ہیں اور ہم۔ ہم تو مر کے پاس ہوتے تھے اور ہادانیال تو وہ بھی پانگ مارکس لے ہی آتا تھا تو ہم تو رہے تھے کہ جب تک ہم سب اکٹھے رہتے تھے خوب مزہ۔ میں تھے بچوں اور ان کے بابا کا تو پتہ نہیں مگر ہم واقعی بہت مزے میں تھے کام کا اتنا بوجھ بھی نہیں تھا اور اسفر کی پڑھائی کے سلسلے میں بھی ان کے ابو اور چاچو ان کی بھر پور مدد کرتے تھے لیکن جب سے ہم اس لئے گھر میں آئے لگتا تھا سب گڑبڑ ہو گیا کام کے بوجھ کی وجہ سے اکثر ہم جھنجھلا جاتے یا چڑچڑے ہو جاتے تو ہمارے میاں صاحب فوراً ہارہا کہ وہ دو آگے آتے اور ہمارے ساتھ مل کر گھر کے کام کاج بھی کر دیتے اور بچوں کو پڑھاتے تو اب بھی وہ خود ہی تھے اس روز ہم اپنی سسرال ملنے گئے تھے۔

"بھالی آپ کو پتا ہے ہم نے ماس اور ضویا کو نئے اسکول میں داخل کرا دیا ہے بیچ بھالی اتنا اچھا اسکول ہے کہ کیا بتاؤں؟" ہماری دیورانی ہادیہ نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں میچتے اور منھیوں کو میچتے دامیں بائیں جھولتے ہوئے ہمیں ہنسنے لگا کہ ان کی بھر پور کوشش کی۔

"کیا مطلب؟ ماس اور ضویا تو اچھے جا رہے ہیں اسکول، گھر کے نزدیک بھی ہے اور اس کا تو زلٹ بھی بورڈ میں ۱۹۱ سے ۱۹۵ فیصد ہے مگر کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کو مسئلہ تو

میں بنا ہوا ہے ویٹھو مال، امر اور اسفر کو کتنی دور پڑ گیا ہے اسکول نئے گھر سے۔" ہم نے حسب معمول اس کے جوش و خروش پر ٹھنڈے پانی کا بخور اور منہ بیٹنے کی بھر پور کوشش کی یہ الگ بات کہ اندر سے ہم جل بھن بھن گئے تھے اور فطری تجسس کا کار بھی ہو رہے تھے۔

"ارے بھالی، آپ کو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ دنیا کہاں بستی ہے نہ سناؤ لی گورنمنٹ اسکولوں کے بچوں کو کون پوچھتا ہے اسٹینڈرڈ بنانا ہے تو بچوں کو مہنگے اسکولوں اور اکیڈمیوں میں داخل کرانا ہی پڑے گا ہاں۔" ہماری دیورانی صاحبہ نے حسب معمول پنڈولم کی طرح ڈولتے ہوئے ہمارے گھر پر بھر پور ابر کیا۔

"اب چھوڑ دو بھی ایہ تیرے کسی نے کہہ دیا آخر کو ہم ٹوٹ بھی تو سرکارن اسکولوں کا بچوں میں پڑھے ہیں اور ہمارے شو بہ حضرات بھی پڑھ اچھے سرکارن مہداں پر ہیں تو ہمارے سنیچے کیوں نہیں جا سکتے آگے بھلا؟" ہم نے حسب معمول تاک سے ہمیں اڑائی۔

"یہ سن تو بھالی یہ سن تو بات ہے دو دن ماننا اور تھا اس دور میں سارے ہی ٹوٹ سرکارن اسکولوں میں پڑھتے تھے اور پھر نمبر بھی اچھے لاتے تھے استاد بھی محنت سے پڑھاتے تھے اور سنیچے بھی خوب دل لگا کر پڑھتے تھے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے بھالی۔ اب اگر کسی پر ایسے اسٹینڈرڈ کی دھماک بٹھانی ہو تو اپنے نوہر کی نوکری یا گھوڑا کا رعب جمانے کی ضرورت ہی نہیں صرف اور صرف مہنگے اسکولوں میں پڑھنے والے اپنے بچوں کے اسکول اور اکیڈمیوں کے نام بتا دو بس اگلا بند حست انہ لیے تو کسی نے تو اپنے دونوں بچوں کو مہنگے والے لنگش مہیم اسکول میں داخل کرا دیا ہے پتا ہے آپ کو فیس کتنی ہے اسکول کی؟ دس ہزار داخلہ فیس، ہزار روپے بلانا اور فنڈز ڈیبرہ علیحدہ۔" اس نے کچھ اس طرح فخر اور غرور سے بتایا جب سے اس کے سنیچے زسری اور کے جی میں ہی کڑیل اور تچ لگ گئے ہوں اس کا یہ انداز اور غرور دیکھ کر تو ہمارے تلووں سے لگی اور سیدھی سر پر جا بھگی۔ ایسے بھانجر جے کیلجے میں کہ بیٹھنا محال ہو گیا اور پھر واقعی

ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھیے گھرا کر بات بھر سوچنے کے بعد اپنے
میاں جی سے اس موضوع پر بات کی پر ناجی، وہ تو کچھ سننے
کو تیار ہی نہ تھے لہذا ہمیں ہی سمجھانے بیٹھ گئے۔

"لو ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں بیٹھا جیسے بھٹلے تو جا رہے ہیں
دونوں اسکول اور ہادیہ کا کیا ہے تمہیں پتا تو ہے کہ اسے نئے
نئے شوٹے چھوڑنے کا شوق ہے۔ تم پھر بھی اس کی باتوں
میں آ رہی ہو جیسا چل رہا ہے ہلنے دوں۔" ہمارے کھڑے
تہرہ دیکھ کر انہوں نے بات بدلنے میں ہی عافیت سمجھی مگر
ہم..... ہم تو جیسے ڈٹ ہی گئے تھے ہمارے دماغ میں کیزا
کھس چکا تھا لہذا ہم اب پورے جوش و خروش کے ساتھ اس
مہم کو سر کرنے پر تم چکے تھے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس
میں نفع کتنا ہے اور نقصان کتنا۔

☆.....☆.....☆

ہم تک سب سے تیار خراماں خراماں اس سہ منزلہ
عمارت کی طرف روانہ ہو چکے تھے اس وقت دن کے دس
ساڑھے دس کا وقت ہو رہا تھا اسکول کے باہر باوردی انکراں
کھڑا تھا اب اگر یہ مغلیہ دور ہوتا اور مغلیہ دربار تو پھر باوردی
درہان کھڑا ہوتا سمجھ بھی آتا تھا مگر بچوں کی درس گاہ کے باہر
درہان، مگرمی ہردی کی دھوپ میں ٹھکس جانے والی رنگت پر
گہرے نیلے کی ہردی سب تو اپنی اپنے قدم سے بڑی اور
وزن سے وزنی بندوق کا اندھے پر لٹکائے وہ اس طرح
مستعد کھڑا تھا جیسے ابھی ہمسایہ ملک کے فوجی اندھا خراسر
سرحد سمجھ کر حملہ کرنے والے ہوں اور پریشی سا درہان انہیں
نیست و نابود ہی تو کر دے گا۔ خیر، رکشے والے کو انتظار
کرنے کا کہہ کر ہم نے اندر کی طرف قدم بڑھائے مگر ہمارا
راستہ روکے وہ درہان کا ڈونچو لکھنوار صاحب کھڑے تھے۔

"جی میڈیم کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اخلاق کا اہلی
مظاہرہ کر۔۔۔ تے ہوئے وہ ہمارا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"اسکول کے پرنسپل صاحب سے ملنا ہے ہمیں۔" ہم

نے اپنے لیے اس کے منہ سے "میڈم" کا لقب سنا تو خوشنوا
گرہن انرا کر حجاب دیا۔

"جی، کیا کام تھا آپ کو پرنسپل سر سے۔" اب کے دوسرا

سوال آیا تو ہمیں غصہ ہی آ گیا۔
"کیوں، تمہیں کیوں پتا میں تم کیا ٹھیکیدار لگے ہو
یہاں کہ یا مالک ہو اس جگہ۔" گے تمہیں ہی سارا انٹرویو دینا
پڑے گا۔" ہمارے اندر کا جلالی ابا انگریزی لے کر بیدار ہو گیا
اور ہم نے اس غریب کی اگلی بات سننے بغیر ہی اسے ہاتھ
سے اسے بڑے دھکیلا اور سیدھے ہاتھ سے گیت کو دھکا لگا
کر اندر جا گئے۔

گیت سے اندر داخل ہو کر ہمارے چہرہ نہیں اٹھائیں
طبق روشن ہو گئے باہر سے انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب
نظر آنے والی عمارت اندر سے کی پرانی حویلی کا نقشہ پیش کر
رہی تھی۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہ غالباً کسی زمانے میں
دلان رہا ہوگا مگر اب وہاں پلاسٹک کی کرسیوں کی لائن لگی تھی
اطراف میں جس سے وزٹرز بریا کا ٹائٹل مل رہا تھا ہم ابھی
ہوتے بنے کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ جا چیں کہ ہر، کہ
جانے کہاں سے ایک یا ٹائپ، خاتون برآمد ہوئیں اور ہمیں
انہی معیت میں لیے اندرونی منزل کی طرف چل پڑیں مانند
گھس جا کر ایک کمرے کے باہر ہمیں چھوڑ گئیں کہ

"یہ آفس ہے آپ اندر چلی جائیں۔" دل کڑا کر کے
ہم نے اس کمرے کے اندر اندر رکھا دوڑے کے بالکل
سامنے دیوار گیر الماری تھی جس کے اندر کتے ہیں اور فائلز بھی
تھیں الماری کے اوپر فریڈیاں اور شیلڈز سجائی گئی تھیں کمرے
کے دائیں طرف ایک بڑی آٹا اس ٹائپ میز بھی تھی جس
کے آگے آف وائٹ اور میرین کنٹراس میں کرسیاں پڑی
تھیں اور کرسیوں کے بالکل پیچھے چائیر مین اور ایڈجسٹمنٹ کا
پڑا تھا فرش پر میرون رنگ کا بیڑا لگن تھا۔ پرنسپل کی چیر
کے بالکل پیچھے دیوار پر دائیں طرف قائد اعظم اور بائیں
طرف علامہ اقبال کی تصاویر لگی تھیں۔ جن کے درمیان
تقریباً آدھا فٹ اونچی ایک، سفید لکڑی والے ہانڈی کی
تصویر لگی تھی اب غالباً پرنسپل صاحب کی نظر میں بابائے قوم
اور مصوڈ پاکستان کا قد ان بابائی کے قد سے چھوٹا تھا یا
صرف ڈیزائن کے لیے ایسا یہ کیا گیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔
ٹیکل کے اوپر ایک جانب دو تین پینڈر رکھے تھے ایک

سے کیوں ٹپکنے لگا تھا)

”اچھا، اچھا تو گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے ہیں نیچے آپ کے آپ نے بہت چھایا جواں کو ہمارے اسکول میں داخل کرانے کا سوچا بھلا بتاؤ اب وہ معیار کہاں رہ گیا گورنمنٹ اسکولوں کا اسکولوں کی دیواروں پر تو لکھا ہوتا ہے ”مادر نہیں پیدا“ اور ”پڑھا لکھا پاکستان“ مگر اپنے ایمان سے بتائیں کیا ہر استاد کے ہاتھ میں ڈنڈا نہیں ہوتا اور پڑھانے کیا ہیں گورنمنٹ اسکولوں کے اساتذہ بس تھوڑے لپٹے جاتے ہیں اور پڑھائی پر توجہ کوئی ہے ہی نہیں اب دیکھیے گا آپ کے نیچے کیسے شائی اور برائت ہوتے ہیں لڑکی ہم تو نالائق سے نالائق بچوں کو گھڑوں کی طرح چلا لیتے ہیں یہ گورنمنٹ اسکولوں کے نیچے کیا چیز ہیں؟“ وہ کسلس اپنی شان میں تعصیب سے پڑھتے ہوئے کوئی قابل ذمہ داری میں مصروف تھے ورنہ ہمارے لہو بہ لہو بدلتے چہرے کے زاویے یا اگر غلطی سے بھی دیکھ لیتے تو شاید اتنا کچھ نہ فرماتے۔

”کیا مطلب ہے آپ؟“ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے نیچے اور پڑھانے والے اساتذہ سب کے سب نالائق ہیں آپ کی جرأت کیسے ہوئی یہ سب کہنے کی آپ کو معلوم ہے ہمارے نیچے اول جماعت سے اپنی کلاسز میں فرسٹ آر ہے ہیں لڑکیاں... آپ خود بھی تو گورنمنٹ اسکول سے ہی تو پڑھیں ہوں گے ناں کیونکہ ہمارے آپ کے زمانے میں تو پرائیویٹ اسکولوں، ایڈمیں کی وبا پھیلی ہی نہ تھی و اگر آپ اپنے تعلیمی ادارے اپنے سابقہ اساتذہ کی خود عزت نہیں کرتے تو آپ قوم کے معماروں کو کیا سکھائیں گے؟“ اب کہ ہمارے امداد کا جناتی جلالی ہا ہا بھر پور انگڑائی لے کر جو گم تھا تھا بلکہ صرف جاگائی نہیں تھا پوری طرح قارم میں آ گیا۔

”اور یہ جو شہر آپ نے اپنے اسکول کے ماتھے پر جموہور کی طرح ٹانگ رکھا ہے نا، 76 کا مطلب ذرا گہرائی سے سمجھ لیں یہ ہے۔ اسے آپ کی قسمت بد نہیں گے کسی کی اور آپ کیا تکمیل کریں گے کسی زندگی فرض کی آپ تو بس نہیں بنو رہے ہیں... یہ جو چھوٹی، چھوٹی عمروں کی ایف اے،

طرف اسٹیشنری کا سامان سجا تھا جبکہ دوسری طرف دو تین رنگوں کے فون اور اسکرکام پڑے تھے ابھی ہم یہ نظر غائر کرے کا جائزہ ہی لے رہے تھے اور چھت تک تو ابھی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک بھاری مردانہ آواز کانوں سے نکلا۔

”جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟“ ہم ایک دم چونک کر قسویروں کے سین نیچے ڈھیر ہوئی شخصیت کی طرف متوجہ ہوئے (بھئی جو ساڑھ اور حجم تھا ان صاحب کا تو اسے ڈھیر ہوتا ہی کہتے ہیں) ہمیں شکل کچھ بدلنا پڑی تھی لگی لواب یہ نئی ٹینشن لگ گئی کہ ان صاحب بہادر کو دیکھا کہاں ہے ابھی، تمہاں پر غور فرمائی رہے تھے کہ وہ صاحب پھر گیا ہوئے۔

”جی محترمہ بیٹھیے پلیز اور بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”ارے باپ رے باپ یہ تو وہی کل والا گھریلو خلیے والا بلکہ بے ہودہ خلیے والا خونخوار دیو قامت بندہ ہے ہمیں ایک دم بیٹھتے بیٹھتے یا آئی گئی دل میں ناگواری کی لہریں اٹھی کہ جو استاد خود نہیں جانتا کہ اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولنے سے پہلے اپنا حلیہ درست کرنا ہے وہ اپنے طلبا کو کیا سکھائے گا کہ زندگی کے مشکل ادوار کا در کھولنے سے پہلے کیسا حلیہ اور کیسا رویہ ہونا چاہیے۔ خیر دل پر جبر کر کے ہم نے ان کی طرف دیکھا۔

”جی ہم نے اپنے بچوں کا ایڈمیشن کرایا ہے، کافی اسکول دیکھے ہم نے مگر دل نہیں پاتا ہی نہیں۔“ ہم نے اپنی طرف سے ذرا کھسے سے بات کی تھی۔

”جی، جی ضرور کیوں نہیں ہم تو بیٹھے ہی آپ لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے۔“ انہوں نے اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے گھسرتے ہوئے سفید ہاتھوں میں بیسی ٹیکل کر کہنا۔

”آپ کے نیچے پہلے کتس پڑھتے ہیں؟“ اب لگا باقاعدہ انڈیو کا آغاز ہو گیا ہو۔

”جی وہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے انگلش میڈیم سیکشن میں پڑھتے ہیں بڑا احمر 7th اور چھوٹا اسفر 6th میں۔“ ہم نے بڑے فخر سے بتایا (نجانے خود بخود یہ فخر ہمارے لیے

لی اے پاس پچھرز رکھی ہوئی ہیں ناں آپ نے... زیادہ فیس لے کر تنخواہ کیا دیتے ہیں آپ انہیں کچھ خدا کا خوف ہے کہ نہیں... بی بی بچہ بزار، رو سو فیس اور فی اسٹانی تنخواہ 25000 سے 30000 بس جبکہ گورنمنٹ اسکولوں میں برائے نام فیس ہے اور پچھرز کی تنخواہ پر کوشش اور تاحیات آپ کا کیا بھروسہ کرکل ہی بی بی نانی اسٹانی اپنی تنخواہ بڑھانے کی بات کریں اور آپ انہیں نکال باہر نہ کریں۔ "ہم نے کمرے کے کھلے دروازے سے نظر ڈالنے والی کلاسوں کے اندر بڑھانے والی اٹھارہ انیس سالہ لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا ہے۔"

"جی ہاں... جیسے محترمہ آپ جاسکتی ہیں ہمارے اسکول کے داخلے بند ہو چکے ہیں اور اگر کھلے بھی ہوتے تو آپ کے بچوں کے لیے توڑ جاد نہیں ہے یہاں۔ "وہ ایک آواز بولنے لگی جو بولنے تو ہمارے سامنے تھی تو بھونچے ہوئے تھے۔ انہیں ہم نے ہاتھ اپنے کے لیے نہ کھولا ہی تھا کہ سامنے والی کلاس سے کسی بچے کے چمچنے کی آواز آئی اور اس کے تونق میں دیکھا تو وہ رات کے کھلے کا کھلا رہ گیا دو تین بچوں کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ "نوعمر پچھرز انہیں بڑی طرت سنگ سے پہن رہی تھی۔ بچے رو رہے تھے پتا نہیں اتنے فریشتین کیا تھی جو وہ بچوں کو ہار مار کر نکال رہی تھی۔ اس نے ان کے جواظر کی تو ترم کی انہیں سکھانے کو بیچوں پر کھڑا۔ پتا بھی اس کلاس کا نظارہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اگلی کلاس کا منظر سامنے تھا۔ مس صاحب اپنی سیٹ پر چٹھی لٹھی بچوں کی کاپیاں چیک کر رہے ہوئی جب ان کی طرف اڑا اڑا کر ان تک پہنچا رہی تھی۔ ہمارا منہ تو حیرت کے مارے کھلا ہی تھا۔

پر اس صاحب کا تو مارے جھلت سکے رنگ ہی بدل گیا۔ "جی... تو یہ سب آپ کے اسکول کا "ڈیپلن" اور یہ ہے وہ "پار" تھا آپ بچوں کو دیتے ہیں بہت خوب۔ پر اس نے صاحب آپ نے تو ہماری آنکھیں ہی کھول دیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ہمارے بے چارے میاں صاحب جو بات ہمیں اتنے دنوں سے نہیں سمجھا پار ہے تھا وہ آپ نے ہمیں ملتا بھر میں سمجھا دیا آپ کا بے حد شکریہ جناب۔"

کہتے ہوئے ہم اٹھے اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ بریک کی بیل ہو گئی اور اس گھنٹی کے ساتھ جو طوفان بدتمیزی ایک دم مچا لاما ان اونیٹ ہمارے تو طوطے، کبوتر، ناٹا میں سب ایک ساتھ ہی زنگئے۔

ایک شور تھا بچوں کا جو کلاسوں کے اندر اور باہر کور ہے تھے۔ پلے ٹراؤنڈ تو تھا نہیں ان لیے بس بیڑھیوں سے ہی اور بچے روز اس لگاتے پھر رہے تھے اور بول بول بالکل لوکل... گھریلو خاص طور سے لڑکوں کی۔

نوحی آج سمجھ میں آیا۔ "بدا چھا اور بدنام ہوا" کیسے ہوتا ہے۔ امرید زبان گورنمنٹ اسکولوں کے بچے استعمال کریں تو بدست اور یہی پرائیویٹ اسکولوں کے بچے بولیں تو فیشن واد بھن واد ہم۔ مڑ کر ایک جتانی نظر پر نسل صاحبہ پر ڈالی اور

جی صاحبہ کو کچھ نظر آئے، نہ ہیں کچھ دیکھتے ہیں یہ بھوکا باڑی کر کھانا کھتے ہوئے باہر کی راہ۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پرائیویٹ اسکول یا ادارے دکھانے کا کام کرتے ہیں یا ان کا دہرا معیار ہے مگر جس ضرب زدگی کے بر شیعے اس کالی بھیریں ہوتی ہیں اس بلبلت میں شیعے کو بھی ایسے لوگ اور ایسے ادارے کھوکھلا دیتے ہیں۔ یہ سوچے۔ بچے بغیر کہ نقصان کسی کا ہے، ہم اپنے اسٹیشن کے ساتھ تو خود ہی پھیل رہے ہیں تو پھر کس سے گریں، شواہدوں کریر اور شکایت کون سے کا ہماری۔ ان سندت نے ساتھ یہ کھانا کھنی کی کھینچ چال ہمیں کسی اندھے کنویں کی طرف لے جا رہی ہے ہم جانتے ہیں مگر جانتے ہو جھٹے آنکھیں بند کیسے چلے جا رہے ہیں۔ بس چلے جا رہے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں ہم غلط کہہ رہے ہیں یا ٹھیک۔ سوچیے گا ضرور.....!!



جب خواب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا
بر صبح کو جی اٹھنا ہر رات کو مرجانا
سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا
خود زہر پیا ہیں نے تب اس کا اثر جانا

ضرورت پڑ جائے گی کسی بیز کی تو تنگ ہوں گے۔"
پر اب تو ہر رات ہی اکیلا ہوں گا یہ خیال ہی غلام
حیدر کی نہیں کھینچ رہا تھا۔
کون ہسکیلوں پر گرم پانی کی بوتل سے ٹکڑ کرے
کا گرم گرم قبوہ اور سوپ کیسے بنے گا۔ پادریں
چنگاریوں کی طرح سینے پر گر کر رول و جگر جلا رہی تھیں
جب وہ اس کے گھر میں آئی تو وہ غیر سنجیدہ سا بکھرا
بکھرا نوجوان تھا۔

والدین میں ذہنی ہمراہی اور اتفاق نہ ہو سکا تو
وہ الگ ہو گئے تو ماں اسے لے کر نانا کی پاس
آئی تب وہ دو سال کا تھا۔ پانچ سال کا ہوا تو ماں
نے بھی جیون ساتھی جن لہذا باپ نے کبھی اس کی خبر
نہ لی کہ کس حال میں ہے۔ سو تیز باپ شروع شروع
میں تو ٹھیک رہا پھر اس کے سوتیلے بہن بھائیوں کی
آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ہر سال ایک بچے کا اضافہ وہ

جدائی کیا ہوتی ہے اسے اب پتا چلا تھا اور عمر کا
اکیلا پن بھی کیا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا یا
حقیقت میں تھا ہو گیا تھا۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ
چکھنا ہے رضید کی موت اسے ہر پہلے بے گل کیے
جا رہی تھی۔ موت سے زیادہ موت کی وجہ نے اس
کے اندر طوفان برپا کر رکھا تھا۔

"تھوڑا سا آرام کر لو بابا! عائشہ نے سوجھی ہوئی
آنکھوں سے باپ کی طرف تکیہ بڑھایا جو تقریباً
پوری رات ہی سے گھٹنوں میں سر دیئے دیوار سے
ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

آرام کیسے آتا میں سالہ شادی شدہ زندگی میں
پہلی بار وہ رات کو گھر میں نہیں تھی ورنہ تو بیٹیوں سے
ملنے یا کسی بھی خوشی غم میں اکیلی شریک ہوتی تو دن
ہی دن میں واپس آ جاتی۔

"خانا کے ابا اکیلے ہوں گے بیمار رہتے ہیں"

اپنی قد رکھونے لگا۔

گئی ہر وقت گھر کے خیالوں میں کھوئی رہتی۔
”غلام حیدر تم نے رتن تو ٹھیک طرح سے
کروچے تھے باقارم پر۔“

”ہاں ہاں یہ پوچھنے کی بات ہے بھلا۔“
”کوئی مسئلہ ہی نہ بن جائے۔“ اس نے فکر مند
ہو کر پوچھا۔

”تو بڑی وہی عورت ہے۔“ وہ ہنس کر کہتا۔
”تم نے پوچھا ہم وہاں کب تک گھر بنا سکیں
گے۔“ اس کی آنکھوں کا اضطراب صرف وہی سمجھ
سکتا تھا جس نے اسے تیس سال سے اپنے گھر کے
خواب کے ساتھ جیتے دیکھا۔

”سنو غلام حیدر! ہم دو کمرے بنائیں گے ایک
اپنے لیے اور ایک عائشہ اور حتا کے لیے جب بھی وہ
آتی ہیں رات گئے تک۔ بچ کتنا شور کرتے ہیں۔ صبح
تک میری تو نیند ہی اڑ جاتی ہے صحت پر جانے کے
لیے کتنی سڑھیاں نہیں گی ورنہ کہیں دو درخلاؤں میں
گھورنے لگتی تو غلام حیدر دگلتا کہ وہ دل ہی دل میں
جیسے سڑھیاں گن رہی ہو ایک دو..... تین.....

”مگر تم اکیسے بچتے رہے نہ جانا۔“ وہ اچانک
بولی۔ ”کسی کا ہاتھ پکڑ کر جانا، نظر بہت کمزور ہو گئی
ہے تمہاری۔ پہلے گھر بن جائے تو آنکھ کا آپریشن بھی
کروالیں گے۔“

دونوں ہی دن رات اپنی دو عمر لے کی توقع
جنت کے تانے بانے ہی میں الجھے رہتے یہ خواب
ہی تو غریب کی زندگی میں تلخیوں کو کم کرنے کا آسرا
اور امیدیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں سے کم
نہیں ورنہ تو سینے میں سانس بھی گھسنے لگتی ہے کئی
کمزور لمبے آئے ٹوٹ کر بکھر جانے والے لیکن وہ
ایک دوسرے کا سہارا بن کر محبت کی گھسی چھاؤں میں
آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران دو ننھی پریاں آنگن

ماں چھوٹے بچوں میں مصروف ہوتی اور وہ بھوکا
ہی اسکول چلا جاتا جیسے تیسے دسویں پاس کر لی اب
سو تیل پاپ کھل کر اسے برا بھلا کہتا طبیعت میں اتنا
اور خودداری تھی لہذا ایک دوسرے شہر سے آئے
دوست کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک چھوٹی سی نوکری
ڈومرڈی تو مگر ربرس ہونے لگ گئی۔ کبھی کبھار ماں
سے ملنے چلا جاتا۔ باپ کی صورت سے نا آشنا پھر
ایک شادی میں ایک دور کی خالہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔
”پڑھا لکھا ہے کھاتا ہے اور سب سے بڑھ کر
اکیلا نہ ساس نہ مند۔ ارے آج کل کہاں ملتا ہے ایسا
رشتہ۔“ ایک بڑی بوڑھی نے مشورہ دیا۔ ”چار بیٹیا
ں ہیں تیری بیاہتے بیاہتے بوڑھی ہو جائے گی۔
ارے کہہ تو بات چلاؤں۔“ تب خالہ نے نیم رضا
مندی کا اظہار کر دیا حالانکہ دل سے چاہ رہی تھی کہ
رشتہ ہو جائے۔ بڑی بیٹی تیزی سے قد نکال رہی تھی
اور باپ چار سال سے چار پائی پر پڑا تھا اور وہ رضیہ
کی اٹھان دیکھ دیکھ کر باؤلی ہوئی جا رہی تھی۔

زندگی ایک نظام میں جڑ گئی اسکول ٹیچر بنا کر
ہمیشہ دیر سے جاتا رات کو دیر تک دوستوں کی گفتگوں
میں رہتا۔ اب تو ہر چیز گھڑی کی سوئچوں پر چلنے لگی۔
رضیہ خواب بہت دیکھتی جاگتی آنکھوں کے
خواب..... خوابوں اور امیدوں کے بغیر زندگی کا غم
کے پھولوں جیسی ہے بغیر خوشبو کی۔

غلام حیدر نے بے چین سے پہلو بدلا فرش پر درمی
کے اوپر بیٹھا وہ تقریباً آٹھ گھنٹے جوڑ جوڑ دیکھنے لگا۔
رہیہ کبھی اس طرف سے آ جاتی کبھی اس طرف
سے۔ جب سے وہ پلاٹ کی پہلی تین قسطیں جمع کروا
کر آیا تھا وہ بہت خوش اور بے جوش تھی۔ اپنے گھر کی
تمنا جیسے کسی جو تک کی طرح اس کے من میں چٹ

فضہ اسلام

اسلام علیکم! ڈیر قارئین میرا نام فضہ اسلام ہے اور کاڑھ شہر کے ایک نواحی گاؤں سے میرا تعلق ہے ہماری کاسٹ رائے کھل ہے ہم زمین دار لوگ ہیں۔ میرے دو بھائی اور ہم باج سسٹرز ہیں۔ میری تین بہنیں اور ایک بھائی میرڈ ہے۔ میری ایک سسٹر کی ڈیوٹی ہے ان کا ایک ہی جینا ہے گھر میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ 3 مارچ میری ڈیوٹی آف برتھ ہے میں ایف اے کر رہی ہوں آج کل کافی عرصے سے بڑھ رہی ہوں۔ بڑی مشکوٰوں سے ہم شہر سے آج کل منگواتے ہیں میری سسٹر شازیہ آج کل کی دیوانی ہے اور وہ تمام آج کل سنبھال سنبھال کے رکھتی ہے کسی کو نہیں دیتی پڑھنے کے لیے۔ میری کزن فرینڈ آرمو بھی آج کل پڑھتی ہے آج کل کی فلوٹ رائٹرز میرا شریف نازیہ کنول ام مریم حمیرا نگاہ ہیں۔ شاعری سے لگاؤ ہے خود بھی کرتی ہوں۔ میرے فلوٹ شاعر وحسی ناناہ ہیں فلوٹ گھر پنک وائٹ ٹیک اور پھولوں میں گلاب کا پھول پسند ہے ایکٹریس فلوٹ رحمان صاحبہ منم بلوچ ہیں۔ میری آج کل فرینڈز میں بشری باجوہ جاناں شاہ علی ام کلثوم فرالہ راؤ ہیں۔ میں بشری باجوہ سے مل بھی چکی ہوں۔ پسندیدہ رشتہ ماں کا اور دوستی کا ہے۔ میں بہت حساس اور نرم مزاج ہوں۔ مجھے ہنر ہے حد پسند ہے اور راوی بھی۔ ندیائے راوی ہمارے گھر کے قریب ہی ہے مجھے کھانے میں بریانی پسند ہے۔ کبھی کبھی کھانا بنا سکتی ہوں باقی شازیدہ باجوہ ہی زیادہ کام کرتی ہیں۔ مجھے پر خلوص محبت کرنے والے لوگ پسند ہیں۔ چھوٹے مغرور لوگ پسند نہیں ہیں سادگی پسند کرتی ہوں۔ فلوٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آج کل کے تمام سلسلے میرے فلوٹ ہیں۔ مجھے آج کل سے بے حد پیار ہے۔ پسندیدہ موسم بہار کا ہے جب ہر طرف ہیر پالی چھا جاتی ہے میرا آج کل فرینڈز کو سبھی پیغام ہے کہ وہ نماز پڑھا کریں اللہ سے دل کی بات کریں اللہ سے دوستی رہیں۔ وہ آپ کی سنتا ہے۔ آج کل کے لیے آج کل کے اسٹاف رائٹرز قارئین کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہنر ثابتا قائم با نام رکھے آمین۔

میں اتریں رضیہ کو بیٹے کا چاؤ تھا۔ سے دیکھتے آئے تھے۔

ناروں بھرا آسمان ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ہزاروں۔ کے خیال ہی۔ سے دونوں کی آنکھیں موندنے لگیں۔

”سنو غلام حیدر اگری میں چھت پر بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کا پیالہ پینے بن کتنا مزہ آتا ہوگا مجھے تو سوچ کر ہی پیاس لگ گئی۔“ جس زوہ کمرے میں لو دیتے چکھے کو وہ حسرت سے دیکھتی اور کونے میں پڑے چھوٹے سے واڑ کولر سے پانی نکالنے لگ جاتی۔

رینا ٹرمنٹ کا پیسہ لیا اور کچھ کمیشیاں وغیرہ اکٹھی کر کے اور گھر میں کی گئی بچوں کو ملا کر بچوں کے ہاتھ پیلے کر دیے تو غلام حیدر جیسے پھر سے جوان ہو گیا، بیٹوں کے فرض کی ادائیگی والدین کو کتنا معتبر

”پیشیاں تو رب کی رحمت ہوتی ہیں بھلی مانس دیکھ تو ایسے مہک رہا ہے ہمارا گھر ان کیوں کی خوشبو سے۔“ غلام حیدر دونوں کو کھینک دیکھ کر نہال ہو جاتا۔

ماشری کی تنخواہ میں گھر کب تک چلا اس نے شام کی خوشن لینا شروع کر دی۔ کب دن لگتا سورج زحلا پتا ہی نہ چلا جب دونوں بھنیں گریجویٹ ہو گئیں تو ان کے بیاہ کی فکر سے غلام حیدر کے کندھے جھک گئے ہمیشہ منال کمایا اور بچوں کو کھلایا دال روٹی اور بچیوں کی تعلیم دن رات محنت کی حالانکہ اس کے ساتھ والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور اپنے گھروں کے مالک ہو گئے۔ بچیوں کی شادی کے چکر میں ایسے گھن چکر بنے کہ گھر کا خیال تو کسی کونے میں مایوسی کی چادر اوزھ کر سو رہا جو وہ جوانی

وہ لجاجت سے یولی تو غلام حیدر شرمندہ سا ہو گیا۔
 ”غریب کچھ خرید۔۔ چلا بھی جائے تو صرف
 حسرتیں اور نئے دکھ ہی خرید کر لاتا ہے۔“ وہ بھی اس
 کی ضد کے آگے ہار گیا۔

رضیہ کو پیالہ تولے آیا مگر وہ سوٹ لے کر نہ
 دے سکا جو وہ گل دیکھ کر آیا تھا اور ساری رات اس
 کی تعریفیں کرتا رہا۔ دکان کے سامنے سے گزرتے
 اس نے سوچا کاش وہ سوٹ بک گیا ہو تو دل اس
 چھین سے بچ جائے گا جو کانٹے کی طرح گڑا تھا۔
 سوٹ اپنی پوری آب و تاب سے رنگ اس کی مفلسی
 پر نہیں رہا تھا مگر رضیہ نے چہرے پر سوٹ سے بھی
 زیادہ خوب صورت اور لہرے رنگ بکھرے تھے
 اور اسے سوٹ نہ ملنے پر ارا بھی ملال نہ تھا اور غلام
 حیدر سوچ رہا تھا۔

”ہاری خواہشیں ہمیشہ ادھوری کیوں رہتی ہیں
 آخر تم اس کا کیا کر دو گی؟“ وہ بولا۔

”گھر میں ہم ہیں کتنے لوگ اور ذمیر برتنوں
 کا بے جب اپنا گھر بنے، انا غلام حیدر تو اس کی چھت
 پر بیٹھ کر ٹھنڈا پانی چیا کرتا ہوں گے اس میں۔“ تو وہ کتنی
 ہی دیر اس کی معصومیت، ہنستا رہا کہ وہ چڑ گئی۔

”تو تمہارا کیا خیال ہے نہیں بنے گا اپنا گھر؟“
 وقت پر نگا کراڑتا رہا اور پیالہ صندوق کی سطح سے ہوتا
 ہوا نیچے پیندے میں چلا گیا رضیہ کے خوابوں کی
 طرف۔ بچیاں بیٹھے، بعد گھر میں کچھ تنگ دستی ہی
 ہوئی تو غلام حیدر نے دکان پر چھوٹی سی نوکری کر لی۔
 گزارہ پھر چلنے لگا دو بنہ دن کا کیا خرچہ کلو ہی ہی ختم
 نہ ہوتا مگر جب عائشہ اور جنا آ جاتیں تو دو دنوں ہی
 میں از جاتا وہ اکثر شکایت کرتی۔

”اری بھلی مانس! جان کے حصے کا کھسا ہوتا ہے
 کھا جاتی ہیں کیوں ناشوری کرتی ہے۔“

اور آسودہ کر دیتی ہے بلاشبہ گھر ایک دم سونا ہو گیا۔
 رضیہ بات بات پر یاد کر کے روتی۔

”اری بھلی مانس بینیاں گھر رکھنے کی چیز
 نہیں، راجہ مہاراجہ نہ رکھ سکے یہ غریب
 مانس کیسے رکھتا۔“

”اللہ کوئی بیٹا ہی دے دیتا گھر میں بہو آتی
 پوتے پوتیا کھیتے تو رونق لگ جاتی۔“ وہ ہل کر کہتی۔
 ”یہ قدرت کے فیصلے ہیں بھلی مانس! ہماری کیا
 مجال کہ دل دین رب کے ہر فیصلے میں بندے کے
 لیے بھلائی ہے۔“ وہ اسے تسلی دیتا تو وہ سر آدھ بھر کر
 خاموش ہو جاتی۔

وہ ایک بار پھر بچکیاں لے کر دس لگا بینیاں
 باپ کو حوصلہ دیتی رہیں عزیز و اقارب تسلیاں دینے
 لگے مگر اس کے سینے میں تو آگ سی لگی تھی جسے زار
 زار پتے آنسو بھی بجھانے میں ناکام تھے۔ بیٹیوں
 نے سہارا دے کر کھڑا کیا تو وہ لڑکھڑا کر رضیہ کی
 چارپائی پر گر گیا۔ نیند کا جھونکا آنے بھی نہ پایا کہ وہ
 بڑبڑا کر اٹھ گیا۔ رضیہ کا صندوق کھول کر کچھ تلاش
 کرنے لگا، کپڑوں کی تہوں کے نیچے سے شاپرٹیں
 پینا ایک نقرئی رنگ کا نقش پیدل اس کے ہاتھ میں تھا
 اور وہ چاروں طرف سے اسے گھما گھما کر دیکھ رہا
 تھا۔ آنسوؤں کے دھندلکے میں منظر بدلنے لگا ان
 کی بڑی بیٹی حنا جب چھ ماہ کی تھی تو وہ رضیہ کو میٹے پر
 لے کر گیا تھا کہ اچانک ایک دکان پر وہ ٹھک کر رک
 گئی۔ دھوپ میں لشکارے مارستے چاندنی جیسے برتن
 رضیہ نے جھپٹ کر ایک نقش پیالہ اٹھالیا۔

”سیرے پاس پیسے کم ہیں۔“ وہ قیمت سن
 کر بولا۔

”نیک سے میں اپنا سوٹ نہیں لیتی صرف حنا کا
 فرائد ہی خریدیں گے لیکن مجھے یہ پیالہ لے دو۔“

بشری کوثر وارث علی

السنہ: ۱۹۸۱ء میں آج آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو تین جہانوں کی طرف حائر ہوا ہے نہ جان نہ پہچان تو جی ہم اپنا کھل تعارف کرواتے ہیں لیکن تعارف حاضر ہے۔ میرا نام بشری کوثر ہے بی بی ارشد فی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 7 اکتوبر کو اس جہان فانی میں تشریف لائی ہم ماشاء اللہ ستا آٹھ ماہن بھائی ہیں میرا نمبر دو درجہ ہے۔ نو شہرہ درگاں کے نزدیک گاؤں ساو دور گاں میں رہتی ہوں۔ مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں سفید اور کالا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں بریانی پسند ہے آٹا کس کریم تو خاص طور پر مردیوں میں پسند کرتی ہوں۔ لہذا میں میں قیاس شنوار اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ آٹا کس سے رشتہ تقریباً چھ سات سال پرانا ہے۔ فورٹ رائزرز میں نازیہ کنول نازی اور میرا شریف طور ہیں۔ نیک شاعرین جو ہمارے جذبات کا اظہار کرے جو دل کے تاروں کو چھیر دے بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شعرا میں جی شہدہ ساغر پروین شاکر اور احمد فراز پسند ہیں۔ چینی وغیرہ میں صرف ٹاپس پسند ہیں۔ گڈ لینا اور دینا دونوں اچھے لگتے ہیں۔ خوبیاں اور خرابیاں تو ہم سے وابستہ ٹوک ہی بتا سکتے ہیں ویسے میرے خیال میں کوئی بھی انسان کھل طور پر خوبیوں کا مرقع نہیں ہوتا ہر کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو خرابیاں بھی ہوں گی اور ان میں ذمیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی خوبی سے بھی نوازا ہوگا۔ اسی طرح مجھ میں بھی خرابیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہیں خاص طور پر جب کوئی جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو غصہ بہت آتا ہے جذباتی بہت زیادہ ہوں مزاج کی بہت سنجیدہ ہوں۔ تنہا پسند ہوں۔ مہندی بہت اچھی لگتی ہوں تقریباً ہر کام بڑی مہارت سے کرتی ہوں۔ لکھنا بہت اچھا لگتا ہے پرائیوٹ ٹیچر ہوں۔ دیپلےشن کا ارادہ ہے۔ میرا دفتر کا بہت شوق ہے خاص طور پر لنگ ڈرائیو اور رات کا سفر۔ میں سید سنگھ پسند کرتی ہوں اور آخر میں تمنا فریڈز کے نام ایک چھوٹا سا پیغام پلیمز کی پرائیوٹ ہاؤس میں جب ماں انٹنا ڈوٹا ہے تو اس کی کرچیاں سیدنی ہل میں چھپتی ہیں۔ کوشش کریں کہ آپ کی بات سے کسی کا دل نہ کھلے اللہ حافظ۔

پھر اچانک ایک دن غلام حیدر نے دیکھا اخبار میں اشتہار تھا کہ دوسرے کے پلاٹ دستوں پر دیے جا رہے ہیں وہ آتے ہوئے اخبار چھڑے لے لیا۔ رضیہ کو دکھایا تو کھل اٹھی: بسوں سے کہنے میں سونے خواب نے مایوسی کی چادر چھین لی اور پھر جاگتی آنکھوں کا تارا ہو گیا۔

”انہیں نہیں غلام حیدر! ہم یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں گے کچھ بھی کریں گھر ضرور بنائیں۔ ہم پیشین کے پیسوں سے گزارہ کر لیں گے ساتھ والی کے ساتھ یعنی ڈال کر پہلی میں لے لوں گی تم دوکان والے سے کہو چند ماہ کا ایڈوانس دے دے۔ بھلے ہی مکان کرائے کا ہے ہم کون سا بھاگے جا رہے ہیں اتنے سالوں سے بیٹھے ہیں۔“ دو ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔

”اچھا اچھا کرتے ہیں کچھ۔“ وہ مسکرایا تو رضیہ کو مید بندھتی۔

سر پر قرش چڑھا وہ تین تین قسطیں ادا کر آ یا اور اب پانچ ہزار ماہانہ ادا کرنے تھے۔ آج اس نے رضیہ کے چہرے پر برسوں حد پھر وہی رنگ دیکھے جو انگریزی زبانہ فریڈز سے ہو گیا دیکھے تھے۔ خواہشوں کے رنگ کسی عمر میں بھی پھلے نہیں پڑتے۔ غلام حیدر نے بغور اس کا چہرہ دیکھنا دیکھنا ہوئے سوچا غلام حیدر بڑی دیر تک پیالے کو دیکھتا رہا جانے کتنی ہی بار اسے رضیہ نے مانجھا اچھوا اور محبت سے لپیٹ کر رکھا تھا اسی لیے برسوں بعد بھی اس کی آب و تاب وہی ہی تھی اس نے کبھی بے پڑہ مسائل کے باوجود بھی پیالے اور اس سے جڑی خواہش کو مانہ نہ پڑنے دیا اور جب وہ تین ماہ کی قسط منع کروا کر آ یا تو رضیہ نے

گا کہ ہمارے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہو گیا، وہ جگہ تو بکاؤ
تھی ہی نہیں، کوئی فراڈ کمپنی چکھ دے گی۔

”تم بتاتے کیوں نہیں۔“ اور پھر الفاظ اس کے
لبوں سے پھسلنے لگے، رضیہ نے سینے پر ہاتھ رکھا تو
ایک ہائے کے ساتھ ہی وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

”رضیہ..... یا.....“ غلام حیدر کی چیخ سے در و
دیوار مل گئے اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔ رضیہ کے بعد
جیسے اس کا دل بھی دنیا سے اٹھ گیا، اس نے ٹریک
سے پیالہ نکالا اور کچھ سوچ کر قبرستان کی طرف چل
پڑا اور راستے سے کچھ باجرہ اور چاول لیے اور قبر پر
بکھیر کر پیالہ بھر کر پانی رلھایا۔

اگلے دن جب وہ سویرے سویرے قبر پر گیا تو
نقڑی پیالہ غائب تھا، وہ بوڑھے گورکن کی جمو پیڑی
تک گیا اس کا بیٹا بیٹھا سگ بیٹھ میں جس بھر رہا تھا۔
”دیکھو۔“ وہ مریل سی آواز میں بولا۔ ”کل
میں نے اپنی بیوی کی قبر پر ایک نقڑی پیالہ پانی بھر
کر رکھا تھا اب وہ نہیں ہے۔“ وہ اٹھ کر قبر تک آیا،
ادھر ادھر نظر میں دوڑائیں، سگریٹ کا گہرا کش لیا،
زیر لب مسکرایا اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے
ہوئے بولا۔

”کوئی مٹی وٹی کا رلھ دیتے بڑے میاں! ایسی
چیزیں یہاں کون چھوڑتا ہے۔“ اور جمو پیڑی کی
طرف چل دیا۔ غلام حیدر قبر پر گر گیا وہ قبر سے چٹ
کر یوں رو رہا تھا جیسے اسے ڈر ہو کہ اب کوئی رضیہ کا
بے جان جسم بھی نکال کر لے جائے گا۔



ایک بار پھر پیالے کو اس جانفشانی سے رگڑا کہ وہ ڈر
گیا جیسے وہ آخری بارہ، نچھ رہی ہو جانے یہ منحوس
خیال اسے کیوں آیا وہ اسے بار بار دیکھ رہی تھی۔ کبھی
پانی سے بھر کر ہونٹوں کو لگاتی پھر لو برساتے چھت
کے پتھے کو دیکھتی اور پھر بڑا سامنہ بنا کر مسکرانے لگی۔
”اب بس کرو رکھ دو اسے۔“ اس نے ٹوکا۔

”کیوں آج ہی تو اسے چمکانے کا وقت آیا
ہے دیکھو تو سہی غلام حیدر اس پر کندہ کلیاں جیسے
نکل سی گئی ہیں۔“

”ہاں تھوڑی دیر تمہارے ہاتھ میں اور رہا تو
وہ خوشبو بھی دینے لگیں گی۔“ وہ مسکراتا ہوا دکان
پر چلا گیا۔

میٹھییاں ڈرا بڑی اور چوڑی رکھنا، عاتشہ اور حنا
کے سچے شرارتی ہیں کہیں گرنہ جائیں اکثر وہ گھر کو
چاروں طرف سے تھارت سے دیکھتی، کتنا کٹن زدہ
سے زندگی کے تیس سال تو اس نے اپنے گھر کے پٹے
میں گزارے تھے، اسے تو وہ ڈر بہ کہتی تھی اور پھر تین
ماہ بعد وہ قسط جمع کرانے جا رہا تھا سفید براق شلوار
قیص بڑی مشکل سے سلوٹس نکالی تھیں۔ رضیہ
جاتے ہوئے اس کے بوت پرانے کپڑے سے
صاف کرنا بھی نہ بھولی اور بار بار بول رہی تھی یہ
ضرور پوچھنا کہ ہم گھر کب تک۔ بنوانا شروع کریں
اگر وہ اجازت دیں تو سینٹ، اور اینٹوں والوں سے
بات کرتے آتا جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا اس
نے رضیہ کی آواز سنی تھی واپسی پر اس کا منہ لٹکا دیکھ کر
وہ بھی پریشان تھی۔

”کیا بات ہے غلام حیدر! کیا وہ ابھی گھر بتانے
کی اجازت نہیں دے رہے۔“

”کوئی بات نہیں اتنی جلدی بھی کیا ہے۔“ مگر
غلام حیدر سارے رستے سوچتا آیا کہ وہ کیسے بتائے



خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
 موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
 مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن
 پچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ

یہ نہیں کہ کس کا فون تھا؟“ س نے اس کے ماتھے سے
 پسینہ صاف کرتے ہوئے کہ جبکہ وہ خاموش رہی۔
 ”اتھ روم گئی تھی فون۔ بات تو باہر چلی گئی کہ کہیں آواز
 سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے۔“ اس نے بہانہ بنا لیا وہ
 مطمئن ہوا کہ نہیں یہ بات ان کے لیے قابل غور نہیں تھی
 اس وقت وہ خاموش تھا۔ انا نے ہر شکل میں نہیں گی یہ بات
 ہی قابل تسلی تھی۔ وہ اس کا گول پچھتا کر بیڈ پر دراز ہو گیا
 اس نے بھی جان بچنے پر خد کا شکر ادا کیا اور کروٹ بدل
 کر آنکھیں موند لیں جبکہ اس کے شوہر نے بیڈ کے
 دوسرے سائیڈ چھت کو گھورتے ہوئے اپنی سوچوں کو ایک
 نقطے پر مرکوز کر دیا۔

”میسے آپ کو مل جائیں گے فکر مت کیجیے بس میرا
 کام ہو جانا چاہیے۔“ وہ دھیرے سے بولی کہیں رات
 کے اس پہر کوئی اس کی آواز نہ سن لے۔
 ”میں نے کہا کہ کل میں خود آ کر آپ سے ملتی
 ہوں۔“ وہ دھیرے سے غرائی تھی اور فون بند کر کے
 واپس بیڈ پر دراز ہو گئی ایک نظر سائیڈ پر سوئے اپنے
 شوہر پر ڈالی اور پھر آنکھیں موند کر سگورنہ سانس لینے
 لگی تب ہی اپنے چہرے پر کسی چیز کے رینگنے کا احساس
 ہوا تو جھٹکے سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈر کے
 مارے رکا ہوا سانس خارج کیا۔ وہ بدستور بغور اس
 کے چہرے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

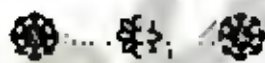
”دیکھتی ہوں تم کیسے میرے بیٹے کو اپنا گرویدہ کرتی
 ہو ایسا عمل کرواؤں گی کہ وہ تم سے دور بھاگے گا۔“ یہ آواز
 اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے فوراً آنکھیں کھول
 دیں۔ آس پاس تو کوئی بھی نہیں تھا پھر اس نے اپنے

”جہاں سے آ رہی ہو؟“ دھیرے سے سوال کیا تھا
 مگر اس کا گھٹک ہو گیا پھر مصنوعی انداز میں مسکراتے
 ہوئے ٹریڈ آئر بولی۔
 ”کوئی نہیں اردن نمبر تھا۔“
 ”سوئیٹ ہارٹ! میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو“

بڑھی اور پانچ ہزار نکال کر بیگ میں رکھے اور باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ راستے میں سانس مل گئی۔
 "کہاں جا رہی ہو بیٹا! انہوں نے نرمی سے پوچھا۔
 "ہوں ایسے پیار سے دل رہی ہیں جیسے اندر سے ایسی ہی ہوں۔" وہ سوچ کر رہ گئی پھر مصنوعی سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"امی! ابھی آرہی ہوں سوچا دوست سے مل آؤں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" انہوں نے چوں چوں کے بغیر اسے جانے دیا وہ اپنی سانسوں بحال کرنے پر نکل گئی۔ جس منٹ بعد وہ داخل کے سامنے پہنچی اور وہ پیسے کے گرنے سے تکی دے رہے تھے۔ اسے ان کے سامنے رہی بیویوں کھوپڑیوں اور کمرے کے عجیب و غریب ماحول سے وحشت ہوئی تھی۔ وہ قہقہہ مار رہا تھا پارٹی آرہا تھا۔ بعد وہ فوراً وہاں سے نکل گئی۔ لوٹوں کا ایک عجیب سا انداز اس کے باہر اپنی باہر کی کا انتظار کر رہا تھا وہ نقاب لگا کر سیدھی گھر کی جانب بھاگی۔ اسے شہاب کے آنے سے پہلے پہنچنا تھا۔



"میں پیسے دے آئی ہوں میرا کام ہو جائے گا نا؟" وہ فون پر مشاء سے پوچھ رہی تھی۔

"تم قلمیوں کرتی ہو میری جان! وہ بہت اچھے عامل ہیں تمہارا کام ضرور ہو جائے گا۔ اس تمہارے جو میں کہوں یا نہ ملے یا نہیں۔" اس کو جواب دیتے بھانگی اسے فون رکھنا پڑا تھا کیونکہ شہاب ہاتھ لے کر نکل آئے تھے۔ شہاب نے ایک نظر سامنے بیڈ پر بیٹھی ہانسی پر ڈالی اور پھر الماری سے شرٹ نکال کر پہنتے ہوئے لا کر کھول کر پیسے نکالنے سمیٹنے کے بعد ایک نظر ہانسی کو دیکھا اور پھر استفسار کیا۔

"ہانسی! تم نے پیسے لیے تھے؟"

"جی۔"

"کیوں؟ کیا ضرورت تھی ابھی تو پچھلے ہفتے ہی تم نے تین ہزار لیے تھے اور اب پھر پانچ ہزار؟" اس نے

ساتھے پرآپا پسینہ صاف کیا اور پھر اپنی غمگسار دوست کو فون کرنے لگی جو اس کی اور شہاب کی مکملی کے بعد سے ہر بات سے باخبر تھی۔ اس نے شادی کے بعد اسے نئے گھر میں رہنے کے طریقے بتائے، تھے اسی نے اطلاع دی تھی کہ شہاب کی امی بڑی چال باز خاتون ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے نہ جانے کون کون سے عمل کرواتی ہیں اور تو اور وہ تو یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے شادی کرے۔ اس کے لیے بھی وہ ایک خاص قسم کا عمل کر رہی ہیں یہ سب جاننے کے بعد ہانسی کا دل شہاب کی امی کی طرف سے متنفر ہو گیا تھا مگر مشاء کے کہنے پر بھی وہ کسی قسم کے ناگواراثرات پر بہنے پہلے ان کے سامنے اپنی اور خوش اخلاقی سے پیش آتی اور ان کو شہاب بھی اس سے دور رکھنے لگے تھے۔

مشاء کے مطالب عمل کا اثر ہوا تھا وہ شہاب جو شادی کے بعد اس سے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا وہ اب اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ ہانسی کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی وہ شہاب کو بے پروا پاتی تھی اور اسے فون سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے مشاء کے کہنے پر اس کے ساتھ وہ بھی ایک عامل سے پاس لگائی جس نے لیٹین دلا دیا کہ اس کا شو برٹین مہینے کے اندر اندر اس کی منٹ میں ہوگا اور اس کی منٹ کے عمل کا رتی بھر بھی ٹک نہیں ہوگا پھر اسے اس عمل کے لیے پیسے بھر دے دیے ہوں گے۔ مشاء کے سمجھانے پر وہ خوشی خوشی اس عمل کے لیے راضی ہو گئی۔ مشاء نے فون اٹھایا تو اس نے فوراً سب کچھ اس کے گوش گزار کیا۔

"مجھے پتا تھا یہ سچی تو ضرور ایسا ہی کچھ سوچ رہی ہوں گی پر تمہیں یہ اشارہ ملا ہے کہ وہ ابھی بھی اپنے گندے کام ہی لگن کے ساتھ کر رہی ہیں! بس تم آج جا کر عامل بابا کو پیسے دے دو تاکہ وہ تمہارا کام جلد از جلد کر دیں۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی نکلتی ہوں ابھی تو شہاب بھی آفس گئے ہیں اس سے پہلے کہ آجائیں میں دے آتی ہوں۔" ہانسی فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے الماری کی سمت

رنگارنگ کہانیوں کی آراستہ دلچسپ حریر

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



قندریات

دنیا کو سیر کرنے والی ایک ایسی لڑکی جو ہر جگہ پر اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔

وہ اپنے ذات کے لئے ایک نئی دنیا تلاش کرتی ہے۔

رشتوں کے پیچھے چلنے والی ایک لڑکی جس کی زندگی بھر کے لئے ایک نئی دنیا تلاش کرنے کی ہے۔

وہ اپنے ذات کے لئے ایک نئی دنیا تلاش کرتی ہے۔

تاریخ کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کرنے والی ایک لڑکی جس کی زندگی بھر کے لئے ایک نئی دنیا تلاش کرنے کی ہے۔

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کے لئے خوبصورت کہانیاں

خوشبو سخن، منتخب غزلیں، نظمیں، ذوق آگہی، اقتباسات، اقوال، زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ شبیر احمد سے اپنے ذہنی وی مسائل کا حل جانے

پتہ: منٹو بازار، لاہور۔ فون: (021-35620771/2)

نری سے پوچھا۔
 ”اب کیا میں اپنے خرچے کے لیے بھی پیسے نہیں لے سکتی؟ آپ تو بس میرے پیسے لینے کو گنتے رہا کریں۔“ ایک تو پہلے ہی رمشاء سے پوری بات نہیں ہوئی تھی اور پر سے شہاب کی تفتیش..... وہ تو پھٹ ہی پڑی تھی۔

”اس میں اتنا چیخنے والی کیا بات ہے ہانیہ! تمہارے ہر خرچے کو تو میں پورا کرتا ہوں اور یہ اوپر کے خرچے کہاں سے آئے گئے۔ اتنے سارے پیسے کہاں خرچ کرتی ہو مجھے تو کہیں نظر نہیں آتے کوئی چیز تمہارے پاس نئی نظر نہیں آ رہی وہی سب ہے جو میں نے دلویا تھا۔“ وہ اب بھی آرام سے بات کر رہا تھا۔

”ارے میری دوست کے بیٹے کی سالگرہ تھی اسے گفٹ دینا تھا۔“ وہ مت پھیر کر جھوٹ بولنے لگی۔

”ہانیہ! ہم ہر مہینے میں پانچ دس ہزار کے کفلس دینا انورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔ دیکھ بھال کر خرچ کیا کرو اب مجھ سے کوئی ہزار روپے لینے ہیں کہاں سے دوں؟“ وہ

اس سے پوچھ رہا تھا۔
 ”یہ کیجیے.....“ وہ انہی اور الماری سے اپنا زور نکال کر

اس کی طرف پھینک دیا۔ ”بیوے دیجیے اپنی اماں کو۔“ وہ انہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا اور باقی کے پیسے نکال کر ماں کے کمرے میں لے گیا جبکہ ہانیہ نے زور بٹھا کر واپس دراز میں رکھا اور بیڈ پر مت بھلا کر بیٹھ گئی۔

.....
 ”اپنی امی کو جو دس ہزار دے دیے وہ الگ اور جو باقی کے پیسے تھے وہ بھی ان کی الماری میں رکھوا دیے اور مجھے کہتے ہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھے کہو۔ وہ تو اور بھی دور ہوتے جا رہے ہیں۔“ وہ رمشاء سے بات کرتے ہوئے رو دی تھی۔ رمشاء کو جیسے اس پر ترس آ گیا تھا وہ بھی روٹی بھر لی آواز میں بولی۔

”رومت ہانیہ! لگتا ہے وہ دس ہزار روپے انہوں نے اپنے بیٹے سے اسی عامل کو دینے کی غرض سے لیے ہیں

وہ اس کا جواب سن کر مایوس ہوئی پر تبھی ہانیہ کے دماغ میں ایک نام آیا۔

”رمشاہ تم..... تم کر لو ان سے شادی۔ تم تو میری بیسٹ فرینڈ بھی ہو اور تم سے بہتر میرے حالات کو کون سمجھتا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ اس سے کزنٹ لگا۔

”کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟ میں نے تو ہمیشہ شہاب کو بھائی سمجھا ہے۔“ وہ گویا پوری طرح انکاری ہوئی۔

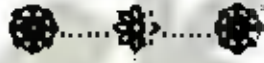
”پلیز پلیز رمشاہ..... میری خاطر۔“ وہ اب کے ردوی۔

”ٹھیک ہے پھر تو انہیں منالے اور پندرہ ہزار کا بندوبست کر۔“

”کیا..... میں کیسے سٹاؤں ان کو ہاں؟ وہ جب شادی کا نام لیں گی تو کسی طرح تیرا نام ان کے گوش گزار کروں گی۔“

”پاگل ہے کیا؟ چاہنی کسی اور کو ڈھونڈ لیں گی تو بس ان کے سامنے میرے نام کی مالا چھتی رہا کر اور شہاب کے سامنے بھی پکار ان کا ذہن خود بخود میری طرف ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے اب رکھتی ہوں۔“ وہ فوراً تیار ہو گئی۔



آج صبح ہی رمشاہ اس کی سانس سے مل کر مٹی تھی ان کے کاموں میں خود مدد کی، خوب باتیں کیں بظاہر تو وہ ہانیہ کے بارے میں خاموش تھیں مگر ان کے ہات کرنے کے انداز سے رمشاہ کو لگا تھا کہ وہ اس سے ہلاک ہیں۔ رمشاہ کی خوش اخلاقی دیکھ کر وہ مرنے ہی من مسکراتی تھی۔

وہ شام کی جائے لان میں بیٹھی بی رہی تھیں کہ ہانیہ بھی اپنا کپ لیے ان کے پاس آ بیٹھی وہ حیران رہ گئیں کہ آج ہانیہ شادی کے بعد پہلی بار ان کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔ پچھلے ایک سال میں یہ واقعہ پہلی بار ہوا تھا وہ مسکرا دیں تو ہانیہ بھی مسکرائی۔ پھر اس نے رمشاہ کی تعریفوں کے بل ہانڈھنے شروع کیے اتنے کہ امی حیران رہ گئیں نہ جانے اس نے کون کون سی خوبیاں گنوائی تھیں۔

جیسی تو نتیجہ اچھا آ رہا ہے۔ یہ تین پانچ ہزار دینے سے کچھ نہیں ہوتا اب کے بڑی رقم کا بندوبست کر کیونکہ اب جو وہ کرنے والی ہیں اس کے لیے بڑی رقم چاہیے ہوگی۔

”کیا کرنے والی ہیں وہ؟“ اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

”وہ میں سنچال لوں گی تو بس پیسے کا بندوبست کر۔“

”رمشاہ کوئی بڑی بات ہے؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”ہاں یا راہ وہ دراصل عال بابا نے عمل کر کے پتا کیا ہے کہ وہ اس کی شادی کی تیاری کر رہی ہیں اور لڑکی بھی ڈھونڈ رہی ہیں۔“ رمشاہ نے بتایا تو اس کے روکنے کڑے ہو گئے۔

”کیا کہہ رہی ہو تم رمشاہ! کچھ کرو میں تو مر رہی جاؤں گی ان کے بغیر۔“ آنسو فوراً آنکھوں کی بازو تڑتے باہر نکل آئے تھے اس نے دہائی دی۔

”تم فکر مت کرو میں کچھ سوچتی ہوں۔“

”ہانیہ! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اگر تم اپنے کسی جاننے والی سے اس کی شادی کروا دو تو تمہیں دوسری عورت سے نجات مل جائے گی۔ تم اس لڑکی کو یہ بات بتا دینا اور جب اس کی حرکتوں سے تمہاری سانس کا داروغہ درست ہو جائے اور عال بابا کا عمل پورا ہو جائے تو تم اسے طلاق دلو اور بتا تمہارا گھر مگنا بنا رہے گا۔“ رمشاہ نے آئیڈیا دیا تو وہ خوش ہو گئی۔

”یہ ٹھیک ہے پر رمشاہ شادی کرنے کا کون؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔

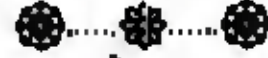
”سوچو کوئی تو ہو گا جو تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہو۔“ اس نے رمشاہ کے کہنے پر سوچ کے گھوڑے دوڑانا شروع کر دیے۔

”میری چھوٹی بہن!“ اس نے ذہن میں آتے ہی نام لیا تو رمشاہ نے فوراً رجحانٹ کر دیا۔

”پتلی کیا تک رہی ہو وہ تمہاری بہن سے کیوں شادی کروائیں گی۔ تم سے کروا توئی کوئی اور سوچو۔“

ای چائے ختم کر کے اٹھیں اور ایک جملہ بول کر اس کے
ارمانوں پر پانی پھیرتے ہوئے چلی گئیں۔
”جس کے گھر بھی جائے راج کرنے خدا
رمشاہ کو اچھا گھر نصیب کرے۔“ وہ پیر پختی ہوئی
کمرے میں آگئی۔

شام گئے جب شہاب آتا تو اس کے سامنے بھی رمشاہ
کی تعریفیں کرنے لگی اور وہ بس مسکراتا رہا اس کی طرف
بے لگئی کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر وہ منہ بنا کر رو گئی۔



کل اسے شہاب نے پانچ ہزار روپے دیئے تھے
کچھ شاپنگ کرنے کے لیے اور وہ پیسے شاپنگ کے
بجائے عامل بابا کو دینے چل دی۔ شہاب جو آٹس کے
کام سے باس کے ساتھ سائیڈ ایریے کی طرف آیا ہوا تھا
اس نے ہانیہ کو ایک سنسان علاقے کی طرف جاتے دیکھا
تو وہ باس سے اجازت لے کر اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ گلی
سے گزر کر کٹڑ پر بنے ایک گھر میں گھسی تو چند منٹ بعد وہ
بھی اندر چلا آیا۔ دروازہ کھلا تھا اور کافی لوگ جمع تھے مگر وہ
کہیں نہیں گھی بھی اس کی نظر کمرے کے دروازے کے
ساتھ کھلی کٹڑ کی پر پڑی تو وہ اس طرف چلا آیا اور ذرا سا
پردہ اٹھا کر دیکھنے لگا تو سامنے اسے وہ بھی نظر آگئی وہ
بھی کٹڑ کی کے پاس بیٹھ گیا۔

ڈری سبھی سی ہانیہ اسے پیسے دے رہی تھی اور وہ اس
سے مزید پیسے نہ لانے پر استفسار کر رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ
نہ آیا۔ ہانیہ نہ جانے کیا کہہ کر نکل آئی گھی تو ابھی وہ کچھ
سوچ ہی رہا تھا کہ ایک اور ہستی آندھی طوفان کی طرح
کمرے میں گھسی اس نے پردہ اٹھا کر دوبارہ دیکھا تو اس
کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں جو گفتگو اس نے ان دونوں
کے درمیان سنی تھی وہ شاکدہ رہ گیا۔

”وہ کنگال صرف پانچ ہزار روے کر گئی ہے اس لیے
تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔“ مل نے اپنی بے حد کرحمت اور
نکروہ آواز میں کہا تو وہ دونوں آنکھیں پھاڑے اسے
دیکھنے لگی پھر دوہرو بولی۔

نہ پھول نہ خوشبو نہ رنگ نہ جگنو نہ تمہیاں ہیں
ہماری آنکھوں میں تو نہ خوابوں کی کرچیاں ہیں
وہ پیارے لمحے تو خواب ٹھہرے خیال ٹھہرے
جو درمیاں ہیں ہمارے وہ باقی تلخیاں ہیں
وہ جان کر بھی فریب کھاتی ہیں چاہتوں کے
عجیب ساہہ طبیعتوں کی یہ لڑکیاں ہیں
جو چاند چہرے تھے چمنوں میں چھپے ہیں سارے
تمام بستیوں کی سونی سونی سی کھڑکیاں ہیں
شرارتی ہیں جو میری سکھیاں سہیلیاں ہیں
یہ روز و شب ہیں حیات کے یا پہیلیاں ہیں
پروین افضل شاہین..... بہاؤ نگر

”ایسے کیسے نہیں باہ ما؟“ اسے وہاں دیکھ کر
شہاب کی حیرانی عروج پر تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا
کہ وہ ایسی ہوگی۔

”شکار تو میں ہی تمہارے پاس لاتی تھی نا۔“ اب کہ وہ
دوبارہ گویا ہوئی تو وہ اس کی سست متوجہ ہوا۔

”تمہارا کام بھی ہو رہا ہے نا تم بھی تو شہاب کو پانے
کے لیے اس بے قصور اور مصوم لڑکی کو استعمال کر رہی تھی
اور وہ پاگل تو تمہارے کہنے پر اسے تمہارے حوالے کرنے
کی تیار پان بھی کر رہی ہے۔“ عامل گویا ہوا تو وہ چونک گیا
وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

”وہ بے ذوق ابھی تک کچھ نہیں کر پائی ہے۔ اس
نے ابھی تک میرے بارے میں کوئی بات نہیں کی نہ ہی
کوئی ایسا کام جو شہاب کی ان کو اس سے جھنجھ کر دے بلکہ
ہمارا سارا کیا دھرا ابھی ویسا ہی ہے وہ بھی سمجھتی ہے کہ
شہاب کی امی اس پر جاو کر وہ اسے قابو کر رہی ہیں اور وہ
بے ذوق اس سے دور نہ جانے کے لیے آپ کے چکر
میں آگئی۔ میں نے بھی ذہ نہ جانے کیا کیا کر کے اس
شہاب کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی مگر مجال ہے جو
اس کے سر پر جوں تک رہا گئی ہو۔ وہ جاہل ابھی تک اسی

کنوار کے ساتھ رہ رہا ہے۔ کہا بھی تھا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے مگر نہیں اسے تو جیسے اس سے کوئی غرض ہی نہیں ہے۔" رمشاہ بڑی مکاری سے سب کہہ رہی تھی۔

"تو یہ تھا ہانیہ کی بیسٹ فرینڈ اور میری کزن کا اصل چہرہ۔" وہ اب سمجھا تھا اس نے ہانیہ کو اکثر اس سے باتیں کرتے سنا تھا مگر کبھی کوئی شک نہیں کیا لیکن جب وہ ایک دفعہ رات میں کسی سے بات کر کے لوٹی تو اسے شک ہوا کیونکہ اس کے پوچھنے پر وہ گہرا گئی تھی اور پھر رمشاہ جو کہ اس کی دور کی کزن بھی تھی نے ہانیہ کو لے کر کافی کچھا سے بتایا تو بھی وہ یقین نہیں کر سکا تھا پھر ہانیہ نے پیسے لینے شروع کیے تو اس کا یقین بختہ ہو گیا کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی معاملہ ہے اور آج اتفاق سے وہ سچ جاننے میں کامیاب ہوئی گیا کہ کیسے سادہ لوح ہانیہ کو رمشاہ نے اپنا مطلب نکلوانے کے لیے مہرہ بنایا تھا۔ وہ شہاب کو پانا چاہتی تھی اور اس نے ہانیہ کو استعمال کیا۔

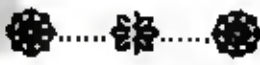
رمشاہ پھر جو جہتی تھی وہ خود بخود وہی سب سوچنے لگی جب انسان کو کوئی چیز بے حد پسند ہو تو وہ اسے لے کر بہت زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ محتاط رہنا ہانیہ کی غلطی نہیں تھی بلکہ اپنی دشمن جیسی دوست کو اپنی ہر بات سے باخبر رکھ کر اس کے کہنے پر اندھا و ہند غتبار کرنا اس کی غلطی تھی۔ شہاب جانتا تھا یہ سب رمشاہ کا کیا دھرا ہے بھی تو ہانیہ اس کی اتنی تعریفیں کر رہی تھی۔

"کچھلی دفعہ چار ہزار جنہیں دیئے تھے اب کے ایک پائی بھی نہیں ملے لی اور جا کر اس سے کہو کہ مزید انتظام کرے۔"

شہاب ان دونوں کو وہیں بحث میں الجھا چھوڑ کر گھر آ گیا کیونکہ اسے آفس جانے کا موڈ نہیں تھا۔

وہ کافی ایسا لگ رہی تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کسی محاذ پر لڑ رہی ہے مگر وہ جان نہیں پایا تھا۔ وہ اکیلی جان اس کے لیے اس کے ساتھ رہنے کے لیے اتنی تگ و دو کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کی ساری تنگیوں میں دور کر دے ساری غلطی مٹا کر خود

میں سمیٹ لے پر شاید وہ اس طرح اس کا یقین نہ کرتی اگر کرتی بھی تو من میں خلش رہ جاتی۔ اس لیے رمشاہ کا اصل چہرہ اس کے سامنے لا ضروری تھا۔ اس نے اپنے دوست کو جو ایس بی تھا کو اس جھوٹے عامل کے بارے میں تفصیلات دیں اور اس کی لٹھاؤنی حرکات سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً تحقیقات کے لیے اپنے چند افسر اس کام پر لگا دیئے اب بس کسی طرح رمشاہ کا اصل چہرہ ہانیہ کے سامنے لانا تھا۔



"میں نے ان کے سامنے تمہاری بہت تعریفیں کی تھیں شاید اسی لیے انہوں نے آج تمہیں بلایا ہے لیکن وعدہ کرو رمشاہ کہ مجھے میرا شہاب لوٹا دو گی۔" آخری بات کہتے ہوئے دل جتنا ڈر گیا تھا اس کی عکاسی آنکھوں سے نکلنے والے موتیوں کی لڑی کر رہی تھی۔ شہاب کا دل ڈوب گیا۔ بھی رمشاہ نے مکاری سے کہا۔

"جنہیں میری جان اتم قلمیت کر ڈو تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا میں تو بس تمہاری مشکل آسان کرنا چاہتی ہوں۔ بس تم یہ سب سوچنا چھوڑ کر پیسوں کا بندوبست کرو وہ ہمیشہ تمہارا رہے گا۔" رمشاہ کہہ کر رکی تو شہاب اندر داخل ہو گیا ہانیہ نے فوراً گال پر لڑھک آنے والے آنسو صاف کیے۔

"ارے بھئی ہانی! تم نے چائے وغیرہ کچھ نہیں پلائی اپنی دوست کو جا ڈالے کر آؤ۔" ہانیہ اٹھ گئی مگر اس کا دل بالکل نہیں چاہا تھا کہ وہ شہاب کو رمشاہ کے پاس چھوڑ کر جائے۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ایسی پروہ پر لیا ہو کر نہ ملے کہیں جب وہ آئے تو شہاب اسے پہچاننے سے انکار نہ کر دے۔ کئی گریں من میں الجھ رہی تھیں۔ ہزار دسو سے دماغ و دل پر ہتھوڑ، سارے تھے دل میں عجیب شور مچا تھا۔ عجیب قسم کا ڈر لگ رہا تھا جیسے ہمیشہ اپنا بنا کر رکھنے یا جس کی ہو کر رہنے کے لیے وہ اتنی شدید مشکلات کا سامنا کر رہی تھی۔ ڈر لگا تھا کہ کہیں وہ اسے کھوندے دو آنسو مزید تیزی سے پھسے، جنہیں وہ بے دردی سے

رگڑتے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

”اور سناؤ رمشاء! کیا چل رہا ہے بڑی امی

ٹھیک ہیں؟“

”ہاں کچھ خاص نہیں بس تمہارا دن گزر رہے ہیں۔“

بڑی مکاری سے مصمصیت چہرے پر سجا کر بولی۔

”تو ڈھونڈ لو کسی کو تمہیں تو کوئی بھی مل جائے گا۔“

اس نے شاید طنز کیا تھا۔

”جو چاہیے وہ نہیں مل رہا نا، کوششیں جاری ہیں۔“

امید ہے نتیجہ جلد ہی اور بہتر سامنے آئے گا۔“ وہ ایک ادا

سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”تمہاری کوششیں رائیگاں چلی گئیں تو؟“ اس نے

خوشہ ظاہر کیا۔

”سب کچھ تمہیں نہیں کر دیا گی میں۔“ اس کے لہجے

میں ایک جنون تھا، بھی شہاب کو پردے کے پار سے آئی

ہانیہ دکھائی دی تو وہ رمشاء والے صوفے پر بنا بیٹھا اور ہانیہ

کی سمت دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی آواز سن کر پیچھے ہی

رک گئی تھی۔

”تمہاری تمام کوشش میرے لیے ہیں ناں رمشاء؟“

اس نے اچانک کیسا سوال کیا تھا کہ رمشاء اور ہانیہ دونوں

کے حواس اڑ گئے تھے۔

”میں ان کی ہمیشہ قدر کرتا ہوں جو میری بے پناہ چاہ

کرتے ہیں۔ رمشاء کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تم نے میرے

لیے کیا کچھ نہیں کیا تا کہ تمہاری قدر میری نظروں میں

مزید بڑھ جائے اور بیوقوف مت کرنا۔“

”یہ پوچھو کیا کچھ نہیں کیا تمہارے لیے بچپن سے

تمہیں پسند کرتی ہوں پر جب پتا چلا کہ تمہاری شادی

میری بیٹ فریڈ ہانیہ سے ہو رہی ہے تو جیسے وہ لوح

میرے لیے قیامت تھا۔ بہت کوشش کی کہ شادی نہ

ہونے دوں تمہیں بھی کہنے کی کوشش کی مگر موقع نہیں ملا

امی کو کہا تو انہوں نے بُری طرح سے ڈانٹ دیا پھر سوچا

کس نئے طریقے سے اپنا کام کروں اور پھر ہانیہ کو خود پر

مزید غمروسہ دینا یا۔ اسے تم سے اور چچی سے شکر کرنے کی

ویلن ٹائٹلز ڈے کیا ہے؟

جب جی چوکھٹ پارے

اور عزت کا بھیو پارے

جب باپ کی عزت کو جو جائے

جب بھائی کو طعنے ملنے ہوں

جب ماؤں کے دل ملتے ہوں

جب بہنوں کی نظریں جھک جائیں

جب سانس لیوں پر رک جائیں

جب شرم و حیا کا آمیزہ

جب اک کنواری دو نینرہ

جب بے شری کو اپنا۔ لے

جب خود کو ذلت میں ڈالے

اور غیر کے سینے لگ جائے

پھر اپنا آپ گنوائے

تو افسوس.....

صد افسوس.....

ایسی حالت کو لوگو!

تم ویلن ٹائٹلز ڈے۔ تپتے ہو؟

جاز بہ خباقت عباسی..... دیول مری

کوشش کی۔ اسے علم نہیں تھا کہ سسرال کیسا ہوتا ہے اس

کے گھر کی پہلی شادی تھی اور اس سے پہلے کسی کو سسرال کا

تجربہ نہیں تھا سو اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے

کئی ایسی مینڈے اور عمل والی کہانیاں سنائیں جن کا انجام

دروناک ہوتا ہے اور چچی کے بارے میں کہا کہ وہ تمہیں

اس سے دور کروانے کے لیے عمل کروانی ہیں اور اس کا

دماغ جو ہمیشہ مثبت سوچتا تھا منفی سوچنے لگا۔ میں جو

چاہتی تھی ہانیہ وہی سوچنے کی اور پھر میں نے اسے ایک

نمونے عامل سے ملوایا اور عامل کے ذریعہ سے کہلوایا کہ

وہ تمہاری دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں اور پھر میں نے

ہانیہ کو یہ سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ تمہاری شادی مجھ سے کروا

دے نیونکہ میں اس کی دوست ہوں اور جب اس کا کام

ہو جاتی۔ ”رمشاہ شہاب کا بچو اس کے الفاظ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ اپنے لیے اس کی محنت اور کوششیں سن کر وہ اس کا ہو جائے گا مگر یہ تو سب الٹ ہو گیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

”نکل جاؤ اس سے پیسے کہ اس نقلی عامل کی طرح تمہیں بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے کرادوں۔“ وہ فوراً وہاں سے نکل گئی تھی وہ جا۔ نے کیا خیالات سے لے کر وہاں سے نکلی تھی مگر اتنا تو طے تھا کہ ب ہانیہ کا بھر وسوہ مکمل طور پر کھو چکی تھی۔ کمرے سے نکلے ہوئے صدمے سے بے حال کھنوں کے بل گرتی ہوئی ہانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ہس کے لیے زانے بھر کی نفرت تھی۔ وہ نظر انداز کر کے نکل گئی اس کے پیچھے ہی شہاب بھی آ گیا اس نے دھیرے سے ہانیہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہانیہ کی آنکھوں میں غمامت پشیمانی اور دکھ کے آنسو تھے۔ وہ روتے ہوئے اپنی نادانوں، المٹیوں کی معافی مانگنے لگی۔ اپنی بے وقوفانہ حرکتوں کو کو تے لگی مگر اس نے بغیر کچھ کہے اسے مزید خود میں سمولیا۔ وہ معافی کے علاوہ بہت زیادہ معافی میں کچھ بول نہیں پائی تھی۔ تمام کے تمام دکھ آنسوؤں میں بہ رہے تھے۔

آخر وہ اپنی کس کس غلطی کو گنتی ساری غلطی تو اس کی ہی تھی جو دشمن جیسی دوست کی باتوں میں آ گئی مگر شہاب نے اس کی کوششیں ناکام بنائی تھیں۔ غمامت کے آنسو ختم ہوئے فوراً ہی تمام گریہیں کھلتی چلی گئیں اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی بے وقوفی کا کوئی غلط انجام سامنے نہیں آیا ورنہ تو زمانے بھر کی رسوائی اس کا مترادف بنتی وہ تو اپنی زندگی شہاب کے بغیر سوچ کر ہی ڈر گئی تھی۔



ہو جائے گا تو میں تم سے دور چلی جاؤں گی اور راستہ کلیئر ہو جائے گا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ تو راضی بھی ہو گئی مگر میں تم سے الگ نہیں ہوں گی۔ الگ تو ہانیہ کو ہونا ہے میں تو ساری کی ساری کوششیں ہی تمہیں پانے کے لیے کر رہی ہوں اور میری کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔“ وہ لفظ بہ لفظ بتاتی جانیے کیا تھا شہاب کی آنکھوں میں کہ وہ پوری طرح کھل گئی۔ شاید یقین تھا کہ وہ اس کا ہاتھ تھام لے گا ابھی شہاب بولا۔

”اور اسی لیے تم نے مجھ سے یہ جھوٹ بھی بولا تھا کہ ہانیہ کا کسی اور کے ساتھ اٹھنے بھی ہے وہ پیسے وہاں خرچ کر گئی ہے۔“ اس کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہانیہ واقعی صدموں کی زد میں آ گئی۔ اتنا بڑا ڈھوکہ اتنا بڑا فریب اتنی گریہوں اور اتنے پرووں میں لینا ہوا تیر وہ اپنی ہی دوست کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔ اس نے اپنی ماں جیسی سانس پر شک کیا تھا۔ اچھا ہی تھا کہ آج وہ گھر پر موجود نہ تھیں ورنہ تو ان پر کیا گزرتی۔

وہ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ شہاب کیا سوچے گا کیا وہ واقعی اپنی ہانیہ سے متنفر ہو جائے گا۔ کیا واقعی اب مجھے اکیلے اس کے بغیر رہنا ہوگا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں جیسے ختم ہو گئی تھیں جیسی شہاب کی آواز سنائی دی۔ ”تم نے مجھے پانے کے لیے بہت محنت کی اور غلطی کی۔ تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تم مجھے حاصل کرنے کی کوشش کرتی تم نے غلط طریقے سے کام کرنا چاہا۔ ہانیہ کی اچھائی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اس کی تمام تر کوششیں جانتے تھیں کیونکہ مجھے پانے کے لیے تم نے جو اسے کہا وہ کر گئی تھی کیونکہ اسے تم پر بھروسہ تھا اتنا سب ہونے کے باوجود بھی اس نے ماں سے بھی غلط رویے میں بات نہیں کی کیونکہ وہ ماں کی عزت کرتی ہے اور تمہیں شرم نہیں آئی کہ باہر عامل کے ساتھ مل کر تم اپنے مالی حالات کو بھی بہتر کرتی رہی۔ حد ہوتی ہے مکاری کی رمشاہ! تم دوست ہو کر اپنی جیسٹ فرینڈ کو اجاڑنے چلی گئی وہ تو اچھا ہوا کہ مجھے سب پتا چل گیا ورنہ تو تم اپنے ارادوں میں کامیاب



وہ اک سایہ جو تحفے میں دیا تھا اس کو خوبوں نے
 وہی اب اس کا آنجل ہے وہی اب اس کا گہنا ہے
 لکھا تھا ریت پر اک دوسرے کا نام کیوں ہم نے
 نتیجے میں جو صدمہ ہے وہ ہم دونوں کو سہنا ہے

فاطمہ مسکن سے بے حال گھر لوٹی تو نوری آئی ہوئی تھی نوری اس کی بچپن کی سہیلی تھی دونوں میں بہت محبت تھی۔

”کیسی ہونوری؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں تو ٹھیک ہوں تم ساؤ؟“

”بس کیا بتاؤں بہت تھک جاتی ہوں بچے راک میں دم کر دیتے ہیں۔“ وہ نوری کے قریب بیٹھتے ہوئے مسکن زدہ لہجے میں بولی۔ بے اے بی ایڈ کرنے کے بعد وہ گاؤں کے واحد اسکول میں استانی لنگ گئی تھی۔ فاطمہ ذہین بھی بہت تھی اس کا شمار گائوں کی چند پریمی لکھی تیز باز تھی ہوئی اور سچویدار کیوں میں ہوتا تھا۔

”تو چھوڑ دو نوکری کیوں دماغ کھپاتی ہو اور ویسے بھی شادی کے بعد ثاقب تمہیں شہر لے جائے گا اور اپنی نوکری شہر میں ہے۔“ نوری کا لہجہ آخر میں شرارتی سا ہو گیا تھا۔

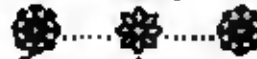
ثاقب اس کا خالہ زاد تھا اور اب منگیتر بھی۔ اس کی بات پر فاطمہ صرف مسکرا دی لیکن اس کی مسکراہٹ بھیگی سی تھی۔

”سچ کہتی ہوں فاطمہ تم بہت خوش نصیب ہو آج میں تمہاری خالہ کے گھر بھی گئی تھی اتنے خوش تھے وہ لوگ کہ جیسے کسی شہزادی کو یہ ہنا ہے۔“ نوری کے لہجے میں دوست کے لیے رشک تھا۔ فاطمہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نوری میں کپڑے بدل آؤں تم جانا مت آج میں نے ای سے پالک گوشت پکا۔ نے کو کہا تھا تمہیں بھی پسند ہے تا میں آتی ہوں تو پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔“ جندی جلدی اپنی بات کہہ کے وہ نوری کا جواب سننے بغیر ہی نکل آئی۔

ثاقب عظیم سے جب اس کی منگنی ہوئی تھی اسے اس کا ذکر پونہی کوفت میں جتنا کر دیتا تھا وہ..... اس کا دل تو سراوٹی کا اسیر تھا چند ماہ پہلے اس کے نمبر پر مراد کی کال آئی تھی۔ وہ بہت شائستہ انسان تھا تب ہی تو فاطمہ

جیسی سلجھی ہوئی لڑکی اس سے محبت کا ارتکاب کر بیٹھی تھی۔
 کپڑے بدل کر اور منہ پر نمونہ سے پانی کے چھینے مار
 کر جب وہ واپس آئی تو نوری اس کی منتظر تھی۔ اس نے
 اور نوری نے مل کر کھانا کھایا ڈھیروں باتیں کیں قاطبہ
 بظاہر مسکرائی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں وہ بے ساختگی
 اور شوخی نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔



اگلا دن اتوار کا تھا قاطبہ گھر میں اکیلی تھی اماں محلے
 میں خالدہ نڈیراں کے گھرانے کے اکلوتے بیٹے کی شادی کی
 مبارک باد دینے گئی تھیں۔ شادی تو خیر نہیں تھی کیونکہ لڑکی
 اپنے گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔ محلے والے خوب لعن
 طعن کر رہے تھے لیکن بیٹہ بچھے بظاہر تو سب ہی مبارک
 باد دینے گئے تھے سوا ماں بھی پہلی گئیں۔

کانی کیلئے کپڑے جمع ہو گئے تھے اماں کے گھر سے
 نکلتے ہی قاطبہ نے مشین لگائی۔ کپڑے دھوتے ہوئے
 وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ کپڑے دھونے کے بعد
 قاطبہ مشین دھور ہی گئی جب دروازے پر کھٹکا ہوا قاطبہ
 نے چونک کر دیکھا تو حسب توقع نوری ہی تھی۔

داخلی دروازے کے آگے تھوڑی سی نشیمنی جگہ تھی جب
 بھی بارش ہوتی یا مشین لگائی جاتی تو وہاں پانی جمع ہو کر
 کچھ سا بنا دیتا تھا۔ اپنے دھیان میں اندر داخل ہوتی
 نوری کا پہلا قدم ہی کچھ زمیں پر اتھا وہ پھسل گیا اور پھر وہ آرام
 سے نیچے۔ برآمدے میں کھڑی قاطبہ کا بے ساختہ قبضہ
 نکل گیا۔ اس کے قبضے پر نوری نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اچھا طریقہ ہے۔ یہ مہمانوں کے استقبال کا۔“
 ”مہمان.....؟ تم بھی اپنا شمار مہمانوں میں کرتی
 ہو؟“ اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پینٹا کیں
 پھر قریب آ کر اسے سہارا دے کر کھڑے ہونے میں
 مدد دی۔

”صرف مہمان نہیں میں اپنا شمار بن بلائے مہمان
 میں کرتی ہوں۔“ نوری نے ہڑے ہوتے ہوئے صحیح کی
 تو پھر وہ دونوں ہنس پڑیں۔ نوری کے کپڑوں پر کافی کچھ

لگ گئی تھی قاطبہ کو دیکھ کر اُھن ہوئی۔
 ”نوری تم میرے کپڑے پہن لو اور اپنے کپڑے
 مجھے دے دو میں دھو دیتی ہوں۔“ نوری نے انکار کیا لیکن
 پھر قاطبہ کے اصرار پر اسے ماننے ہی پڑی۔

”ویسے قاطبہ بھی بہت خوش نصیب سے تم خوب
 صورت اور پرچی لکھی ہونے کے ساتھ سکھڑ بھی ہو۔“
 نوری نے کپڑوں کی دھوا ہوئی تاریں دیکھتے ہوئے
 تو صحنی انداز میں کہا تو اس کا سوڈا آف ہو گیا۔

”ہر بات میں اس کا اثر ضروری ہے کیا؟“
 ”بالکل ضروری ہے کیونکہ وہ صرف گزن ہی نہیں
 منگیترا اور پھر ہونے والا شوہر بھی ہے۔“ قاطبہ نے سر
 جھٹکا نوری سے ہر بات شہر کرنے کے باوجود وہ مراد والی
 بات چھپا گئی تھی۔

”اچھا چھوڑ دو تم غلطی کی سزا۔“ قاطبہ نے اچانک
 ہی موضوع پلٹا۔

”کون غلطی.....؟“ ”بری خاک نہ بھی۔“
 ”ارے بھئی خالدہ نڈیراں کی نئی ٹوٹی بھو جو ہفتہ بھر
 پہلے ہی ہمارے محلے میں آئی ہے۔“

”اوا اچھا.....“ نوری نے سر ہلایا۔ ”ہاں پرسوں میں
 بھی گئی تھی خوشی سے چہرہ رانی تھی وہ مجھے تو ایک آنکھ نہ
 بھائی۔“ نوری نے منہ بنا کر بتایا تو قاطبہ چونکی۔

”کیوں..... تمہیں اس کی خوشی سے کیا
 تکلیف ہے؟“

”مجھے تکلیف نہیں ہے لیکن اس کے پیچھے تو کسی کو
 ہوگی تا اپنے عشق کی نہ طراپنے گھر والوں کی عزت کو
 خاک میں ملا آئی ہے۔“ وہ دونوں محن میں بیٹھی تھیں
 چارپائی بچھا کر اس طرح کہ قاطبہ کے لگائے ہوئے
 موہنے کے بے شمار پودے ان کے پیچھے تھے اور کچھ
 بائیں طرف۔ نوری نے گہری سانس لے کر موہنے کی
 خوشبو اپنے اندر اتاری قاطبہ کو موتیا بہت پسند تھا بھی تو
 صحن میں جا بجا ان نے موہنے کے پودے لگا رکھے تھے
 اس کی بہت پر قاطبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”تو اسے اس کام کے لیے بھی تو اس کے گھر والوں نے ہی مجبور کیا نا اگر وہ خوشی سے اس کی شادی رحیم (خالہ نذیراں کے بیٹے) سے کر دیتے تو وہ کیوں یہ اجنبائی قدم اٹھاتی۔“

”ایک تو مجھے تم پڑھے، کیسے لوگوں کی یہ بات بہت بُری لگتی ہے۔ غلط بات پر بھی ہار نہیں مانتے ہو اننا بحث کیے جاتے ہو۔“ نوری نے فاطمہ کی بات پر افسوس سے کہا۔

”غلط بات نہ کیوں اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنا تو بس کا حق ہے۔“ فاطمہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔
”لیکن اس نے اپنے اس حق کو بہت غلط طریقے سے استعمال کیا ہے۔“

”یقیناً اس کے پاس اور کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہوگا۔“ فاطمہ کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عظمیٰ کی وکالت کیوں کیے جا رہی ہے۔ نوری نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور ہاتھ پیچھے بڑھا کر مویسے کے پھول توڑنے لگی۔
”مت کرو نوری! ان سے ہی سارا آنگن مہکتا ہے۔“ وہ بے ساختہ نوری کو ٹوک گئی۔

نوری نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر توڑے ہوئے سارے پھول پائیس طرف موجود کچنر میں پھینک دیئے جہاں وہ چمچہ دیر قبل گری بھی پھر بولی۔

”ان مویسے کے پھولوں سے آنگن مہکتا تھا، تمہارا لیکن اب کچنر میں لتھرنے کے بعد یہ پانی اور رقت کھو چکے ہیں۔ تم انہیں یہاں سے نہیں اٹھاؤ گی کیونکہ اب یہ حفاظت سے بھر چکے ہیں یہ یہیں پڑے رہیں گے اور گل سڑ جائیں گے یا پھر کسی کے قدموں تلے آ کے روندے جائیں گے اور یہ سزا بٹارن سے ٹوٹنے کی ہے۔ تمہیں جتنی محبت شاخ سے بڑے پھولوں سے تھی کچنر میں گرے ہوئے پھولوں سے ہرگز اتنی نہیں ہوگی۔ بس اتنی ہی بات

ہے فاطمہ! لڑکیوں کی مثال بھی ایسے ہی ہے وہ بھی اپنے ماں باپ کے آنگن میں لگا مویسے کا پھول ہوتی ہیں اپنی خوشبو سے اپنے آنگن کو مہکاتی ہیں لیکن پھر خود ہی اپنی

شاخ سے اپنا نا تا توڑ لیں اور خود کو غلطیوں اور پستیوں میں گرالیں تو پھر وہ کسی کے لیے بھی محبت کشش اور عزت کی حق دار نہیں ہوتیں۔ ان کا انجام بھی یہی ہوتا ہے گننا سڑنا اور روندے جانا۔“ نوری کی باتوں پر فاطمہ کھینچ کر زندہ تھی اسے میٹرک پاس نوری سے اتنی سمجھ داری کی توقع نہیں تھی پھر اچانک ہی وہ زبردستی سے ہنس پڑی۔ اس کی بے موقع اور بے وجہ ہنسی پر نور نے اسے گھورا۔

”تم تو بہت اچھا فلسفہ بول لیتی ہو نوری! مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔“ وہ بمشکل ہنسی روکتے ہوئے بولی تو نوری چڑھی۔

”ہاں تو کیا جن کے پاس ڈگریاں ہوتی ہیں ذہین بھی صرف وہی ہوتے ہیں! پڑھ لوگ عقش سے پیدل ہوتے ہیں۔“

”بس کرو نوری! آج تو تم مجھے حیران کرنے پر تلی ہو۔“ فاطمہ نے اسے مزید بولنے سے ٹوک دیا تو وہ لب بھینچ گئی۔

”اچھا بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے کہ اپنے سوٹ پر کس بیگ کے دھاکے سے کڑھائی کرو گی؟“ فاطمہ کے موضوع بدلنے پر نوری پھر سے نارٹ ہو کر اسے اپنے کپڑوں کے بارے میں بتانے لگی وہ دونوں انہی باتوں میں مصروف تھیں کہ اماں آئیں۔ انہیں بھی کچنر سے گزر کے آنا تھا لیکن چونکہ وہ سی گھر کی فرد تھیں اس لیے ذہنی طور پر تیار بھی تھیں کہ کچنر سے گزرتا پڑے گا۔ کچنر میں سنجل سنجل کے قدم رکتے ہوئے مویسے کے پھول بھی ان کے قدموں کی زد میں آ گئے کتنا اور مست جزویہ تھا نوری کا۔ فاطمہ نے ہونٹ مہینچ لیے۔ ان کے قریب آنے پر نوری نے سلام کیا جبکہ فاطمہ بولی۔

”اماں کیسی تھی رحیم کی ولہن؟“ اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”اچھی تھی! خوب صورت ہے لیکن کیا فائدہ ہے تو گھر سے بھاگی ہوئی عزت تو ذاک بھی نہیں۔“ اماں کے ساؤں میں کیے گئے تبصرے پر نوری نے فوراً ان کی ہاں

میں ہاں ملائی۔

”بالکل ٹھیک خالہ! جوڑکی اپنے گھروالوں کی عزت مٹی میں رول دے اس کی عزت گس نے کرنی ہے۔“
فاطمہ نے غور کرنوری کو دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے باورچی خانے میں چلی آئی اسے پتا تھا کہ اماں اور نوری اس لڑکی کے نیچے ادھیڑوں کی اس نے منظر سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

ہے من پسند شریک حیات ہو اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوتی ہے۔ فاطمہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی پھر وہ بول اٹھی۔

”اجازت دیں پھر اوقات ہوئی میں آج اسکول سے ویسے بھی لیٹ ہوں۔“ عظمیٰ کے سر ہلانے پر وہ مسکراتے ہوئے اپنے رستے پر چل پڑی لیکن اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔



فاطمہ نے عجلت میں چادر اوڑھی بیگ اٹھایا اور باہر کی طرف لپٹی آج وہ اسکول سے لیٹ ہوئی تھی۔ وہ گلی میں نکلی تو کئی سنان تھی صرف خالد نذیراں کے گھر کے آگے ایک خوب صورت سی لڑکی جھاڑو لگا رہی تھی۔ فاطمہ کو اسے پہچاننے میں چنداں مشکل پیش نہ آئی وہ یقیناً عظمیٰ تھی خالہ کی بہو۔

کافی دن ہو گئے تھے لہری نے چکر نہیں لگایا تھا اور نہ تو وہ روز ہی آتی تھی۔ فاطمہ اب تہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے کم ہی جاتی تھی۔ فارغ تھی تو سوچا کہ نوری کے گھر کا ہی چکر لگائے اماں کو بتانے کی تو انہوں نے اجازت کے ساتھ ہی تاکید کر دی۔

”جلد آنا ہنڈیا بھی بڑھانی ہے پھر۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ گلی میں اکاؤڈ کا ہی لوگ تھے وہ اپنے دھیان میں کم جا رہی تھی کہ اچانک اسے سامنے سے بھینس آتی دکھائی دی۔

قریب آنے پر اس نے فاطمہ کو دیکھا اور مسکرا دی۔ بہت دوستانہ سی مسکراہٹ تھی اب فاطمہ کے لیے سلام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

”ہائے اللہ.....“ فاطمہ کی بھینسوں سے جان جاتی تھی وہ بنا سوچے سمجھے جس گھر کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی وہ سکیل کے اندر داخل ہو گئی اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے بھی اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

”میرا نام فاطمہ ہے۔“ سلام کے بعد اس نے اپنا تعارف کروایا تو عظمیٰ نے سر ہلا دیا۔
”ہاں اس دن تمہاری ای آئی تھی اور تمہارا ذکر کیا تھا“
غائبانہ تعارف ہے تم سے میرا۔ تم ٹھنک کرتی ہونا نہیں بھی پہلے کرتی تھی۔“

”ارے فاطمہ.....“ انہوں ہی آواز تھی۔ فاطمہ نے چونک کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری اس کے سامنے عظمیٰ کھڑی تھی۔ وہ بنا سوچے سمجھے ان کے گھر گھس آئی تھی۔

”ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے اپنے اسکول میں بات کروں جبکہ گل آئے گی۔“ اسے یہ جان کر کہ وہ پڑھی لکھی ہے از حد خوشی ہوئی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم آئی ہو ہمارے گھر مجھ سے ملنے؟“ عظمیٰ کی آواز میں بہت خوشی تھی اس نے آگے بڑھ کر فاطمہ کو گرم جوشی سے گلے لگایا اور وہ جو ان کی غلط فہمی دور کرنے کا سوچ ہی رہی تھی اس بات پر آگے سے یہ کہنا کہ وہ ڈر کر آنا ہے مناسب نہ لگا اس نے مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

”چھما پھر میں رحیم سے پوچھ کر بتاؤں گی۔“ رحیم کے نام پر اس کے چہرے پر ایک شرمیلا سا تاثر پھیلا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے چند قدم دور ہی تو

اب کے فاطمہ نے اسے بہت غور سے دیکھا وہ خوب صورت تو تھی لیکن بہت زیادہ نہیں۔ ہاں اس میں کشش بہت تھی خاص طور پر اس کی آنکھیں تو ستاروں کو بھی مات دیتی تھیں شاید یہ چمک خوشیوں کی ہے۔ ظاہر

میرا گھر ہے فارغ تھی تو سوچا کہ لے آؤں۔“

ٹوک دیا۔

”بہت اچھا کیا آؤ اندر بیٹھتے ہیں۔“ وہ اسے اندر

لے آئی۔

کمرہ بہت سادگی سے سجا تھا، معمولی سا فرنیچر لیکن سب بہت صاف ستھرا تھا۔ فاطمہ مسہری پر جا کر بیٹھ گئی عظمیٰ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ ہلسی بات بے بات اس کے لبوں سے پھوٹی تھی اس کی آنکھیں جھمک رہی تھیں۔

”آپ بہت پرکشش ہیں۔“ فاطمہ بلا ارادہ کہہ اٹھی

اس کی بات پر عظمیٰ کی زور سے ہنس پڑی۔

”مجھے رحیم کی محبتوں نے خوب صورت بنا دیا ہے فاطمہ! رحیم کی محبت اس کا ساتھ اگر مجھے نصیب نہ ہوتا تو شاید تمہیں مجھ سے زیادہ درد و غم کوئی نہ لگتا۔“

”لیکن محبت کا ساتھ کبھی تو نصیب سے ملتا ہے۔“

فاطمہ نے کہا تو وہ بول اٹھی۔

”نہیں فاطمہ! کبھی کبھی نصیب سے جنگ کر کے اپنے حصے کی خوشیاں چھیننا پڑتی ہیں۔“ فاطمہ اس کی بات کا کوئی مناسب سا جواب دینے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر وال کلاک پر گئی۔

”ارے اتنی دیر ہو گئی باتوں میں پتا ہی نہیں چلا۔“ وہ

فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اماں کی تاکید یاد آئی، عظمیٰ دروازے تک چھوڑنے آئی تو اسے اچانک یاد آیا۔

”آپ نے رحیم بھائی سے باتہ کی گئی چاب کے سلسلے میں؟“

”ہاں کی تھی لیکن وہ کہتے ہیں کہ تم خود پر ذمہ داریاں مت ڈالو گھر کے کام بھی ہوتے ہیں۔“ فاطمہ نے سر ہلایا اور باہر نکل آئی، دل نہیں اماں کا خوف بھی تھا۔

گہرا آئی تو اماں کا حراج حسب توقع بگڑا ہوا تھا۔ اماں نے اسے نیگمھی نگاہوں سے گھورا تو وہ گھبرا کر اندر آ گئی چند لمحوں بعد اماں بھی پیچھے تھیں۔

”کہاں سے آ رہی ہے تو.....؟“

”اماں..... وہ..... اس نے کچھ کہا چاہا کہ اماں نے

”توری کا نام مت! بسا دہ تمہارے جانے کے بعد آئی تھی یہاں مجھ سے جھوٹ بول کر آخر تو کہاں گئی تھی فاطمہ؟ تجھے آزادی دی تھی پڑھایا لکھایا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ٹو اب.....؟“

”اماں خدا کے لیے۔“ فاطمہ نے زچ ہو کر ان کی بات کاٹی۔ ”میری بات سنی سن لیں آپ۔“ پھر اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ اماں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا کچھ دیر بعد پھر بولیں۔

”اچھا ٹھیک ہے لیکن اس لڑکی سے زیادہ راہ و رسم بڑھانے کی ضرورت نہیں! ایسے اعمال نہیں ہیں اس کے! اگر وہ عزت دار ہوتی تو یوں نہ کرتی۔“

”اچھا میں اب نہیں بولوں گی اس سے لب خوش۔“ فاطمہ نے تنگ آ کر ہاتھ جوڑے تو وہ کمرے سے نکل گئیں۔ پیچھے فاطمہ نے کھری سانس لی۔

”بتائے بغیر محلے کے ایک گھر میں چلی گئی تو یہ حال ہے مراد کا تو نام بھی لپا نہ قیامت برپا کر دیں گی اماں۔“ فاطمہ نے از حد پریشانی سے سوچا۔



وقت کے کشکول میں دنوں مہینوں کے سکے گرتے رہے ڈیڑھ سال گزر گیا۔ فاطمہ اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ مراد کے بارے میں اماں سے روز بات کرنے کا سوچتی اور ارادہ توڑ دیتی اسے یقین تھا کہ اماں یا کوئی بھی اس معاملے میں اس کا ہم نوا نہیں ہے گا۔

اس دن والے واقعے کے بعد فاطمہ عظمیٰ سے نہیں ملی تھی۔ کچھ اماں کا خوف اور کچھ شاید وہ اندر سے بھی خائف تھی۔ محلے میں اب عظمیٰ کی بیماری کا چرچا تھا سنا تھا کہ اب وہ بستر سے اٹنے کے بھی قائل نہیں رہی۔ اماں اس کی عیادت کو گئی تھیں واپس آئیں تو فاطمہ سے کہنے لگیں۔

”تمہارا بہت پوچھ رہی تھی بیمار ہے جا کر لے آؤ۔“

”سوچ لیں۔“ فاطمہ نے طنز سے انہیں دیکھا تو وہ

نظریں چراگئیں۔

ہے کہ اگر وہ میرے پاس ہوتی تو اسے مجھ سے کراہیت نہ
محسوس ہوتی۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ اپنی امی سے معافی مانگ لیں۔"

"ان سب کے لیے تو میں آج سے ڈیڑھ سال
پہلے ہی مر گئی ہوں۔" فاطمہ نے دکھ سے نچلا لب
وانتوں تلے دیا۔

"رحیم بھائی آپ کا خیال نہیں رکھتے؟ آپ کا علاج
بھی ہو رہا ہے کہ نہیں؟" فاطمہ کب سے مچلتے سوال کو
زبان تک لے آئی۔ اس کا مناسب علاج اور دیکھ بھال
ہوتی تو وہ اتنی بری حالت میں نہ بترنہ ہوتی۔

"ایک سلسلے ہوئے پھول سے کسی کو کیا دلچسپی فاطمہ!
وہ میرے ساتھ وہی سلوک کر۔ نے ہیں جس کی میں حق دار
ہوں۔" اس نے واضح جواب نہیں دیا تھا لیکن فاطمہ سمجھ
گئی۔

"کتنے پیارے رشتے میں پیوڑ آئی فاطمہ! کوئی ایسے
بھی کرتا ہے بھلا؟" وہ تڑپ رہی تھی بلکہ رہی تھی۔ فاطمہ
نے اس کا ہاتھ تھام کر بے اختیار اسے سلی دی اور پھر اسے
ڈیڑھ ساری سلی ولا سادینے کے بعد وہ گھر آئی تو اس کا دل
بہت بو جھیل تھا۔

گھر واپس آ کر اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل
اٹھایا اس کی سم نکالی اور دور پھینکا۔ وہ ایک ٹکٹکٹک کا خاتمہ
ہو گیا تھا۔

"جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس کیا گنتا۔" اس کی
منزل مرانہ نہیں ثابت تھا اور اسے اسی کے راستے پر چلنا تھا۔
وہ وضو کرنے کے لیے غسل خانے کی طرف بڑھ گئی اس
رہب عظیم کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا جس نے عظمیٰ کے زخام
سے عبرت دلا کر اسے بھٹکنے سے بچایا تھا اور ساری بھنگی
ہوئی نرکیوں کے راہ راست پر آنے کی دعا کرنی تھی۔

اس نے جان لیا تھا کہ موتیہ کے پھول آنگن میں
تن اچھے گتے ہیں کچھ میں نہیں۔

"ہاں جاؤ بھی پھر شام ہونے والی ہے۔" اماں کے
کہنے پر فاطمہ اٹھ کھڑی ہوئی اول تو اس کا اپنا بھی تھا عظمیٰ
سے ملنے کا لیکن اماں کو تیور بھی دکھانے ضروری تھے اور
جب وہ عظمیٰ کے پاس پہنچی تو بے اختیار ہی اس کی چارپائی
سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

چارپائی پر ایک ٹیخف و نزارہ جو پڑا تھا جس کا چہرہ اور
جسم پیپ بھرے دانوں سے بھرا تھا۔ ایک میلی سی چادر
اس کے اوپر رکھی جس پر کھیاں جو بنسٹار ہی تھیں۔ یہ وہ عظمیٰ
تو نہیں تھی جس سے وہ ڈیڑھ سال پہلے ہی بھی تب اس کی
آنکھوں میں ستارے دکھتے تھے اور آج ان میں قبرستان
کی ویرانی تھی اسے دیکھ کر کراہیت کا بھرپور احساس
ابھرتا تھا وہ خستہ حالی اور بربادی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

اللہ جانے اسے کیا بیماری تھی شاید اس کا علاج بھی
نہیں ہو رہا تھا اور سناج کل ناقابل علاج کوئی کوئی بیماری
نہیں۔ وہ بھی کسی کے آنگن میں لگا موٹیے کا پھول تھی جو
اب گل مڑ رہا تھا اپنی غلطی سے غلاقت میں لتھڑ چکا تھا۔

"کیا خوشیوں کی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے؟" اس نے
دکھل سے سوچا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی خوشیوں کی
عمر مختصر ہی ہوتی ہے جن کے خاقب میں دعائیں نہیں
بکتا ہیں اور بد دعائیں ہوں۔ کسی کی بربادی پر بندہ اپنی
خوشیوں کی بنیاد رکھے تو وہ خوشیاں ہوا کا ایک آزارہ جھونکا
ثابت ہوتی ہیں۔

فاطمہ کو دیکھ کر اس کی ویران آنکھوں میں شناسائی کی
رت اتری وہ بدقت مسکرائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"دیکھو تو تمہارے سامنے ہی ہوں عبرت کا منہ بولتا
ثبوت۔" وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی جیسے بولنے
میں بھرا دقت ہو رہی ہو۔

"ایسا مت کہیں۔" کچھ بھی تھا فاطمہ کو اسے اس حال
میں دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"مجھے میری اس بہت یاد آتی ہے فاطمہ! مجھے یقین



حرف زندگی

سیدہ صنوبریہ

جس طرح دریا بجھا سکتے نہیں صحرا کی پیاس
اپنے اندر ایک ایسی تشنگی بن جائے
وسعت میں لوگ کھو دیتے ہیں خود اپنا شعور
اپنی حد میں آئے اور آگہی بن جائے

واقعات چھپے ہوتے ہیں جس لمحے میں انسان نے اپنے ایمان کی خاطر اپنی گردن نوا دی اسی لمحے دنیا کے ایک اور گوشے میں دوسرے شخص نے ایمان کی خاطر کسی کی گردن کاٹ دی جس لمحے میں ایک ماں نے اپنے بچے کی جسمانی بھوک مٹانے کی خاطر خود کو بیچ دیا اسی لمحے ایک بیس بانی نے اپنی ماں کا گھاکاٹ دیا ایک لمحے میں ایک مسلمان گھرانے میں ایک بچے نے آنکھ کھولی ایک اور گوشے میں ایک مشرک کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسی لمحے ایک جگہ شہنائیاں بجنے لگیں تھیں تو دوسری جگہ ماتم آہ و فغاں.....!

جس لمحے ایک میت پر پھول برسائے جا رہے تھے اسی لمحے ایک مسجد پر آج بے برساتی جا رہی تھی! ہمیں نعت اور اذان کی آواز نہیں ملے۔ لڑوؤں اور گانے کی آواز نہیں عبادت کا آغاز اور ہمیں ملاحظت کی ابتداء نہیں کوئی بیٹی کو ذولی میں بٹھاتا ہے اور ہمیں کوئی کسی کی بیٹی کی قیمت لگاتا ہے ایک ہی لمحے میں ہمیں دن سے تو کئی رات..... کہیں صبح ہے تو کہیں شام ایک لمحے میں انسان جیتا ہے ایک لمحے میں مرتا ہے اب انسان کی زندگی کئی سالوں پر محیط ہوتی ہے اور وہ اپنی تمام زندگی میں تمام سالوں میں جو کچھ کرتا ہے۔

قطرہ قطرہ جرعہ جرعہ جو درد غم اشکوں کی صورت بہتا ہے وہ تمام اعمال وہ تمام اوزار دنیا کے ایک سر سے

شاید آپ کو یقین نہ آئے شاید آپ مجھے مغبوط الحواس یا پھر بالکل ہی تہذیب نا آشنا سمجھ کر رد کریں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے روز روشن کی طرح واضح ان مٹا قابل تر وید اور قابل یقین اور اک۔

گزشتہ چند روز سے بہت عجیب و شدید قسم کا اضطراب میری روح کے نہاں خانوں میں سرگراہ ہے ایک خوف کی مہیب سائے کی طرح میرے وجود و روح سے چپک گیا ہے کچھ کھودینے کا خوف کسی زیاں کا خوف ایک ایسے زیاں کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں..... میری کچھ سو رہا ہوں ہاں میں وقت کے انمول اور بے مثال لمحے سو رہا ہوں..... لکھوں گا زیاں کر رہا ہوں اور یہ جرم نہیں اپنی ذات کے اندر ایک گناہ ہے..... اپنی جان پر ظلم ہے ایک ساعت ایک لمحہ اپنے چھوٹے سے سینے کے اندر کیسی بشارتیں کیسے ہزار رنگ اور سانی رکھتا ہے مجھے اس کا پورا اور اک ہے۔

ایک لمحے میں کتنے اسرار کتنے انکشافات چھپے ہوتے ہیں جاننا ہوں ایک چھوٹے سے وجود کا چھوٹا سا لوح اپنی ذات کے اندر ایک صدی ہوتا ہے ایک صدی جتنے واقعات، ایک صدی جتنے حادثات سمیٹے ہوئے ہوتا ہے اور یہی ایک لمحہ اپنی ذات کے اندر ایسے کشف اور الہامات چھپائے ہوتا ہے کہ جس پر یہاں شکار ہو جائیں وہ ولی بن جائے اسی لمحے میں کائنات کی ان گنت کہانیاں ان گنت

دوسرے سر سے تک کا جائزہ لیا جائے تو ایک لمحے میں
ذوق پذیر ہو جاتے ہیں۔

پیدا ہونے سے مرنے تک..... ایک لمحے کا تو کھیل
ہے سارا ایجاد و بنیاد تخلیق آغا تا انجام سب ایک لمحے کا
فیصلہ ہے ایک لمحے کا کھیل ہے کن فیکون ایک لمحے کا
معاملہ تھا اور نجات کی تقسیم نے اسے صدیوں کے کندھوں
پر محیط کر دیا، لیکن اس سارے پھیلاؤ کوئی جمع، تقسیم
ضرب ریاضی کے کسی بھی کھیلے پر تقسیم کیا جائے تو حاصل
ایک لمحہ ہی ہے گا وہ ایک لمحہ جس سے نظر بچائی جائے تو
زمین پر بیٹھنے والے لائی کیتڑے سے بھی بچ اور کم سے اور
اگر دیکھا جائے تو ایک کوہ گراں سب ایک لمحے کا کھیل
ہے مگر اس ایک لمحے کے سامنے انسان اتنے حصوں
میں تقسیم ہو چکا ہے کہ اسے کچھ بچائی نہیں رہتا وہ سوچنے
سمجھنے سے قاصر ہے اس کا اپنا پھیلاؤ ہی اس کے لیے کار
جہاں بن کر رہ گیا ہے اس کا جہاں سے اچھے اچھے وقت
کے تقابل میں کھن کھن کرتے گرتے لمحے ماہی کے پانی
میں گم ہوتے جا رہے ہیں مجھے یہ احساس زیاں ہے جین
کے دیتا ہے دھڑکیں مضطرب ہیں ایک خوف سا
شریانوں میں سرسراتا ہوا محسوس ہوتا ہے مٹ جانے کا
خوف مقصد زندگی پانے سے پہلے ہی انجام سے دوچار
ہو جانے کا خوف..... آخرت کا خوف..... یہ احساس ہوتا
ہے کہ کہیں میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہا۔

احساسات پر برف سی جم جاتی ہے وجود کے
عضلات انجن کے زنگ آلود پر زوں کی طرح بے کار
ہو جاتے ہیں۔

اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ یہ زندگی آخر
کیا ہے کیا ہے جو اس میں چھپا ہوا ہے زیاں..... صرف
زیاں کا بوجھ کندھوں کو جکائے جاتا ہے اور میں خون آلود
نظروں سے زندگی کے تر و تازہ چہرے کو تکتا ہوں اور کہتا
ہوں.....!

دیکھ.....! ذرا ایک لمحے کے لیے اپنی خود سری اور اپنی
دشتوں کو ستانے کا موقع دے کسی ایک زرد لمحے کے
قدموں کی چاپ سننے کو ٹھہر۔
کسی ایک ٹوٹی چٹنی بھرتی ہوئی سانس کے

ارتقا کی کو فضا کے لرزیدہ وجود میں دیکھنے کی کوشش کرتے تو
ازل سے اسے تک جنوں فیزیوں میں جتلا ہے کسی ایک
تجربہ اکیلی اور ٹھکی ہاری ایسی روشنی کی کرن جو اندھیروں
سے تباہ لڑ رہی ہو اسے دیکھنے۔ لیے اپنی ستم طرازیوں کو
ٹھہرنے دے اور اسی مختصر دورانیے میں صرف یہ سوچنے
سمجھنے کی کوشش کر کہ ہم مفلوک الحال وریدہ دل لوگوں
نے تیرا کیا گناہ ہے؟ کون سی مٹا صحت ہے جس کی لاج تو
نے سنبھال رکھی ہے۔

دیکھ! ذرا ایک لمحے کی فرمت دے میری بات
سن.....!

میرے ذہن کے ویران گونوں میں لاتعداد خاراگ
آئے ہیں میرے سینے کی تاریکیوں میں ان گنت باتوں
کے پتھر سر اٹھانے لگے ہیں ہم مسافروں کے محبت زیدہ
لوگ تو ازل سے اپنی سانسوں سے تر رہے ہیں ابھی یہ
سوچنے کی کوشش کر کہ جن کو تو ہر نظر گید سے ہوئے ہے وہ
منظوم لوگ کیا اپنی رگوں میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ
تیرے جبر سہہ پائیں کیا ان کے منھل کندھے اور
نا ڈال وجود یہ بوجھ سہا سکیں۔ تیرے جبر کی تو کچھ ایسی
حالت ہے جیسے کوئی بھوکا بھڑیا کسی مردار کو تاریک
پتھاروں کی جانب گھسیٹے لیے مارا ہوا۔

اسے زندگی ادیکہ ذرا ٹھہراں معصوم قطرے کی زندگی
کے حساب جتنا ٹھہر جو اپنے اندر لے کسی کے ایانج اجسام
کو سمو کر کسی دھندلی آنکھ سے گزر کر خود کو خاک کے حوالے
کر دیتا ہے۔

تو بھی ہم وریدہ واہن لڑکوں کے ساتھ وہی کچھ
کر رہی ہے جو ایک بھڑیا کسی مردار کے ساتھ کرتا ہے۔
ہمیں ختم کرنے کو تو یہ کھوں کا احساس زیاں ہی کافی
ہے کہ جنیں یا مریں یا مر کر جنیں یہ زیاں تو ساتھ ہی
رہتا ہے.....!





یہ چراغ بے نظیر ہے، یہ ستارہ بے زباں ہے
 ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
 کبھی پا کے تجھ کو کھونا، کبھی کھو کے تجھ کو پانا
 یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے

برقرار ہے گا؟ ایسا کیا واقعا ہمیں بتاؤ گی؟ تاکہ آج کی
 جو ہزری نسل ہے وہ جانیں اور سبق لیں۔ "میزبان نے
 چپ کا روزہ توڑا۔

"جہ میں امت نہیں یہ سب کہنے کی کیا ہوا میرے
 ساتھ۔" مہمان نے کہہ اور دونا شروع کر دیا۔

"اف یہ کیا مجمع ڈرامہ لگا دیا تم نے۔" رامش نے
 زمین سے ریسمٹ چھینا۔

"یہ ڈرامہ تھا آنکھ میں ہیں پائین؟ یہ مارنگ شو تھا۔"
 زمین نے واپس ریسمٹ لینے کی کوشش کی۔

"تو یہ بھی کسی ذرے سے کم ہوتے ہیں کیا؟ ایسا
 لگتا ہے خمیر ہو رہا ہو۔ ہیں ناچ گانا وہیں رونا دھونا اور

پھر شادیاں کرادو آنکھ کی پہلے سے شادی شدہ ہیں اور
 کسی کی نعلی شادیاں۔" رامش خائف تھا ان مارنگ

شو سے۔
 "ارے تو ہمارا نام پاس ہو جاتا ہے اور ضروری
 نہیں سب ڈرامہ کر۔ ہے ہوں اس لڑکی کو دیکھو تم۔"

میری زندگی کوئی انوکھی نہیں تھی اپنی مرضی کی گزر
 رہی تھی جو من بھاتا کرتی پہنتی اور مہنتی مجھے گھر والوں
 نے بھی نہیں ٹوکا پر آج میں جو کچھ کن ہوں اس ایک
 حادثے کی وجہ سے ہوں میں نے کس طرح اپنے آپ
 کو بدل سے بچایا میں ہی جان سکتی ہوں۔"

ایک معروف ٹی وی چینل پر میزبان اپنی مہمان سے
 سوال جواب میں لگی ہوئی تھی اور اس کی زندگی کا نیا بدلاؤ

کیسے آیا وہ کیا تھی اور اب کیا ہے اس پر گفتگو ہو رہی تھی۔
 "کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر میں بچ گئی تو اس میں

میرے اللہ ہی کی حکمت تھی اس کا ساتھ تھا جو میں سبھی
 گئی مجھے ہدایت دی اس نے۔" مہمان نے گفتگو کا

سلسلہ کچھ زیر چپ رہ کے وہیں سے جوڑا..... میزبان
 اس دوران چپ بیٹھی رہی..... اسٹوڈیو میں خاموشی تھی

ایسا لگ رہا تھا کہ یا تو وہاں کوئی بھی نہ ہو یا سب کو ہی
 سانس سونگھ گیا ہو۔

"اب تم کیا سمجھتی ہو جو بدلاؤ تم میں آیا ہے وہ اب
 271

گیارہ بجے زمین کی کام دہلی آئی اسے دیکھ کر زمین کی چیخ نکلی گئی۔

”یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟“ زمین نے اپنی کام والی شہراں سے پوچھا۔

”بی بی بس کیا بتاؤں میرے مرد نے تھنہ دیا ہے۔“ کام والی نے آہ بھری۔

”باجی ایک بات تو بتائیں۔“ اب اس نے زمین کو مخاطب کیا۔

”ہاں پوچھو۔“ زمین اسے اندر لے آئی اور اس کے لیے چائے نکال کے رکھی۔

”باجی آپ جو یہ صبح صبح ڈی پر دیکھتی ہو جس میں ہم جیسی عورتیں آتی ہیں کیا درج ہوتی ہیں؟ میں بھی وہاں جاؤں گی اپنے مرد کے نلاف آواز اٹھاؤں گی۔“

زمین اس کی بات سن کر ٹھنک گئی۔

”تم پوری دنیا کے گے رونا روگی؟“

”باجی باقی لوگ بھی تو کرتے ہیں۔“ شہراں نے ہنسی بھری نظر سے کہا۔

”دوسرے لوگ جو کہیں گے وہ تم بھی کرو گی یہ لوگ بڑے اچھے حاکم بناتے ہیں پوری دنیا کے سامنے اپنا ہی مذاق اڑاتے ہیں۔“ زمین اب اسے سمجھا رہی تھی۔ جسے خود مارنگ شو اچھے گنتے تھے۔

”بس باجی ہم کیا ہماری اذیت کیا ادھر کام کر کے گھر جاؤ ادھر شوہر بھرا بیٹھا ہوتا ہے ہم جائیں تو کہاں جائیں؟“ زمین کو کوفت ہو۔ نے لگی کہ کام شروع کرنے کے بجائے اس کے دکھڑے کون سنے..... کیا واقعی صبح کے شوڑ میں ڈرامے ہی ہوتے ہیں؟

”اچھا اب آرام ہو گیا نا بس تھوڑا بہت کام پر بھی قلم کر کر دو۔“

”خود تو باجی کمرے میں مڑے سے لیٹی رہتی ہے ہائے ہماری قسمت.....“ شہراں بڑبڑاتی کام پر ٹنگ گئی۔

.....☆☆:☆☆.....

زمین ریمورٹ لینے میں کامیاب ہو گئی اور وہی مارنگ شو لگا دیا۔

”مجھے صبح صبح تو ناشتہ اچھے سے کرنے دیا کرو بیگم صاحبہ۔“

”اچھا تم بیٹھ کے سیاسی ڈرامے دیکھو اور میں بقول تمہارے مارنگ شو والے ڈرامے نہ دیکھوں کیا یہ کھلا تضاد نہیں۔“ زمین نے ریمورٹ رامش کے حوالے کیا اور باور پڑی خانہ میں ناشتہ لینے چلی گئی۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کے ناشتہ کیا۔

”یاد ہے زمین جب تم شادی ہو کر آئی تھیں تمہیں چائے تک بنانی نہیں آتی تھی۔“ رامش نے زمین کو پھینرا۔

”ہاں جیسے تمہیں بہت اچھی آتی تھی بنانی چائے۔“

زمین نے زبان چڑائی۔

”بھئی میں کیوں بنانے لگ گیا تمہیں رکھا کیوں تھا اپنے پاس پھر؟“ رامش اب اسے مزید پھینرا۔

”کیا مطلب میں کیا نوکرانی ہوں؟ مجھے تم نے رکھا ہے؟ شادی کی ہے نکاح کیا ہے آئی کبھی۔“ زمین نے کھانے والے چمچے کے ساتھ کانٹے کو رامش کی جانب کر کے کہا۔

”اور بیگم صاحبہ کیا مار ڈالنے کا ارادہ ہے؟“ رامش نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے۔

”چپ چاپ ناشتہ کرو ورنہ ایسا نہ ہو تم پر میں کیس کرادوں اور مارنگ شو میں۔“ زمین نے پھر دکھیاری بن جاؤں۔“ زمین نے چائے کی چمچی بھر کے آنکھ گھماتے کہا.....

رامش ہنسا رہ گیا..... اسی نوک جھونک میں ناشتہ کیا اور وہ دفتر روانہ ہو گیا.....

”باجی ایک بات تو بتائیں۔“ اب اس نے زمین کو مخاطب کیا۔

”ہاں پوچھو۔“ زمین اسے اندر لے آئی اس کے لیے چائے نکال کے رکھی۔

رزگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ حیرت

AANCHALPK.COM

تازہ شماره سنع ہوگیا ہے



فلسفہ مردا ست

دنیا کو بخیر کرنے والے ذات کے قائل اور بدی قائلوں کے درمیان

دیدبان

مہلکی سازشوں کے سر میں وطن پرستوں کے لئے بطور خاص ہر شخص پر رشک ایک دلچسپ ناول

تاریخ کے سلسلے میں سرزمین پنجاب کی دلہی لگداز داستان جو کلاں کے اہل میں شملہ ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کے خوب سے

خوشبو خوش بختب عزیزیں ہمیں ذوق آگے اقتباسات احوال زریں احوالیت و غیرہ معروف و غیبی اسکا لرحافظ شہیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہے

پہننے کی صورت میں (2) 021-85620771

”ہیلو جی جی میں تمہیں بات کر رہی ہوں اوہ اچھا کب سے مار رہا ہے وہ اپنی بیوی کو اچھا اچھا آپ اس کی کیا لگتی ہیں؟ اچھا اچھا آپ کے ہاں وہ کام کرتی ہیں دیکھیں آپ انہیں کسی دن یہاں لے آئیں ہم پہلے تو ان کی تفصیلات لیں گے پھر اس پر کام کریں گے..... ہاں جی وہ کیا ہے نا ہم پورا سین بناتے ہیں جن کی کہانی کور کر رہے ہوتے ہیں اس کو اپنے لفظوں میں لکھتے ہیں پھر جن کی کہانی ہوتی ہے انہیں بتاتے ہیں سمجھاتے ہیں کب سے کیا بولتا ہے کہاں رونا ہے وغیرہ وغیرہ..... اچھا چلیں ٹھیک ہے آپ بتا دیجئے گا..... اللہ حافظ۔“ زمین نے اسی مارنگ شو میں کال ملائی تھی جس کے نتیجے میں اسی میزبان لڑکی نے اس کے سوالات کے جواب دیئے۔

”رامش صحیح کہتے تھے یہ لوگ واقعی ذرا سے تو نہیں کرتے اللہ کی پناہ ویسے آ زمانے میں حرج کیا ہے؟“ زمین خود ہی سوچتی اور پلان بنانے لگ گئی کیسے شکران کو لے جائے گی اور کہانی بتائے گی ظالم شوہر کی۔

”کچھ دن گزر جانے کے بعد اسے تاریخ مل جاتی ہے وہ شکران کو چننے کے لیے تیار کرائی ہے۔“

”با جی ہمیں وہاں کرنا کیا ہوگا؟“
”وہاں گانا گاؤ گی تالیاں بجاؤ گی۔“ زمین شکران کے سوال پر تپ گئی۔

”ظاہر ہے وہ تم سے سوال جواب کریں گے تمہارے بارے میں پوچھیں گے اور کیا؟ اب چپ چاپ چلو کوئی بات کی تو رہے تم میں ہی چھوڑ جاؤں گی۔“ شکران نے اپنی تیز ذہنی اور سر اثبات میں ہلایا۔

وہ لوگ اس کی وی چینل کے دفتر پر پہنچے تو پہلے ہی اتار دیا اور کہا ابھی ملی ہوئی تھی تمہیں کا پوچھ کر اس کے کمرے کی طرف چلے لیکن انہیں انتظار کرنے کو کہا گیا تھا۔

”آپ لوگ یہاں بیٹھیں وہ ابھی آتی ہوں گی جب تک میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں چائے یا کچھ ٹھنڈا؟“ ایک لڑکی نے ان سے پوچھا..... زمین کو وہ

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 73

لڑکی دیکھی دیکھی ہی لگی..... سوچنے لگی کہاں دیکھا ہے؟
 "جی آپ چائے لے لیں ہمارے لیے ہم انتظار کرتے ہیں۔" زمین کے بتانے پر وہ لڑکی چلی گئی پر زمین سوچتی رہی اس نے کہاں دیکھا ہے اسے؟
 "السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ؟" خمن آگئی تھی اور بڑے تپاک سے ملی۔

اب اسے ساتھ بٹھایا۔
 "باجی دیکھو کسی کو جتنا نہیں۔" وہ لڑکی ہاتھ جوڑ کے کہنے لگی۔
 "کیا مطلب کھل کے ہلو۔" زمین تشویش میں جلتا ہو گئی۔

"تم ٹھیک ہیں آپ بتائیں۔" زمین نے جواب دیا اور ساتھ ہی چائے اور دیگر لوازمات بھی آگئے اور وہی لڑکی آئی۔

"وہ باجی اصل میں میں یہاں کام کرتی ہوں تو یہ خمن میڈم ہیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھے ٹی دی پر لائیں گی اور اداکاری کروائیں گی۔"
 "اچھا تو کروایا کیا؟" زمین مزے سے اس کی بات سننے لگی۔

"مجھے آپ دیکھی ہی لگ رہی ہیں کہاں پر یاد نہیں آ رہا۔" زمین نے سوال کیا۔
 "سنو تم جاؤ اب۔" خمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔

"ہاں جی باجی صبح کے وقت جاتا ہے نا جی اس میں ابھی کچھ دن پہلے ہی تو....."
 "اچھا اچھا تم وہی ہونا جس نے کہا تھا کہ میں بدل گئی ہوں کچھ ہوا تھا میرے ساتھ ایسا یاد آ گیا وہی تم نے تو اچھا کام کیا تھا۔" زمین نے اس کی بات کاٹ کر اپنی بات کی۔

"آپ اس لڑکی کو چھوڑیں اپنا مسئلہ بتائیں۔" خمن نے زمین کے ساتھ بیٹھی شکراں کی طرف اشارہ کیا۔
 "جی وہ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ اس کا شوہر اسے....."

"جی باجی ویسے آپ کے ساتھ جھٹکی ہے وہ بھی کام کرے گی یہاں کیا؟" اس لڑکی نے معصومیت میں پوچھا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گئی آگے کا کام آپ ہم پر چھوڑ دیں..... ممکن ہو تو اسے دو تین روز صبح چھوڑا دیا کریں تاکہ ہم اس سے سا کیلے میں بات چیت کریں۔"
 "چلیں ٹھیک ہے ویسے ابھی بھی آپ جاہر تو اسے اکیلے لے جاسکتی ہیں اور کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ سکتی ہیں۔"
 زمین نے خمن کی بات کا جواب دیا۔

"ہاں نا تبھی تو لائی ہوں خمن کو ضرورت تھی۔" زمین نے بھی اس لڑکی کی طرح اچھا کام والی کو اداکاری کرنے والی کا بتایا۔

"چلیں ٹھیک ہے آپ انتظار کریں ٹی وی دیکھیں میں انہیں لے جاتی ہوں۔"

"ہاں جی اور پیسے بھی ملنے ہیں۔" اس لڑکی نے تو ساری بات بتادی اور بچا کیا؟

"ٹھیک ہے شکراں تم جاؤ ان کے ساتھ۔" شکراں چپ چاپ اٹھی اور زمین کے ساتھ چل پڑی۔
 زمین ڈی وی دیکھ کر وقت گزارنے لگی پھر وہی لڑکی آئی۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہی ہو جاؤ اپنا کام کرو۔"
 اچانک خمن اور شکراں آگئے تو خمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔

"ارے سنو ذرا۔" زمین نے اسے پکارا۔
 "جی....."

"جی میڈم۔" وہ لڑکی چنگی لیکن زمین کا دل ضرور خراب کر گئی۔

"تمہیں کہاں دیکھا ہے سمجھ نہیں آ رہا۔" زمین نے

"اچھا تو ہم بھی چلیں؟" زمین وہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔
 "جی جی بالکل اور یاد سے اسے تین دن بھواتے

خند تیس لے لو پر سخاوت بہت دلا، بعد دیتی ہیں کبھی کوئی غلطی ہو جائے پتھر مارنے سے ہی نہیں چرتی۔“

”استغفر اللہ! میں نے کب ایسا کیا اس کے ساتھ اور یہ اتنا جھوٹ کیوں بول رہی ہے؟“ زمین کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا واقعی اب پتھر لگائی دے۔

”ایک کار ہیں ہمارے ساتھ بات کرتے ہیں ان سے جی السلام علیکم۔“
”وعلیکم السلام۔“

”کون ہیں ہمارے ساتھ؟“
”میں جیلہ کی جاننے والی ہوں بلکہ اس کی ماکن کی پڑوسن ہوں۔“

”جی جی کیا کہیں گی آپ.....؟“

”اس بے چاری پر واقعی بہت ظلم ہوتا ہے زمین رمش نام ہے پڑوسن کا۔ اسے سمجھاتی بھی ہوں لیکن آج اس بے چاری کو یہاں دیکھ کے افسوس ہوا۔“ زمین بو بھل قدموں سے اٹھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے سب جھوٹ بول رہے تھے اب تو اس کا نام بھی آ گیا تھا کہ وہ ضروری نہیں تھا کہ وہی زمین ہو لیکن جاننے والے تو جانتے تھے کہ یہ ایسے ہاں کام کرتی ہے۔

اس کا دل بری طرح بھڑوچ ہوا کہہاں وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی واقعی یہ سب ڈھوٹ چراتے ہیں کہاں اس کے ساتھ ہی دھوکہ ہو گیا.....

شکراں کی تو اس نے اٹلے ون کلاس لگائی اسے کام سے ہی نکال دیا اور اس مارنگ شوکی لت سے خود کو تازا کیا رامش وہ تو اب سکون میں تھا صبح صبح وہ اسے اب بھی چھیڑتا ہے مارنگ شو نہ دیکھنے پر..... پر جانتا نہیں کہ زمین نے دیکھنا کیونکر چھوڑا۔



”جی وہ دوست سے ملنے جاؤں گی۔“ زمین نے یہاں گھڑا۔

”اچھا ٹھیک ہے دھیان سے جانا۔“ رامش نے ہدایت دی اور دفتر کے لیے روانہ ہوا۔
زمین بھی بی بی اسٹیشن پہنچ گئی۔

”آج جو ہماری مہمان ہے اس کے لیے مجھے بے انتہا افسوس ہے..... اس کے ساتھ سب نے ظلم کیا..... کب کیسے ہوا یہ ظلم آئیں ہم ان سے ہی پوچھتے ہیں۔“
شکراں کی تین دن کی پریکٹس بھی ذرا سا بھی نہ مہجرائی۔
”کیا نام ہے آپ کا۔“ من نے پوچھا۔
”جیلہ۔“

”ہں اس کا نام جیلہ کب سے ہو گیا؟“ زمین دور کہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

”جیلہ مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟“
من کی آواز میں درد تھا زمین اب شکراں کے جواب کی منتظر تھی۔

”میں کیا بتاؤں بی بی جی ساس الگ مجھے باری رات میں جب میرا مرد آتا ہے وہ بھی مارتا ہے نشے کی حالت میں۔“ شکراں نے یہ کہا اور رونا شروع کر دیا۔
”ہں اس کی ساس بھی رتی ہے؟ اس نے تو کبھی نہیں بتایا۔“ زمین نے دل میں سوچا۔

”تو تم ان کا یہ ظلم کیوں سہتی ہو؟“ من نے سوال کیا۔

”کیا بتاؤں بی بی جی..... میں کماتی ہوں اپنے بچوں کے لیے میاں کو بڑا خرچ نہیں دیتا۔“ شکراں نے ذوئے سنا سو پوچھے۔

”پیرا ہں کی شادی کو تو دو تین ماہ ہوئے ہیں بچے کہاں ستا گئے؟“ زمین تماشا دیکھ رہی تھی۔

”تم نے بتایا تھا جہاں تم کام کرتی ہو وہ بھی تم پر ظلم کرتے ہیں؟“ من کے اس سوال نے تو زمین کو بوکھلا کے رکھ دیا اس نے کب ظلم کیا؟

”بی بی جی وہ بھی میرا خیال نہیں رکھتیں بس کام کرالیں۔“

حصہ اول مسائل حاصل

حافظ شبیر احمد

جواب:- آیت شانا نا آیات ہیں یہ کسی دعا کی کتاب میں مل جائیں گے اور انٹرنیٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ صبح شام 7،7 مرتبہ لاول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ اپنے لوہروں کیا کریں۔ جو وہ استعمال میں ہے اس پر اور پانی کی بوتل پر بھی دم کریں پانی بھی صبح شام پیا کریں۔

فرحانہ فیض..... میر پور آزاد کشمیر
جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے شے کے لیے دعا کریں۔

ہما..... کراچی

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے شے کے لیے دعا کریں۔

اقصی اسلام

جواب: استغفار اور درود شریف کثرت سے پڑھا کریں سکون قلب کے لیے۔

رافیہ اسلام..... کینیا

جواب: عشاء کی نماز کے بعد سورۃ فریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جب اور معاشی حالات اچھے ہونے کی دعا کریں آپ بھی پڑھیں اور شوہر بھی۔ صدقہ بھی دیں۔

بشری بین محمد..... راولپنڈی

جواب: بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے شے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ فرقان سورۃ الناس 1،1 تسبیح روزانہ رکعت بندش ختم کرنے کے لیے کہن خود کرے یا ولد۔

تحریم قلم..... سرگودھا

جواب: مسئلہ نمبر 111 سورۃ فرقان اور سورۃ الناس پانی پر دم کر کے پلایا کریں روزانہ 11،11 مرتبہ بھائی کے لیے سورۃ فریش درود شریف اور نوکری کے لیے۔ مسئلہ نمبر 111 صدقہ و خیر پڑھا کریں۔

شملزیدہ

جواب:- مسئلہ 111 قسم کی اہمیت کے متعلق عالم سے رجوع کریں۔ وظیفہ جاری رہیں۔

مسئلہ 111 سورۃ فریش 111 اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ آگہی اور جلد نوکری کے لیے دعا کریں اور کچھ نہ پڑھیں۔

تعمیریم..... جھٹو

جواب:- ان آیات شفاء صبح و شام 7،7 مرتبہ پڑھ کر دم کریں اور پانی بھی نہیں۔

۲:- پتی جب سو جائے تو ماتھے اور سینے پر انگلی (شہادت) سے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لکھ دیا کریں۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

بشری ملک..... فیصل آباد

جواب:- مسئلہ 111 کوئی حل نکالیں۔
۲:- مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد 7،7 مرتبہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں۔

م ع..... ملنگٹ

جواب:- فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر "بنا قوی" 11 مرتبہ پڑھا کریں۔ قوت حافظہ کے لیے۔

بعد نماز عشاء سورۃ فریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

معاشی مسائل اور گھر بکنے کے لیے دعا کریں۔
شہ لنگہ بھرن..... چھوٹا گھسپت پورہ

جواب:- آپ نے اپنے والد کا نام تو لکھا نہیں خط میں؟ استخارہ کر لیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ فریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ پھر دعا کریں۔

صلانہ اقبال..... چچیہ وطنی

افراد کو پلائیں۔ تمام مسئلوں کے لیے دعا بھی کریں۔

..... گجرات

جواب:- بعد نماز عشاء 313 مرتبہ آیتہ کبریٰ سے پڑھیں اول یا آخر 11.11 مرتبہ اور شریف۔

اللہ سے دعا کریں معافی مانگیں جو آپ کے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ وہ فیصلہ فرمائے۔ آمین۔

مسئلہ نمبر 3:- پڑھائی شروع کر دیں اور دماغ کے لیے معجون استعمال کریں۔

مسئلہ نمبر 5:- "المذل" بعد نماز فجر 101 مرتبہ اول و آخر 3 مرتبہ درود شریف۔ (جس نے رو پدے ہیں وہ پڑھیں) مقصد بھی ذہن میں ہو اور دعا بھی کریں۔



<http://facebook.com/elajbilquran>
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں اللہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ فلق اور سورۃ الناس 11.11 مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ رشتہ میں رکاوٹیں نہ آئیں۔ سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے سورۃ عزیز 101 مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اول یا آخر 3 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

علیہ رحمۃ علیہ گوجرانوالہ

جواب:- مسئلہ نمبر 1:- بھائی کی طرف سے جو پریشانی تھی اگر ختم ہوگئی ہے تو ٹھیک رہ ختم ہونے تک جاری رکھیں۔

مسئلہ نمبر 2:- والدہ کو صبح نہا اور منہ اور شام سورۃ طحا کی شروع کی 5 آیات 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ اول و آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔

گھر کی خیر و برکت کے لیے سورۃ قمریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ پڑھیں۔

مکزیہ بی بی ضلع جالندھر

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ شمس اور سورۃ اقلق سورۃ الناس 21.21 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔

پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں تصور میں لا کر پھونک ماریں۔ ایک گلاس پانی پر دم کر کے باکو پلائیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ قمریش 111 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء سب افراد بھی پڑھ سکتے ہیں دعا بھی کریں۔

علیہ رحمۃ علیہ سلاٹوالی

جواب:- سورۃ قمریش بعد نماز عشاء 111 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں ایک گلاس پانی پر دم کر کے گھر کے تمام

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے اپریل ۲۰۱۵ء

گھر کا مکمل پتہ

نام والد کا نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

سوال

میسونہ ریہان

ام حسنہ..... کوٹ مومن

یہ حیرے غلام کی عید ہے ابھی اور حسرت دید ہے
مجھے چوم لینے دو جاہاں ابھی دل میرا تو بھرا نہیں
فیضہ جٹ..... سرگودھا

جو شخص نور دیدہ حیدر کے ساتھ ہے
رزق جزا وہ شافع محشر کے ساتھ ہے
پلاسے نہ رہیں گے ہم قیامت میں دیکھنا
اپنا بھی ریل سانی کوڑ کے ساتھ ہے

جانیہ ضیافت عباسی..... دیول مری
اس کو غرور حسن تھا تو میں اتنا پرست
وہ جا رہا تھا مجھ سے پکارا نہیں گیا
شبنم مغل..... حیدرآباد سندھ

ہمیشہ ہی نہیں رہتے چہرے نقابوں میں
کبھی کمدار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر
آنسہ شبیر..... ڈوگر گجرات

اشمام کی پردا ہوتی تو ہم عشق کرنا چھوڑ دیتے
عشق ضد کرتا ہے اور ضد کے ہم بے تاج بادشاہ ہیرا
سعدیہ افلاقی..... جھنگ

نظر سے دور رہ کر ابھی کسی کی سوچ میں ہوتے
کسی کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا
منشا یوسف..... 157 ایرانی

مت پوچھ ہم سے ہماری بزرگی کا عالم اے ابلیس
غافل ہیں مگر شوکر جب بھی لگے عجبہ خدا کو ہی کرتے ہیں
کوثر خالد..... جرانوالہ

ہماری بھی سینے بڑی مزے کی ہے
زندگی سے یوں کھیلے جیسے دوسرے کی ہے
شازہ ہاشم..... کھنڈیاں قصور

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
فازہ بھٹی..... ٹنڈکی

سوال یہ نہیں کہ وہ تمہیں کدھر

سوال یہ ہے کہ وہ کیا کیسے
نمن گیلانی، ابن صدیقی..... آزاد کشمیر

کبھی یوں ہوا تیرے پیار میں مہری نمازیں قضا ہوئیں
کبھی یوں ہوا تیری یاد نے مجھے رب سے ملا دیا
فرحان علی..... تلہ گنگ

دل میں کتنے زخم ہیں کسی کو کیا پتا
یہ اور بات ہے ہم سکرا کر جیتے ہیں رلانے والوں کے سامنے
عائشہ بیگم..... چکوال

اگر کسی کو یاد کرنے کی قیمت ہو ایک پیسہ
تو سنو تم اربوں کے مقروض ہو میرے
شیخ فاضل..... بہتتی بزدل

اداسیاں ہیں مگر وجہ غم نہیں معلوم
دل پہ بوجھ سا ہے شاید تنہا ہو گئی ہوں میں
ارم کمان..... گھیل آباد

جو چل سکو تو کوئی ایسی جاں چل جانا
مجھے گماں بھی نہ ہو اور تم بدل جانا
حرار مضرن..... اختر آباد

میرا اس شہر عداوت میں بسیرا ہے
جہاں لوگ مسجدوں میں بھی دوسروں کا برا سوچتے ہیں
شگفتہ خان..... بھلول

جن کی آنکھوں میں اشک دیتے ہو
ان میں نیندیں پھر نہیں بستیں
سوی شاہد بٹیشی..... کیر والا

حسن تو قہ میرے یار نے
حسب ضرورت چاہا مجھے
سیدہ جیاعربس..... تلہ گنگ

تم میری آنکھوں کے تیور نہ بھلا پاؤ گے
ان کئی باتوں کو بھو گے تو یاد آؤں گا
ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اکٹھے دیکھے ہیں

صفیہ زیست کو پلاؤ گے تو یاد آؤں گا
عزراہ یونس چنڈہر..... جلاپور بھٹیاں
ذرا سا بات کرنے کا سلیقہ سیکھ لو تم بھی
ادھر تم بات کرنے اور ادھر دل ٹوٹ جاتا ہے

علیہ اشہد..... جلاپور
ہمارا تذکرہ چھوڑ ہم ایسے لوگ ہیں جن کو

مہبتیں کچھ نہیں کہتیں دفائیں ماروتی ہیں
 نصیباً صرف خان..... ملان
 رات ڈھلتی رہی پامد جتا رہا
 چراغ دل شب بھر یاد میں سلگتا رہا
 سامو ملک پرویز..... بھیرہ خانپور
 پھر سے جھٹنے لگی تیری قربت کی خواہش
 دھند میں لپٹی سرد شاموں میں
 رافیہ کنول..... دائرہ دین پنہا
 روز ڈوبتا ہوا سورج یہ درس دیتا ہے اقبال
 مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے
 مازیہ بحر..... پورے والا، حبیب کالونی
 ہم نے پوچھا کہ بھولی تو نہ جاؤ گے
 وہ مسکرا کر بولے سوچ کر بتائیں گے
 قاطرہ خالق قانی..... فیصل آباد
 یوں تو شاعری سے میرا کوئی واسطہ ہی نہ تھا
 لفظوں میں مگر تیرا ذکر مجھے اچھا لگا
 مشاعلی مسکان..... میانوالی
 اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر
 ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے
 ہمالیہ عارف والا
 ملتا ہوں ٹوٹ کر تو پکھڑتا ہوں شان سے
 میں خوش مزاج شخص بہت دل سے ملتا ہوں
 طیبہ سعید عطار..... کھنڈیالہ نیانکوٹ
 اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
 تیری فرقت کے حد سے کم نہ ہوں گے
 حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین
 وفا پرست نہیں جو وفا شعار نہیں
 وہ شخص کیا جسے انسانیت سے پیار نہیں
 فریب کھائے ہیں دہ میں اس قدر میں نے
 تیرا تو کیا مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں
 مدیحہ نورین مہک..... برنالہ
 برہادیوں کا جائزہ لینے کے واسطے
 وہ پوچھتے ہیں حال میرا بھی بھی
 ایس آر مسکان..... جام پور
 باتوں میں تمہاری سٹھ گئی حیات میری

جب کہا تم نے میری زندگی ہو تم
 نبیلہ ملک..... چناب
 محبت میں نہیں ہے شرط۔ لٹے اور چھڑنے کی
 یہ ان سے غرض لفظوں سے بہت آگے کی دنیا ہے
 عائشہ نور عااشا..... شاد پال، گجرات
 ورق ورق میری نظروں میں کائنات کا ہے
 کہ دست غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں
 گل بان..... مان
 دیمک کی مانند کھا گیا مجھ کو رفاقت کا یہ غم
 وگرنہ بہت تائب تھے گز سے دنوں میں ہم
 فریدہ جاوید فری..... لاہور
 میرا پیار امر ہے پیار سے
 تیری چاہ کی مٹی مٹی
 ترے حسن کا سوتا جھوٹا
 میرے عشق کی مٹی مٹی
 آئی ایس راجپوت..... گجرات
 جسم کی دراڑوں سے روح نظر آنے لگی راج
 بہت اندر تک توڑ گیا مجھے عشق اس کا
 عائشہ نور..... راولپنڈی
 عنوان محبت ہے بس اتنا ہی لکھ پائے
 بہت کمزور رشتے تھے بہت مضبوط لوگوں کے
 فائدہ محمود..... ملکہ ہانس
 اٹھوں میں بہہ گیا ہے ہر ایک خواب آرزو
 چہرے پر حسرتوں کا بھول رہے ہیں ہم
 نیلم شرافت..... جتوئی
 محبت مل نہیں سکتی مجھے معلوم ہے لیکن
 مگر خاموش رہتا ہوں محبت کر جو بیٹھا ہوں
 نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
 اے کاش یہاں برہاں جاسے نور کی بارش
 ایمان کے شیشوں پر بڑی گرد پڑنی ہے



biazdill@aancha.com.pk

ذیل مقالہ

طلعت آغاز

دس ملائی

اجزاء:

دودھ

خشک دودھ

بیکنگ پاؤڈر

اٹھا

چینی

کھسی

الابچی

بانام پستے

ترکیب:

ایک کلو

ایک کپ

آدھا چمچ

ایک عدد

ایک کپ

ایک چمچ

پانچ عدد دانے نکال دیں

حسب ضرورت

دودھ میں چینی، الابچی اور بانام پستے ڈال کر ابال

لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر اٹھا اور کھسی ملا کر گوند

لیں۔ ہاتھ پکنے کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکئیے بنا لیں۔ دودھ

میں جوش آ جائے تو درمیانی آئینچ کر کے ساری ٹکئیاں ڈال

دیں چھبے مسلسل چلاتی رہیں تھوڑی دیر بعد یہ پھول جائیں

اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کریں اور پیش

کیجیے مزید دس ملائی تیار ہے۔

پنجم اجہم عنوان..... گورگی کراچی

سیت بان کری

اجزاء:

چکن یا بیف۔

کئی ہونی بیاز

لال مرچ

ٹمک

ذیل روٹی کا سلائس

دھنیا پسا ہوا

ہری مرچ

گرہ کے لے

۲۵۰ گرام

ایک عدد

آدھا چمچ

ایک ٹی اسپون

ایک عدد

ایک ٹی اسپون

عدد

ٹماٹر ہار یک کٹے ہوئے

ٹمک لال مرچ

باریک کٹی بیاز

پبادھنیا

بھدی

تیل

ہر ادھنیا

ترکیب:-

تمام چیزوں کو چوبے میں ڈال کر اچھی طرح بکس

کر لیں۔ چھونے چھونے کو فٹے بنا کر فرانی کر لیں۔

گرہوی

تیل گرم کریں اور اس میں بیاز ڈال دیں۔ ہلکی

فرانی ہو تو بانی چیزیں ڈال دیں تھوڑا پانی ڈال کر مسالا

خوب بھون لیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے

تو اس میں کوفتے ڈال روم پر رکھ دیں۔ ہر سے دھنیے

سے کارش کریں۔

عبر قاطبہ..... کراچی

مکن کھنا قیمرہ

اجزاء:-

گائے کا قیمرہ

چکن کا قیمرہ

ٹمک

ادک لہسن پسا ہوا

بیاز

لال مرچ پس پی ہوئی

اٹلی کا گود

لیموں کا رس

ہری مرچیں

ہر ادھنیا

کوکنگ آئل

ترکیب:-

بیاز کو باریک آٹلیے کی طرح چوب کر لیں، دونوں قسم

عدد

حسب ذائقہ

ایک عدد

۲ ٹی اسپون

ایک چمچ

۲،۲ ٹیبل اسپون

حسب ضرورت

۲۰۰ گرام

۲۰۰ گرام

حسب ذائقہ

ایک کھانے کا چمچ

عدد

ایک کھانے کا چمچ

تین کھانے کے چمچ

دو کھانے کے چمچ

تین سے چار عدد

آدھی کھسی

آدھی پیالی

کر لیں۔ اب اس میں کٹا لہسن، نمٹا، سونف، رانی، کلونجی، زیرہ، اجوائن، کٹی لال مرچ، ہلدی اور نمک شامل کر کے فرائی کریں۔ اُتارنے سے پہلے شملہ مرچ اور ہری پیاز ڈال کر کس کر کے سرد کریں۔

ادھار حمان..... جھنڈو سندھ
تھائی تھلا ہوا گشت

اجزاء:-

آدھا کلو
ادھار
ادھار
ادھار
انڈر کٹ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)
تازہ لال مرچ (باریک کٹی ہوئی)

لہسن (چوب کیا ہوا)
کالا سرکہ
تھائی سوٹ چلی ساس
دوسٹر ساس
نمک
تیل
تسی کے پتے اور نمٹا
سجانے کے لئے

ترکیب:-

انڈر کٹ کی لہسن بیڑیاں آٹ لیں۔ اس میں لہسن، سرکہ، ایک کھانے کا چمچ تیل اور نمک ملا کر گھسنے کے لیے رکھ دیں۔ فرینگ چین میں باقی تیل گرم کر کے گوشت تل میں۔ اس میں پیاز اور شملہ مرچیں شامل کر کے چند منٹ کینے دیں۔ پھر لال مرچیں، دوسٹر ساس اور تھائی سوٹ چلی ساس ملا کر ایک منٹ پرائیں اور چولہا بند کر دیں۔ مزیدار ڈش کو تسی کے پتوں اور نمٹا سے سجائیں۔

عائشہ سلیم..... کراچی

کشمیریا تنجین

اجزاء:-

آدھا کلو
آدھا کلو
دو عدد
چاول
بکرے کا گوشت
پیاز

کے تھے کو دو کر عیحدہ چھی میں رکھ دیں۔ پین میں کو کنگ آئل کو درمیانی آئج پر گرم کریں اور اس میں پیاز کو بٹکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں۔ اور ک لہسن اور گائے کا قیمرہ ڈال کر درمیانی آئج پر پکنے رکھ دیں جب تھے کا اپنا پانی خشک ہونے پر آ جائے تو اس میں نمک اور لال مرچ ڈال کر بھونیں۔ چکن کا قیمرہ ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آئج پر پانچ سے سات منٹ پکائیں۔ پھر املی کا گودا، ہری مرچی، ہر ادھنیا اور بیوں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد اچھی طرح ملا کر چولہے سے اُتار لیں۔ ڈش میں نکال کر پراٹھے یا پوریوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ہالہ سلیم..... کراچی

اچاری بیف چلی

اجزاء:-

زیرہ
اجوائن
کٹی لال مرچ
ہلدی
نمک
شملہ مرچ
ہری پیاز
بیف یونی
اور ک لہسن پیسٹ
تیل
کٹا لہسن
نمٹا
سونف
رانی
کلونجی
آدھا چائے کا چمچ
چوتھائی چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
چوتھائی چائے کا چمچ
حسب ذوق
ادھار
ادھار
آدھا کلو
ایک کھانے کا چمچ
آدھا کب
ایک کھانے کا چمچ
ادھار
ایک چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:-

بیف یونی اور اور ک لہسن کے پیسٹ کو اتنا اُبال لیں کہ دو گھن جائیں۔ اس کے بعد گرم تیل میں فرائی

ایک کپ	فرنیج بین	ایک عدد	پورا بسن
ایک کپ	کئی گا جر	دو کھانے کے چمچ	سونف
آدھا کپ	کئی نمائز	دو کھانے کے چمچ	ثابت دھنیا
آدھا کپ	مٹر	ایک عدد	تیز پات
آدھا کپ	کئی شملہ مرچ	دو کھانے کے چمچ	چینی
ایک کھانے کا چمچ	گرم مسالا	دو کھانے کے چمچ	لیموں کارس
ایک کھانے کا چمچ	زیرہ	ایک کھانے کا چمچ	ثابت گرم مسالا
ایک کھانے کا چمچ	اورک بسن پیسٹ	حسب ذائقہ	ٹمک
ایک کھانے کا چمچ	ہری مرچ	چوتھائی پیالی	کھن
ایک کھانے کا چمچ	پسا گرم مسالا	چوتھائی چائے کا چمچ	کھانے کا رنگ
گارنش کیسے	نمائز	سجاوٹ کے لئے	خشک میوہ اور مرہ
حسب ضرورت	پانی	چند ٹکے	زعفران
حسب ذوق	کئی اورک	سجاوٹ کے لئے	ہرا دھنیا اور کئی پیاز
حسب ذوق	ٹمک		

ترکیب :-

ایک پین میں گوشت اور ایک ملل کے کپڑے میں سونف، ثابت دھنیا، ایک پیاز اور بسن کی پونٹی بنا کر ایک جب پانی کا ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہو جائے اور بخنی تیار ہو جائے۔ دوسرے پین میں کھن گرم کریں اور دوسرا پیاز سنہرا کر لیں اور گرم گوشت ملا کر بھونیں۔ لیموں کارس، بخنی اور چاول ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور چاول تیار ہو جائے تو زعفران اور کھانے کا رنگ چمک دیں، خشک میوہ اور مرہ ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور کئی پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

امایمان..... کوہاٹ

عربین رزاس

سونی پلاؤ

آدھا کلو	چاول	آدھا کلو	نچاول
دو عدد	شملہ مرچ	آدھا پاؤ	کامٹی
ایک پیکٹ	چکن پیس	ایک عدد	پیاز بڑی
ایک چائے کا چمچ	ٹمک	ایک کپ	تیل
ایک کھانے کا چمچ	چکن پاؤڈر	ایک کپ	سوٹ کارن

نمک اور کالی مرچ پاؤڈر کس کر کے مکھن سے برش کر کے
گرنل کریں۔ گرم گرم کہہ اور دہی ٹھیلو کچھ یا سوس
کے ساتھ سرو کریں۔

سحر خالد..... بھکر

میٹ لوف

اجزاء:-

آدھا کلو	قیمہ
آدھا کپ	کٹنا ہوا پیاز
ایک ٹیمبل اسپون	گارلک پیسٹ
۳،۲ ٹیمبل اسپون	ٹماٹر کا پیسٹ
ایک ٹی اسپون	گرم مسالا پاؤڈر
ڈیڑھ ٹی اسپون	پسا ہوا زیرہ
آدھا کپ	پیٹ
۲ عدد	انڈے
جوس ۲ ٹیمبل اسپون	لیمن
۲ ٹیمبل اسپون	پارسلے یا ہرا دھنیا
آدھا ٹی اسپون	کالی مرچ
۳ ٹیمبل اسپون	مکھن
حسب ضرورت	نمک

ترکیب:-

قیمہ کٹنا ہوا، پیاز، گارلک پیسٹ، پیٹ پسا ہوا،
زیرہ، گرم مسالا پاؤڈر، ٹماٹر کا پیسٹ، پارسلے، انڈے،
لیمن جوس، نمک اور کالی مرچ پود پریش ڈال کر کس کر لیں
اور ساتھ ہی مکھن بھی ملا لیں۔ ایک لوز ٹن میں یہ مرکب
ڈال کر پچیس منٹ تک ۲۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر بیٹ
کر لیں۔ ٹھنڈا کر کے۔ ملائس کاٹس اور گارلک برینڈ کے
ساتھ مزے کریں۔

کورطفیل..... حیدرآباد



سفید مرچ
سرکہ
پیلارنگ
شکشش
ایک چائے کاس
چار کھانے کے چمچے
حسب ضرورت
ایک چوتھائی کپ

ترکیب:-

چاول ابال لیں اب ایک پین میں چار کھانے کے چمچ
آئل لیں اور اس میں شملہ مرچ ابل ہوئی چکن پین نمک
اور چکن پاؤڈر سفید مرچ سرکہ شکشش ڈال کر فرائی کریں
اور پھر ایلے ہوئے چاول ڈال کر کس کریں اور پیلارنگ
ڈال کر پانچ منٹ، دم دیں۔

سحرش قاطرہ..... حافظ آباد

قیمہ پسی

اجزاء:-

آدھا کلو	شمن
باریک چوپ کر لیں	شملہ مرچ ایک عدد
پھینٹ لیں	انڈا ایک عدد
ایک چائے کاس	کالی مرچ پاؤڈر
ایک چائے کاس	سرخ مرچ
۳ کھانے کے چمچے	کارن آئل
(آدھا چائے کاس)	نمک
آدھا چائے کاس	اور پکانو
آدھا چائے کاس	تھانم
۲ کھانے کے چمچے	مکھن
حسب ضرورت (پانی میں بھگو	وڈن اسکورز
دیں) (گرلند دہی ٹھیلو)	آلو
ایک عدد	شملہ مرچ
ایک عدد	کاجر
ایک عدد	نمک، کالی مرچ پاؤڈر
حسب ضرورت	ترکیب:-

قیمے میں تمام اجزاء کس کر کے تھوڑی دیر کے لیے روک

اسکو زمرے میں جا کر گرنل کر کے

بیوی کا کھیر

روبین احمد

سرخیوں کی رات اور ملبوسات کا استائل

فیشن کا دوسرا نام اگر تبدیلی رکھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ فیشن ہی کیا جو بدلتی راتوں کے ساتھ تبدیلی سے ہمکنار رہتا ہے۔ ہر وقت کے اپنے ذائقے اور ہر موسم کے اپنے تقاضے ہیں جو ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتے ہیں اور اسی اختلاف میں وراثت فیشن کا حسن پوشیدہ ہے۔ بدلتے موسم کے ساتھ ملبوسات کا فیشن بھی یعنی طرز پر تبدیل ہوتا ہے لہذا سردیوں کی نوید ملتے ہی ملبوسات کا استائل بدلنے لگتا ہے۔ لان کے ہلکے پھلکے لباس کی جگہ قدرے دلچیز کاٹن، لینن اور لون کے ملبوسات کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ تاہم کراچی جیسے شہر میں جہاں سردیوں میں بھی موسم بہت زیادہ سرد نہیں ہوتا بلکہ معتدل اور مرطوب ہی رہتا ہے زیادہ گرم کپڑے تیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لیے آپ جارحٹ اور شیٹوں بھی پہن سکتی ہیں اور موسم سرما میں سوئٹرز یا بھاری بھاری کپڑے لاوانے کے بجائے باآسانی اپنی مرضی کا ہر فیشن اپنا سکتی ہیں اگر کبھی اچانک موسم کے تیز بدلنے کی حالت دیکھائی دے تو اس کے لیے بھی ترکیبیں موجود ہیں، ایسے مواقع پر اپنے عام سڈریس کے ساتھ کوئی جیکٹ وغیرہ پہن لیں اور اگر باہر جانا مقصود ہو تو سر پر کوئی اچھا سا اسکارف لپیٹ لیں فیشن کا فیشن اور مردانہ سب سے بچت بھی۔

لڑکیاں خاص طور پر اس موسم میں اپنی کسی بھی پسندیدہ شرت کے ساتھ ڈنیم کے جیکٹ اور پینٹ پہننے کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ یہ اسٹائل آج کل خاصا ان ہے اور لڑکیوں پر بجا بھی خوب ہے۔ فیشن کے مطابق ہونے کے باوجود پیٹ لٹ لک ساوا اور پروقار ہے۔ نفاست سے بنائے گئے بال اور خوب صورت سینڈلز آپ کے

اسٹائل میں مزید خوب صورتی کا باعث ثابت ہوں گے۔

بیچتی تاجیں

نوجوان لڑکیوں کے چہرے پر کیل مہانے اور دانے دکھانا عام سی بات ہے لیکن جلد کو داغ دھبوں اور نشانات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور والوں کو پھیڑنے کی کوشش نہ کی جائے پھلور کو پھوڑنے کے بجائے انہیں از خود ٹھیک ہونے کا وقت دیں اور مندرجہ ذیل طریقے اپنائیں۔

زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔

دن میں کئی مرتبہ منہ دھوئیں۔

چہرے کی اضافی چکنائی سے نجات حاصل کرنے

کے لیے اسٹرجمٹ استعمال کریں۔

ہلکی سبزیاں اور پھل کھائیں۔

مرغن غذاؤں سے دور رہیں۔

میگ اپ استعمال نہ کریں۔

روزانہ باقاعدگی سے شاور لیں۔

اپنے ناخنوں کو تراش کر رکھیں تاکہ ان میں چھپے

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

دشال کے ساتھ لائین سنٹائل میں جدت

فیشن میں آئے دن نئے نئے انداز متعارف ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ان میں چنانچہ ایک چیز ایسی بھی ہے جن کی مقبولیت پر فیشن کے بدلنے رہنمائی کوئی اثر نہیں ڈالتے جیسے کہ سردیوں کے موسم میں شال خود بخود فیشن ٹرینڈ کا حصہ بن جاتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اگر اس موسم میں ملبوسات کے ساتھ ان کا اضافہ نہ کیا جائے تو کچھ کی ہی محسوس ہوتی ہے۔

شالیں دیدہ زیب رنگوں اور ڈیزائن کے ساتھ موسم سرما میں سکون کا احساس بخشتی ہیں اور سردی کی شدت سے بچانے کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں۔ نیز ہلکی ہونے کی وجہ سے انہیں اوڑھنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔ شمین، کشمیری، سلک، اریکمر ایڈی شدہ شالیں خواتین میں بے حد مقبول ہیں۔ خواتین عموماً شلوار قمیص

کے ساتھ کنٹراسٹ میں شامل اور ہنا زیادہ پسند کرتی ہیں جبکہ لڑکیاں جینز اور کٹنی کے ساتھ شامل کا اضافہ کر کے اپنے اسٹائل میں جدت کے ساتھ چارچاند لگاتی ہیں۔ موسم کی مناسبت سے سردیوں میں ملبوسات کے گہرے رنگ خاصے "ان" ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ہلکے رنگوں کی شائیں لباس کی شان بڑھا دیتی ہیں بالکل اسی طرح گہرے رنگ جیسے کالے رنگ کے لباس کے ساتھ نہ صرف خوب صورت ڈیزائن اور شوخ رنگوں کی شامل اچھی لگتی ہے۔ بلکہ لباس میں انفرادیت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ لباس کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بننے والی ان شاملوں میں ان کی ٹیمیں ان کی کوالٹی کے مطابق رکھی جانی ہیں اس لیے اپنے بجٹ یا رینج میں رہتے ہوئے ان کی خریداری کی جاسکتی ہے تاہم اگر ایک ہی پار مناسب قیمت میں اچھی کوالٹی کی شامل خرید لی جائے تو بار بار خریدنے کے بجائے بچا جاسکتا ہے چونکہ سردیاں سال میں ایک ہی بار آتی ہیں لہذا اچھی کوالٹی کے سبب خراب نہ ہونے کی صورت میں یہ کئی سیزن تک ساتھ بھائی ہیں اوڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ ان کی خوبصورتی اور ملائمت برقرار رہے شائیں ڈھونڈنے وقت سرف کا استعمال کریں اور ہلکے ہاتھوں سے ڈھونڈیں موسم ہر ماہ کے بعد محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ پلاسٹک کی مٹھی کا استعمال کریں اس طرح ان کے رنگ خراب نہیں ہوں گے اور آپ اطمینان کے ساتھ انہیں مختلف پہناؤں کے ساتھ اوڑھ سکیں گی۔

سدا بہار خوبصورتی

چمکتی دکتی جلد ہر نعتون کا خواب ہوتی ہے بالخصوص لڑکیاں ہستی مسکرائی خوب صورت ماڈلز اور ایکسٹریس کو حسرت، پیری نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور ان جیسا نظر آنے کی دھن میں ہر نوٹکا اور حربہ آزمائی ہیں لیکن نتیجہ صفر رہتا ہے یا شاذ و نادر کامیابی ملتی بھی ہے تو وہ ویر پائت نہیں ہوتی۔ دراصل اگر ان ناکامیوں کی وجوہات جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہم

ساری تنگ و دو طرف چہرے کو پرکشش بنانے پر کرتے ہیں لیکن عمومی صحت مجموعی جلد اور دیگر اسباب کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں جس کے سبب حسین نظر آنے کے لیے بڑے پارے بیلنے کے باوجود مطلوبہ نتائج نہیں ملتے۔ اس لیے اگر آپ میرا آزمائشوں سے تنگ آپٹکی ہیں اور سدا بہار خوبصورتی کی متمنی ہیں تو یہ بات سمجھ لیں کہ ہمارے ظاہری حسن کا انحصار جلد کی شادابی پر ہے جلد انسانی جسم پر ایسی قدرتی حفاظتی پرٹ ہے جو اپنے اندر عمومی تبدیلیوں اور اثرات کو جذب کر لیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری صحت کا اظہار ہے۔ چنانچہ اگر ان کی مناسب دیکھ بھال سے غفلت برتی جائے تو مضر اثرات فوری طور پر ظاہر ہونا شروع ہو جائے ہیں جو پریشانی کا باعث بنتے ہیں اس لیے ماہرین خوبصورتی کے لیے اس کے صحت مند ہونے پر زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ صحت مند جلد چہرے کے لیے مضبوط ذہال کی طرح کام کرتی ہے۔ عموماً ہماری خواتین اپنی نین اتج گزرنے کے بعد میں اکیس برس کی عمر میں جلد کے پارے میں احتیاط شروع کرتی ہیں اور اسی کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ ان کے سارے مسائل چھٹی بجاتے حل ہو جائیں اور انہیں زیادہ محنت بھی نہ کرنی پڑے۔ ان تمام الجھنوں سے بچنے کا واحد اور آسان راستہ یہ ہے کہ جلد کی حفاظت کم عمر میں شروع کریں۔ کیونکہ یہ بالذات کی نگہداشت کا بہترین عرصہ ہوتا ہے۔ ہم عمر کے اس دور کا بھرپور فائدہ نہیں اٹھاتے اور بعد میں پچھتاتے ہیں اگر جلد کی حفاظت اور اس میں روٹنا ہونے والی تبدیلیوں پر کم عمر میں ہی توجہ دے دی جائے تو خوبصورتی تا عمر برقرار رہتی ہے لیکن وہ تمام خواتین جو عمر کے اس دور سے نکل چکی ہیں پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ اپنے معمولات میں ہلکی تبدیلیوں کے ذریعے جلد کو شاداب بنا لیتی ہیں۔

فائزہ اسلم..... رحیم یار خان

بیگانگی خیال

ایمن وقار

حمد باری تعالیٰ

دلکش دلکش منظر سارے
اس کی قدرت کے ہیں نظارے
دریا سمندر پہاڑ بنائے
طرح طرح کے پھول کھلائے
صحرا اس کے جنگل اس کے
دور آفتاب پر بادل اس کے
چاند اور سورج اس نے بنائے
تارے فلک پر خوب سجائے
گرمی ہو یا خوب ہو جاڑا
ہر موسم ہے اس کا پیارا
اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے
وہ ہی تیرا میرا خدا ہے

عمران فائق..... ایک

تمنا

نبی ﷺ کے شہر میں مجھ کو جو قبر مل جائے
تو میرے دل کا یہ ارمان بھی نکل جائے
طوائف کعبہ خدا نے مجھے نصیب کیا
مدینے جانے کا ارمان بھی نکل جائے
بلالہا سر کا ﷺ نے مدینے میں
کہ میرے چاہنے والوں کا دل بہل جائے
مدینے جا کے نہ لوگوں کی تمنا ہے
میرا قیام مدینہ میں دم نکل جائے
نبی ﷺ کے روضے کا جی بھر کے کر لوں نظارہ
کہو تقاضا سے گمزی کی گمزی کو مل جائے
میں اپنے چہرے کی زینت اسے بتالوں گی
ماہی خاک مدینہ جو مجھ کو مل جائے

ماریہ کنول ماہی..... چک درکان

غزل

پنچھی آزاد اچھے لگتے ہیں
پھول شاخوں پہ روز کھلتے ہیں
جو پہاڑوں سے جھٹے بہتے ہیں
پھر ندی سے گلے وہ ملتے ہیں
پتھر سارے اس میں لیکن
بارشوں میں کھر کے ڈھلتے ہیں
جب ہواؤں کا ساز بجا ہے
سور جنگل میں رقص کرتے ہیں
پھول اور بیجوں میں نہیں کوئی فرق
جب بھی دیکھو وہ ہنستے رہتے ہیں
دنیا میں زندہ دل رہو ہدم!
مستقل کب ٹھکانے رہتے ہیں
رزق ملتا ہے پتھروں میں جنہیں
یہ کرشمے سب رب کے ہوتے ہیں
جو جدائی سے پھر گیا خانم
اس کو فطرت کے راز ڈستے ہیں

فریدہ خانم..... لاہور

نظم

ایک درت سے تعمیر کبری ہوں میں
چاہتوں کے مکاں
جس میں کڑی سزا میں
بے التفاتی
نظروں کی ہر ایک گٹھڑی
کو دفن کر کے
میں نے شہت الفت سے
بنیاد رکھی ہے اس مکاں کی
سو جس کی بنیاد میں ہوش مل
پر خلوص جذبے
ہزار جانتیں
بھلا وہ کیس اس کے اثر سے
کب تلک رہ سکتے ہیں اور اس سے

میں بھی اسی یقین کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے
کبھی تو تمہیں بڑیں گے دل پر
نفرتوں کے موسم نہیں گے دل سے
تمہارے قلب تک میری رسائی ہوگی
تمہاری بے رحم طبیعت کو
میری محبتوں سے آشنائی ہوگی
زندہ ہوں میں اسی یقین کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

غزل
روشنی کی خواہش میں آنکھیں جلا بیٹھی
میں سارے خواب سہانے بھلا بیٹھی
خواب رتوں سے بہار کی آس کو کر
میں نمی کلی جیسی بیٹی مرجھا بیٹھی
میری سادہ دل ماں کو بھلا کیا معلوم؟
وہ کسے اپنی لاڈلی گڑیا دلا بیٹھی؟
باہل کے گھر سے کوئی سندھیہ نہ ملا
میں بولیں آ کر سب کچھ گنوا بیٹھی
اس شخص سے میرا بھلا ہو نہیں پایا
جس کے بندھن میں خود کو بندھا بیٹھی
میری ماں بھی نہ جان پائی وہ دکھ
جو خود کو میں تمہاری میں سنا بیٹھی

چندا چوہدری..... حویلیان

نغم
تمہیں اس طرح سے چاہوں
کہ تمام چاہتیں تم پر ختم ہواے جان!
کوئی حسرت وصال کی
کوئی لہو لعل کا
کوئی پھول بھی غم کا
تیری راہ میں نہ گل پائے.....!

میرا غزل صدیقی..... کراچی

غزل

ہجر کے صحرا میں تیری یاد کے پیچھے
بہت دور نکل آئی اک خواب کے پیچھے
شاید کہ ہو افسردہ وہ بھی میرے بنا
عمر گزار دی میں نے اسی خیال کے پیچھے
اسے بھول جانا اتنا بھی محال نہیں مگر
میری دھڑکنیں چلتی ہیں اس کی سانس کے پیچھے
یہ دل بھی گواہ اس کا جان بھی گواہ اس کی
کیا کہوں ہے کس کا ہاتھ دل برباد کے پیچھے
دیکھو یوں سچ راہ میں ساتھ مت چھوڑو
اپنا سب ہی کچھ لٹا دیا تیری ذات کے پیچھے
اب جانے میرے دل کو حمیرا یہ یقین آیا
عمر بھر بھاگتی رہی میں سراب کے پیچھے
حمیرا قریشی..... لاہور

غزل

ٹوٹ جائیں نہ اپنے خواب آجا
ڈھل نہ جائے کہیں شباب آجا
موسم گل ہے منتظر تیرا
رو رہے ہیں بھی گلاب آجا
میں اکیلا ہوں قریہ شب میں
آ مرے پاس ماہتاب آجا
دل کے زخموں کا کچھ بھرم رکھ لے
حسرتوں کے لیے گلاب آجا
تنگی بڑھ گئی ہے حد سے اب
ساتیا آج بے نقاب آجا
تظلم کر ہم پر یا کہ پیار حکیم
ہم نے لیتا نہیں حساب آجا
حکیم خان حکیم..... ایک

غزل

نظر کے سامنے نیرے سوا نہیں کوئی
تو اس قد میں ہے دوسرا نہیں کوئی
نجانے کتنے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے

اجالا جس سے ہو ایسا دیا نہیں کوئی
 تجھے ہی سوچنا اور شاعری کرنا
 علاوہ اس کے میرا مشغلہ نہیں کوئی
 نجانے آج کل اس کا مزاج کیسا ہے
 ابھی تو اس سے ہوا رابطہ نہیں کوئی
 کسی کے در کی گدائی ہمیں بھی حاصل ہو
 ہمیں وہ مرتبہ حاصل ہوا نہیں کوئی
 قدیم رانا بھلا کس طرح ملے آ کر
 تیری زبان پر حرف دعا نہیں کوئی
 قدیر رانا..... راولپنڈی

غزل

کنارا کرو گے کنارا کریں گے
 محبت کے دکھ کو گوارا کریں گے
 کرو گے محبت محبت لے لے گی
 محبت میں ورنہ خسار کریں گے
 اگر بے وفائی کرو گے جو ہم سے
 تیرے غم میں آنکھیں ستارا کریں گے
 بھی ہم کو ان سے ہوئی تھی محبت
 محبت ان ہی سے دوبارہ کریں گے
 تیرے لوٹ آنے کی خوشی میں ہم بھی
 بہت خود کو ہم سنوارا کریں گے
 تیرا پیار فری میری زندگی ہے
 محبت کو ہم آشکارا کریں گے

فریدہ جاوید فرنی..... لاہور

غزل

چھوڑ جاؤ یہی مناسب ہے
 پھر نہ آؤ یہی مناسب ہے
 عشق پاگل سے عشق اندھا ہے
 زوب جاؤ یہی مناسب ہے
 تم سے جاناں یہی توقع تھی
 دل دکھاؤ یہی مناسب ہے
 اس نے تم کو بھی چھوڑ جانا تھا

غم مناؤ یہی مناسب ہے
 گھر کی وحشت ہی کام آئے گی
 دل لگاؤ یہی مناسب ہے
 تیرا راشد اداں رہتا ہے
 لوٹ آؤ یہی مناسب ہے
 راشد ترین..... مظفر گڑھ

غزل

زخم جو اعتبار دیتا ہے
 جینے والوں کو مار دیتا ہے
 آزمائش قدم قدم پر ہمیں
 موسم نو بہار دیتا ہے
 کوئی آتا نہیں ہے ملنے کو
 روز وہ اشتہار دیتا ہے
 زندگی کیا دے راستہ اس کو
 غم سے اہمیت جو ہار دیتا ہے
 جان دے کر وطن کا رکھوالا
 قرض سارے اتار دیتا ہے
 کون دیتا ہے زندگی کا شعور
 زخم دل بار بار دیتا ہے
 عشق دیتا ہے دل کو بے تاب
 آنکھ کو اتھار دیتا ہے
 اک تبسم تمہارے ہونٹوں کا
 دل میں خوشیاں اتار دیتا ہے
 دیکھنے رب دو جہاں تیر
 کب نیا روگار دیتا ہے

غیر رضوی..... کراچی

شہر دل کی گلیوں میں
 شہر دل کی گلیوں میں آ رہا ہو کا عالم ہے
 سسکیاں ابھرتی ہیں
 ان دنوں کی یادوں میں
 جب خوشی کے بھونکے میں
 اعتبار کا رشتہ..... ایک یاد کا رشتہ

جانندی راتوں میں
 بسببوں کے گیت کا..... دور کے اک جھرنے سے
 اس نگر میں شاداں تھا
 ایک ایک گلی میں گیت
 اعتبار کا گایا..... اور پیار کا گایا
 ہر طرف اجالا تھا روشنی تھی خوشبو تھی
 سرات رنگ کی تھی
 ننھے ننھے پھولوں سے ہمکلام ہوتی تھی
 ایک قبر آیا پھر
 اعتبار پھر ٹوٹا
 جھوٹ کا برندہ تب
 شیر کی فصیلوں پر روز آیا کرتا تھا
 اور گل کا قصہ
 قاتلوں کے لہجوں نے شہر کو سنایا تھا
 دوستی کا وہ رشتہ
 خوشبوؤں میں بستا تھا
 نوٹ ہی گیا آخر.....
 ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ ہی گیا آخر
 شہر دل کی گلیاں پھر
 راز کھولا کرتی تھیں ہر سوچے جا کرتی تھیں
 ان دنوں سے روشنی ہے
 روشنی بھی خوشبو بھی
 اب تو نلکہ بڑھیل بھی خفا سا لگتا ہے
 مان نوٹ جانے کے
 دل کو بھی جلانے کے
 اور دھوکا کھانے کے
 سیاہ گنجانہ میرے سے بادلوں کا سایہ ہے
 اس کے بعد ہستی میں موت سا اندھیرا ہے
 شہر دل کی گلیوں میں موت سا سناٹا ہے
 بین کرتی یادوں کی
 سسکیاں ابھرتی ہیں
 شہر دل کی گلیوں میں

شہر دل کی گلیوں میں.....!
 عرشہ ہاشمی..... کوئی AK
 انگبار
 دل کے اداس نام و در پر
 دیے اس کے جلا کے
 باد کے صحرا میں
 انگلیوں کی رہ جھم کب رہا ہے
 پیٹے دنوں کی راکھ میں
 جلا کے انگلیاں
 آنسوؤں کی برسات کب تھی ہے
 وہ اور بھی شدت سے یا آیا
 دیکھا جب بھی اسے بھلا کے
 حد نظر تک ہوا جھوس
 زیست میں ہر پل تیری کمی ہے
 اشک روک کر بھی دیکھا
 ٹھہری ہوئی پتلیوں پر نگاہ ہے
 لاکھ سناٹا جا ہا
 دل کے ہر گوشے پر اک تصویر جی ہے
 اور تصویر پر بہا بجا
 میرے آنسوؤں کی کمی ہے
 نصیر آصف خان..... سلمان
 لقمہ
 روئے روئے سے
 یہ سارے دن ہیں
 لہو ہو وطن ہے سارا
 کیسے روئے کیسے ہے،
 وہ ماں.....!
 جس کا نور نظر
 گولیوں کی بارشوں میں
 نہا گیا ہے.....
 صنم ناز..... مودرا نوال
 غزل

محبت کے معاملوں میں
عجیب تر نہ یہ معاملہ تھا
اس کے ہونٹوں پر ہنسی تھی
ادھر لبوں پر سسکیاں تھیں
وہ ہنستا ہوا جا رہا تھا
وہ روتے ہوئے تک رہتا تھی
محبت کو ہار کر وہ
زندگی بھی گنوا چکی تھی
ایک لڑکی اس بے وفا پر
جان اپنی لٹا چکی تھی

عنایت اللہ عنایت..... موحیہ

خاموش رشتہ

اے ہدم!
تم نے کبھی
لغظوں کا سحر نہیں
مجھ پر بھونکا
قربت کا کوئی جگنو میرا۔ یا نجل میں
نہیں ٹانکا.....

کبھی دلفریب جلوں کا جال
میری ذات کے گرو نہیں بنا
مگر پھر بھی

اے ہدم!
تمہاری آنکھوں کی کشش
میری آنکھوں میں اپنے ساتھ کے
دیے جلاتی ہے
تمہاری معنی خیز مسکان
میرے دل کے تاروں کو
جکے سے چھیڑ جاتی ہے
کیونکہ.....

اے ہدم!
یہ خاموش رشتہ بڑا عجیب ہوتا ہے
بڑا دلفریب ہوتا ہے

روئے مہتاب سے آجکل کو ہٹایا جائے
جلوہ حسن تو اک بار دکھایا جائے
کسی نے دیکھا ہے بھلا حسن مجسم ایسا
ہو اگر کوئی اسے سامنے لایا جائے
روز چپتا ہوں مگر چپتا ہوں سے خانے میں
آج کی شام تو نظروں سے پلایا جائے
ایک مدت سے رہے ہجر کے تارے ہدم
دل کی اب سچ پر مجھ کو بھی سلایا جائے
میرا کسی اور حوالے سے تجھے پاؤں گا
مجھ کو ہاتھوں کی لکیروں میں نہ لایا جائے
میں نے ہوتا ہے سجاؤں کے ہاتھوں متول
میرے مشکل کو ابھی اور سجایا جائے
ہو اگر کوئی تو وہ آئے مقابل یارو
آئینے کو ذرا آئینہ دکھایا جائے
آخری گیت دقاؤں کا گھما ہے میں نے
محفل عشق میں جو دل سے ستایا جائے
آج ساہل پر جب رقص بھنور ہوتا ہے
غم کی لہروں کو بھی گرداب میں لایا جائے
خالد ایاز ساہل.....

لغز

دہمی دہمی
دہمی دہمی
صدا کہیں سے ابھر رہی تھی
مجھ کو نہ چھوڑ جاؤ
اک لڑکی بے وفا سے
فریاد کر رہی تھی
دہ دور رہی تھی
وہ نہیں رہا تھا
ورچاہتی تھی اس بے وفا کو
بہ چھوڑ کر
اسے جا رہا تھا
اک کی چاہت اک کی نفرت

بڑا قریب ہوتا ہے

شع مسکان..... جام پور

غزل

کانٹوں سی اس دنیا میں وہ پھولوں جیسی
چون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی
اجلی اجلی مہکی مہکی روشن روشن
میری سوچوں جیسی جذبوں جیسی
جھک جھک کرتی اترے دل کے آئین میں
رات اندھیروں میں وہ چاند اجالوں جیسی
جاگتی آنکھوں سے بھی اس کو دیکھتے رہتا
وہ خوابوں میں آنے والی پروں جیسی
لو برسائی وہ پہروں میں اس کی یادیں
شغلی کرنوں جیسی بلکہ رنگوں جیسی
اک چہرے کا لپکا ہے میرے چاروں جانب
میں ہوں اور یہ دنیا ہے آنتوں جیسی
سلی رب نواز سلی..... بھکر

ظالم ڈھایا جا رہا ہے

سراسر ظلم ڈھایا جا رہا ہے
غریبوں کو ستایا جا رہا ہے
عداری کا تماشہ ہے سیاست
نیا کرتب دکھایا جا رہا ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کو
عجب چکر چلایا جا رہا ہے
بظاہر چھوٹے فتنوں کو دبا کر
بڑا فتنہ اٹھایا جا رہا ہے
ذرا ہم خواب سے چونکے تھے اے دل
تھپک کر پھر سلایا جا رہا ہے
طالبِ رومی کی ہے بھوکوں کو یارت
انہیں گانا سنایا جا رہا ہے
کہاں آئینِ اسلامی کہاں ہم
یہ دھوکا ہے جو کھایا جا رہا ہے
یہ ذلت اور آزادی کی نعت

ہمیں آلو: ٹاپا جا رہا ہے
بصیرت ہے تو نغمہ دل سے دیکھو
مسلمانوں کو مٹایا جا رہا ہے
نہرین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
تلاش

وہ اکثر مجھے جب بھی
کتابِ محبت کھنگالنے دیکھتا ہے
تو اکثر سوال کرتا ہے
کہ تم کتابِ محبت میں
کون سا ماہ تلاش کرتی ہو
کون سے سوال کا جواب تلاش کرتی ہو
مگر وہ انجان ہے کہ
مجھے کتابِ محبت کا ہر ورق ازبر ہے
میں تو بس میری کتابِ محبت لکھنے والے
مصنف کا نام تلاش کرتی ہوں

کوثر ناز..... حیدرآباد

دعا

یارتِ تیرے در پر کھڑی حقیر بندی
ہاتھ اٹھائے ترزاں دعا ڈھونڈتی ہوں
سر سے پائیک گناہوں میں گوندھی
مریض لا دوا کے لیے دوا ڈھونڈتی ہوں
تو مشکل کشا: مالکِ ارض و سماں
ہر آفت میں تجھ سے ہی پناہ مانتی ہوں
تیری ذات ہے۔ ہمیشہ تو صفات میں یکسا
کی اپنی ذات میں ہی ہر خطا ڈھونڈتی ہوں
نہیں ہے نا امید نرزمین موسمِ نراں سے
ہے دل میں خدا آئی کو اپنا حبیب مانتی ہوں

سیدہ فرزین حبیب..... کراچی



دوست کیلئے

بہا احمد

نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف۔ طور اور آصف کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ نازیہ آیا آپ
کہاں ہیں پلیز جلدی سے آجائیں اپنا نیا ناول لے
کر۔ سمیرا شریف طور مجھے آپ کی ہر کہانی بہت بہت
پسند ہے، آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ پہلو آصف کیسی
ہو ارے ٹھیک ہی ہوگی ارے اتنا حیران کیوں ہوتی
ہوں! میں ہی ہون تمہاری دوست نورین کیسا لگا؟ اب
سوئی نہ ہو جانا خوشی میں۔ آپ سب اپنا بہت خیال
رکھنا اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

نورین خلیل مبین..... مظفر گڑھ

پیاری دوستو کے نام

مدیحہ کنول! کیسی ہو؟ تم بھی غائب ہو مغلطی کے
بعد کہیں پناہ تو نہیں کر لیا۔ نیرنگ خیال میں تمہاری
شاعری دیکھی بہت اچھی ہے۔ پڑھ کر مزہ آیا شاہ
زندگی ایسے بول شاہ خساء عباس دعا ہاشمی کیسی ہو
آپ سب؟ حافظہ سمیرا آپ کو میری چیزیں اچھی لگتی
ہیں (جزاک اللہ) اور اب فیصل آباد کی رہائشی نیلندہ
مراد کیسا لگ رہا ہے۔ چٹوکی سے اتنی دور جانا سنو!
19 جنوری کو تمہاری شادی کی پہلی سالگرہ تھی بہت
بہت مبارک ہو اور 25 جنوری کو تمہاری سالگرہ تھی
بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک تمہیں اپنی
رحمتوں کے سائے تلے رکھے اور تمہیں اور منزہ کو دنیا و
آخرت دونوں میں سرخرو کرے آمین۔

فائزہ بھٹی..... چٹوکی۔

ماہ رخ (بیال) کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے کیسی ہیں آپ؟ آپ
نے ہمارے لیے فرینڈ شپ ریٹونٹ بھیجی ہمیں آپ
کی ریٹونٹ قبول ہے۔ ہم نے بہت لیٹ رہے ہیں

کیا اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں دراصل ہم
اپنے ایگزام میں بہت بزدلی تھے۔ اس وجہ سے ہم
آپ کو وقت پر جواب نہیں دے سکے یقیناً آپ
ہماری ایکسیوز قبول کر لیں گی۔ میں اور ابرش فرینڈز
ہیں اب آپ بھی ہماری فرینڈز ہیں۔ چلیں! ہم آپ کو
اپنا تھوڑا سا تعارف کرو دیں! ہم دونوں ایم بی بی
ایس کی اسٹوڈنٹ ہیں! اس لیے بہت بڑی رات
ہیں۔ این صدیقی، سمن گیلانی بھی ہماری فرینڈز
ہیں۔ آج کل سے ہمارا تعلق تقریباً تین سال پرانا ہے
میری مغلطی ہو چکی ہے جبکہ ابرش کا نکاح ہوا ہے وہ بھی
بہت ہی ہینڈسم لڑکے سے۔ ہم دونوں بہت ہی خوش
نصیب ہیں! زیست کا فیاضی بھی بہت ہینڈسم ہے۔
اب آپ بھی اپنا تعارف روانہ! امید ہے آپ ہمیں
ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ہماری دوستی کا رشتہ سچے دل سے
نبھائیں گی۔ ہمارے لیے دعا بھی کیجیے گا کہ ہم ایم بی
بی ایس اچھی طرح مکمل کر لیں اللہ حافظ۔

ابرش آشیہ زیست مكرم..... بنیال بالا

تمام طالب علموں کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ آپ سب خیریت
سے ہوں گے میرے مخاطب پاکستان کے تمام
طالب علم ہیں۔ میرے بہن بھائیو! آپ سب جانتے
ہیں کہ ملک کن مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ ایسے
حالات میں جب ہم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں
وہشت گرد ہمیں اپنے مقاصد اور نظریات سے بھٹکانا
چاہتے ہیں۔ پاکستان میں ہم کے جہاد کو روکنا چاہتے
ہیں تاکہ ہم اور ہمارا ملک زرقی کی دوز میں آگے نہ
بڑھ سکیں۔ ہماری ننھی کلیوں کو نوچتے پھر رہے ہیں
تاکہ مائیں اس خوف سے ہم و فراسات کا رستہ چھوڑ
دیں مگر سلام سے ان ماؤں پر جو اپنے لخت جگر کی
قربانیاں دے کر بھی خوف کا شکار نہیں ہوئیں۔ علم
کے اس جہاد میں باطل کو ٹھست دیتے ہوئے ان
ماؤں نے اگرچہ اپنی گویا خالی کر لیں مگر ان کی

مبارک ہو اللہ تم کو ہزاروں ایسی سالگرہ منانے کی توفیق دے اور اللہ میری عمر بھی تم کو لگا دے۔ میم سمیہ اور حنا کو سلام ہمیشہ خوش رہیں صد مسکراتی رہیں آمین۔

انراہ لیاقت..... حافظ آباد

بیاری دوستوں کے نام

میری بیاری سی دوستوں ثانیہ، طلحہ، فردا، عصمت، صبا، سونیا، آنسہ سب کو میرا سلام۔ کیسی ہو دوستو! میرا بہت مبارک ہو تمہیں لیب ٹاپ ملا ہے۔ ثانیہ، طلحہ اور فردا آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔ ثانیہ تم جو چاہتی تھیں اب تمہاری خواہش پوری ہوئی ہے۔ طلحہ اور فردا تم مصوم ہو کے بننے کا ڈرامہ کرتی ہو ہا ہا ہا۔ ویسے تم میری بہت اچھی دوستیں ہو اور تمہارا کیا حال ہے؟ کیا کرتی ہو اب۔ کہیں شادی وادی تو نہیں ہو۔ تمہاری جو رابطہ بھی نہیں کرتی۔ باجی ثانیہ میں بہت خوش ہوں میں جلد ہی آپ کے گھر آؤں گی۔ میری طرف سے میری ساری کلاس فیلو (جو پہلے تھیں اور اب ہیں) سلام۔ میری دعا ہے کہ آپ سب سے وابستہ لوگ ہمیشہ خوش اور مسکراتے رہیں اللہ حافظ۔

انراہ وکیل..... لیلیانی سرگودھا

آنجل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ سب سے پہلے دعا ہاٹی اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے آمین۔ بے درپے صدقات پر دل دکھ سے بھر گیا اتنے قریبی رشتوں کی جدائی انسان کو واقعی توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ خالہ اور نانا جی کو کروٹ کروٹ جنت نعیم فرمائے آمین۔ گلینڈ ویرا! کیسی ہو آپ؟ بہن کی شادی کی بہت مبارک ہو۔ چاند اور ستارہ (عبید ایضاً ہاوی) کیسے ہیں؟ میری طرف سے بہت سا پیار نورین شامہ کیا خالی ہے جناب آپ کا؟ کاجل شاہ جی! کیا عالی ہے آپ کا؟ جی کیسی ہے

جھولیاں حقیقتاً خالی نہیں ہوئیں بلکہ اللہ کی رحمت ان پر عزم ماؤں پر برابر برس رہی ہے۔ پیارے طالب علموں اگر تم چاہتے ہو کہ ہم یہ جنگ جیت جائیں اور ہمارے بہن بھائیوں کا خون رائیگاں نہ جائے تو پھر ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے اندر قوت پیدا کرو اور علم کے جہاد کو تیز کرو تاکہ دشمن کو واضح منہ توڑ پیغام حاصل ہو سکے ہم پاکستانی بچے ان کے اوجھے: تختاندوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ اللہ اس ملک و قوم پر اپنا رحم کرے اور ہمیں ان حالات میں ہمت اور تدبیر سے کام لینے کی توفیق دے آمین۔

عزراہ یونس..... حافظ آباد

شہدائے پشاور کے نام

16 دسمبر پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن کہا جاتا ہے 16 دسمبر کو ہی بنگال ہم سے جدا ہوا تھا۔ 16 دسمبر کو ایک بدترین سانحہ پشاور رونما ہوا ایسا بدترین دن جس نے کئی ماؤں کی گودیں اجاڑ دیں۔ ایسا بدترین لمحہ جس نے کھلتے ہوئے پھولوں کو نوج لیا، پھولوں کے شہر میں پھولوں پر عری حملہ تاریخ کا ایک ناقابل فہم اور ناقابل برداشت سانحہ ثابت ہوا۔ وہ وقت کوئی بھی شخص نہیں بھولی سکتا۔ خلیعہ، فاطمہ، عثمان، طلحہ اور یونس اور اس جیسے جانے اور کتنے بچوں کے نام کون فراموش کر سکتا ہے۔ اب ایسے حالات میں جب ایک طرف ضرب و غصب آپریشن چل رہا ہے تو دوسری طرف ملک دشمن وطن عزیز کے ستمگاہیوں کے نوجھنے کی درے ہے ان حالات میں ہمارا قومی اور اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے اندر ہم و فراسط پیدا کرتے ہوئے فرقہ واریت، نسل پرستی، صوابیت اور تعصب سے بالاتر ہو کر صرف و صرف ملک و قوم کی بقا کے متعلق سوچیں کیونکہ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ اللہ ہمارے اس وطن عزیز کو اپنی امان میں رکھے اور ہمیں حق کہنے اور سننے کی توفیق دے آمین۔ آخر میں اپنے بھائی عمر اور عثمان کو بہت بہت سالگرہ

آنجل فرینڈز کے نام 2015 2014

آپ کی؟ اللہ زندگی دے اسے آمین۔ میں تو سمجھی تھی آپ ہانگی سجلی لڑکی ہوں گی پر آپ تو اماں ہیں ان ایڈ اولی شاہ زندگی کدھر غائب ہیں آپ آتے ہیں سالگرہ کی طرف تو میری سوٹو بہن خدیجہ 5 مارچ بہت بہت مبارک ہو اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیابی دے آمین۔ اسٹائلو جمیرا پی برتھ ڈے (14 مارچ) اللہ تمہیں پڑھنے کی توفیق دے آمین ہا ہا۔ جو یہ لیاقت تھی برتھ ڈے سزائیلہ ساجدہ (23 مارچ) مٹی مٹی پٹی رین آف دی ڈے۔ اللہ آپ کو جلدی سے اماں بنا دے آمین۔ شیریں گل کیسی ہیں آپ؟ آنی جیا عباس شمع مسکان طیبہ نذیر عاتشہ خان عاتشہ پرویز دیا آفرین کو بہت سا سلام خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں اللہ حافظ۔

روبی علی..... سید وال

ڈیئر فرح قاتلہ کے نام

سویت فرح! السلام علیکم امید ہے ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوگی۔ فرح 3 مارچ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو کیسا لگا میراوش کرنے کا انداز۔ میں نے سوچا کچھ نئے انداز سے وش کروں شادی کے بعد یہ آپ کی پہلی سالگرہ ہے۔ شادی کے بعد بھول گئی ہو ادھر آئی ہو تو ملنے آیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے تم اپنے گھر میں سدا خوش رہو آمین۔ وقاص بھائی اور ہانی گھر والے سب ٹھیک ہیں؟ جتنا ضرور کیسا لگا میراوش کرنا اللہ حافظ۔

سیدہ کنول..... ستیانہ

اپنے پیاروں کے نام

آنجل کے تمام قارئین کو ہماری طرف سے پیار بھرا سلام۔ سب سے پہلے دس مارچ کو میری (گمن گیلانی) اور خیرہ مارچ کو امین صدیقی کی برتھ ڈے ہے اس کے علاوہ بارہ مارچ کو فائزہ آپ کی سولہ مارچ کو مریم کی اور 23 مارچ کو امین عثمان کی ہے۔ آپ سب کو آپ کی برتھ ڈے مبارک ہو ہماری دعا

ہے کہ اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے اس کے علاوہ مارچ میں ہمارے پچھڑ بھی ہیں پلیز آپ سب دعا کریں کہ ہمارے پچھڑ بہت اچھے ہوں آمین۔ اس کے علاوہ شگفتہ باجی کنول آپنی اقصی آپنی مومنا آپنی ہبا آپنی صنم آپنی سہیہ باجی آپ سب کیسے ہیں؟ صنم آپنی آپ تو کالج میں جا کر بالکل بدل گئی ہو اور اقصی آپنی آپ کو گھر سے دورہ کر کیسا لگ رہا ہے یقیناً آپ بہت مس کر رہی ہوں گی۔ کنول آپنی آپ بھی وہاں جا کر تھوڑی تھوڑی بدل گئی ہیں گھر کی یاد نہیں آتی کیا؟ اچھا اب اللہ حافظ۔

گمن گیلانی امین صدیقی..... آزاد کشمیر

حمید انگر کے نام

کچھ لوگ دنیا میں بہت کم عمر لکھوا کرتے ہیں۔ آپ کو پتا تو تھا کہ آپ کی بیٹی عظمیٰ آپ کو دیکھ کر چنتی تھی وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی مگر آپ کے کپڑے خود پر لیس کرتی تھی جوتے پالش کرتی اور آپ کی ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔ آپ کہتے تھے کہ میری بیٹی عظمیٰ ڈاکٹر بنے گی۔ میں اپنی بیٹیوں کو اتنا پیاروں گا کہ جتنا کسی باپ نے بھی اپنی اولاد کو نہ دیا۔ حبیبہ عمارہ اور عظمیٰ کی آنکھوں میں خواب سجا کر خود ایدی نیند سو گئے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عظمیٰ کتنی حساس ہے ہاتھ بات پر رو دینے والی اس کی ہر خواہش پوری کرنے والے اب وہ کس سے فرمائش کرے گی۔ کس کے لیے دروازے پر کھڑی ہوگی اور کس کے ساتھ کالج آ کرے گی آپ تو اسے اکیڈمی سے لینے آتے تھے۔ آپ کا بیٹا ابو بکر بہت چھوٹا ہے وہ یہ ذمہ داری اٹھائیں سکے گا۔ عظمیٰ پہلے بہت کم کلاس میں بات کرتی تھی اب تو بالکل ٹوٹ گئی ہے آپ کاش دیکھتے کہ اچانک جب آپ کی موت کی خبر عظمیٰ نے سنی ہوگی تو وہ کیسے تڑپتی ہوگی۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو کس نہیں سکتی۔ تمام بہنوں

ہے سب بہت خوش و خرم ہوں گی۔ شاہ زندگی اریبہ شاہ سہاس گل انا احب' مجمع مسکان' کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ جواب 'مرور دینا میں جواب کی منتظر رہوں گی۔

مباشر ادوی..... تنکا نہ صاحب
جامعہ برکات الحدیث ریہہ شیتہ برنائی کی اسٹوڈنٹس کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گی! آپ سب۔ میری طرف سے امتحان میں تانوںے فیصد کامیابی حاصل کرنے پر مبارکباد اور مجھے خود بھی فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد آہم۔ ہماری نیچر زبان شائستہ باجی انعم باجی اقراء اور باجی عاصمہ کوشک۔ یہ اور مبارک باد۔ جن کی انٹک کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ باجی شائستہ آپ کو پیاری سی پری کی مبارکباد اور مدیحہ نورین مہک زندگی شاہ اور نازیہ کنول نازی کو میرا سلام اؤ کے ہا۔ نے رب راکھا گڈ ہائے اینڈ ٹیک کیئر۔

رہک وفا.....

بچوں کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ سب اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے خیر و عافیت اور خوش و خرم ہوں گے۔ پیاری شہزادی ہادیہ مغل آپ نے 8 دسمبر 2014ء کو مغل گھرانے میں تشریف لاکر ہمیں پھوپھو بننے کا شرف بخشا! آپ جلدی سے اپنی داد کے ساتھ حیدرآباد ہمارے پاس آ جائیں وی آر مس یو۔ 3 مارچ کو ہمارے پیارے بھائی مرزا بابریگ آپ کی برتھ ڈے ہے! ہم سب گھر والوں کی طرف سے آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ پاک آپ کو دین و دنیا کی ہر نعمت اوتا سائش سے نوازے! بس آپ پانچ وقت نماز کے پابند ہو جاؤ۔ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے! ہاں یہ سر پر اترا آپ کو کیسا لگا ضرور

سے گزارش ہے کہ وہ انکل کے لیے خصوصی دعا کریں! اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر کی توفیق دے آمین۔

ایس گوہر..... تانہ لیا نوالہ

خوب صورت لوگوں کے نام

السلام علیکم! میری بولی فرینڈز کیا حال ہے دنیا کی سب سے خوب صورت پری دعا ہاشمی! آپ کے پیاروں کے پھٹ جانے پر بہت افسوس ہوا! اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ ڈیئر پری شاہ میں بھی آپ کی فرینڈز ہوں۔ سوٹ ہارٹ جاناں یاد کرنے کا تہہ دل سے شکر یہ۔ مائی پرنٹی ڈول ہئی آپ سے سخت ناراض ہے اب بات مت کرنا! مجھ سے مائی چلیلی فرینڈز شاہ زندگی شائستہ مغل نورین امیر سکندر نٹ کھٹ فرینڈز فوزیہ سلطانہ اقصیٰ! خوب صورت فرینڈز زندگی کی آس میرا تعبیر! ایرش اینڈ زیست کرم کیوٹ فرینڈز روکین حیدر زوباش خان نیلیہ ہارٹش اینڈ چندا چوہدری کیسی ہیں آپ سب؟ مائی پرنس امین وقاص پو کا محل دی کسی ہو اور ہماری گڑیا کیسی ہے ریٹنا طاہر کوئی ناول ہی دے دو ڈیئر بیو موزہ اتنی ناراضگی اچھی نہیں کوئی تو بات کرو ورنہ ماما جان سے ڈانٹ پڑوانی پڑے گی۔ ڈیئر جانی درخشا سیال اتنی ڈگریاں لے کر کر کیا کر گئی! کچھ میرے نام بھی ٹرانسفر کرو سوٹ شمس مسکان آتی رہا کریں اچھا لگتا ہے۔ ڈیئر عائشہ پرد بڑ دل چھوٹا کیوں کرنی ہوں میں ہونا۔ آپ کی دوست ایس انجم کویل رباب عبا بھیٹی نورین شاہز سدرہ شاہین حمیرا عروش لاڈو ملک اریبہ شاہ کرن شاہ امیر گل دھڑکن بلوچ خوش رہو موجیں کرو اپنے خرم۔ چے پرنٹی امان اللہ۔

ماہ رخ رہک حنا..... ہر گوہر

آنجل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سب آنجل فرینڈز کیسی ہیں؟ امید

طیبہ نذیر کہاں ہو آپ؟ آنچل میں اتھری دو۔
حافظہ سمیرا! آپی ارم کمال! عائشہ پرویز! تمنا بلوچ!
عشنا کوثر سردار کو سلام۔

سزا بلوچ..... جھنگ صدر

میم زیب نساء کے نام
السلام علیکم! پیاری میم! زیب جو گورنمنٹ گریڈ کالج
میں اسلامیات کا مضمون پڑھاتی ہیں! آپ بہت ہی
اچھا پڑھاتی ہیں۔ ہم آپ کے کردار سے بہت ہی
متاثر ہوئے ہیں اور پوری کوشش بھی کرتے ہیں آپ
کے جیسا بننے کی۔ میم جو باتیں آپ ہمیں بتاتی ہیں وہ
آج تک ہمیں بھی کبھی کوئی نہیں بتائیں۔ آپ
ہماری جتنی اصلاح کرتی ہیں اس کے لیے بہت بہت
شکریہ۔ میم بس آپ سے آپ ہی درخواست ہے کہ
ہمیں بھی کچھ بھی چھوڑ کر نہ جائے گا کیونکہ آپ جیسی پھر
ہمیں پھر نہیں ملے گی۔ میم! میں اپنی دعاؤں میں یاد
رکھے گا اور ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی کی ہر راہ
میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

شاہین گروپ..... جلاپور بھٹیاں

آنچل کی بھٹیوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آنچل قارئین! میرا شریف
طور کیسی ہیں آپ؟ آپ کو دیکھنے کو دل کرتا ہے
ڈھیروں باتیں کرنے کو دل کرتا ہے۔ نازیہ کنول
نازی میرے سوالوں کے جواب دینے پر شکریہ ادا
کرتی ہوں! دوستی کی پیش کش قبول کرنے پر خوشی
ہوئی۔ پروین افضل شاہین صاحبہ آپ کیسی ہیں؟ میں
آج بھی آنچل کھولتے ہی آپ کا نام ڈھونڈتی ہوں!
اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔
آپ نے مجھے مخاطب ہی نہ کہا سوچا شاید آپ ناراض
ہیں! معاف کر دیں۔ عائشہ نہن آپ کیسی ہیں! آپ
کے بارے میں کرن میں پڑھ چکی ہوں! اللہ تعالیٰ
آپ کے ہر خواب کو تعبیر بخشے۔ بشریٰ ہاجوہ شادی کی
ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دائمی خوشیوں

بتائیے گا۔ ارے کامران بھائی آپ کے کان کیوں
کھڑے ہو گئے! ہا ہا ہا۔ آپ کو بھی سر پرائز دیں گے
ان شاء اللہ۔ اسامہ بھائی اپنا بے حد خیال رکھا کریں!
اللہ پاک میرے گھر والوں دوست احباب عزیز
رشتہ داروں اور کل امت محمدیہ پر اپنا خاص فضل و
کرم فرمائے! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا
فرمائے آمین۔

مریم منگل..... حیدرآباد سندھ

پیاری بھانجی کنول اور بیٹا فریڈ شمونہ کے نام
السلام علیکم! میری جان سے پیاری بھانجی کنول
کیسی ہو تم! اور تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے خدا
تسہیں اور تمہاری ماما کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ میں
کچھ دن پہلے گاؤں گئی تھی پر سوری خالہ کی جان
تمہارے گھر چکر نہیں لگا سکی! میں جانتی ہوں تم مجھ سے
بہت زیادہ ناراض ہو! پر اب تو خوش ہو جاؤ کہ تمہاری
آئی اپنے پیارے آنچل کے ذریعے تم سے سوری
کر رہی ہے۔ میری طرف سے علی حیدر اور شمشیر حیدر
کو ڈھیر سا پیار اور میری جان سے پیاری دوست
شمونہ کیسی ہو جان! سن! اور جس شہزادے کے تم
خواب دیکھ رہی ہو مجھے نہیں لگتا کہ اس کا جنم ہوگا!
ہا ہا ہا۔ تم جہاں بھی رہو خوش رہو اور اپنا بہت خیال رکھا
کرؤ! اس کے علاوہ اگر آنچل کی کوئی بھی پری مجھ سے
فرینڈ شپ کرنا چاہے تو ہوسٹ دیکم۔

انا یہ ملک..... خانیوال

پیارے بھیا اور آنچل گریڈ کے نام

ہیلو آنچل! آنچل گریڈ! کیسے مزاج ہیں آپ سب
کے اور سردی کے ساتھ کیسے بردا زما ہو رہے ہو۔
پیارے بھیا! سنو! عباس! 15 فروری کو آپ کی سالگرہ
بھی بہت بہت مبارک باد۔ پروین! آپ اپنے پرنس
بھیا کی آواز ہم نے بہت بار ریڈیو پروگرامز میں
آن ایئر سنی ہے ان کو بھی سلام۔ اقراء! فرین! قازہ
بدل! ثوبیہ! نواز! اعوان! شہناز! اقبال! شازیہ! اقبال!

کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اگر میری زندگی کا ایک لمحہ بھی باقی ہے تو وہ بھی آپ کو لگ جائے۔ آپ کا سایہ آپ کے بندوں پر سدا قائم رہے۔ اللہ آپ کو شادی کی ہزاروں سالگرہیں نصیب فرمائے۔ ہماری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں کوئی غم ہمارے قریب نہ آئے آمین۔

صائمہ عزیزہ..... میاں جنوں

نازی سمیرا اپنی کرشل گزرتے کے نام
نازی اپنی سمیرا آبی اور تمام کرشل گزرتے کو السلام
علیکم! کیسے ہیں آپ۔ ب؟ میں الحمد للہ بالکل ٹھیک
ہوں۔ ہائی سمیرا پر نزا آپ دونوں بہت پیارا
معصوم سا لگتی ہو میری آپ دونوں سے درخواست
ہے کہ اپنی نظر ضرور اتارا کریں۔ نازی اپنی آپ
اداس موسوں کی ہنسی ہیں تو میں بھی آپ کی اداسی
دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتی ہوں۔ دل کرتا ہے
کہ آپ کے پاس آؤں آپ کو سنوں آپ کی اداسی
وتجائی درد کو خود میں شمل کر لوں۔ مجھے آپ کی اداسی
سے بہت محبت ہے خوش رہا کریں ماں۔ مسکان
جاوید نور ایمان آپ دونوں کا مجھے یاد رکھنے کا بہت
شکریہ۔ سوئے گزرتے بلدی سے ہمارا آنچل میں اپنا
تعارف کرواؤ۔ میں بڑھنے کے لیے بے چین ہوں۔
شیخ مسکان عائشہ خان آپ کے بغیر تو آنچل ادھورا
لگتا ہے حسرت ہی ایسی بھی آپ دونوں میرا بھی ذکر
کریں۔ حافظہ سمیرا سرگودھا آئے پر و حکم ہی! کرن
ملک کوثر کرن وفا اورین شاہد رشک جانا منہ ادا
ڈریم گزرتے کیسی ہوا آپ سب؟ آمنہ کرن اجداری سے
آنچل میں انتری دو۔ بہت یاد کر رہی ہوں میں آپ
کو آمنہ اقبال مجھے بہت خوشی ہوئی یہ جان کر آپ کی
تقریباً ساری عادتیں مرے جیسی ہیں۔ کیا خیال ہے
آپ کی اور میری دوستی ہو سکتی ہے؟ جواب ضرور دینا
میں منتظر ہوں گی اللہ آپ سب کو خوش رکھے فی امان
اللہ دعا گو۔

سے نوازے آپ کی زندگی میں ہمیشہ خوشیاں
رہیں۔ مسز نگہت غفارا سب کیسی ہیں؟ آپ کو اللہ تعالیٰ
دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے۔ آپ کے لیے
مانگی جانے والی ہر دعا کو قبول فرمائے۔ طیبہ نذیر
نورین شاہد آپ دونوں کیسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو
خوشیوں سے نوازے آمین۔ آپ سب کی دعاؤں
کی طالب آپ سب کی بہن۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

نومانی سویدہ، سسر دعا ہاشمی کے نام
مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کیا لکھوں جب آپ کا درد
پڑھا تو سوچا دعا کو میں خط لکھوں گی مگر الفاظ جیسے
مجھ سے کم ہو گئے ہیں۔ جیسے خوشیاں روٹھ چکی ہوں
جیسے خواہشوں کا حصول ناممکن رہا ہو جیسے دعاؤں کا
حصہ رٹوٹ گیا ہو۔ ماں کا ہنسی بہت اذیت ناک
مرحلہ..... قلم چلنا بھول چکا ہے مگر میری دعا ہے کہ
اللہ عزوجل آپ کی والدہ صاحبہ اور باقی افراد
خانہ کو جنت کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور انہیں
بلند درجات سے نوازے آمین۔ اللہ عزوجل
آپ کو ہمت حاصلہ و روح یابی سے ہم کنار کرنے
آمین دعاؤں کے ساتھ اجازت آپ کی خیر خواہ و
طلب گار دعا۔

سامعہ ملک پرویز..... خان پور

بیارے دل جانی کے نام
بیارے دل جانی آپ کو شادی کی سالگرہ بہت
مبارک ہو آج سے سات سال پہلے میں آپ کی
زندگی میں شامل ہوئی اس وقت سے لے کر اب تک
زندگی کی ہر خوشی مجھے آپ کے دم سے ملی اور اللہ سے
دعا ہے کہ ہمارا جو ساتھ 29 مارچ 2008 کو شروع
ہوا تھا اللہ اس ساتھ کو تاقیامت رکھے۔ عزیز الرحمن
صاحب آپ نے میرا ہر حال میں ساتھ دیا جس کے
لیے میں آپ کی بہت مشکور ہوں میں آپ سے بہت
محبت کرتی ہوں آپ کے بنارہنے کا تصور بھی نہیں

میرا تعبیر..... سرگودھا

اہل وطن تمام شہزادوں اور انٹرز کے نام
خیریت کی طالبہ بھیر ہے نازیہ اپنی! کیسی ہیں
آپ؟ سب اس آہنی ماہمک قرۃ العین خرم ہاشمی، عمیرہ
احمد، نمرہ احمد، سیدہ غزل زیدی، عالیہ حرا، نازیہ جمال،
ام مریم، سیدہ ضواریہ، نادیہ فاطمہ رضوی، صدف
آصف، حیا بخاری، ام ثمامہ، ام ایمن، نعیم، نگہت، سیمہ،
ارم کمال، مونا شاہ قریشی، شاہ عرب سنی، دعا ہاشمی، آپ کا
دکھ سا بچھا ہے مبر سے کام لیجئے۔ شبانہ امین، کلثمت
خان، شبیم کنول، شازیہ کنول، انصی، سنیاں زرگر، آنرہ
شہیر، فاطمہ گل شیریں گل، تحریم اکرم، حبا قریشی، پارس
شاہ، شہزاد بلوچ، دوستی کرنے کا شکر یہ۔ صائمہ سکندر
سومرو دوستی کا شکر یہ، میرا تعارف نومبر 2013ء میں
شائع ہو چکا ہے، سیدہ رمضان سیدی دوست بنانے
کا شکر یہ۔ فروری میں جس کسی کی بھی سالگرہ تھی سب
کو سالگرہ مبارک ہو۔ دعاؤں میں یاد رکھیے اور سانحہ
پشاور کے شہید بچوں اور ان کے گھر والوں کے لیے
دعا گو رہیے اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھیے
مجھے اجازت دیجئے اللہ حافظ۔

شہناز اقبال، شازیہ اقبال..... لودھراں

کچھ خاص دوستوں کی نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب، یقیناً ٹھیک
ٹھاک ہوں گے۔ سب سے پہلے عائشہ بیگم (ماہوش)
کیسی ہو؟ قسم سے میں تو تمہارے جامعہ سے آنے
کے دن گنتی ہوں اور یقیناً تم بھی دن گنتی ہوگی (خوش
نہیاں مہرباں) خیر تمہیں یہ کہنا تھا کہ..... قدر کیا کرو
ان لوگوں (عامرہ) کی جو تم سے..... (آگے تم خود
سمجھا رہے ہو)۔ شاہ امول گھر میں فارغ ہوتی ہو پھر
بھی ہمارے گھر نہیں آتی۔ اُف سیدہ! 2 فروری کو
تمہاری سالگرہ تھی مجھے یاد تھا میں نے تمہیں وش کیا
ہے۔ آنجل کے ذریعے پھر کر رہی ہوں، مٹی مٹی پٹی
برتھ ڈے نو یو اور ہاں فروری میں تمہاری شادی بھی

ہے، خدا کے واسطے جس طرح کالج سے چھٹیاں کرتی
تھی اس طرح سسرال سے نہ کرنا۔ اللہ تمہاری آنے
والی ازوداجی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کر دے
آمین۔ آتم منہ نہ بناؤ تم بھی مجھے یاد ہو بلکہ اچھی
طرح اپنا خیال رکھنا اور روانہ تم جب بھی فون کرتی
ہو سوائے پڑھائی کے کچھ اور تو کبھی ہی نہیں۔ عائشہ
کوٹ اقبال اور عائشہ تم دونوں کو سلام۔ عائشہ بشیر قسم
سے تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔ سیکشن بی زیڈ سی۔ 1 اور بی
زیڈ پی۔ 1 کو بہت بہت سلام۔ تم سب لوگ بہت
اچھی ہو، اقراء قیوم تم اپنی باتوں کے علاوہ سیدھی بھی
کر لیا کرو۔ انعم و عاصمہ تم لوگ بھی بہت اچھی ہو، صبا
ظفر تھوڑی سی نخریلی ہے۔ کشف تمہاری تو بھئی ہی ہم
سب کی شان ہے (ہا ہا)۔ کرن آفتاب کھوکھر! تم ہر
وقت دور دانہ بٹ نہ بنا کرو۔ فرج، صبا، رؤف، میمونہ
اسرئی، ایلہ، صوفیہ، قانزہ، اساور سب کو بہت بہت
سلام۔ جب سے ہم لوگوں کی بی ایس سی کی کلاسز
شروع ہوئی ہیں ہم دونوں نے ایک دوسرے سے
صرف ایک بار بات کی ہے پتا نہیں کیوں خیر تم بھی
بہت اچھی ہو۔ مجھے اپنی پوری کلاس ہی بہت پسند ہے
اور نادیہ بلکہ زینب ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ خیرن
اور عتیقہ تم لوگ بہت اچھی ہو اور عتیقہ مجھے تم سے
غزلیں سننے میں بہت متاثر ہے آخر میں ایک بار
پھر یہ دعا کہ اللہ میری ساری فیولوز کو ہنستا مسکراتا رکھے
آمین خرم آمین۔ اس کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں
کالج میں ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

عائشہ صدیقہ..... چکوال



dgp@aanchal.com.pk

یادگار

جوبیہ سالک

نعت رسول قبول ﷺ

ذالی ہے تروتازہ پتا ہے تروتازہ
توصیف نبی میں ہر غنچہ ہے تروتازہ
ہر لفظ تروتازہ مصرعہ ہے تروتازہ
کیا نعت محمد کا مطلع ہے تروتازہ
کوئین مہک انھی فرمان رسالت سے
سرکار دو عالم ﷺ کا لہجہ ہے تروتازہ
سب شوق زمانے کے مرجھائے نظر آئے
ہے نعت کا ذوق ایسا رہتا ہے تروتازہ
طیبہ کی ہواؤں سے ایک کیف برستا ہے
مہکا ہوا ہر جھونکا ہوتا ہے تروتازہ
شاداب عقیدت کی شاخوں پر رہے ہر دم
اک پھول جو روزانہ کھلتا ہے تروتازہ
مہکار دودوں کی آتی ہے فضاؤں میں
ہر لب پر رسالت کا نعرہ ہے تروتازہ
جنت میں بھی حوروں نے چہروں پہ کہاں کر
کیا خاک مدینے کی غازہ ہے تروتازہ
ساجد کے قلم پر جب رحمت کی پڑی شبنم
ہر شعر خیالوں سے نکلا ہے تروتازہ

محمد امینؐ ہر ساجد سعیدی..... بہاولپور

آج کل

آج کل لوگوں نے ناموس دیا ہے

☆ چہرہ اہل کوشن کا

☆ اوس کو محبت کا

☆ بے حیائی کو اعتماد کا

☆ منافقت کو نیا داری کا

☆ سادگی کو لاطمی کا

☆ عاجزی کو کمزوری کا

عائشہ نورعاشی..... سحرات

کبھی جو تم

☆ کبھی جو تمہارے ہاتھ سے کتاب گرے تو سمجھ
لیتا کہ کسی نے تمہیں یاد کیا ہے۔

☆ کبھی جو تم اس میں سے کچھ پھول کو دیکھو تو سمجھ لیتا
کوئی داستان لکھ رہا ہے ان گزرے ہوئے حسین لمحوں کی۔

☆ کبھی جو تم درختوں پر نام لکھاؤ دیکھو تو سمجھ لیتا کوئی
اب تک چاہتا ہے تمہیں۔

☆ کبھی جو ان دیکھے بھالے رستوں پر سفر کرو تو
سمجھ لیتا کسی نے ان پر ساتھ چلنے کی قسم کھائی ہے۔

☆ اور کبھی جو تم لوستہ کا ارادہ کرو اور سفر کرو اسی راہ
گزر پرتو سمجھ لیتا کہ کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

تھیرا ملک..... میانوالی

یادوں کو ایک کھڑکی

وہ جو چپکے سے آنکھوں کو سلانے میں تھکتی تھی کہ ہوا کا
ایک جھونکا آیا اور یادوں کی خاموش کھڑکی کو پٹ سے
کھول دیا۔

وہ تمام تلخ یادیں جن کو وہ بھلا دینا چاہتی تھی دل و
دماغ سے کھرچ ڈالنا چاہتی تھی انہوں نے اس کو دوبارہ
سے بے چین و مضطرب کر دیا اس نے کہیں پڑھا تھا کہ
”یادیں دیمیک کی طرح ہوتی ہیں اور یہ انسان کو اندر
ہی اندر چاٹ جاتی ہیں۔“

جب یادوں کی کھڑکی کھلی تو اس کی خشک ہوانے اس
مضطرب وجود کو اپنی لپین میں لے لیا۔ اس کے بعد دور
سے بھری ایک آہ سنا دی جس نے داستان ماضی کو تازہ
کر دیا اور پھر اس کو یادوں کے خاموش دستے میں لے گئی
اور وہاں تلخ حقائق کا سہنا کر دیا جس نے اس وجود کی
سسکیوں کو اشکوں میں ڈھال دیا

اور پھر ایک آواز گونجی

سنو ابھی تو یہ درپے بند کر رہی ہوں تم میرا انتظار کرو یا
نہ کرو لیکن مجھے پھر آنا۔ پھر آنا ہے۔

اور پھر یادوں کی کھڑکی پٹ سے بند ہو گئی۔

آنچل * مارچ * ۲۰۱۵ء * 3110

حرم فاطمہ..... جنگ

بس کنڈیکٹرز کی رومانوی غزل

اوجان میرے پیار کی میرے جذبات کی کر قدر
سیراب گوٹھ، لالو کھیت، صدر..... صدر
مجھے اپنے عشق کے سمندر میں کچھ اس طرح ڈوبا دے
چل بھائی آگے آگے ہو جا دوسروں کو بھی جگہ دے
جدا ہو کر اب ہمیں اتنا تو مت رلاؤ
اماں! یہ بچے کو اپنی گود میں بٹھاؤ
اپنی زلفوں سے ہمیں اپنے پیار کا سایہ دو
ہاں خالا! چلو اب کرایہ دو.....
تیرے سنگ بیچے ہوئے لمبے گئے گزر
او بھائی، کرایہ پورا دے نہیں تو بیچے اتر
جالہ نیافت، عباسی (دیول) مری

ری اشارت

❀ دل میں اگر سی پیو ہوتا تو سب ہی یادوں کو
سیو کر لیتے۔
❀ دھڑکن میں اگر ڈرائیو ہوتا تو زندگی کا بیک اپ
لے لیتے۔
❀ دل میں جو بلیو ٹوٹھ ہوتا تو باتوں کا
ٹرانسفر کر لیتے۔
❀ آنکھوں میں جو ویب کیم ہوتا تو تصویروں کو
ریسیو کر لیتے۔
❀ کاش زندگی بھی اک کمپیوٹر ہوتی تو ری
اشارت کر لیتے۔

عائشہ پرویز..... کراچی

پاتلی یاد رکھنے کی

☆ جو درخشن زیادہ چمک دیتا ہے اس پر زیادہ پتھر
پڑتے ہیں۔
☆ اپنی زندگی کو پھول کی طرح گزارو جو کھلنے والے
پتھوں کو بھی مرکا دیتا ہے۔
☆ شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔
☆ جسے پسند کرتے ہو اسے حاصل کر لو یا پھر جو

حاصل چاہے پسند کر لو۔

☆ رشتوں کے بندھن جو لوگ بناتے ہیں وہ اکثر
نوٹ جاتے ہیں مگر جو رشتے خدا عطا کرتا ہے وہ ہماری
سانسوں کی ڈوری سے بندھے ہوتے ہیں۔

ہرین افضل شاہین..... بہاولنگر

قرآنی معلومات

♥ قرآن مجید کے 30 پارے، 7 منزلیں 114
سورتیں 6666 آیات، 8643 کلمات، 558 رکوع،
(323761 حروف اور 14 سجدے ہیں اور 29 حروف
مقطعات ہیں۔

♥ قرآن مجید میں 6 سورتیں انبیاء کرام کے نام
سے ہیں (سورۃ ہود، سورۃ یوسف، سورۃ یونس، سورۃ
ابراہیم، سورۃ نوح، اور محمد)

♥ قرآن مجید کی صحیفہ اعلیٰ میں 2 مرتبہ بسم اللہ آتی ہے
♥ قرآن مجید میں 26 انبیاء کا ذکر آیا ہے اور
سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ کا آیا ہے۔ (۴۰
سورتوں میں)

♥ قرآن کی پہلی وحی 17 رمضان المبارک کو غار حرا
میں نازل ہوئی۔

♥ قرآن کی آخری وحی 9 ذی الحجہ 10 ہجری کو
میدان عرفات میں نازل ہوئی۔

♥ قرآن پاک تقریباً 22 سال، 2 ماہ اور 22 دن
میں نازل ہوا۔

♥ قرآن پاک میں 86 سورتیں اور 28 منی سورتیں
ہیں۔

♥ قرآن پاک کی سورۃ الحمد میں آخری وحی نازل ہے
♥ نزول کے اعتبار سے قرآن پاک کی آخری سورت
سورۃ النصر ہے۔

♥ قرآن مجید میں واحد صحابی حضرت زید بن
حارثہ کا ذکر آیا ہے۔

روبی علی..... سید والا

قیمتی سوانح

آنجل مارچ ۲۰۱۵ء 301

شاگرد: کیونکہ میرا ایک جوتا اوکے پاس اور دوسرا امی کے پاس تھا۔

نورین طیف..... ٹوبہ فیک سنگھ
جواب

حضرت لقمان نے باوجود عمر و رازمی کے کوئی مکان نہیں بنایا ایک جھونپڑی میں جاں بحق ہوئے ملک الموت نے پوچھا۔

”باوجود اتنی طویل زندگی۔ آپ نے مکان کیوں نہیں بنایا۔“

آپ نے فرمایا ”جس کی تاک میں آپ رہیں تو اس کو مکان بنانے کی کب سوجھتی ہے۔“

طیبہ بندری..... شادی وال گجرات
نقطہ درازیاں

□ وقت پیسے سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ ہمیں پیسہ تو اور مل سکتا ہے وقت نہیں مل سکتا۔

□ افسوس کہ ہم نے دانت کو گھڑیوں کے ہاتھوں سے دیا ہے۔

□ اپنے خوابوں کو سچ ثابت کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے ہانپنی آگ نہیں کھول لیں۔

□ کچھ لوگ عظیم پیدا ہوتے ہیں کچھ عظمت حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ پر عظمت ٹھونس دی جاتی ہے۔

□ عورتوں کو نہ تو جھگڑنے کے لیے معقول وجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی صلح کے لیے عورت کے ساتھ سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ وہ ہزار مردوں جیسے کام کرے پھر بھی اسے عورت ہی کہا جاتا ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

بارش کا ایک ننھا قطرہ بادل سے ٹپکا جب اس نے سمندر کی وسعت دیکھی تو شرمندہ ہوا اور دل میں کہا کہ اتنے بڑے سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت ہے اس کے سامنے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں جب اس نے اپنے آپ کو حقارت سے دیکھا تو ایک پچی (صدف) نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس کی پرورش کی کچھ عرصہ بعد وہ ایک ننھا قطرہ قیمتی موتی بن گیا اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔

نصہ یونس..... گنگاپور
بھول

رشتوں کی بقا کے لیے رابطے ضروری ہیں کیونکہ بھول جانے سے تو اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے درخت بھی سوکھ جاتے ہیں۔

خوبی
رشتوں کو ایسی خوبی سے استعمال کرو جیسے شہد کی کھی پھولوں سے رس تو لیتی ہے مگر پھولوں کو نقصان نہیں دیتی۔

احساس
جس انسان کی سانس نکل جائے تو وہ زعمہ نہیں رہتا اور جس انسان کا احساس نکل جائے وہ انسان نہیں رہتا۔

مدیحہ نورین مہک..... برمانی
ایک کئی سی

ایک کئی سی
چاروں جانب بھیل رہی ہے
گئی زمانے ایک ہی بل میں
باہم مل کر بھیک رہے ہیں
اندریا دیں موکھ رہی ہیں
باہر منظر بھیک رہے ہیں

حصہ بتول..... بہاولپور
وجہ تاخیر

نہیجہ تم دیر سے کیوں آئے؟
شاگرد: جی میرے باپوائی لڑ رہے تھے۔

نہیجہ: تو وہ لڑ رہے تھے تم کیوں دیر سے آئے۔

نہیجہ: تم دیر سے کیوں آئے؟
شاگرد: جی میرے باپوائی لڑ رہے تھے۔

نہیجہ: تو وہ لڑ رہے تھے تم کیوں دیر سے آئے۔

نہیجہ: تو وہ لڑ رہے تھے تم کیوں دیر سے آئے۔

فرماتے کہ ایک مکھی خلیفہ کو پریشان کر رہی تھی اس پر خلیفہ نے ٹھکے کر کہا۔

”بچانے اس مکھی کے پیدا کرنے میں خدائے بزرگ و برتر کی کیا حکمت تھی“ امام شافعی نے جواب دیا کہ ”اس میں حکمت یہ ہے کہ طاقتوروں کو ان کی طاقت کی بے بسی دکھائے۔“

عمارہ احمد..... ملتان

فضائل درود پاک

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں دس گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے دس درجات بلند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا تو جب تک میرا نام اس کتاب میں باقی رہے گا فرشتے اس کے لیے مسلسل دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں ہیں دو بندے جو آپس میں محبت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک جب اپنے ساتھی کے سامنے آئے اور حضور پر دونوں درود پاک بھیجیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے آئندہ اذہ گزشتہ (صغیرہ) گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص عمر کا نماز کے بعد جمعہ کے روز ۸۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا تو اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر جمعہ المبارک کے روز ۱۰۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا اس کو توبہ تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا محل نہ دیکھ لے، سبحان اللہ و بحمد سبحان اللہ العظیم۔

عالمہ مریم نواز..... حافظ آباد

صدقہ

جب انسان اپنے ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو صدقہ پانچ باتیں کہتا ہے میں فانی مال تھا تو نے مجھے بقادے دی میں

تیرا دشمن تھا لیکن تو نے مجھے اب دوست بنا لیا ہے آج سے پہلے تو میری حفاظت کرتا تھا لیکن آج سے میں تیری حفاظت کروں گا میں حقیر تھا تو نے مجھے عظیم بنا دیا پہلے میں تیرے ہاتھ میں تھا اب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔

ام مثنیٰ..... کوٹ مومن

تاج محل کے بارے میں چند شخصیات کی رائے
☆ میں نے آج تک اتنا حسین خواب نہیں دیکھا
(شاہ حسین)

☆ ہر عورت تاج محل کے حرار پر فخر کر سکتی ہے (فرح روبلا، پہلوی)

☆ اگر میرا خاوند مجھ سے وعدہ کرے کہ میری موت کے بعد وہ ایسا ہی تاج محل بنوائے گا تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں (ملکنا ترجمہ دوم)

☆ کاش میں وائٹ ہاؤس کی بجائے تاج محل بنوا سکتی (جیکو لین کینیڈی)

☆ خدا جانے فورڈ نے امریکہ میں تاج محل جیسی خوب صورت عمارت کیوں نہ بنوائی۔ (مسز ہنری فورڈ)

☆ کاش تاج محل چرا جا سکتا (ایوا کارٹر)

☆ حیرت ہے کہ امریکہ کی عدد کے بغیر تاج محل کیسے تعمیر ہو گیا (ایل بی جانسن)

☆ ہندوستان میں اور یہاں ہے غربت اور تاج محل کے سوا (ماڈرن ٹیگ)

☆ کاش کہ تاج محل دریائے ٹیگر کے کنارے منتقل ہو سکتا (چرچل)

☆ تاج محل کو چاندنی بات میں مت دیکھو اس سے ذہنی توازن بگڑنے کا خطرہ ہے (مارلن برانڈو)

بقول شاعر
اک شہنشاہ نے دوات کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
سحرش بٹ..... دینہ (جہلم)

کچھ موتی چنیر پاپ کے لیے
سچا مومن وہ ہے جس کی تنہائی پاک ہے۔

○ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

○ انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کا زہر اس کے الفاظ اور لہجے میں ہوتا ہے۔

○ کسی بڑی چیز کے حاصل ہو جانے سے چھوٹی چیز کو بھلا نہ دیں کیونکہ جہاں سبکی کی ضرورت ہو وہاں تلوار کام نہیں آتی۔

شہزاد بلوچ..... جسٹس صدر

آزمائش شراب ہے

○ اگر آپ کے بیچ مٹی کھاتے ہیں تو تھوڑی سینٹ بھی کھلا دیں بنیادیں ٹکی ہو جائیں گی۔

○ اگر آپ چہرے کی کلبوں سے پریشان ہیں تو ایک تھوڑی کیلوں پر ماریں پھوڑی نہیں لگیں گی۔

○ اگر آپ غیبت سے بچنا چاہتی ہیں تو ایک ڈراپ ہنسی سے دذوں ہونٹ چپکالیں، غیبت، چغلی، زیادہ بولنے کے مرض سے محفوظ ہو جائیں گی۔

○ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہر محفل میں سب کی توجہ آپ کی طرف ہو، گور ہو تو آپ کریم میک اپ کے بجائے کونکے سے منہ کالا کر لیں قوی امید ہے آپ سب کی توجہ کا مرکز بنیں گی۔

○ اگر آپ بھیر اسٹائل کی وجہ سے پریشان ہیں تو ٹڈ کروالیں نہ ہوگا بانس نہ بچے گی بانسری۔

○ اگر آپ کو باہر کھانا ریاہو اچھا لگتا ہے تو چھت پر چلی جائیں۔

○ اگر آپ کے میاں کی جیب میں سوراخ ہے تو سوراخ کے نیچے تھیلی لٹکا۔ میں سارے پیسے تھیلی میں آ جائیں گے اور بعد میں آپ لے لیتا۔

خد: جت الکبریٰ..... کھڑیاں، قصور



yaadgar@aanchal.com.pk

○ دوست اچھا ہو یا برا مگر وہ ایک ایسا پھل دار برکت ہے جو پھل نہ دے تو چھاؤں ضرور دیتا ہے اگر چھاؤں کے قابل بھی نہ رہے تو اپنی لکڑیوں سے ضرور نوازتا ہی ہوا اپنے دوستوں کی قدر کیجیے۔

○ دوسروں کے لیے دعا مانگ کر دیکھو تمہیں اپنے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

○ زندگی آنسو کا نام نہیں ہے جو لوگ زندگی کا آنسو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔

○ دنیا کے بہادر ترین لوگ وہ ہیں جو مصیبتوں، اذیتوں اور تکالیفوں میں بھی مسکراتے نہیں چھوڑتے۔

صائمہ شازیہ اور ایس جہر..... خواتین کالج سے تانولیا نوالہ

یقین کامل

اشفاق احمد کہتے ہیں

میرے پاس ایک بلی تھی اس کو جب بھی بھوک لگتی تو وہ میرے بچر چاتی تھی اور میں اس کو کھانا دے دیا کرتا تھا ایک دن میں نے سوچا کہ یہ بلی مجھ سے بہتر ہے اس کو پورا یقین ہے کہ اپنے مالک کے پاس سے اس کی طلب پوری ہوگی اور انسان کو یقین نہیں انسان ہر فکر اپنے ذمہ لے لیتا ہے ان کاموں کی بھی جو اس کے اختیار میں نہیں اپنی ہر طلب اللہ سے مانگو اور قبولیت کا مکمل یقین رکھو۔

رشک جت..... سرگودھا

○ کوئی بھی کام جو خوشی کے لیے کیا گیا ہو اسے کر کے آپ کو خوشی ملے نہ۔ مگر لیکن ہر وہ کام جسے آپ خوش ہو کر کروا سکتے ہیں خوشی ضرور ملے گی۔

○ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے خدا کے ہونے کوئی اور نظر نہیں آتا۔

○ اچھی بات سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بری بات بھی بری نہ لگے تو سمجھ لیتا کہ تمہیں اس سے

محبت ہے



آنکھ

شبلا عامر

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب تعالیٰ کے اس پاک نام سے جو ہر عیب سے پاک اور عالم الغیب ہے۔ مارچ کا شمار اپنی تمام تر رنگینی و دلکشی سمیت حاضر ہے۔ امید ہے آپ کے معیار و ذوق کے عین مطابق ہوگا اور اگلا شمارہ ان شاء اللہ سال گرہ نمبر ہوگا آپ سب جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کریں تاکہ ہم تک بروقت پہنچ سکیں! آئیے اب چلے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بڑھاپے میں اپنی جھلک دکھلا رہے ہیں۔

شبانہ امین راجپوت..... کوٹ رادھا کشن۔ السلام علیکم! شہلا آئی کیسی ہیں اور سب اسٹاف اور ریڈرز بھی امیر کرتی ہوں بخیریت ہوں گے۔ ہر ماہ کے اختتام میں آپل کے آنے کا انتظار رہتا ہے اگرچہ پہلے ہی شمارے سے دل نہیں بھرا دتا مگر سینے کے پنڈ میں نئی نئی کہانیوں کا شوق دل میں موجیں مارتا ہے۔ مرغ بکل کی طرح تڑپ رہے ہوتے ہیں کہ کب دلبر کی دیر نصیب ہوتی ہے۔ آخر کو کسبھیل گیا دل بچھیں کو، سرورق نہ خوب صورت نفا اور نہ ہی بد صورت میک اپ کی بہتات کی وجہ سے ٹیپ ساتھ۔ سہرا لکھنوی کی نعت شریف آسمان پر تاروں کے درمیان چاند کی طرح جھمک رہی تھی بے صدا بھی لگی۔ "کروں عجبہ ایک خزا کو" نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے شعر میں جگڑے دکھائی دینا لکھنوی لکھے جیسی جیسے سفاک ترین لوگ بے شک ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں زندہ بادیدہ جی! مجھے تو یہ تحریر حقیقت پر مبنی لگتی ہے۔ "دوسری ماں" میں جچھ جی نے ساس اور بہو کی باہمی کشش کو بے صدا مجھے اور دلچسپ پیرائے میں پیش کیا۔ "عشق بے درد" نے بھی کافی متاثر کیا آرش اپنے گناہ پر حقیقی طور پر تادم تھا بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو معاف فرماتا ہے کیونکہ وہ توبہ ہے۔ یہ سب تمہارا کرم ہے! قلم کار ایک روح پرور اور ایمان افروز تحریر بھی نفا کی موت نے تو ہچکیوں سے زلا دیا۔ فراز برہان نے صائم پانچ کی یاد دلا دی وہ بھی اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ بعد فوراً ہو گئی تھیں۔ طلعت جی سے یہ پوچھنا ہے کہ یہ نئی کہانی ہے؟ "عہد نئے سال کا" میں شازیہ فاروق ایک اچھی امید لیے ہوئے تھیں۔ اللہ ان کی امید بر لائے اکثر ویٹھنے میں آیا ہے بیویاں ہی اپنی خواہشات کا جال پھیلا کر مرد کو کالا دھندہ کرنے پر مجبور کرتی ہیں حالانکہ حرام کا ایک لقمہ ہی انسان کو دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ "دل میں کچھ" ہے تھے "تڑپت جی نے اچھا لکھا" اسے صحتی کی سوچ تھی لیکن تو یہ بھی ہوتے ہیں انہوں نے گندھی ڈالنا ہے۔ شرارتیں بھی کرتی ہیں وہ بچہ ہی کیا جو شرارت نہ کرے پھر بچوں اور بڑوں میں کیا فرق رہ جائے گا۔ رہی میاں بیوی کی بات یہ تو ایک دلی رشتہ ہے، بہنوں پیار ہو وہاں کالا گورا مونا پتا کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ محبت کا ہر روپ اچھوتا ہوتا ہے۔ صبا لور کی چھوٹی سی بات نے بھی اچھا تاثر دیا۔ "سر پرانزا" میں سویرا لک نے اچھا پیغام دیا واقعی زندگی: دت شادی بیاہ کا ایک وقت مقرر ہے جو اللہ نے لکھ دیا نہ جانے کیوں، کچھ لوگ شادی نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آج کو خراب کر رہے ہیں۔ ام انصی کی بڑھی لکھی الگ ہی باتک پن لیے ہوئے تھی ویسے یہ تو شرط ہے نرے لکھی انسان کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے تاکہ اس کی تعلیم پر حرف نہ آئے۔ ایمن راجان کی "وطن کی ہوا میں" تحریر کشمیریوں کی شجاعت و بہادری کی منہ بولنی تصویر بھی اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی دے۔ "مجھے ہے حکم اڑاں" کا انجام حسب توقع رہی صاف کا انچہ مہم عبرت ناک تھا وہ اپنے ماں باپ کے کھوے گڑھے میں گر گئی کافی ترس آئی۔ "مردم کی محبت" نھیک ہی تھا مندر بہت ترس آتا ہے۔ "نوٹا ہوا تارا" بھی اچھا جا رہا ہے شہوار اور "سلفی کے تعلقاً" بہتر ہوئے ہیں تو ولید اور انا کی چونچیں تیز ہو گئی ہیں۔ شہوار کا ماضی الماری میں ہی بند ہے اسے ابھی تک میرا جی تھوڑی سی تیز ہو جائیں شکر۔ مستقل سلسلے سب ہی لاجواب تھے سب دوستوں نے اچھا لگا۔ "امید نو" ساتھ پشاور پر لکھی نظیر قاطرہ کی تحریر اشک بار کر گئی جن ماؤں کی گود میں خالی ہوئیں وہ کس سے فریاد کریں؟ وطن عزیز آج کل جس امتحان سے نزر رہا ہے اس کا واحد حل تعلیمات نبوی ﷺ کی من و عن بند ہوئی ہے اسی میں ہماری بقا ہے پاکستان ہے تو ہم ہیں اللہ حافظ۔

شبلا عامر آپ کا تفصیلی تبصرہ بے حد پسند آیا۔

مونا شاہ قریشی کیروالہ۔ اسلام علیکم اڈیٹر جو حسب عادت طبع نازک کے حالات مطلوب ہیں آنجل اپنی پرانی تاریخ کے مطابق 25 کو ہی دستیاب ہو گیا۔ سرگوشیوں کا صلہ پڑھ کے حمد و نعت پر نظر ثانی کی دو کہانیوں کی جانب چل نکلے انہیں رحمان کی خوب صورت تحریر ”تمہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ میں آسیر مرزا کی ایک تحریر ”ہری ہے شاہخ تمنا ابھی“ کا عکس نظر آیا۔ خوب صورت جذبات کی تشبیہ اور جذبہ بھی وہ جن کے لیے سب کچھ لٹا دینا بھی کوئی مستحکم نہیں رکھتا۔ وطن کی محبت اور محبت مجازی دونوں ہی اتنی اہم ہیں مگر یہ جو ارض پاک ہے اس پر کروڑوں لوگ بستے ہیں اور ان کروڑوں لوگوں کی محبت یہ اس دھرتی کے نام کی حفاظت پہ ایک انسان کی محبت حاوی نہیں ہو سکتی۔ ناولٹ مجھے آبدیدہ کر گیا بہت اچھا تھا۔ ”مشتق بے پردہ“ اہم خان بڑی بے پردگی سے لکھا ہوا تھا وہ جو ہوتا ہے نا کچھ کہہ کر دل چیر جاتا ہے کچھ ایسا ہی تھا اس تحریر میں۔ ام اقصیٰ کی تحریر ”پڑھی لکھی“ پڑھ کے فی البدیہہ مسکراہٹ دے آئی۔ دلکش انداز تحریر اچھا تاثر چھوڑ گیا سویرا فلک دو ”سر پرانز“ یہ سر پرانز بھی ٹھیک ہی تھا۔ ”چھوٹی سی بات“ میں انور بات واقعی چھوٹی سی ہی تھی مگر..... لی الوقت یاد نہ آتی تو..... بڑی ہوادانی لیکن یہ بات تو درست ہے کہ ہنری خوشیاں انہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پنہاں ہوتی ہیں۔ ”مجھے ہے حکم اذراں“ شکر ہے خدا کا کہ آپ نے سکندر جیسے شہی القلب کو یہ صورت موم بتا دی۔ والا۔ عباس صاحب بڑے صاحب تدبیر ہو گئے ہیں یہ محبت بڑی عقلاشے ہے آپ سے اپنا آپ منوانے بغیر نہیں رہتی۔ راحت و فحاشی ”موم کی محبت“ اتنی دامن مقدار میں محبت خلوص بہ ہزار وقت ہضم ہوتی ہے مگر ہوسکتا ہے اس دنیا میں اتنی محبت بھی پائی جاتی ہے۔ ایسے ناول اچھا ہے اور آخر میں ”کروں مجھ کو ایک ندا کو“ انتہائی بڑا اثر اور ہارٹ ٹچنگ ناول تھا۔ اتنی گراں قدر معلومات دیں۔ کہ بارے میں ذیل ڈان ٹیس بیسٹ آف لک۔ یاد آ رہے ہیں دعا ہاشمی کی ”بے دھیانی“ نزل چولا گئی آنجل اب کی ہاری روز کر گیا اللہ حافظ۔

اوم کمال فیصل آباد۔ پیاری باتی سدا خوشیاں آپ پر برستی رہیں آئیں۔ اسلام علیکم اسر دیوں کے ضمیر تے دلوں میں فروری کا آنجل حرارت آمیز خوش نگہاریت لیے ہوئے آیا۔ ماڈل کے ہاتھوں کی مہندی واہ زبردست۔ اور یہ میں سال گرہ نمبر کی نوید ملی واہش کدو میں جنم کے بارے میں پڑھ کر کئی ٹاپے روٹنے لگے۔ رے رے اس قسم کے مضامین بہت مفید ہوتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کے لیے ٹائیک کا کام دیتے ہیں۔ ”ہمارا آنجل“ میں راجہ اسلم سے ملاقات بہت یونیک رہی۔ ”بہنوں کی عدالت“ میں نازیہ کتول نازی کی اداسی بھری یادیں صاف اور شفاف گنگوول میں اتر گئی۔ سلسلے وار ناول ”موم کی محبت“ میں شرمین و چاہیے بونی کی محبت قبول کرنے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو نہ کہ جسے آپ چاہیں اور صفر صاحب زبیا کی بھول معاف نہیں کر پارے اپنی بھول کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ”تو نا ہوا تارا“ بہت ہی زبردست چارہ ہے۔ صد شکر کہ مصطفیٰ اور شہوانہ کے درمیان فاصلے کم ہو رہے ہیں اور پیار کی شروعات ہو رہی ہے جبکہ انا اور ولید کے حالات کا صفحہ لپی لی نے بہت خراب کرنے ہیں۔ اتنی آپ بھی جذبات کی ایک اتار کر سنبھال کر چلیں۔ ”مجھے ہے حکم اواں“ کی آخری قسط اتنی زیادہ برقیٹ اور مضبوط رہی سب کرداروں سے بھر پور انصاف ہوا کہیں کوئی کمی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی۔ کہانی کا اختتام پڑھ کر سکون کا فرحت انگیز احساس رگ و پے میں سما گیا۔ اس کے لیے اہم ترین آپ ڈھیروں دعا میں ڈیر رو کرتی ہیں۔ اس کہانی سے بلاشبہ بہت مثبت سبق سیکھے جن میں سرفہرست امیر برداشت اور سب سے بڑھ کر اللہ پر یقین رکھنا۔ ام مرتبہ آپ کا یہاں خری ناول کیوں کیا وجہ ہے؟ دیگر کہانیوں میں ”دوسری ماں دل میں کچھ داس ہے“ تھے پڑھی لکھی ”اور تمہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ بہت ہی اثر انگیز اور دلکش تحریریں تھیں۔ مسلسل سلسلوں کی بات نہ کریں تو حرا کر کر رہتا ہے۔ بیاض دل میں ایسے جوں شاہ رشک حنا حمیرا نوشین فرحت اشرف کھمن نور سیرا تعبیر کے اشعار داہ واہ۔ یادگار لکھے ہیں، ہما ایوب شاکر رشتی سامع ملک پرویز کے مراسلات بہترین رہے۔ دوست آپ پیغام آئے میں سب کے ہستے مسکراتے پیغامات نے دل کو خوشیوں سے بھر دیا۔ نیند میں سب کے تبصرے ایک سے بڑھ کر ایک تھے ہاں یہ نکلنا ہی میں آپ کے ساتھ ساتھ آنجل کی تمام دلوں نانیوں سب کو بہت یاد کرتی ہوں اور سب کے لیے دعا بھی کرتی ہوں۔ عائشہ خان آپ کو میرے سروے کے جوابات پسنائے جزاک اللہ۔ مجھے بھی آپ پر بے حد پیانا آتا ہے اہم سب سے آنجل کے توسط سے ایک لڑی میں پروئے ہوئے مولیٰ ہیں۔ ہم سے پوچھئے میں اس دفعہ شاکر جی کے جوابات بہت اچھا آ رہے۔ عائشہ رانا گلشن شہزادی

ہوین افضل شاہین اور لانیہ مہر کے سوالات اور شامکدھی کے چہنہ جوابات نے مزادو بالا کرا یا۔ اچھائی زندگی رہی تو پھر اگلے ماہ ملاقات ہوگی فی انان اللہ۔

غزالہ غفور..... گائوں جوڑا۔ السلام علیکم آچھل ہمیشہ کی طرح زبردست ہے۔ ام مریم آبی دہل ڈن بہت مبارک ہو۔ اتنا اچھا ناول لکھنے کے لیے۔ نازی آبی کا ناول 'برف کے آنسو' بھی تک دماغ پر چھایا ہوا ہے اور "کروں سجدہ ایک خدا کو" میں بہت اچھی اچھی دین کی باتیں ہیں۔ باقی تمام آچھل ہمیشہ کی طرح لا جواب تھا۔ زندگی نے اگر وفا کی تو پھر ملیں گے خدا حافظ۔

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں عیوں میں ہم
قسطوں میں خود کشی کا مزا ہم سے ہتھیے

بہتر غزالہ خوش آمدید۔

خدیجہ نور المثل..... کھڈیاں خاص۔ السلام علیکم اتو جی جناب اس پورے شمارے کو چھوڑ کر صرف مجھے ہے۔ تم اڈاں پر تبصرہ کریں گے ویسے تو ام مریم کے اس ناول کی تعریف کرنا سورج و چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ پوری کہانی کا خلاصہ صرف تین حرفوں میں تھا مشکل ہے مرنار مشکل تر ہے بغیر اعمال کے قرین اترمان الفاظ کو میں نے پڑھا بخور پڑھا اور بار بار پڑھا ہر دفعہ ایک نیا سبق ملا۔ اعمال کی درستگی کا خیال بار بار آیا واقع ہی نزاری عشق فانی کی تلاش میں اس قدر سرگراں ہوتی ہے کہ اپنا ذہن اپنے والدین تک چھوڑ کر پاکستان آجاتی ہے۔ عشق مجازی اسے عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے عشق حقیقی اس کو متا ہے جس کی تیسری آنکھ کھلی ہو اور تیسری آنکھ کسی کسی کی ملتی ہے۔ زندگی کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ فاطمہ بن فی اویو کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ ہانوں بن گیا۔ تاڈا اور تائی جی دولت کے حصول کی خاطر پے در پے کھرتے ہیں لیکن یہ تو ازل سے اصول چلا آ رہا ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ شامکدھی نے عورت کو جانندگی مانند نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اسے دیکھتے رہیں اور سورج کی طرح ہوتا چاہیے جسے دیکھنے سے پہلے آنکھیں کھلتی جاتیں۔ چلو جی یہاں تک پہنچ گئے تو آگے بھی تبصرہ کرنا بیچتے ہیں (بابا ہا)۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" بہت اچھی کہانی تھی لیکن اس ماہ کی قسط پڑھی نہیں اچھل جی ایک بات تو بھول ہی گئے تھے کہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ "نونا ہوا تارا" کیا نہیں شہوار کب مستحبر ہوں گی۔ "ستارہ" بھی اچھی کہانی تھی ہمیں تو خود ستاروں پر مین نہیں ہے۔ لیکن رحمان کی تحریر بھی بہت اچھی تھی امین کو ہم سلام کہتے ہیں۔ اچھائی رب را کہا۔

گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس..... ہاڈا سپروہ۔ السلام علیکم آچھل جی ایسے ہیں آپ سب۔ غزل ہمیں 28 تاریخ کو مل جاتا ہے آچھل لیٹ ملنے کی وجہ سے ہم آئینہ میں شرکت نہیں کر سکتے دو مرتبہ ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ہم آچھل کے دیوانے ہیں اور آچھل پڑھتے ہوئے ہم خوابوں میں کھو جاتے ہیں کیونکہ انسان کی زندگی خوابوں سے ملتی ہے۔ آچھل کے تمام سلسلے بہت ہی عمدہ ہیں کسی ایک کی تعریف دوسرے سلسلے کی حق تلفی کھلانے کی۔ کیا ناؤڈر کیا دولت ان افسانے اور کیا سلسلے وار ناؤڈر بہترین جا رہے ہیں۔ آچھل کے سارے سلسلے ہی ہمیں اچھے لگتے ہیں اللہ کرے آچھل دن و گئی بات چوٹی ترقی کرے آمین۔ 14 مارچ کو پیری پیاری کزن گل بہار کی سال گرہ ہے آچھل کے ذریعے ہم گل بہار کو سالگرہ مبارک کرتے ہیں پکی برتھ ڈے ٹویو میری ذورانی! اس دعا کے ساتھ اللہ حافظ کہ اللہ ہمارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

مہوش شامکدھی..... جھلم۔ السلام علیکم! شہلا آبی کیسی ہیں آپ؟ سب بڑھنے والوں اور آچھل ایشاڈ کو پیری طرف سے سلام۔ آچھل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں سلسلے وار ناول کی بات کی جا۔ نے تو میرا فورٹ ناول "مجھے ہے حکم اڈاں" ہے جو میں نے پہلی قسط سے لے کر آخری قسط تک پڑھا۔ ام مریم جی آپ نے ناول کا اختتام بہت اچھا کیا ہے اور دین کے بارے میں آپ نے اچھا لکھا ہے اللہ آپ کو بخش رکھے آمین۔ اب ہو جائے باقی ناؤڈر کی بات سیر آبی "نونا ہوا تارا" بہت سنجو جا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے تاج بندہ بوا ہا زار میں جسے دیکھتی ہیں وہ یقیناً یقیناً جو راجو کے پاس ہیں انہی کو دیکھتی ہیں۔ راحت کا ناول "موم کی محبت" بھی بہتر جا رہا ہے۔ گل ناول "کروں سجدہ ایک خدا کو" نے تینوں قسطوں میں بہت اچھی لکھی ہیں۔ نازیہ کنول آبی آپ سب اپنے نئے ناول کے ساتھ آچھل کے صفحات پر جلوہ گر ہوں گی؟ آبی آپ کا بہت انتظار رہتا ہے سبھی اچھا

تھا۔ اب اجازت چاہوں گی اللہ ہم سب کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور آج کل کو بہت ترقی دے آمین۔

ایم ایس..... چنیوٹ۔ آج کل اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز اسلام علیکم! مجھے آج کل پڑھتے ہیں تیسرا سال ہے اور ان دو سالوں اور چار مہینے میں پہلی بار مجھے آج کل 26 کوٹا آف..... میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ملی یہ میرے لیے ایک طبع سے نئے سال کا تحفہ تھا۔ آج کل آتے ہی سب سے پہلے اپنا فورٹ نائل "نوٹا ہوا تارا" پڑھا۔ پھر آئی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں باقی سلسلہ وار ناول کے ساتھ ناول اور انسا نے بھی اچھے تھے۔ "ہم سے پوچھے" میں پرویز افضل شاہین کے سوال اور آپ کے جوابات ہمیشہ مزہ دے جاتے ہیں۔ یادگار لمحے اور بیاض دل بھی بہت اچھا ہے۔ کام کی باتیں واقعی بہت کام کی ہوتی ہیں۔ اچھا جی اب اجازت دس اس دعا کے ساتھ کہ آج کل ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور سب۔ انٹرز کو اللہ اچھا اور زیادہ کھینے کی ہمت عطا فرمائے سب قارئین کو صبری طرف سے سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

ہادیہ اذہر..... گجرات۔ اسلام علیکم! میں آج کل کی خاموش قاری ہوں پہلی دفعہ جو لکھ رہی ہوں۔ آج کل کی تعریف کی جائے تو لفظ کم پڑ جائیں گے نازیہ کنول نازی "برف کے آنسو" بہت اچھی تحریر تھی۔ رات دقا "موسم کی محبت" زبردست تحریر اور سیرا شریف طورے پی "نوٹا ہوا تارا" کیا کہوں میں اس ناول کے بارے میں تعریف کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ آج کل کے تمام سلسلے میسٹ ہیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آج کل اسی طرح آسمان کے ستاروں کی مانند چمکتا دکھلا رہے۔

ہذا ڈیئر ماریہ! خوش آمدید۔

مہک خلیل..... کلون کوٹ۔ اسلام علیکم! آئی کیا حال چال ہیں؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی۔ آئی آج کل خلاف ذوق 24 کوٹ گیا سب سے پہلے تیندکھا اس میں اپنا دل دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سائے۔ سب فریڈز کو دکھایا کیونکہ وہ کتنی نہیں کتاب چھوئے شہر والوں کے خطوط شائع نہیں کتیں خیر فردری کا آج کل بہت زبردست تھا۔ سارا کہانیاں تو نہیں پڑھیں البتہ قسط وار سلسلے پڑھے اور مجھے ہے حکم اذان "کا اینڈ ویل ڈن ایم مرتیم! اچھا جی اللہ حافظ۔

ہذا ڈیئر مہک! امید ہے کتاب اور دیگر ہنوں کی بدگمانی بھی اب دور ہوئی ہوگی آپ آئندہ بھی شریک محفل ہو سکتی ہیں۔

شبینہ مغل..... حیدرآباد سندھ۔ تمام ریڈرز انٹرز اور آج کل اسٹاف کو میرا غلام سلام۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے ہاں جی تو بات ہو جائے آج کل کی تو 21 جنوری کی صبح لگیا۔ سردی بہت ہی خوب صورت لگا سر پر آج کل بجائے ہاتھوں میں حسین مہندی لگائے آج کل کو چار چاند لگا دیئے۔ جلدی جلدی ڈائجسٹ میرا اپنا نام ڈھونڈا پر تین نہ پا کر دکھ ہوا لیکن فریڈ شہیر (شاہ کنڈر) شاہ زندگی (راولپنڈی) نے انتخاب کی تعریف کی دل خوشی۔ بارغ باغ ہو گیا جی آپ کا بہت شکریہ قیصر آپ کی سرگوشیاں پڑھیں احمد نعت سے پیش یاب ہوئے مالک یوم الدین ہمیشہ اس طرح بہت میسٹ تھا۔ شام کا شرف کے کھنے بیٹھے جو اس پڑھے ہنسنا اس کے پیٹ میں درد ہو گیا بہت خوب آئینہ میں سب ہی کے تبصرے بہت اچھے لگے خاص کر فریڈ شہیر آپ کا خصوصی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں عطیہ ملک معنوہ یونس، ام کمال رشک حنا نجم نجم احوال پاسر ملک اور بانی سب نے بھی بہت اچھا لکھا دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام بہت اچھے لگے۔ سوریہ وحی اپنے پرس کو پیغام دیتی بہت اچھی لکھیں اللہ پاک آپ کو خوش رکھے۔ نیرنگ خیابان میں فرزانہ شوکت، صائمہ قریشی سلمیٰ غزل حارث بلال، سباس گل، ثرینہ فیاض سب سے میسٹ حیران فضا برکت راہی، عطیہ سعید یہ سب نے بہت خوب لکھا ویل ڈن۔ بیاض دل میں سب کے اشعار پسند آئے سیدہ غزل زیدی، ایمان کو اجاگر کرتا اتنا شاندار مل ناول لکھنے پر بیوروں مبارک باد اس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ ام مریم ناولٹ کھس ہونے پڑھیں مہارک ہوا لیکن یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ آپ کا ہمارے شہی اختیار کر رہی ہیں پلیز ایسا نہ کریں آپ دقا فوٹا اصلاحی اور مذہبی موضوعات پر لکھتی رہیں گے۔ ہمیں آپ کی اسٹوری پڑھنے کی عادت ہوئی ہے آپ بہت شاندار لکھتی ہیں۔ سیرا شریف راحت دقا بہت اچھو قسط لگی پلیز تمہارا زیادہ لکھا کریں تعارف سب کے بہت اچھے لگے مابوا ستم سدرہ الستی اجازت آہذا مہا کٹھوم آپ کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت ان شاء اللہ زندگی رہی تو پھر آج کل میں شرکت کروں گی اللہ رب العزت ہر رے ملک پر اپنا خاص کرم

کرنے آمین فی امان اللہ۔

شزا بلوچ..... جھنگ صدر۔ محبت اور چاہتوں بھر اسلام قبول ہوئیں بلوچ کی طرف سے۔ ٹائٹل اوہ سردہ ڈیر اوہوں روٹے نہیں یہ چاکلیٹ اب ذرا بس کے دکھاؤ۔ ہمارا آج کل میں چا، وں بہنوں سے خالی سلام دعا کے بعد ملاقات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے ام مہریم آئی کا روزانہ گفتگو کیا، مجھے ہے حکم اذان: "اشہد انہما شہدیکما شہدیکما بہت سی مبارک باد کی مستحق ہیں آپ اور ساتھ ہی ایک شکوہ کیا آپ قطع تعلق یوں کر رہتی ہیں، ہے سے؟" پڑھی لکھی "ام اقصیٰ ویل دن بہت عمدہ ٹاپک چتا آپ نے۔ ہمیں تو ابھی سے یہ بات سننے کو ملتی ہے تو آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟" دوسری ماں "علیہ یہی کہوں گی ساس نہ آئے کبھی راس۔" کروں مجددہ ایک خدا کو "وڈر فلن یہ جان کر" جالگا کہ اذان پیدا آئی مسلمان تھا۔ سیدہ غزل صدیقی چھا کئیں آپ مدتوں یاد رہے گا یہ ناول ہم سب کو۔ "موم کی محبت" جانے دو شرمین انا پرست عارض میں کیا رکھا ہے بولی کو اپنا لٹ مشورہ مفت۔ ہاں شادی پر خرچا اپنا کرنا پڑے گا باقی اسٹور بڑھی زیر مطالعہ ہیں۔ بیاض دل را شدہ مجلس راشی کا شعر من پسند لگا۔ ڈش مقابلہ ابھی میرے گھر والوں پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میرے ہاتھ سے بنی کوئی ڈش کھائیں۔ دوست کا پیغام آئے تمنا بلوچ میری دعا ہے کہ رائٹر بننے کے ساتھ ساتھ اللہ آپ کی ہر تمنا کو پوری فرمائے آمین۔ او، کہ ہم ہیں راہی پیار کے پھر ملیں گے ملتے ملتے۔

لائبہ مہر..... اٹک۔ ڈیر شاکلہ کاشف اینڈ آئل اشاف اسلام علیکم! اس بار آج کل 22 کو ہی مل گیا معذرت کے ساتھ گزشتہ عید الفطر اینڈ سال نو کے ٹائٹل کے علاوہ 2012 سے آج تک کوئی بھی ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ آہم آہم تیرے کا رخ کریں سیدہ غزل کی "کروں مجددہ ایک خدا کو" ایک بہترین پاورفل تحریر تھی احمد اذان میرا بہترین کردار بہترین ناول لکھنے پر بہت بہت مبارک باد سیدہ غزل آئی آپ کو۔ مجھے ہے حکم اذان "ام مہریم کا زبردست ناول اپنی نقطہ سے لے کر سیکنڈ لاسٹ قسط تک ہر کردار پر آپ کی گرفت مضبوط قسط بھر پوری لیکن آپ نے آخری قسط کچھ ختم نہیں ہوئی شایدا آپ نے جلدی میں لکھی ہے نہ دیوسے ملاقات ہوئی۔ امامسا ایمان اور بابا سائیں کو لکھی نہیں دیکھا آخر میں کچھ کی کی سی محسوس ہوئی۔ معذرت کے ساتھ۔ لاریب میرا پسندیدہ کردار بھی بہر حال اتنا اچھا لکھنے پر آپ کو ضرور ڈیر مبارک باد تھی۔ ام مہریم یقیناً آپ بہت جلد آج کل میں دوبارہ حاضری دیں گی۔ راحت وفا "موم کی محبت" ہمیشہ کے برعکس ان بار کہانی نے بہت اثر کرنے میں کامیابی حاصل کر لی سواری راحت آپنی پلیز ڈونٹ مائنڈ اینڈ شرمین کو چاہیے بولی سے یا صبح احمد سے طوا میں لیکن اگر عارض ہی زینا، انصوردار ہے تو پلیز اس بدتمیز سے شرمین کی شادی کبھی مت کروائیے گا۔ ڈیر میرا آئی! اشہوار کے بدلے ہوئے رنگوں نے خاصا متاثر کیا اور انا مجھے پسند ہے اس کی غلطی جلد ہی دور کیجئے گا۔ جیا عباس اینڈ مع مسکان بارا آپ دونوں بھی مہربانی فرمائیں ان اپنی کوئی تحریر آج کل کے لیے لکھیں ریکونسٹ ہے۔ میری درخواست نازیہ سے ہے پلیز آج کل میں اپنی انکی تحریر بھیجیں جو شدیدی ہو کہ ساری سیدہ اسٹور یوں کے ریکارڈ توڑ دے میرے خیال سے آپ اس کام کو ہر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں آپ دونوں کا انتظار ہے گا۔ پروین افضل شاہین جی میں آپ کے پرنس افضل شاہین کو اکثر اخبار جہاں میں پڑھتی ہوں اینڈ آپ کا نام اور FM III پر بھی سنا ہے شوروز ٹیل میں۔ او کے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عنزہ یونس جلد ہو..... حافظ آباد۔ السلام علیکم! شہلا کیا حال ہے؟ 19 دفعتاً آج کل 23 تاریخ کو ملا سب سے پہلے "مجھے ہے حکم اذان" پڑھی یہ کیا اسٹوری کا اینڈ ہو گیا اور وہ بھی ہم پڑھ نہ پائے کیونکہ بی الٹ پلٹ ہونے کی بناء پر اور ام مہریم نے لکھا: "چھوڑ دیا ہے یہ سن کر یقین ماننے میں سکتے ہیں تاہم کئی کئی ناول اتنا دھی ہوا تھا کہ تا نہیں سکتی۔ میری گزارش ہے کہ آپ لکھو اور چھوڑیں پلیز کیونکہ ابھی تو میں نے آپ کی اسٹوری پڑھی ہیں پلیز پلیز..... اس کے بعد "نونا ہوا تارا" پڑھی مگر یہ کیا ہم پڑھتے پڑھتے خود ہی ٹوٹ گئے۔ میرا ڈیر پلیز انا کا مارا ٹھیک کریں ورنہ جی ہم پاگل ہو جائیں گے (لڑکیاں)۔ ولید کو بھی چاہیے کہ انا کے گئے شکوے مٹائے پلیز راجہ اور عباس کی شادی کروادیں ویسے عاویہ سکون سے بیٹھے گی نہیں مگر پلیز جو بھی ہو جائے میری راجہ بدنام نہ ہو آمین۔ کاشف کو تو اللہ بوجھے چنکو ولید بھائی کے ساتھ چیک ہی گئی ہے۔ ہائے اللہ جی مصطفیٰ اور شہوار بھائی راضی ہو گئے بھی مرآ گیا۔ تم سے دل خوش ہوا پڑھ کے (ویسے اپنے مصطفیٰ بھائی کا ہی رونقک ہیں کیوں؟)

بہر حال تمام اسٹوری بہتر تھی۔ اس کے بعد "موم کی محبت" پڑھی ویسے شہلاؤ میرا آپ مانے نہ مانے میرے خیال میں عارض ہی وہ شخص ہے جس نے زہرا کو دھوکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ "کروں سجدہ ایک خدا کو" اتنی بیسٹ اسٹوری تھی جس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ سیدہ غزل زیدی آپ کو بہت مبارک ہو ایسی اسٹوری بڑا چل میں ضرر ہوئی چاہئیں یہ آج کل کو مزید وقار اور وسعت دین کی ان شاء اللہ اور اس طرح کی اسٹوری ایمان کو خوشی عطا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ "دوسری ماں" افسانہ اچھا تھا۔ "عشق بے درد" اچھا ناول تھا۔ "یہ سب تمہارا کرم ہے" کا "بہت ہی بہترین کہانی تھی تم سے حرا آ گیا۔" "عہد نئے سال کا" افسانہ بھی اچھا تھا۔ "دل میں کچھ ہے" تھے "افسانہ بھی بہترین تھا" "چھوٹی سی بات" اور "سر پرانہ" تھی اچھے افسانے تھے۔ بیاض دل، ہم سے پوچھئے آئینہ در جو اپنے لب نیرنگ خیال یادگار لے اوروش خاتون بھی بہت اچھے تھے پڑھ کے حرا آ گیا۔ ام مریم ویل ڈن آپ نے بہت اچھی کہانی لکھی تھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور ہاں ملک وقوم کے لیے دعا ضرور کریں گے۔ اللہ اس مسلم ریاست کو قیامت تک قائم رکھے آمین والسلام۔

ہلا گزرا اگر کبھی ایسا کو پرچا آپ کو ملا کرے تو آپ نے جس دکان دار یا باکرے لیا ہوا ان کو ویسے کر تبدیل کر لیا کریں اور یہی سب بات سب بہنوں کے لیے بھی ہے۔

مصباح عوف شبلی شیر..... حافظ آباد۔ السلام علیکم اتمام لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو پیار بھرا سلام آج میں نے ہمت کر کے قلم اٹھا ہی لیا۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" اس نے مجھے قلم اٹھانے کے لیے مجبور کیا ہے۔ یہ کہانی واقعی ہمارے لیے ایک سبق ہے اور نیز آئندہ بھی اس طرح کی کہانیاں شائع کرتے رہے گا اور باقی کہانیاں وہ بھی لکھی ہیں لیکن مجھے "حکم اذال" کا ایڈٹ شائع نہیں ہوا نیز اس کو دوبارہ شائع کر دیں اور اب اجازت چاہتی ہوں اللہ کرے کہ آج کل دن گئی اور رات چوٹی ترقی کرے آمین۔

ہلا گزرا تم اذال کا ایڈٹو شائع ہو گیا تھا نا غروری کے شمارے میں۔

سعیدہ کنول..... ستیانہ۔ السلام علیکم آج کل کے تمام اسٹاف کو پیار بھرا سلام۔ امید ہے آپ سب صحت و ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ اب آتے ہیں رسالے کی طرف فروری کا شمارہ بہت زبردست ہے۔ مجھے اس کے سارے سلسلہ وار ناول "موم کی محبت" ٹوٹا ہوا تارا مجھے ہے حکم اذال "سہ بہت پسند ہیں۔" مجھے ہے حکم اذال "کا ایڈٹ بہت اچھا لگا۔" "دوسری ماں" پڑھ کر دل اداس ہو گیا "کروں سجدہ ایک خدا کو" بہت زبردست لگا باقی سارا شمارہ بھی اچھا ہے اللہ حافظ والسلام۔

نادیہ یسین..... ساہیوال۔ آج کل اس دفعہ خانا۔ توقع 24 کول گیا سرورق دیکھتے ہی غرور لگایا پر کھٹ۔ پہلے بات کرتی ہوں سلسلے وار ناولز کی "موم کی محبت" کے کرداروں کی طرح ہم خود بھی اچھے ہوئے ہیں کہ کس کو کیا مشورہ دیں۔ مندر کو کہیں کر دل بڑا کر دے مٹی ڈالو یا ریبا سے کہوں جو بیباک کا نایا شرمین کو مشورہ دیں کہ بھتی بولی بیسٹ ہے یا عارض۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" جہاں شہوار "مصلحتی کے ملن" نے خوش کیا دل باغ باغ ہوا اتنا کہ ہم صحت سے لگانے والے ہو گئے (بھٹی خوشی کے مارے)۔ وہیں انا اور نید سوسیدہ یسینا: انکار کی سوچے گی اب۔ ام مریم آپی ویل ڈن کیا انتظام کیا دل جھوم گیا آپ کے اس ناول سے کوئی ایک بھی بھارت یا گیا ہمیں ایک بہت بڑی تھی جسے میں آئی۔ سیدہ غزل نے بھی بہت اچھا ایڈٹ کیا ایک ایمان افروز روح کو کرم دے بڑی دانی تحریر کے لیے بہت بہت شکر ہے۔ "عشق بے درد" فیضان جیسے دوستوں کے لیے ہی کہا گیا ہے کہ ایسے دوست کی محبت سے تمہاری بہتر پرورش کو خود اچھے برے کی تمیز نہیں تھی؟ پائل۔ صابو نوڈ ویل ڈن یہ چھوٹی سی بات ہی عورتوں کا مان وغرور ہوتی ہے افسانے ناول بھی اچھے تھے چاروں نٹ کھٹ۔ بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ راجا سلم لگی ہیں جو ایسے شوہر ملے آپ کو آئینہ میں فریجہ شبیر ماریہ کنول کے تبصرے بہت اچھے لگے۔ عائشہ پرویز (کساچی) مان لیا عارض کہ آپ بہت مصوم ہیں (میری طرح اہلہا)۔

فیضہ جٹ..... 132 جنوبی۔ السلام علیکم! کیوٹ سی شہلاؤ آپی اس دفعہ آج کل 2 کول گیا ماڈل اچھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے "مجھے ہے حکم اذال" پڑھا مریم آپی بہت ہی مزے کا ایڈٹ کیا میری طرف سے مبارک باد پھر چلا تک لگائی

زندگی کا مقصد شہادت ہی ہے۔ "دل میں کچھ دوسے تھے" بہت اچھا افسانہ اور ایک حقیقت تھی۔ واقعہ ہی شک رشتوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ نیرنگ خیال میں مدحت "مصطفیٰ" ہے بسی تمنا اور ایک شام اچھی لگیں۔ یادگار لمحے میں عتوہ پوس سبط الرحمن، شگفتہ خان اور روبی علی نے اچھا لکھا۔ "بنا دل میں ساڑھ جب زہد پروین اور عائشہ پرویز کے اشعار اچھے لگے۔ نازیبا آبی کے سوالوں کے جواب بہت اچھے تھے اس کے علاوہ سب سے ممکن بات یہ کہ میری فوری ترین رائے مریم نے اپنے تحریری سفر کا اختتام کر دیا ہے یقین مانیں آبی جان کر بہت دکھ ہوا لیکن رب سے دعا ہے کہ آپ جہاں بھی رہیں خوش رہیں آج کل کو ایڈوانس میں سال گرہ بہت بہت مبارک ہو۔

پروین افضل شاہین..... بھاولنگر۔ پیاری باجی شہلا عا مر صاحبہ السلام بیگم! اس بار بہت ہی جاؤب نظر سرورق نے دل موہ لیا۔ نازیہ کنول نازی سے سوالات اور ان کے جوابات بہت ہی اچھے لگے سلسلے وانا اور عمل ناز ناولت تو ہوتے ہی لا جواب ہیں۔ افسانوں میں "چھوٹی سی بات" نغمہ نئے ساں کا دوسری ماں ستارہ سحر زہی "سی" پسند آئے۔ ارم کمال! ایسے بڑے شاعر اچھے اچھے انجمن انجمن کے اشعار بشری نویدہ باجوہ سب اس گل کی فریسیں دعا ہاشمی روبی علی کے یادگار لمحے مدیحہ نورین ملک سیدہ جیاعہ اس عائشہ صدیقہ کے سوالات پسند آئے۔ ہماری دعا ہے کہ آج کل اور عروج حاصل کرے آمین۔

سمیرا مشتاق ملنگ..... اسلام آباد۔ السلام بیگم! آبی جان آج کل کے تمام قارئین کو میری طرف سے سلام۔ ہمیشہ کی طرح اس ماہ کا آج کل بھی زبردست تھا بڑے عرصے کے بعد پھر آج کل کی طرف آئی ہیں کیونکہ پچھنے کچھ ماہ بہت ہی مصروف گزرے مگر یہ کیا کتاب بھی بھول گئیں۔ "کردن بجدہ ایک خدا کو" یہ ایک نئی کاوش اچھی لگی اس کے علاوہ "عشق بے ورد" پسند آئی۔ بیاض دل میں ارم کمال! ایسے بڑے شاعر اور سحرش خان کے انتخاب بیست لگے۔ دوش مقابلہ میں عربی چھٹی بہت مزے کی گئی۔ اس دعا کے ساتھ اہ زت دیں کہ اللہ پاک آپ کو آج کل کی پوری نیم اور سارے لکھاریوں کو برائے دن کامیابی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

طیبہ مریم..... تونسہ شریف۔ پیاری آبی کیا حال ہے؟ میں آج کل بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس کے تمام سلسلے لا جواب ہیں مگر "ٹوٹا ہوا تارا" میرا موٹ فوری ناول ہے۔ "مصطفیٰ اور شہوار کے ساتھ ساتھ انا اور ولید کا کردار بہت ازیں کو بنے لگتا ہے انارام کا اثر ہے اس لیے ولید کو کچھ نہیں بتائی۔ "مجھے ہے تم ازاں" میں سکندر راہ لاریب کو مزے سے پڑھتی تھی اس کا تو خیر اینڈ ہو گیا مریم آبی سے گزارش ہے کہ بہت جلد نئے ناول کے ساتھ ہمارے مزے والہیں لوٹا میں۔ "موم کی محبت" میں عارضہ صفدر زہرا شرمین بوبی، مہج احمد سب اچھے لگے ہیں بھی الجھادیج ہیں۔ "کردن بجدہ ایک خدا کو" اس کا اینڈ اچھا لگا باقی رسالہ بھی زبردست ہے۔

وثیقہ زہرا..... سمندری۔ السلام بیگم! پی کیا حال ہیں میری طرف سے سپہ انڈیا اور قاری بہنوں کو سلام۔ فروری کا آج کل 25 تاریخ کو لکھا گیا معمولی جہ وازت سے فیض یاب ہوتے ہوئے "مجھے ہے تم ازاں" کی طرف بڑھے۔ ام مریم نے بہت خوب صورتی سے کہانی کا اینڈ کیا جہاں رشتوں کا اتنے اچھے طریقے سے ملاپ ہوا ہی قرآن پاک سے بہت سی بہنوں کی اصلاح ہوئی۔ ہر کردار بہت خوب صورتی سے اختتام تک پہنچا۔ ام مریم کو بہت مبارک ہوا تھا اچھا ناول لکھنے پر۔ "ٹوٹا ہوا تارا" واہ جی واہ حوالہ اور کاوش کی ہمت کو داد دینی چاہیے گی کس ویڈیو لیری سے دوسروں کا لکھ خراب کر رہی ہیں۔ "موم کی محبت" بہت اچھا جا رہا ہے۔ "کردن بجدہ ایک خدا کو" بہت ہی پسند آیا باقی ناولت اور افسانے بھی اچھے تھے

☆ اب اگلے ماہ کے رخصت اس دعا کے ساتھ کہ رب تعالیٰ ہمارے ارض وطن پاکستان کو شہیدین سے شہر سے محفوظ رکھے اور ہم سب پر اپنا رحم و کرم نازل فرمائے آمین۔



aayna@aanchal.com.pk



تمہے پوچھتے

شماثلہ کاشف

عزیز یونس..... حافظ آباد

س: شہمی آپلی! آپ کو میرا آنا پھر آنا اور پھر آنا کیسا لگا؟

ج: بالکل ویسا ہی جیسا کہ.....

س: شہمی آپلی اگر میں سیاست میں آ جاؤں تو آپ

ووٹ کسے سہویں گی مجھے یا.....؟

ج: تمہارے میاں جی کو کیونکہ وہ بھی مظلوم عوام میں

شامل ہیں۔

س: آپلی مجھے آپ اور آپ کا شہر بہت پسند ہے کیا

آپ میری دعوت کریں گی؟

ج: مکھن اچھا لگا یا ہے مگر برا نہیں۔

س: ہائے اللہ جی شہمی! قسم سے کسی بڑے سوہنے

لگدے لیاؤ آخر فیس پر کپ لگایا ہے؟

ج: تمہیں بتاؤں تاکہ تم بھی لگا کر میرے جیسی خوب

صورت ہو جاؤ۔

جاننیہ مغل..... مللیانی سرگودھا

س: آپلی کسی ہو سردی کسی لگ رہی ہے؟

ج: ہیں کہل کی سردی کسی سردی نہ ہاں تو گسٹری ہے۔

س: آپلی! سردیوں کی سب سے بہترین انجوائے

منٹ کیا ہے؟

ج: غالباً نوڈل شیڈنگ سے نجات مگر اب وہ بھی

نہیں.....

س: آپلی تھے سرائے کے لیے آپ کا کیا ارادہ ہے

میرے ہارے ٹرا؟

ج: بس: عا ہے کہ تم سدھر جاؤ۔

ارم نکال..... فیصل آباد

س: شماثلہ جی! آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا باتیں

ہوتی ہیں؟

ج: آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوتے ہیں۔

س: بس اک صنم چاہے بھلا کس لیے؟

ج: گھر کے کام کروانے کے لیے۔

س: وہ ہمیشہ دل کو جلائے گا سب ہی کیوں بنتے ہیں؟

ج: ضرور شوہر نامدار ہوں گے۔

س: شماثلہ جی! زندگی لی کتاب میں کون سا صفحہ سب

سے دلچسپ ہے؟

ج: اول صفحہ۔

س: شعر کا جواب دیں۔

پاؤ ماضی بھی اک، عذاب ہے یارب

چھین لے تو تجھ سے حافظ میرا

ج: ایسے شعر کی ٹانگہ تازی ہے کہ شاعر بھی عذاب

میں ہوں گے۔

جائزہ ضیافت مہاشی..... دیول مری

س: ویسے سوچنے کی بات ہے سال میں صرف بارہ

مہینے ہی کیوں ہوتے ہیں نیرہ چودہ اور پندرہ مہینے کیوں

نہیں ہوتے؟

ج: تم سوچو خوب سوچو اس دوران یہ بارہ مہینے بھی گزر

جائیں گے۔

س: تپا ہے ہم اپنے کارڈز کے بیسٹ ڈیویڈنڈ کے لیے

لوڈ بیسٹ کا اتنا شوق ہے کہ اکثر سوئے ہوئے رات کو اٹھ

بیٹھ کر ڈیویڈنڈ شروع کر دیتے ہیں اور آگے تب کھلتی ہے

جب اماں جان ہمارے لیے بالوں کی پٹیاں کو زور سے

پھینکتی ہیں ہم کیا کریں؟

ج: اپنے شوق کے لیے غمی ہو جاؤ۔ ندر ہیں گے بال

نہ پڑے گی بار۔

س: جب ہم خاموش ہو، او اس بیٹھیں تو سب پوچھتے

ہیں ”خاموش کیوں بیٹھی ہو، اور جب ہم چہتے بولتے

پھرتے ہیں تو پھر بھی سب پوچھتے ہیں ”اتنا چپک کیوں

رہی ہو؟ آپ ہی بتائیں، ہم کیا کریں؟

ج: تمہیں بھی تو مینا کر رہی اداں بلبل بننے کا شوق

ہے نا۔

س: جب ہم چہتے ہیں تو بھی آنکھیں لبالب بھرا آتی

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 3.13

ہیں اور جب لواحق میں روتے ہیں تو بھی..... اور جب کوئی اپنائیت اور پیدائش سے گلے لگاتا ہے تو بھی..... بھلا کیوں؟
ج: رونے اور دلانے کے علاوہ بہت کام دنیا میں۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

س: شائیکہ جی کیسے مجھے یاد کیا یا نہیں؟
ج: آپ نے تو کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ آپ کی یاد بھی کتنا ہے۔
س: شائیکہ جی ہاتھ مل جانے تو مرہم لگاتے ہیں دل جل جائے تو کیا کرتے ہیں؟

ج: جل نکلن جاتے ہیں تمہاری طرح۔

س: تنہائی میں آنسو بہانے کا بہانہ کب بنایا جاتا ہے؟
ج: اب تنہائی کا میسر ہونا مشکل ہے لوڈ شیڈنگ بہت ہوتی ہے اس میں آنسو بہاؤ۔

س: شائیکہ جی سردی جاتی نہیں رہتی ان سردیوں کے موسم میں آپ نے حفاظتی اقدامات تو کر لیے تھے نا؟
ج: ہم نے تو کر لیے تھے اپنا حال سناؤ بتیسی کہاں رکھ کر بھول گئی تھی۔

س: شائیکہ جی! پروین افضل شاہین صاحبہ مجھے مخاطب نہیں کر رہی ہیں آپ ان سے پوچھئے نا کہ کیا وہ ناراض ہیں؟

ج: یہ سلسلہ ہم سے پوچھنے تک سناپ خود ہی پوچھئے۔
س: آپ خوب صورت ہوئی جلد ہی ہیں خوش اخلاق بھی وجہ کیا ہے؟

ج: اب ہر بات بتانے کی ہوتی نہیں نا.....

سحرش بٹ..... دیند

س: آدابہ نئی جی اہلی پاؤں کی ہوں جلد ملے گی؟
ج: میز کے نیچے چلی جاؤ آئی جی.....

س: آنٹی جی مجھے دادی انی ہر وقت گھر کے کاموں کا کہتی رہتی ہیں کہ اگلے گھر جانا ہے مگر ہمارے گھر سے کوئی اگلا گھر ہے ہی نہیں۔

ج: یہ تو دادی کو بتاؤ کہ تمہیں اگلے گھر نہیں دراصل پہلے گھر جانا ہے۔

س: آنٹی ملی اپنے بچوں کو ت گھر میں کیوں گھماتی ہے؟

ج: آنٹیوں گھر میں بچے بڑے ہو جائیں اس لیے۔
نجمہ انجم..... کورنگی کراچی

س: محبت کے پھول سجا کر روانہ کر دی ہوں مسکرا کے قبول فرمائیں۔

ج: آپ کے پھول تو ڈاکیا۔ لہاڑا۔
س: اگر آپ کو آسمان کی حکومت مل جائے تو ستاروں سے کس کا نام لکھیں گی؟

ج: نجوم ستارہ تو ترکیبات میں اب پرانی ہو گئی ہیں جناب!
س: تین سالوں کے بعد پورا آئی ہوں آپ کا سر کھانے کے لیے لفت ملے گی یا یوں لوٹنا پڑے گا؟
ج: ہمارا سر کھانے کے لیے ہمارے سر پر کچھ بچا ہی نہیں بچا۔

خدیجہ نور..... مڈیاں قصور

س: شائل آئی آپ میرے سوالوں کے ایسے جواب دیتے ہیں کہ میری آنکھوں کے آگے تارے ڈانس کرنے لگتے ہیں اور دانٹ تو ایسے غائب ہوتے ہیں کہ جیسے بتیسی کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں اب ایسی بھی کیا دشمنی ہے؟

ج: دن میں تارے دکھانا ہمارا کمال ہے اور آپ کی بتیسی کا غائب ہونا آپ کے میاں جی کا کمال ہے۔

س: آپنی وہ جو روئی کی نوکری ہے وہ آپ کی خالہ لگتی ہے یا پھر آپ اس کی خالہ لگتی ہیں؟

ج: ہماری کچھ نہیں لگتی البتہ آپ کی ساس لگتی ہے جسی آپ کی ڈاک کھا جاتی ہے۔

بنیہد پاکستان بشار..... بھکر

س: پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں آ رہی ہوں مجھے خوش آمدید کہیے کیونکہ یہ میرا حق بھی ہے اور آپ کا فرض بھی۔

ج: حقوق و فرائض کی بارانہ مت کرو ورنہ تم ہی پھنس جاؤ گی۔

س: یہ چینی اتنی چٹی کیوں ہوتی ہے؟

ج: یہ چین جا کر پتا کرو۔

لائب مہر..... جعفر دانک

س: سبھی ڈاکٹر چشمہ کیوں پہنتے ہیں کیا سبھی کی نظر

کمزور ہوتی ہے؟
 ج: ڈاکٹروں کی نہیں غالباً آپ کی نظر کا فتور ہے کہ ہر
 ڈاکٹر چشمے والا ملتا ہے۔
 س: جسے بھی ہم دیکھ لیں پلٹ کر اسی کو اپنا
 غلام کر لیں۔
 ج: بس پھر انہیں پلٹ کر ضرور دیکھنا تاکہ وہ جوہو کے
 غلام بن جائیں۔
 س: بولی وڈ کی سب سے خوب صورت اداکارہ اشویا
 رائے سے اور بولی وڈ کی؟
 ج: فلم بن جاؤا بھی جگہ خالی ہے۔
 ماریہ کنول رہا ہی..... چک ورکاں
 س: آپنی میں جب بھی آئینہ دیکھتی ہوں تو ڈر جاتی
 ہوں کیونکہ اس میں آپ کا.....؟
 ج: عکس نہیں ہوتا بلکہ تمہارا اپنا عکس ہوتا ہے ڈر تو
 لگے گا ہی۔
 س: اچھا جی اجازت دیر اچھی ہی دعا اور نصیحت کے
 ساتھ۔
 ج: بسدا خوش رہو نصیحت اپنے خرچے پر جم کر جیو۔
 منگ خلیل..... نامعلوم
 س: نہاں جی بالکل ٹھیک پہچانتا میں نئی ہوں؟
 ج: نئی ہو یا نہیں ہونی چاہتا نا۔
 س: نارے نارے میری یاں بلا رہی ہیں ناے ناے ناے۔
 ج: ان کو بتا کر نہیں آئی تھیں چلو اب جوتے کھاؤ دس
 نمبر کے۔
 رشک وفا..... برنالی
 س: ٹھک ٹھک ٹھک..... آپنی پہلی مرتبہ آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اسلام قبول کیجیے۔
 ج: وہ ٹیکہ اسلام۔
 س: مہزم ہے بڑا قافل کھو جائے گا نا..... کیا کھو
 جائے آپنی؟
 ج: آپ کے پلو سے بندھا گدھا۔
 س: آپنی! آپ کو ہر ماہ اتنے سوالات ملتے ہیں اتنے

دکھتے جواہات کہاں سے لانا ہیں؟ کون سا کمپیوٹر فٹ
 ہے آپ کے دماغ میں؟
 ج: قدرتی آپ کے سر میں تو بھوسا بھرا ہے نا۔
 س: بیوی کے لیے تو شوہر مجازی خدا اور شوہر کے لیے
 بیوی؟ ہوں ہوں اتنا پیئے نا؟
 ج: ساری زندگی کی سزا۔
 س: آپنی گرمیاں آنے والی ہیں پھر ٹینشن
 اوڈ شیڈنگ کی؟
 ج: تو اب بھی کون سا ٹینشن فری ہیں ہم تم ہونا۔
 پروین افضل شہین..... بہاؤ لنگر
 س: میرے میاں جانی پرس افضل شاہین کی شکل
 دیکھتے ہی مجھے کے بچے رونے کیوں شروع کر دیتے ہیں؟
 ج: وہ ان کی چیزیں جو نہیں کرکھا جاتے ہیں تم
 کھانے کو جو نہیں دیتیں۔
 س: اپنی خوب صورت سہیلیوں کو اپنی میاں جانی سے
 کیسے دور رکھوں؟
 ج: سہیلیوں کے سامنے میاں کی جھوٹی تعریف کرنا
 چھوڑ دو۔
 س: جب وہ ہنستے ہیں نہ بھلا مجھے کیا شکت ہونے
 لگتا ہے؟
 ج: کسی اور کو دیکھ کر نہیں رہے ہوں گے ورنہ مجھ میں تو
 ایسی کوئی بات نہیں۔
 شیریں..... مومن
 س: اچھا! اتنے دنوں بعد برآنا کیسا لگا؟
 ج: ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح۔
 س: شائکہ آپنی ہمیشہ اپنے ہی کیوں نقصان
 دیتے ہیں؟
 ج: لو بھی تمہیں اتنا بھی نہیں پتا غیر ہمیں جانتے
 جو نہیں۔
 س: میرے جسم پر خنجر تو بہت لگے تھے
 سر اٹھا کر دیکھا تو اسنے کھڑے تھے
 ج: جھک گئے تمہاری فضول کی بگو اس سن کر۔

نے بھی۔

عائشہ پرویز..... کراچی
س: آپ جی میں تکی ہوں ویلکم کریں نموسال میں (عی
عی ہی)

ج: نئی نہیں آپ بہت پرانا ہونوہ بھی بہت۔
س: سورج ہوا مدھم چاند چلنے لگا میں ٹھہرا رہا زمین
چلنے لگی آپ کی کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے؟
ج: کون پہلا پیار ہے یہ آتا تو بتاؤ۔
س: لوگ ستارے چاند تو زلزلے کی بات کرتے ہیں
سورج کیوں نہیں؟

ج: بہت گرم ہوتا ہے پھر کیسے لے کر آئیں گے ہاتھ
اور منہ دونوں جل جائیں گے۔
س: آپ جی یہ امی سب بچوں کو چندا مانا کیوں کہتی ہیں
سورج مانا کیوں نہیں؟

ج: کیونکہ ہر مانا کے سر پہ چاند ضرور ہوتا ہے ویسے تم
اپنے بچوں کو یہ بھی پڑھا دینا۔

فریح شیبیر... شاہ عکڈر

س: ہمیں اڑتی اڑتی خرطی تھی کہ آپ نے ہمیں
یاد کیا ہے؟
ج: اس لیے کہتے ہیں کہ اڑتی خبر پر کان مت
دھرا کرو۔
س: میں تو سمجھتی تھی کہ آپ بھول گئی ہوں گی؟ یاد دلانا
بھی مشکل ہوگا؟

ج: میں باوام کھاتی ہوں، ہزاری طرح کتھوں نہیں۔
س: ویسے آپ بھولنے والوں کو یاد کیسے دلا یا جائے؟
ج: کوئی تھنڈے کر اور وہ بھی مہنگا والا۔



س: آپ جی نیا پاکستان کب بنے گا؟

ج: پہلے اس کے قرض تو اٹار دو تم پہلے ہی مقروض ہو۔
س: ابھی ہی وعدے کر رخصت کریں؟
ج: سدا مسکراتی رہو۔

عابد محمود..... ملکہ ہانس

س: ذییر شام آئی اکئی سالوں کے بعد آپ کی محفل
میں حاضر ہوں امید ہے کسی کو نے میں جگہ ضرور ملے گی؟
ج: چوہے کے بل میں محس کر بیٹھ جاؤ اسے نما مان
گئیں چلو میز کے نیچے بیٹھ جاؤ۔
س: آپ جی بعض حادثے چپ چاپ گزر جاتے ہیں مگر
ان کی کسک بعد میں کیوں بڑھاتی ہے؟

ج: کون سے حادثے کی بات کر رہی ہو پہلے وہ بتاؤ۔
س: ایسا! آج کل خلوص و وفا کو بھی دولت کے ترازو
میں تولی جاتا ہے؟
ج: عام ترازو ان کا وزن برداشت نہیں کر سکتا
اس لیے۔

کوثر خالدہ..... جڑانوالہ

س: شامک! لبوں پر گوند جو چپکائی تو سوالات کی ہارش
امنڈ پزی بتاؤ کتنے سوال کروں؟
ج: سب کرو مگر اس طرح کے فضول سوال مت کرتا۔
س: میری زندگی میں آنے والی پانچویں شامکہ ہیں
آپ کیا خیال ہے ہر شہرے نکا؟
ج: پہلے چار سے قبرت کے بعد اب ہم پر لائن مارو گی
آف اللہ۔

شہزاد بلوچ..... جھنگ صدر

س: آج پھر تم پہ پیار آیا ہے بے حد اور بے شمار آیا
ہے..... لوہم بھی آگے پھر آپ کے پاس۔
ج: ہمارے پاس آنے کی بجائے ہاتھ روم جا کر گانے
کا شوق پورا کر لو۔

س: ہر سانس کو اپنی بہو اور ہر بہو کو اپنی سانس سے
شکایت کیوں ہوتی ہے؟
ج: کیونکہ سانس بھی کبھی بہو تھی ضرور یہ دیکھا ہوگا تم



بوسبونا کنہ و اشہم مرزا

کا قد چھوٹا ہے عمر 18 سال ہے اس کے لیے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CALCIFLOR-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور تین کو قد بڑھانے کے لیے CALC. PHOS-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BIARIUM-CARB-200 کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

غلام مرید فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر کوئی موثر علاج بتائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سیکنڈ بی بی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بند نزلے کی شکایت ہے جو سردی کا موسم شروع ہوتے ہی ہو جاتا ہے اور میرے سر کے بال بھی سفید ہو رہے ہیں۔

محترم AMMON CARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ 700 روپے کا مٹی آرڈر میرے کینڈک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ HAIR GROWER آپ کے گم پختی جانے گا اس کے استعمال سے بال سفید ہونا اور گرتا بند ہوں گے بال بے گنتے اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

صبا مرزا فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ 20 سال سے مجھے کانوں کا مرض لاحق ہے دونوں کان بہتے ہیں اور سوراخ ہو گئے ہیں۔

محترم آپ TELLORUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

میرا ٹوبہ فیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں APHRODITE کا استعمال کیا ہے بالوں کو جلدی ختم کرنے سے، لیے اس کے ساتھ کوئی

سدرہ بتول پیر محل سے لکھتی ہیں کہ چہرے کے بالوں کو ختم کرنے کے لیے آپ کا APHRODITE استعمال کیا تھا کافی حد تک بال ختم ہو گئے ہیں باقی بالوں کو ختم کرنے کے لیے مزید استعمال کرنا چاہتی ہوں اس کے علاوہ میرے کانوں کا مسئلہ ہے۔ بہت کم سنائی دیتا ہے اس کا بھی کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ کان کا مسئلہ کان کے ڈاکٹر کو دکھائیں ایفروڈائٹ استعمال کرنے کے لیے 900 روپے کا مٹی آرڈر میرے کینڈک کے نام پتے پر ارسال کر دیں جب تک کھل طور پر بال نکلنے بند نہ ہو جائیں ایفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں۔

عمران خان گوجراں سے لکھتے ہیں کہ اچھی خوراک کے باوجود میں بہت کمزور اور دبلا پتلا ہوں کوئی خوراک میرے جسم کو نہیں لگتی میرے مسئلے کا بھی کوئی حل بتائیں۔

محترم آپ ALFAIFA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ جو ابی لغافہ بھیج کر ضائع نہ کریں براہ راست جواب نہیں دیے جاتے۔

ایم ایچ گوجر خان سے لکھتے ہیں کہ 5 ماہ سے میرا پیشاب بند ہے نکلی گئی ہوئی ہے ڈاکٹر ڈا پریشن بتاتے ہیں کیا ہو میو پیجٹی میں اس کا کوئی علاج ہے۔

محترم آپ SABALSERIETTA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

سارہ بی بی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپریشن سے بچے کا پیدائش کے بعد میرا پیٹ بڑھ گیا ہے کوئی ایسی دوا لکھیں کہ میرا پیٹ کچھ تو کم ہو جائے دوسرے میری بہن

آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔
حامد چوہدری لاہور سے، لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور ہیرنگ۔ دوڑ کی مزید تین چار بوتلیں استعمال کریں۔

سلاویہ خان ٹوبہ ٹیکہ منگھ سے لکھتی ہیں کہ میری کمر میں درد رہتا ہے پھٹوں میں شدید کھنچاؤ رہتا ہے کافی علاج کروائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا برائے مہربانی اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ RHUSTOX-3X کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سزائیس علی سومر وحید آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ نے بہت سی بیماریوں کا لکھا ہے آپ کلینک پر تشریف لائیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

عائشہ شہناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بار بار پیشاب آنے کی بیماری ہے میں بہت پریشان رہتی ہوں دوسرا میری امی کو دباؤ کی بیماری ہے اس کا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CALISTICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں آپ کی امی کی بیماری سمجھ نہیں آئی ان کی مکمل کیفیت لکھیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

بشری عطاء اللہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر جھانیاں ہیں اور رنگ بھی سالوا لا ہے کوئی ایسا علاج بتائیں کہ رنگ صاف اور چہرہ شفاف ہو جائے۔

دوا بھی بتائیں۔
محترم آپ OLIMUMJAC-3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں ایفروڈائٹ کا استعمال بھی جاری رکھیں۔

محمد عمر شیخ پورہ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ دوسرے میرے دوست کا مسئلہ ہے کہ کاسٹھی خوراک کھانے کے باوجود صحت نہیں بنتی۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔

محترم آپ ACIDPHOS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
نوشین مشتاقی لودھراں سے لکھتی ہیں کہ میرے بال

گھنے ہیں مگر لمبے نہیں ہوتے کیا HAIR GROWER کے استعمال سے میرے بال لمبے ہو جائیں گے مجھے کتنی بوتلیں استعمال کرنا پڑیں گی ہیرنگ کر دو رنگوانے کا طریقہ بھی بتائیں۔

محترم آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے آپ کے بال لمبے بھی ہو جائیں گے۔

حیرا کیانی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے ہیں جو داغ چھوڑ جاتے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ GRAPHITES-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

صبا طاہر ٹوبہ ٹیکہ منگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور چھوٹے پتلے کمزور ہیں۔ دوسرا میری بہن کا مسئلہ پیشاب بار بار آنے کا ہے۔ کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ CAUSTICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور آپ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں HAIR GROWER

آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس پر لکھی ہوئی ترکیب کے استعمال سے ان شاء اللہ ہاں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے آپ کو چار پانچ بوتل استعمال کرنا ہوں گی۔
خالد عمران جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ چا کریں۔

آمنہ حامد خانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میری امی کا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے دوسرا میرا بھانجی کا مسئلہ ہے اس کی عمر 12 سال ہے وہ اپنی عمر سے زیادہ لگتی ہے اور بہت موٹی ہے۔ کوئی ایسی دوا تجویز فرمادیں جس سے وہ اسٹارٹ ہو جائے تیسرا مسئلہ میرا اپنا ہے میری عمر 25 سال ہے میرا ایک بیٹا بھی ہے دو سال کا میری چھاتی میں گلٹی بن گئی تھی جو بہت سخت تھی اور درد بہت ہوتا تھا آپ کی دوا کے استعمال سے اب ٹھیک ہو گئی ہے مگر بریسٹ کافی حد تک لگ گئے ہیں اور تقریباً سارا جسم ہی بے ڈول ہو گیا ہے اور میرے سر کے بال بھی بہت تیزی سے گر رہے ہیں کیا میں BREAST BEAUTY استعمال کر سکتی ہوں اور HAIRGROWER۔

محترمہ آپ CALC FLOUR-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔
PHYTOLACCA BARRY (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔ آپ مبلغ 1250 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دینا بریسٹ بیوٹی اور ہیکر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے۔

محمد عمران بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ جس طرح آپ دگی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ چا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پی لیں۔

عاصمہ اقبال، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ چا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے ہر 15 دن میں ایک بار چا کریں۔

سارہ بیگم کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ نے جو لمبی کہانی لکھی ہے اس میں کسی مرض یا تکلیف کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف فون پر باتیں کرنے سے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی اس لیے آپ بے فکر رہیں یا کوئی اور معاملہ ہے تو صاف صاف بتائیں صبح 10:10 یا شام 6:30 بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

ارشد عرفان عارف والا سے لکھتی ہیں کہ میری بھانجی کی عمر 17 سال ہے قد چھوٹا ہے اس کی دوا بتادیں۔

محترمہ بھانجی کو آپ CALC PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM CARR-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پلائیں۔

شبنم اخترہ شیخ پورہ سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کے چہرے اور تھوڑے شیخ پورہ کے نیچے مردوں کی طرح موٹے موٹے بال نکلتے ہیں میری بہن کی شادی 4 ماہ بعد ہے پلیز اس کی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔ اپنا پتا وہ لکھیں جس پر آپ کو آسانی سے ڈاک مل جائے۔ APHRODITIE

کی تکلیف ہے پیشاب کر کے، کے باوجود قطرے گرتے رہتے ہیں ڈاکٹر آپریشن تجویز کرتے ہیں کیا ہومیو پیتھی میں اس کا کوئی مناسب علاج دوا کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

محترم آپ COMIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کریں۔

عالیہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے یوزس میں رسولی ہے ڈاکٹر یوزس نکالنے کا مشورہ دیتے ہیں میں غیر شادی شدہ ہوں آپریشن نہیں کرا تا ہمتی آپ کو بڑی امید سے خط لکھ رہی ہوں کہ آپ میرا مسئلہ حل کریں گے۔

محترم آپ AUR MUR کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کر رہیں۔

صدف راولپنڈی سے لکھتا ہے کہ مجھے سیلان کا پرانا مرض ہے اس کے ساتھ کمر میں شدید درد رہتا ہے میں کوئی معنت کا کام نہیں کر سکتی میرے لیے بھی کوئی مناسب علاج تجویز کریں تاکہ میں بھی صحت مند ہو سکوں

محترم آپ OVATESTA-3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔

یوسف حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ CALCAREE-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کریں۔

ملاقات اور مٹی آرڈر کرنے کا پتہ۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک، دکان نمبر 5-C کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-4-1 اتار تھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتہ آپ کی صحت، ہانسا محلہ پوسٹ بکس 75 کراچی۔



محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کریں۔

منیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ مجھے کئی ایسی بیماریاں ہیں جو علاج کرانے کے باوجود ختم نہیں ہو رہی ہیں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں آپ میرے مسائل کا حل بتائیں۔

محترم آپ صبح 10 تا ایک بجے یا شام 6 تا 9 بجے اپنی تمام رپورٹس کے ساتھ کلینک پر تشریف لائیں اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔

نسیم بیگم ملتان سے لکھتی ہیں کہ مجھے پیشاب میں شدید جلن ہوتی ہے بہت سے علاج کرائے وقتی طور پر کی آئی ہے کیا میرا بھی کوئی علاج ہے؟

محترم آپ CANTHARIS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کریں گرم اشیا سے پرہیز کریں ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر ذکیہ خان لاہور سے لکھتی ہیں کہ ایک مریض کی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں جو دوائی استعمال کرائی ہیں وہ بھی لکھ رہی ہوں آپ اپنے تجربے کی روشنی میں کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترم آپ LEDUM PAL-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بچا کریں۔

ممتاز بیگم کراچی سے لکھتی ہیں کہ میں ہومیو پیتھی کالج میں تھریڈ ایئر کی طالب ہوں مجھے پریکٹس کرنے کے لیے اچھے ہومیو پیتھی ڈاکٹرز کی ضرورت ہے جو ہومیو پیتھی میں سنگل ریپڈی استعمال کرتے ہوں۔

محترم آپ میرے کلینک پر تشریف لا سکتی ہیں میرے کلینک پر ہومیو پیتھی فلائنگی کے خلاف کوئی دوائی نہیں ملے گی میرے کلینک پر جو بھی ڈاکٹرز سیکھتے تھے سنگل ریپڈی کی کامیاب پریکٹس کر رہے ہیں۔

عبدالکریم ٹوبہ ٹیک سٹور سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب

نگلی پتلیں

حنا احمد

سردی اور الرجی

سردی عروج پر ہے بلکہ پاکستان کے کئی شہروں میں تو شدید سردی ہے۔ پاکستان پر قدرت کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس کے مختلف حصوں میں ایک ہی وقت میں کئی طرح کے الگ الگ موسم ہوتے ہیں۔ جون جولائی میں اگر اندرون سندھ اور بلوچستان کے کچھ حصوں میں شدید گرمی پڑتی ہے تو کراچی میں موسم کافی جلد تک معتدل ہوتا ہے جبکہ پہاڑی علاقوں میں اچھی خاصی خلی ہوتی ہے اور جن کے پاس وسائل ہوتے ہیں وہ "سیزن" گزارنے ان علاقوں کا رخ کرتے ہیں اسی طرح جب پہاڑی علاقوں، پنجاب اور کونڈہ وغیرہ میں شدید سردی پڑ رہی ہوتی ہے تو کراچی میں سردی قابل برداشت ہوتی ہے بس کبھی کبھی کونڈہ کی سرد اور خشک ہوائیں کراچی کا رخ کر لیتی ہیں تو ٹھنڈ بڑھ جاتی ہے اسی لیے کراچی کے شہری سے مانگنے کی سردی کہتے ہیں جو اسے کونڈہ سے لیتی ہے اور موسم سرما کے دوران وقفے وقفے سے دو تین دن کے لیے آتی رہتی ہے۔

بہت سے لوگ بڑے اشتیاق سے موسم سرما کا انتظار کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگوں کے لیے سردیوں کی آہ کچھ زیادہ خوش گوار نہیں ہوتی اور ان میں صرف سانس اور جوڑوں کے درد کے مریض ہی شامل ہوتے ہیں جن کے امراض موسم سرما میں عام دنوں کی نسبت ذرا شدت اختیار کر لیتے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں پر موسم سرما کے کچھ ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اس میں خشک نہیں کہ لوگوں کی اکثر بیماریاں کے لیے موسم سرما صحت کے کچھ مسائل لے کر آتا ہے۔ بہتر جن میں کئی طرح کی الرجی سرفہرست ہے لیکن آرتھرائٹس، کچھ سردی ہائیم اور تھائیرائیڈائٹس میں رہیں تو ان پر پیشانیوں اور کالیف سے بچ سکتے ہیں۔

طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ سرد اور خشک موسم میں انسانی عزت میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بارش ہونے سے ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ مبارک باد دینے کے انداز میں خوشی خوشی ایک دوسرے سے کہتے ہیں "لو بھئی

خشک سردی پڑ رہی تھی لوگ بیٹا، ہور ہے تھے بارش ہو گئی اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ "خشک سردی" کی وجہ سے لوگوں کو جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے، بارش کے بعد وہ ختم نہیں ہو جاتے صرف ان کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے سردی خواہ خشک ہو یا تر..... بہر حال کمزور لوگ کسی نہ کسی زاویے سے اس کی لپیٹ میں ضرور آتے ہیں، بہت سے لوگوں کو سردی کا سامنا کرتے ہی کسی نہ کسی قسم کی الرجی لاحق ہو جاتی ہے کوئی الرجی دسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے کوئی موٹی بخار کی اور کسی الرجی کے نتیجے میں جلد پر سرخ سرخ دھبے نمودار ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ فلو ہونا یا ٹاک کی کھلی میں سوزش پیدا ہو جانا بھی سردیوں کی عام الرجی ہیں۔

بند گھروں میں زیادہ وقت گزارنے والے لوگ بھی کسی نہ کسی قسم کی الرجی کا جلد شکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ گھر کی محفوظ فضا میں رہنے کے زیادہ عادی ہو جاتے ہیں جب وہ گھر سے نکلتے ہیں تو انہیں مختلف نوعیت کی الرجی پیدا کرنے والی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً ٹریفک کا دھواں، گرد و غبار، شور اور ہوا میں اڑتے ہوئے مختلف چیزوں کے مادیدہ ذرات تاہم بند گھروں میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ الرجی یا بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں بند گھروں میں تازہ ہوا اور آکسیجن کی کمی سے بھی آپ صحت کے بعض مسائل کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اگر بند گھر ہیں آپ ایئر کنڈیشننگ پر انحصار کرتے ہیں تب بھی آپ پر کئی طرح کی الرجی اور بیماریوں کے حملے اور ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ کیونکہ کئی طرح کے جراثیم ایئر کنڈیشننگ یا ایئر کنڈیشننگ کے مرکزی نظام کے مختلف حصوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر جن گھروں میں پالتو جانور موجود ہوں یا جن کے گرد و پیش کا ماحول غیر صحت مندانہ ہو، وہاں ایئر کنڈیشننگ میں مختلف اقسام کے جراثیم کی موجودگی کا امکان زیادہ ہوتا ہے اگر والدین میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی الرجی موجود رہی ہو تو اولاد میں بھی اس الرجی کی موجودگی کا ۳۰ فیصد امکان ہوتا ہے اگر الرجی والد یا والدہ دونوں میں موجود ہو تو پھر اولاد میں اس کی موجودگی کا امکان ۳۰ فیصد سے کافی زیادہ ہو جاتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان صرف موروثی طور پر ہی الرجی کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کرتا ہوگا جس سے آپ الرجی۔ ہیں۔ دونوں صورتوں میں بہر حال آپ کے مستقبل طور پر اس بیماری یا دماغ سے چھٹکارا پانے کی امید کی جاتی ہے جو آپ کو کچھ مخصوص دنوں میں آن گھیرتا ہے۔ مختلف قسم کی الرجی کے لیے بہت سی دعا میں موجود ہیں جو ان چیزوں کا راستہ روکتی ہیں یا انہیں بے اثر بناتی ہیں، جن آپ کے جسمانی نظام میں الرجی کو سبب دار کرتی ہیں۔

الرجی کی بعض دوائیوں میں انجکشن کی صورت میں بھی دی جاتی ہیں کسی کیس میں صرف ایک انجکشن ہی کافی ہوتا ہے جو درحقیقت آپ کے جسم میں دفاعی نظام کو مضبوط بناتا ہے اس طریقہ علاج کو Immunotherapy کہا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ علاج عام طور پر شدید قسم کی الرجی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ آبی اور معمولی الرجی میں بہتر علاج سے بہتر رہتا ہے۔ یعنی جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو کون سی چیز سے الرجی ہے تو آپ اس سے پرہیز کریں اس سے بچیں زیادہ تر لوگوں کو دھوئیں، گردوغبار، ٹھنڈی ہوا، فضا میں اڑتے ہوئے بعض مخصوص چیزوں کے ذرات یا کھانے پینے کی کچھ چیزوں سے الرجی ہوتی ہے ان سے بچنا یا پرہیز کرنا زیادہ مشکل نہیں، بشرطیکہ یہ کہن ہو جائے کہ آپ کو کون سی چیز سے الرجی ہے۔

بند گروں اور دفاتروں میں موجود مادہ مگر الرجی پیدا کرنے والے عناصر سے بچنے کے لیے دن میں کم از کم ۱۵ منٹ کے لیے ضرور کھڑکیاں کھول کر تازہ ہوا کو پورے گھر یا دفتر میں گزرنے کا موقع دینا چاہیے۔ اس سے الرجی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ آفس بلڈنگ یا گھر کے ایر کنڈیشننگ مناسب وقت سے صبح صبح صبح پر صفائی وغیرہ کراتے رہنا بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر ان حصوں کی جن میں جراثیم کے گھر کر لینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے الرجی کسی بھی قسم کی ہوا سے شکست دینا یا ڈاکٹر کی مدد سے اس کے خلاف اپنا بچاؤ کرنا قطعی مشکل نہیں، بشرطیکہ اس کا صحیح علاج لگایا جائے اس طرح آپ صرف موسم سرما سے ہی نہیں بلکہ ہر موسم سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ماہ رخ، بھول..... سرگودھ



شکایت ہو کوئی بھی حصہ کسی بھی قسم کی الرجی کا شکار ہو سکتا ہے۔ سردیوں میں بہت سے لوگ آپ کو چھپکتے کھانستے یا ناک سے شون شون کی آوازیں نکالتے دکھائی دیتے ہوں گے بہت سے لوگوں کی ناک سردیوں میں اکثر بند رہتی ہے اور بعض لوگوں کی آنکھوں سے اکثر پانی بہنے لگتا ہے ضروری نہیں ہے کہ یہ کیفیات صرف وائزل انجکشن کی وجہ سے ہوں اس کی وجہ ہو سکتی ہیں یا یہ ہو سکتی ہیں عین ممکن ہے آپ نے کافی عرصے سے کہیں پیک کر کے رکھے ہوئے سردیوں کے کپڑے نکال کر پہنے ہوں تو ان سے بھی آپ کو الرجی ہو سکتی ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ سردیوں کی آمد سے پہلے سردیوں کے کپڑوں، کپلوں اور ٹانفوں وغیرہ کو دھوپ لگوائی جاتی ہے یہ ایک بہت پرانا رواج ہے لیکن درحقیقت یہ نہایت سائنسی طریقہ کار ہے ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے دھوپ لگوانے کے بعد نہ صرف ان میں سے مخصوص جہک قسم ہو جاتی ہے بلکہ اس بات کا اندیشہ بھی کم ہو جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے آپ کو کسی قسم کی الرجی لاحق ہوگی۔

اگر آپ موسم سرما میں یا کسی بھی مخصوص موسم میں کسی بھی قسم کے مخصوص عارضے میں مبتلا ہوتے ہیں تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ کسی قسم کی الرجی کا شکار ہیں اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد آپ کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں تاکہ وہ کہیں کر کے کہہ سکیں کہ کون سے الرجی ہے۔ اس کے بعد اس کا علاج قطعی مشکل نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں زیادہ تر لوگ ان قسم کے مسائل میں خود ہی اپنے ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور آسانی سے مل جانے والی چھوٹی موٹی دوائی استعمال کر لیتے ہیں جن سے وقتی طور پر افادہ ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت علامات وہب جاتی ہیں اور مسئلہ بڑھتا رہتا ہے۔

اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ الرجی کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ کا ایک سادہ سائمنٹ لے گا جسے Patch Test کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اس چیز تک پہنچ جائے گا جس سے آپ کو الرجی ہے اس کے بعد اگر اس سلسلے میں کوئی دوا موجودگی تو وہ تجویز کرے گا اور آپ کو اس چیز سے خود کو بچانے کا کوئی طریقہ کار وضع